





فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ  
بِمَا شَفَعَا لَكُمْ فِي شَأْنِ الْمَوْتِ ۚ

# أَسْنُ الْفَتَاوَى

بِحذف مكررات وتخریجات فرائض مسائل غیر مهمه

جلد ۱

(۱۸)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ

(وحد تقسیم کنندگان)

الحاج اہم سعید کرمی  
ادب منزل پاکستان چوک بہرائچی

کتبہ محل فاروق سکسٹون





نام کتب \_\_\_\_\_ احسن الفتاوی  
جلد \_\_\_\_\_ اول  
زیر اہتمام \_\_\_\_\_ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی  
ضخامت \_\_\_\_\_ ۵۷۲ صفحات  
کتابت \_\_\_\_\_ محمد فاروق خطاط  
تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار  
پریس \_\_\_\_\_ ایجوکیشنل پریس کراچی  
طبع اول \_\_\_\_\_ ۱۳۹۸ھ  
طبع یازدہم \_\_\_\_\_ ۱۴۴۵ھ  
مکتبہ \_\_\_\_\_ کا پتہ \_\_\_\_\_

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک سناچوک کراچی





## فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد اول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰	سائبہ کی تحقیق	۷	تذکرۃ المؤلف
۵۲	نجوی کو ہاتھ دکھانا	۲۹	تمہید (طبع جدید)
۵۴	خالہ زاد سے پردہ کرنے کو برا سمجھنا کفر ہے	۳۳	تقدیم (اشاعت اول)
۵۵	جی ایم سید، کفر میں جید	۳۴	کتاب الایمان والعقائد
"	نور و بشریت	"	یہ کہنا کہ پیغمبر نے مجھ سے نماز معاف کر دی ہے۔
۵۷	تکفیر مسلم کفر ہے	۳۶	اولیاء اللہ کو متصرف اور عالم الغیب سمجھنا
"	رسائل	"	قبر کو بوسہ دینا
۵۹	ایمان و کفر کا معیار	۳۷	تاریک صوم کافر نہیں
۷۳	حقیقت شیعہ	"	رمضان میں علانیہ کھانے والے کا حکم
۱۰۷	فتنہ انکار حدیث	۳۸	علم اور اہل علم کی اہانت کفر ہے
۱۵۵	ارغام العنید فی میراث الحنفیہ	۳۹	پردہ کو برا سمجھنا کفر ہے
۱۸۷	الرجوم الشہابیہ علی النزقۃ الذکرۃ دالاباضیۃ	"	گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے
۱۹۹	ازالۃ الریب عن مسائل علم الغیب	۴۰	رسالہ التلقین الہدایۃ لمن انکر الکرامۃ پر تبصرہ
۲۱۵	بھڑکی صورت میں بھڑیا	۴۱	چاند پر پہننا شریعت کے خلاف نہیں
۲۸۳	سنان القنا علی محل الربا	۴۲	ڈاڑھی کو برا سمجھنا کفر ہے
۲۹۷	مودودی صاحب اور تخریب اسلام	"	ختم نبوت پر دلچسپ بحث
۳۳۱	نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ	۴۶	قادیانیوں کے ساتھ تعلقات
۳۳۶	باب رد البدعات	۴۷	عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ
"	دعا بعد نماز جنازہ	"	ماہِ سفر میں شادی کو منجوس سمجھنا
"	اذان جمعہ کے بعد الصلوٰۃ	۴۸	"لی خمسۃ اطفی بہا" شرک ہے
"	سنت رسول اللہ پکارنا	"	تحقیق "ما اہل بہ غیر اللہ"



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۰	صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا	۳۳۷	اذان علی القبر
"	بغرض رقبہ اجتماعی ختم	"	جنازہ کے ساتھ جہر کلمہ پڑھنا
۳۶۱	مروّج قرآن خوانی	۳۳۸	معا میں جہر درود شریف اور {
"	بیماری سے شفا کے بعد قرآن خوانی	"	ان اللہ و ملائکتہ الخ کو ضروری سمجھنا
"	افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی کی رسم	"	سوال مثل بالا
۳۶۲	ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام	۳۴۳	تین دفعہ دعائے مانگنے کا التزام
"	مروّج صلوٰۃ و سلام	۳۴۴	فوافل کے بعد اجتماعی دعا
۳۶۴	سوال مثل بالا	۳۴۶	نمازوں کے بعد طویل دعا
"	سوال مثل بالا	۳۴۷	میلاد مروّج کی تحقیق
۳۶۵	کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا	۳۴۸	استقام مروّج کا حکم
۳۶۶	سوال مثل بالا	۳۴۹	سوال مثل بالا
"	چیلوں کو گوشت پھینکنا	۳۵۰	اکٹھے ہو کر جہر اذکر کرنا اور وجد میں آنا
۳۶۷	بیماری سے شفا کے لئے بکرا ذبح کرنا	۳۵۱	میت کے سینہ پر کلمہ شہادت لکھنا
"	کوئٹوں کی حقیقت	"	دفن کے بعد بالالتزام تین دفعہ دعائے مانگنا
۳۶۸	اذان سے قبل درود شریف پڑھنا	۳۵۲	دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے
۳۶۹	اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام	"	سوال مثل بالا
۳۷۰	روزہ کشائی کی رسم	۳۵۳	نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا
۳۷۱	کیوڑہ چھڑکنا	۳۵۴	نماز عید کے بعد مصافحہ و معانقہ
"	رمضان کے آخری جمعہ میں {	"	نمازوں کے بعد مصافحہ
"	وداعی خطبہ پڑھنا	۳۵۵	اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم
"	مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع	"	طعام میت سے متعلق {
۳۷۴	دعا کے اختتام پر کلمہ پڑھنا	۳۵۸	ایک حدیث کا جواب {
"	قبر پر ہری شاخ یا پھول رکھنا	"	طعام میت سے متعلق {
۳۷۵	ایصالِ ثواب پر اجرت لینا	۳۵۹	بعض عبارات کا جواب {



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۸	بیوی اور والدین کی اجازت کے بغیر طلب علم کے لئے سفر کرنا	۳۷۵	شدید بارش یا دبا کے وقت اذان دینا
۳۹۹	جوان بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر کرنا	۳۷۶	قبروں پر چادر چڑھانا
۴۰۰	مستقدمین و متاخرین میں حد فاصل	۳۷۷	تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی کا التزام
۴۰۱	لوگوں کو شرمندہ کرنے کی غرض سے علم سیکھنا		اذان کے جواب میں کلمہ توحید کے بعد محمد رسول اللہ کہنا
"	تعلیم چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نہکلنا	۳۷۸	جنارہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا
۴۰۲	غیر عالم کے لئے طلب دلیل جائز نہیں	"	اذان میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا
	رسائل	۳۷۹	کفن سے کپڑا بچا کر امام کا مصلیٰ بنانا
۴۰۳	السبک الفرید سبک التقلید	۳۸۰	اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا
۴۲۳	المدایات المفیدۃ لتتزیہ	"	تعزیت کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا
	المدارس من العلوم الجدیدۃ	۳۸۱	روزانہ اکٹھے ہو کر قبرستان جانا
۴۲۹	الکلام البدیع فی احکام التوزیع	"	حالت خطبہ میں درود شریف پڑھنا
۴۳۵	صیانتہ العلماء عن الذل عند الاغنیار	۳۸۲	لوگوں کے در سے ان اللہ ولا نکلتہ الخ پڑھنا
۴۵۱	القول المتین فی شرح	"	گیارھویں کا کھانا
	اطلبوا العلم ولو بالصّنین	۳۸۳	میلاد میں قیام کرنا
۴۷۱	کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء	"	عید مبارک کہنا
۴۷۷	تنبیہ المغفلین فی بیان التفاضل بین المرسلین	۳۸۴	سوال مثل بالا
۴۸۳	کتاب التفسیر الحدیث	۳۸۵	بوقت وداع خدا حافظ کہنا
"	کھڑے ہو کر کھانے سے ممانعت کی حدیث	"	عید شبِ برات
۴۸۴	سوال مثل بالا	"	سیاسی فتنہ میں اذانیں دینا
"	حدیث لا ترفع عنہم عصاک دبا کا حوالہ		رسالہ
"	تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک	۳۸۷	منکراتِ محرم
۴۸۶	سورۃ فاتحہ در کدام پارہ داخل است	۳۹۶	کتاب العلم والعلماء
"	حدیث نجد کی تحقیق	"	کسی عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	رسائل	۴۸۸	وجہ تسمیہ آیت در کوع و سورہ
۵۲۱	دفع الوسواس عن قصۃ القرباس	۴۹۰	رکوع و پارہ کی تحقیق
۵۲۹	مجال التحریر لخیال الزہریر	۴۹۲	تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور
۵۳۷	عمدۃ التفسیر لآیۃ التطمیر	۴۹۴	سبعۃ احرف کی تشریح
۵۴۲	کتاب السلوک	۴۹۶	ضربت علیہم الذلۃ کی تحقیق
	رفع تعارض مابین عبارات مختلفہ	۴۹۹	سبحان من زین الرجال باللمی کا حوالہ
"	در بارہ اصلاح از غیر صالح	"	مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں
۵۴۵	بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے	۵۰۲	تحقیق حدیث لانکاح بین العیدین
"	حقیقت تصوف	۵۰۳	طوفان نوح علیہ السلام عام تھا
	حضرت علی سے حضرت حسن بصری کی ملاقات اور	۵۰۴	سات زمینوں کی تحقیق
۵۴۷	حضرت علی سے سلاسل کی ابتداء کی حکمت	۵۰۵	تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کا دم
۵۴۸	شیخ کامل کی پہچان	۵۰۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا
۵۴۹	کرامت کی پہچان	"	سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی؟
"	شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت	۵۱۰	تشریح حدیث من ہذا الرجل الخ
۵۵۰	جہاد اکبر	۵۱۱	کتب حدیث کی تاریخ تالیف
"	صاحب نسبت کی تعریف	۵۱۲	تشریح حدیث من رای منکم منکر الخ
۵۵۱	تشریح حال و مقام	"	تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق
"	حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ	"	امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے
۵۵۳	مسألۃ وحدۃ الوجود	۵۱۳	عاشورا میں توسیع علی العیال کی حدیث
۵۵۴	تشریح فناء و بقا	"	واللہ یصمکم من الناس بعد الموت کو بھی شامل ہے
	رسالہ	۵۱۵	حدیث الدنیا جیفۃ الخ کا حوالہ
	استیناس الآبد بشرح	"	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث
۵۵۵	فضل العالم علی العابد	۵۱۶	رب اجعلنی مقيم الصلوٰۃ پر اشکال کا جواب
		"	تحقیق حدیث عرض اعمال





### خاندان :

فقہ العرفی العظمیٰ حضرت مفتی رشید احمد صاحب امت برکاتہم کا وطن ماٹوٹ لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور آج کل بھارت میں شامل ہے۔ لدھیانہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جبال علم و اولیاء کرام کامرکز رہا ہے۔ حضرت والا علماء لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں جو اپنے علم، ذہانت، تقویٰ، احوال باطنہ، کشف و کرامات، شجاعت، حق گوئی و بیباکی، جسمانی قوت اور انگریزوں سے جہاد میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم جو حضرت تھانوی قدس سرہ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے ہیں۔ اور ”بزم اشرف“ میں صاحب الرویا کے لقب سے معروف ہیں بسلسلہ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے، وہاں ایک نو آباد گاؤں چک ۱۵۱- ایل میں رہائش اختیار کی اور اشرف الاولیاء کے نام پر اس گاؤں کا نام کوٹ اشرف رکھا۔

### ولادت و مقام ولادت :

اسی مبارک بستی میں ”رأس المتقین رشید ثانی“ کی ولادت بروز شنبہ ۳ صفر ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ آپ کا تاریخی نام سعود اختر ہے۔ یہ نام آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔ آپچی سب سے پہلی تصنیف ”تسہیل المیراث“ میں اس نام کا ذکر ہے۔

### طفولیت اور ابتدائی تعلیم :

بچپن میں والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ انہی شفقتوں نے آپ کو ”رشید تارخ“ بنا دیا۔



والدہ محترمہ نے تقریباً پانچ برس کی عمر میں تشریف آورانہ کی تعلیم دینا شروع کی۔  
 ۱۳۴۸ھ ہجری سے ۱۳۵۲ھ ہجری تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔  
 خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم :

حضرت والا کے بڑے بھائی مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد خلیل صاحب اور مولانا محمد جمیل صاحب  
 پہلے سے ملتان کے قریب گھوٹہ شریف میں دینی علوم پڑھ رہے تھے، ۱۳۵۳ھ ہجری میں والد صاحب نے  
 آپ کو بھی تحصیل علم دین کے لئے وہیں بھیج دیا۔ حضرت والد محترم نے آپ کو اور مولانا محمد جمیل صاحب کو  
 میاں چنوں ریلوے اسٹیشن سے ریل پر سوار کر کر ساتھ میں بیٹھے ہوئے ایک جنٹلمین سے کہا کہ ان  
 بچوں کو احتیاط سے ملتان اتار دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ راستے میں ان جنٹلمین نے ہم سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے  
 کہا کہ علم دین پڑھنے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، ”ملاؤں کر بیکار بنو گے“ اور علم دین نہ پڑھنے  
 کے لئے کافی لمبی چوڑی تقریر کی۔ راقم الحروف نے حضرت والا سے پوچھا، پھر ان کو کیا جواب دیا؟  
 فرمایا، ”بچے تو تھے ہی کیا جواب دیتے، لیکن اس حالت میں بھی ان سے نفرت ہو رہی تھی، اور  
 الحمد للہ ان کے کہنے سے دین سے متنفر نہ ہوئے اور یہ بھی اللہ کا کرم ہے ورنہ ہم کون ہیں“

اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا :

”اگر یہ جنٹلمین صاحب آج مجھے دیکھتے تو پتہ چلتا کہ کون بے کار ہے؟  
 الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آرام و راحت کے سب سامان فراہم  
 فرمائے ہیں اور نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ عزت و منصب عطا فرمایا  
 اور سب سے بڑی بات یہ کہ سکون قلب کی دولت نصیب ہے جو کسی  
 جنٹلمین کو خواب میں بھی میسر نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت  
 فرمائیں، آمین“

پھر فرمایا :

”یہ تو مسافر خانہ ہے نہ یہاں کی راحت کا اعتبار نہ تنگی کا اعتبار، اعتبار  
 تو آخرت کا ہے۔ بھئی اس کا فیصلہ نہ وہ کر سکتے ہیں نہ میں کر سکتا ہوں،  
 اس کا فیصلہ کل ہوگا، جب حکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس



روز پتہ چلے گا کہ ہم کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق

عطا فرمائیں اور ہمیں آخرت کے لئے باکار بنائیں، آمین اھ

گھوٹہ شریف پہنچ کر آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا اور اپنے بڑے بھائی مولوی محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

**بشارت :**

گھوٹہ شریف میں تعلیم کے دوران علم دین کی خاطر بچپن ہی میں والدین سے جدائی کے شدید ترین مجاہدہ کی بدولت حضرت والا کو ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ کو دیکھا کہ زبانِ مبارک میں لکنت کا اثر ہے اسی وقت آپ کو خیال ہوا کہ لکنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کیسا؟ جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بھائیوں سے خواب کا تذکرہ کیا، مگر انھوں نے کسی بزرگ سے اس کی تعبیر دریافت نہ کی۔

**تعبیر :**

اب سے تقریباً تین سال قبل ۱۲۹۳ھ ہجری میں آپ کو اچانک اپنا وہ پرانا خواب یاد آیا، تو بندہ سے ذکر کر کے فرمایا، ”اسکی تعبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ علم نبوت حاصل ہوگا، زبان کی لکنت ثقلِ حی کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا سَلَقْنَا عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ علاوہ انہیں اس میں نسبت موسویہ کے حصول کی طرف بھی اشارہ ہے“

نسبت موسویہ کے منظرِ حضرت والا کی زندگی کے متعدد واقعات راقم کے علم میں ہیں جن کی تفصیل حضرت والا کی مفصل سوانح عمری ”انوار الرشید“ میں لکھی گئی ہے، یہ خواب اس لحاظ سے اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ابھی آپ نے علم دین حاصل کرنا شروع کیا تھا، ایسے وقت میں یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، عربی کی ابتدائی تعلیم :

شوال ۱۲۵۳ھ ہجری میں چاروں بھائی بغرض تعلیم جہانگیر آباد تحصیل خانیوال (جو وہو والا کے نام سے مشہور ہے) مولانا سلطان محمود صاحب کی خدمت میں پہنچے، مولوی محمد جمیل صاحب

سے سفر حج کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل ”انوار الرشید“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۲ آسیا آبادی



فارسی کی تکمیل کر کے اب عربی شروع کر رہے تھے، حضرت والا کو بھی عربی میں ان کے ساتھ ہی شریک کر دیا گیا، فارسی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔

درس نظامی کا دوسرا سال (۱۲۵۵-۵۶ھ) آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اور تیسرا، چوتھا سال (۱۲۵۶-۵۷ھ) جھنگ میں گزارا، ان تینوں سالوں کی کتابیں آپ نے اپنے بہنوئی حضرت مولانا محمود احمد صاحب مدظلہم سے پڑھیں، ۱۲۵۷ھ میں آپ کے والد ماجد مدظلہم بسلسلہ زینداری خیبر پور (سندھ) تشریف لے آئے جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقوں میں شروع ہوا۔ حضرت والا اور آپ کے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب اپنے استاد مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ جامعہ دارالہدیٰ ٹھٹھری میں آگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد صاحب علم و عمر دونوں کے لحاظ سے اکابر علماء میں سے تھے، بہت عمر رسیدہ تھے، جامعہ کے صدر مدرس تھے، تمام علوم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، بڑے قابل اور متقی بزرگ تھے، آپ نے ایک اقلیدس خود تصنیف فرمائی تھی۔

علم ہندسہ، مثلث اور کرویات میں ہمارے حضرت کی مہارت کا دنیا کے چند گنے چنے ماہر ایاضی داں ہی اندازہ کر سکتے ہیں، اس کی چند مثالیں آپ کی مکتب سوانح عمری "انوار الرشید" جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہیں

اس سال یعنی ۱۲۵۷-۵۸ھ ہجری میں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب سے ہدایہ اولین، مختصر المعانی اور مطول پڑھیں اور مولانا محمد صاحب سے حاشیہ عبد الغفور، میر قطبی اور اقلیدس پڑھیں۔ ۱۲۵۸ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو وہ اور مولانا محمود احمد صاحب دونوں پیر جھنڈ و جدید (درگاہ شریف) میں مدرس ہو گئے، حضرت والا بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سال آپ نے اپنے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب اور بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے علم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، خیالی، سبع معلقہ اور تفسیر بیضاوی پڑھیں۔ علاوہ ازیں مطالعہ مذاہب باطلہ، تمرین مناظرہ اور انشاء عربی کی مشق کی۔

**فنون کے تکمیل:**

اگلے تعلیمی سال شوال ۱۲۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درس گاہ انجمنی ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انہیں آج کل کا طالب علم کم از کم تین سال میں پورا کر سکے گا۔ اس سال مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:



ملا جلال مع حاشیہ میرزا ہد، رسالہ تطبیہ مع حاشیہ میرزا ہد و غلام یحییٰ، قاضی مبارک، حمد اللہ،  
شرح مواقف مع حاشیہ میرزا ہد، شرح عقائد عضدی، شرح اشارات، صدرا، شمس بازغہ،  
الدوحۃ المیادۃ، تصریح، شرح چغینی، بست باب، السبع الشداد، ربع مجیب، ربع مقنطر،  
اکرثاؤ ذوسیوس، اگر مناظر، کرہ متحرکہ، توفیق تلویح، مسلم الثبوت، ان کے علاوہ مشکوٰۃ، بیضاوی  
ہدایہ آخرین، السبع المعلقات اور مقامات کا طلبہ کے ساتھ تکرار کیا۔ (مجموعہ ۳۰ کتب)

## دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور تکمیل دورہ حدیث

دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ دورہ حدیث پڑھنے کے لئے مشہور عالم دینی درس گاہ  
دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرت والا شوال ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں  
فارغ ہوئے اس سال مندرجہ ذیل کتب ذیل کے اساتذہ سے پڑھیں:

۱۔ صحیح بخاری { یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا مدنی سے پڑھیں۔ آخر سال میں حکومت  
۲۔ سنن ترمذی { برطانیہ نے حضرت مدنی کو گرفتار کر کے مراد آباد جیل بھیج دیا تو یہ  
دونوں کتابیں حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب نے ختم کرائیں۔

۳۔ صحیح مسلم : حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

۴۔ سنن ابی داؤد { حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب امر وہوی  
۵۔ شمائل ترمذی {

۶۔ سنن نسائی : حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع

۷۔ سنن ابن ماجہ : حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب

۸۔ طحاوی : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۹۔ موطا امام مالک : حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

۱۰۔ موطا امام محمد : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب



اس سال حضرت والائے دورہ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیہ اور جزری قاری عزیزی احمد صاحب اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء سے پڑھیں۔

### خمیر میں جوشِ جہاد:

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرت اقدس کے خمیر میں بھر دیا ہے۔ یہ دولت آپ کو خاندانی وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے خاندان کے اکابر علماء و مشائخ انگریز کے خلاف جہاد میں بہت مشہور ہیں، آپ نے نو عمری ہی سے تحصیل علوم اسلامیہ کے ساتھ فتونِ جہاد کی مشق کا سلسلہ جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غزوات مجالس میں سنا کر سامعین کے قلوب میں جوشِ جہاد کی آگ بھڑکا دیتے، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحبت مبارکہ اور کتب حدیث میں مغازی اور جہاد کے موضوع نے جلتی پر پٹرول کا کام کیا۔ چونکہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیتِ جہاد بھی بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے طلبہ کو جہاد اور فتونِ حرب کی تربیت دینے کے لئے اس فن کے ماہرین اساتذہ دارالعلوم کی طرف سے تھے، حضرت اقدس نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبدالرحمن اور استاذ عبدالرشید سے یجدہ جہاد فتونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔

### تربیتِ باطن

بشارت قبل از ولادت، حضرت والا کے دادا مولانا محمد عظیم فنا پور صاحب مقام بزرگ اور کشف و کرامات میں مشہور تھے، آپ نے اپنے شیخ سے ایک خواب کی تعبیر دریافت فرمائی، شیخ نے فرمایا، "صالح فرزند کی بشارت ہے جو شاید محمد سلیم (حضرت کے والد ماجد) کے کاشانہ کا چراغ ہو" حضرت کے والد صاحب نے یہ خواب کئی بار ذکر فرما کر حضرت والا کے بارے میں فرمایا کہ آپ اس بشارت کے مصداق ہیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہ: بچپن ہی میں والد ماجد کی زبان سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کان میں پڑتے رہے جب خود پڑھنے کے قابل ہوئے تو حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا معمول بنالیا، شوال ۱۳۶۷ھ میں تکمیل حدیث کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ پہلے تھانہ بھون جالضری دی اس کے بعد دیوبند سے تھانہ بھون متعدد بار حاضری کا شرف ملا، اس



زبانے میں حضرت تھانوی قدس سرہ ضعیف کی وجہ سے خود بیعت نہیں فرماتے تھے۔  
شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند میں حضرت  
شیخ الادب میں شان اصلاح نمایاں دیکھ کر آپ سے روزانہ پندرہ منٹ کے لئے صرف حاضری کی  
اجازت چاہی، حضرت نے اپنے خصوصی مطالعہ و تصنیف کے وقت میں اجازت مرحمت فرمائی،  
یہ خصوصی عنایت صرف حضرت والا پر ہی تھی، ایک بار بوقت مصافحہ حضرت والا کا ہاتھ تھام کر  
ایسی توجہ ڈالی جس کا اثر پورے جسم پر برقی رو کی طرح محسوس ہوا،

حضرت مدنی قدس سرہ : حضرت شیخ الادب سے استشارہ اور استخارہ کے بعد  
حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الادب نے فرمایا کہ حضرت مدنی کی  
خدمت میں بغرض بیعت میں خود اپنے ساتھ لے چلوں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت والا  
حضرت مدنی کی زیارت کے لئے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرت مدنی نے آمد کا  
مقصد دریافت فرمایا، حضرت نے بلا تکلف عرض کر دیا جس پر حضرت مدنی نے ازراہ شفقت  
فوراً بیعت فرمالیا،

حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہ : حضرت مدنی کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب  
سے تعلق رکھا، حضرت مفتی صاحب کی حضرت والا پر خاص نظر عنایت تھی، ایک بار  
دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی صاحب کی اچانک تشریف آوری کی وجہ سے حضرت  
والا کو حاضر خدمت ہونے میں قدرے تاخیر ہو گئی، اس تھوڑے سے وقفہ میں حضرت  
مفتی صاحب نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے کئی بار حضرت والا کے بارے میں  
دریافت فرمایا، بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت والا سے یہ ماجرا بیان  
فرما کر بہت مسرت سے فرمایا کہ اکابر کی ایسی توجہ بہت بڑی سعادت ہے،

سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہ : حضرت والا کو آخر میں حضرت پھولپوری  
سے شرف بیعت و خلافت حاصل ہوا، بیعت سے قبل حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند  
میں بالائی منزل پر مہمان خانہ میں مقیم ہیں، حضرت شیخ الادب بہت جلدی میں تشریف لائے اور فرمایا "آپ کا  
الارم آیا ہے سند عالی کر لیجئے جلدی چلئے" پھر فرمایا کہ ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے  
ہیں، پھر آپ نے الماری سے ایک کتاب نکالی اور حضرت والا کو ساتھ لے کر ایک باغ میں چلے  
گئے، اس خواب سے کچھ عرصہ بعد حضرت پھولپوری سے بیعت ہوئے تو آپ کی خدمت میں



یہ خواب پیش کیا، آپ نے فرمایا، ”اس کی تعبیر ہو گئی“ یعنی باغ میں علو سند دربار پھولپوری میں ہار یا بی ہے، ایک بار آپ حسب معمول شب جمعہ میں حضرت پھولپوری کے ہاں مقیم تھے، خواب میں حضرت نے فرمایا جلدی چلے ایک بزرگ سے ملا دوں، باہر نکلے تو سڑک پر جانب مغرب کو ایک بزرگ تشریف لے جا رہے ہیں جن پر جلال کا غلبہ ہے ان سے ملانے کے لئے حضرت پھولپوری آگے اور حضرت والا پیچھے بھاگے جا رہے ہیں، قریب پہنچے تو اس بزرگ نے از خود پیچھے مڑا کر حضرت والا کو سینے سے لگا لیا، صبح کو حضرت پھولپوری کی خدمت میں خواب پیش کیا تو فرمایا کہ وہ بزرگ ہمارے مرشد پاک تھے یعنی حضرت تھالوی قدس سرہ،

اجازت بیعت: ایک مجلس میں حضرت پھولپوری نے اچانک اجازت بیعت عطا فرمائی، حضرت والا بہت پریشان ہوئے، نہ تحمل امانت گراں بار اور نہ مجال انکار، اس پریشانی میں ایک دور و زہی گزری تھی کہ مجلس میں ایک صاحب بولے ”مولوی... صاحب بہت با اثر آدمی ہیں آپ ان کو خلافت دیدیں تو خلق خدا کو بہت فائدہ ہو“ یہ سن کر حضرت پھولپوری فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے فرمایا، ”کیا یہ میرے گھر کی چیز ہے کہ جس کو چاہوں دیدوں، اگر ایسا ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنی اولاد کو دیتا یہ میاں کی دین ہے جس کے لئے ہوتی ہے اُسی کو دی جاتی ہے“ یہ قصہ دیکھ کر حضرت والا کی پریشانی جاتی رہی اور سمجھے کہ یہ لطف عام اونے جوید سند : آفتابش بر صد شہامے زند

اس وقت سے اس دعا کا معمول جاری ہے، اللہم اجز و عذ و من اکوہ علیہ انزل اللہ علیہ ملکاً یسدہ،

## زندگی کا دوسرا دور

### تدریس، افتاء، ارشاد

حضرت والا اور آپ کے والد بزرگوار کو اس کاشت سے احساس تھا کہ علم دین کی تدریس اور نشر و اشاعت پر آپ کی زندگی وقف ہو۔ چنانچہ حضرت والا کی تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ ہجری میں مدینۃ العلوم بحیضہ و ضلع حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا۔ بحیثیت ندرس درجہ علیا آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۶۳ھ ہجری میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال سے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث کی تدریس بھی شروع کی۔

افتاء کا کام ویسے تو ۱۳۶۲ھ ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۳۶۳ھ سے دارالافتاء کی مکمل فہماری آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی، ۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی رہے



## دارالہدیٰ ٹھہر ٹھی :

سنة ہجری میں حضرت والا بحیثیت شیخ الحدیث و صدر مفتی جامعہ دارالہدیٰ ٹھہر ٹھی تشریف لے گئے، صحیح بخاری و دیگر علوم و فنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول تھا، اس کے ساتھ ساتھ دارالافتار کی مکمل ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے۔

## دارالعلوم کراچی :

مشوال سنة ہجری میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم تشریف لائے اور شعبان سنة ہجری تک دارالعلوم میں رہے۔

سنة ۱۳۶۳ ہجری سے سنة ۱۳۸۳ ہجری تک ہر سال آپ نے صحیح بخاری پڑھائی، اس حساب سے آپ نے سینا مرتبہ درس بخاری دیا۔ شروع میں دارالعلوم کی نظامت تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے اسے علمی خدمات میں مغل سمجھ کر ترک کر دیا۔

## فتویٰ نویسی :

ویسے تو سنة ۱۳۶۲ ہجری سے حضرت والا کو فتاویٰ نویسی کے مواقع پیش آتے رہے۔ لیکن سنة ۱۳۶۶ ہجری سے دارالافتار کی مکمل ذمہ داریاں حضرت والا کے سپرد ہوئیں مگر سنة ۱۳۶۸ تک جو فتاویٰ صادر ہوئے ان کے جمع و ضبط کا کوئی انتظام نہ ہو سکا، سوائے چند گنتی کے فتاویٰ کے کہ ان کی نقل محفوظ رکھی گئی، اس قلیل مدت میں آپ کی شان تحقیق اور تعمق نظر کو اس قدر شہرت حاصل ہو گئی کہ بیرون ملک کے علماء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، ہر قسم کے فتاویٰ کے لئے مرجع خواص و عوام بن گئے، علماء میں پیچیدہ مسائل فیصلے کے لئے یہیں آنے لگے آپ نے اس منصب پر فائز ہو کر وہ محنت و جانفشانی کی کہ فتویٰ نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔

سنة ۱۳۶۸ سے سنة ۱۳۷۰ ہجری تک آپ نے اپنے تحریر کئے ہوئے اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں اگرچہ کثرت مشاغل کی وجہ سے اکثر مسائل نقل نہ ہو سکے، اس پانچ سالہ عرصہ میں کل دو ہزار پچیس فتاویٰ تحریر فرمائے، جن میں سے صرف چار سو اٹاؤں فتاویٰ نقل ہو سکے جو حسن الفتاویٰ کے نام سے شائع ہو کر عوام و خواص میں اس قدر مقبول ہوئے کہ ”عیان راجہ بیاں“

اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں اگرچہ دارالافتار کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی، تاہم زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کی تحریر آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔ فقیہ اور مفتی تو بہت ہوتے ہیں، لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس بنایا



اور ہمارے حضرت دامت حیاتم کو ”رشید تافح“ — اللہ تعالیٰ نے علم وفقہ کو حضرت والا کے رگ پے میں اس طرح سمو دیا کہ مسائل فقہیہ حضرت کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔

دارالعلوم میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کے زیر تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا گیا، دو سال بعد حضرت والا نے دارالعلوم چھوڑ کر ”دارالافتار والارشاد“ کی بنیاد رکھی تو دارالعلوم میں یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا، اس کے بعد پھر جاری کر دیا گیا۔

**دارالافتار والارشاد کی بنیاد :**

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری قدس سرہ کی خواہش اور غیبی اشار پر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے رمضان ۱۳۸۳ھ میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کی تمرین افتار کے لئے ”دارالافتار والارشاد“ کی بنیاد ڈالی اور اب ۱۳۹۶ھ جری تک یہ خدمت جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کے سایہ کو مسلمانوں پر قائم رکھیں آمین۔  
مدارس عربیہ سے فارغ التحصیل علماء کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تحریقات کی تمرین کے ساتھ فیض باطن، تقویٰ، استغفار اور تعلق مع اللہ کی دولت بھی لیکر جاتے ہیں۔

**مجالس رشد و ہدایت :**

حضرت اقدس دامت برکاتہم یوں تو ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں، آپ کی نشست و برخاست کا ہر آن ایک مستقل سبق ہے بلکہ آپ کی زندگی پوری کی پوری شریعت مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی عملی تصویر ہے لیکن جمعہ اور اتوار کی شام آپ تلقین ہدایت کے لئے وقت فارغ کر دیتے ہیں جس میں اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں مرد اور خواتین حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے ہیں، بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے یہ مجالس کسیر عجیب التاثر ہیں چند روز ہی میں ان کے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ایسا حیرت انگیز انقلاب آتا ہے کہ زندگی کے طور و طریق ہی بدل جاتے ہیں۔

آپ کے بعض خدام نے ۱۳۹۱ھ سے ان مجالس میں سے جمعہ کے بیانات کو بالالزام اور اکثر و بیشتر اتوار کے بیانات کو بھی قلمبند کر لیا ہے، جو محفوظ ہیں انکی طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔  
**خصوصیات :**

اس تحریر میں سب مضامین مختصر لکھے گئے ہیں، جو ایک صاحب ذوق قاری کے لئے یقیناً نا کافی ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے حضرت دالاکى مفصل سوانح عمری بنام ”انوار الرشید“ زیر تربیت ہے،



یہاں دوسرے عنوانوں کے ساتھ اس عنوان کا بھی صرف اشاریہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں تفصیل کے لئے ”انوار الرشید“ ملاحظہ ہو۔ آپ کی بعض خصوصیات یہ ہیں :

① صفائی معاملات :

یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی امتیازی شان ہے، حضرت والا بھی صفائی معاملات کا استقدراہتمام فرماتے ہیں کہ کیسا ہی اہم کام ہو مگر صفائی معاملات کہ جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اُسے مقدم رکھتے ہیں، اس پر حضرت والا کے کئی عجیب واقعات ہیں۔

② تقویٰ اور تصلب فی الدین :

یا وجود خلقی نرمی اور طبعی غلبہ مرآت کے کسی موقع پر بھی تقویٰ اور تصلب فی الدین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا، اس پر بھی کئی سبق آموز واقعات ہیں۔

③ استغفار :

استغفار کا یہ عالم ہے کہ حکومت اور بڑے بڑے مالدار کروڑ پتی لوگ آپ کے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں، آپ کے استغفار کا خلاصہ یہ ہے ۷

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سگوں کی جھنکاریں  
ترے دست توکل میں ہیں استغفار کی تلواریں

④ مواقع شہرت سے اجتناب :

⑤ مشایخ و علماء کی مخصوص وضع داری اور تکلفات سے آزاد سادہ اور سببے کلف زندگی :

ان عنوانات کی تفصیل اور ہمت و استقلال کے حیرت انگیز واقعات ”انوار الرشید“

میں ملاحظہ ہوں۔

آپ میں یہ خصوصیات اتنی نمایاں ہیں کہ معاند سے معاند مخالف بھی ان کے اعتراف

پر مجبور ہے۔





## تصانیف

- الاجتثاث لموجہ الطلقات الثلاث
- اجتماعی دخر (مجاہد ذکر)
- احسن الفتاویٰ ۱۰ جلدیں
- احسن القضاء فی الذبح باعانة الکہرباء
- احکام زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی
- احکام الکلام فی احکام الخرج علی الامام
- احکام معذور
- اخسأ العاویۃ لفضل معاویۃ (رضی اللہ عنہ)
- اذار القرص من الحرام
- الارشاد الی مخرج الضاد
- ارشاد الانام بجواب ازالة الادہام
- ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار
- ارشاد سبیل الی انوار التنزیل (مقدمہ تفسیر بضاوی)
- ارشاد العابد الی تخریج الادقات وتوجیہ المساجد
- ارشاد القاری الی صحیح البخاری
- ارغام الغنید فی میراث الحنفیہ
- ازالة الادہام عن الرق فی الاسلام
- ازالة الریب عن مسأله علم الغیب
- استیناس الابد بشرح فضل العالم علی العابد
- اسلام کا عادلانہ نظام معیشت
- اعدل الانظار فی اشفع بعد الایثار
- الافصاح عن خیالہ نسخ النکاح
- الاحتمال للرجال
- امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام
- انصراف الامام الی جہۃ الانام
- الادام والنواہی
- ایتقان الطلقات بالقارہ الجمرات
- ایمان و کفر کا معیار
- باغوں کے مسائل
- بسط الباع لتحقيق الصاع
- بشارۃ النظمی لآکل الربا
- بعض ضروری احکام میت
- بلا سود و بنکاری
- بھڑکی صورت میں بھڑیا (دیندارانجمن)
- پراویڈنٹ فنڈ
- تبلیغی جماعت اور انجاس کمونڈ کا ثواب
- تحریر النقات لمحاذاة المیقات
- التحریر الفرید فی ترکیب کلمۃ التوحید (غیر مطبوع)
- تحریر المقل فی التعزیر بالمال
- تحقیق شب براءت ○ تحقیق شب معراج
- تسہیل المیراث ○ تعدد الازدواج
- التفریق بین التقیید والتعلیق
- تقسیم وراثت کی اہمیت
- تکفیر شیعہ پر اشکالات کے جوابات

عہ اس فہرست میں سے بیشتر رسائل احسن الفتاویٰ کی اس جدید ترویج میں شامل کر دیے گئے ہیں۔



- تنبیہ المغضلیں فی بیان التفاضل بین المرسلین
- تنبیہ الخیر فی تنہیۃ عن الغیر
- توثیق الاعیان علی حرمتہ ترویج الانسان
- ٹی وی کی حرمت
- بنبری خلع
- جبری نکاح
- الجوہر الفردۃ فی حکم الذبح فوق العقدة
- جھینگے کی حرمت
- حج کے ضروری مسائل
- حرمت المقاص برمیۃ الرصاص
- حریم قناتہ
- الخط من الموجل بشرط ادائہ للمجل
- حفظ الحیاہ بتحریم متعة النساء
- حقیقت شیعہ
- حکمتہ الازدواج باربع ازدواج
- الحکمتہ الغرار فی عدم تودیت الانبیاء
- الحکم الربانی لرحم الزانی
- حلال و حرام سے مخلوط مال
- حیلہ دخول مکہ بلا احرام
- ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے
- ذب الجہول عن سبط الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
- الرجوم الشہابیہ علی الفرقۃ الذکرۃ والاباضیۃ
- رد البدعات
- رفع الحجاب عن حکم الغراب
- رفع النقاب عن وجه الانتخاب
- ردیت ہلال میں ریڈیو کی خبر
- زیادۃ الکلمات فی حکم الدعا بعد لصلوات
- زیادۃ البدل لاجل الاجل
- زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- السبک الفرید لسلک التقليد
- السراج لاحکام العشر والخارج
- سنان القنا علی محل الربا
- سیاست اسلامیہ
- شرح الصدر فی الفرق بین صلاتی الفجر والعصر
- صبح صادق
- صیانتہ العمار عن الذل عند الاغنیاء
- ضعیف حدیث پر عمل کر نہیں مفاسد
- ضمیمہ مفید الوارثین
- طریق السداد لمحل الخضاب بالسواد
- الطوارخ لتتویر المطالع
- طویل النہار مقامات میں نماز روزہ
- عمدۃ التفسیر لآیۃ التطہیر
- عمدۃ الکلام فی عرف الطلاق بالحرام
- عورت کی دیت
- عیون الرجال لرؤیۃ البلال ○ غلبۃ اسلام
- القتل المشتد لقتل المرتد
- فتنہ انکار حدیث
- الفصل الحقایق لقتل الزانی
- فیصلہ ہفت مسئلہ کی وضاحت
- قادیانی مذہب (بقیہ فہرست صفحہ ۵۶۹ پر)



## تجدیدی کارنامے

مسائل حاضرہ پر آپ کی دُور رس نگاہ اور ان سے متعلق آپ کی جامع اور مدلل تحریریں، قوتِ استنباط، اختصارِ الفاظ کے ساتھ ٹھوس دلائل کی وہ بھرمار کہ ان کے چند صفحات کی شرح کے لئے کئی دفتروں کا کام ہے، اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں کی سرکوبی اور براہینِ قاطعہ کی مجاہدیت سے ان کا استیصال، ہر نئے اُبھرنے والے فتنہ کا بروقت محاسبہ، دلائلِ نقلیہ و عقلیہ، فنونِ قدیمہ جدیدہ اور تجاربِ مشاہدات کی روشنی میں ایسی تحقیقات کہ ان کی نظیر نہیں ملتی، مثلاً اختلافِ مطالع، مقدارِ صدقۃ الفطر، حرمین شریفین میں عورتوں کی نماز، اور تحقیقِ صبحِ صادق و دیگر تحقیقات، اصلاحِ اُمت کا درد، جو گناہ معاشرے کا جزو بن گئے ہیں اور بلا جھجک علانیہ کئے جا رہے ہیں اور ان کے سیلاب میں ذیندار گھرانے اور علماء و صلحاء بھی بے جا رہے ہیں، ان کی تباہی سے اُمت کو بچانے کی فکر اور بذریعہٗ وعظ و ارشاد بالخصوص نوجوانوں کو اس ہولناک بھنور سے نکالنے کی کوشش اور اس میں نمایاں کامیابی، آپ کی مجالس و وعظ و ارشاد میں شریک ہونے والے نوجوانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب، حفاظتِ وقت اور صفائیِ معاملات کا بے نظیر اہتمام، طبعی نرمی اور غلبہٗ مردت کے باوجود دین میں تصلب کہ کوئی بڑے سے بڑا تعلق بھی اس میں بال برابر لچک پیدا نہیں کر سکتا، حکومت اور اہل ثروت سے ایسا استغفار کہ اس کی نظیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی۔ آپ کے دادا پیر حضرت تھانوی قدس سرہ کی شان میں کہا گیا ۵

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھجکاریں ۶ ترے دست تو گل میں تھیں استغفار کی تلواریں  
ہو بہو آپ پر صادق آتا ہے، ان کمالات کے باوجود گناہی و خلوت پسندی، مناصب سے انکار اور مجالس و مواقعِ شہرت سے احتراز۔

مذکورہ مواہبِ لدنیہ و انعاماتِ ربانیہ کی بناء پر اکابر علماء و صلحاء دین کی عظیم دایم ترین خدمات علمیہ و عملیہ و اصلاحِ امت میں آپ کی جلالتِ قدر اور امتیازی شان کے قائل ہیں،

## اولاد:

- ① صاحبزادی صفوہ، تعلیم: تجوید القرآن، اُردو دینیات، تمرین قواعد صرف و نحو عربی، ترجمۃ القرآن،
- ② حافظ قاری مولوی محمد ③ حافظ قاری مولوی احمد ④ حافظ قاری مولوی حامد
- ⑤ صاحبزادی اسماء، تعلیم: حفظِ قرآن مع تجوید، اُردو دینیات، عربی صرف و نحو میں غیر معمولی مہارت، ریاض الصالحین، ترجمۃ القرآن ۶



## وصیت نامہ

حضرت والا نے مختلف اوقات میں تین وصیت نامے تحریر فرمائے ہیں پہلے دو میں اگرچہ خاص اولاد کو خطاب ہے مگر ان کا فائدہ عام ہے تینوں وصیت ناموں کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے جس کے سرورق پر یہ آیات تحریر ہیں

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝

اب تینوں وصیت نامے بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں۔

① عزیزہ اسما سلمہا اللہ تعالیٰ کی تکمیل حفظ قرآن کے موقع پر یہ وصیتیں کی گئیں

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَوَصَّيْهِمَا إِبْرَاهِيمَ وَيَعْقُوبَ بَنِيَّ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ أَصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ  
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًُا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ  
پہلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔

اور دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بوقت رحلت اپنی اولاد سے یہ عہد اقرار لیا تھا کہ میرے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہو گے اور صرف اسی کے سامنے جھکو گے۔

یہ خوب سمجھ لیں کہ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینے یا نماز روزہ وغیرہ چند عبادات ادا کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو اور بندہ اپنی سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کر دے۔

پس میں بھی تمہیں اسی وصیت کرتا ہوں کہ دین کی حفاظت کے لئے امور ذیل کا بہت اہتمام رکھیں۔

(۱) اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھیڑیے سے بچایا جاتا ہے۔

حضرت والا نے عارضی الحجہ ۱۴۰۷ھ کو جو وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ انوار الرشید میں شائع ہو گا۔



اس ماحول میں بچوں کو بھیجنا ان کو اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونکنا ہے، وہاں جا کر لاکھوں میں سے کسی ایک کا دین محفوظ رہ جائے تو یہ بطور خرقِ عادت ہوگا جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جیسے کسی کو خوشخوار شیر کے منہ سے یا دھکتی ہوئی آگ سے اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچا لیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عداۃ شیر کے منہ میں جانے یا آگ میں کودنے کا کوئی جواز ہے۔ دنیوی تعلیم مضر نہیں، ہر ماحول مہلک ہے۔ (۲) اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیں۔ دین کا جو کام بھی اللہ تعالیٰ لے لیں اسے بہت بڑا انعام سمجھیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں وہ کام ذلت و حقارت ہی کا کیوں نہ ہو، عزّت و ذلّت صرف وہ معتبر ہے جو مالک کی نظر میں ہو۔

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خدمتِ دین کی صلاحیت رکھتے ہوئے اس سے کام نہ لینا نعمتِ الہیہ کی بے قدری ناشکری ہے غرضیکہ دنیوی کام کا مشغلہ نہ بنائیں، اس کی وجہ سے تم خدمتِ دین سے محروم ہو جانے کے علاوہ بہت سے گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاؤ گے، خدمتِ دین میں مشغول رہنا گناہوں سے حفاظت کے لئے بہت مضبوط قلعہ ہے۔

(۳) روزانہ بلاناغہ تلاوت کی پابندی رکھیں۔

(۴) مندرجہ ذیل گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھنے کی تاکید وصیت کرتا ہوں۔

(۱) کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو یا تصویر لی جا رہی ہو۔

(ب) کسی کا کوئی حق دینا۔

(ج) بلا اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال کرنا

(د) کسی کو تکلیف پہنچانا۔

(۵) کسی پر بہتان لگانا۔

(و) کسی کی غیبت کرنا۔

(ز) غیبت سُننا۔

(ح) شرعی پردہ کا اہتمام نہ کرنا

(۵) یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کو بھی ان سب اُمور کی وصیت کر کے مرنا،

میں سجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر تمہیں اُمورِ بالا کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت



میں دیتا ہوں، اَللّٰهُمَّ بَلِّغْتُ، اَللّٰهُمَّ بَلِّغْتُ، اَللّٰهُمَّ وَاقِیْہٖ کَوَاقِیْہٖ  
 التَّوَلِّیْد — فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والاخرۃ توقنی مسلماً  
 والحقنی بالصلحین ۵ ولخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین والصلوة والسلام  
 علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین،

رشید احمد

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی  
 ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ غشیۃ الجمعہ

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ایک ہم وصیت اولاد اور انکی ازواج کے نام

میرے عزیزو! چند روز سے تمہارے مستقبل کے بارے میں ایک اہم فکر میرے دماغ پر مسلط ہے  
 آج بتایں ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ بروز پنجشنبہ فجر کی نماز کے بعد جب میں قبلہ رو ہو کر اپنے  
 معمولات میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں بڑی قوت کے ساتھ یہ القار فرمایا کہ اس بارے میں  
 ایک وصیت لکھوں، رمضان المبارک میں اشراق سے فارغ ہو کر دو گھنٹے سونے کا معمول ہے  
 خیال تھا کہ اس معمول سے فارغ ہو کر وصیت لکھوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو اس حد  
 تک مسلط فرمادیا کہ میں بمشکل آدھا گھنٹہ سو سکا اس کے بعد ہر چند سونے کی کوشش کی مگر غینہ نہ  
 آئی اور اٹھ کر اس تحریر میں مشغول ہو گیا۔

میرے عزیز بیٹو اور بیٹیو! بچپن میں تمہارا آپس میں تعلق اور محبت میری نظر میں بڑی حد  
 تک قابل اطمینان اور موجب مسرت رہی ہے اور دوسروں کی نظر میں تو بہت ہی باعث رشک  
 اور لائق ستائش و تحسین اور قابل مبارک باد اور عام زبان زد، اب اشار اللہ تم سب جوان ہو گئے  
 ہو۔ بعض کی شادی ہو گئی اور بعض کی ہونے والی ہے، اب تمہارے تعلقات محبت پر بہت بڑے  
 ابتلا و امتحان کا وقت آ رہا ہے، بیوی بچوں اور مال و منصب کی غلط محبت میں پھنس کر  
 بڑے بڑے عقلا اور شہسوار بھی اوندھے گر جاتے ہیں اور گردنیں تر دو بیٹھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک  
 جگہ قیام و طعام اور ان سے متعلق کام کاج بھی بسا اوقات اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے میں تمہیں بتا کید وصیت کرتا ہوں کہ آپس میں محبت کے نازک رشتے کو کسی قیمت



پر بھی ٹوٹنے نہ دیں۔ اس نازک ترین رشتے اور بہت قیمتی سرمایہ کی حفاظت کے لئے تمام خواہشات اور مال و منصب بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی ہرگز دریغ نہ کریں، آپس میں اتفاق اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے علاوہ دنیا میں بھی راحت، سکون، مسرت، برکت اور عزت و مال میں ترقی ہوتی ہے، اس کے برعکس اختلاف خالق کی ناراضی اور آخرت کی بربادی کے علاوہ دنیا میں بھی پریشانی، ذلت، فقر و فاقہ اور تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اب میں مختصراً اسباب اختلاف و اسباب محبت بیان کرتا ہوں تاکہ اول سے اجتناب اور دوم سے اقتراب کا اہتمام کیا جائے۔

## سَبَابِ اخْتِلَاف

(۱) گناہوں سے نہ بچنا اور گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ نہ کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں پر اختلاف کا عذاب مسلط فرما دیتے ہیں۔ (۲) حُبِّ مال (۳) حُبِّ جاہ۔ ان دونوں کی وجہ سے آپس میں اختلاف، فتنہ و فساد، قتل و غارت، تباہی و بربادی کا ہم شب و روز مشاہدہ کر رہے ہیں (۴) غیبت، عیب جوئی اور مذاق اڑانا (۵) روکھاپن، ترشرویٰ اور زبان درازی (۶) مشترک کام کاج سے جی چُرانا (۷) کھانے پینے، پہننے اور آرام و راحت میں اپنے نفس کو ترجیح دینا۔

## سَبَابِ مَحَبَّت

(۱) تقویٰ، یعنی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنا اور کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینا، اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ان کی رحمت آپس میں محبت اور پرکھت زندگی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ (۲) حُبِّ مال کا علاج (۳) حُبِّ جاہ کا علاج، ان دونوں خطرناک اور دنیا و آخرت دونوں کے لئے تباہ کن امراض کا علاج اہل اللہ کی صحبت اور یہ میسر نہ ہو تو ان کے ملفوظات اور مراقبہ موت سے کیا جائے (۴) ایک دوسرے کے قول و فعل اور اشیاء کی تحسین اور غائبانہ تعریف کی جائے (۵) آپس میں تبکلف محبت کا اظہار کیا جائے اور بتایا جائے کہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے۔ یہ محبت بڑھانے کا بہت ہی اکیسر نسخہ ہے (۶) مشترک کام میں سب سے زیادہ حصہ لینے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی کوشش کی جائے (۷) کھانے، پینے، پہننے اور آرام و راحت میں انہار سے کام لیا جائے، یعنی دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دی جائے (۸) اگر کسی سے کوئی شکایت ہو تو اسے دل میں نہ رکھیں۔ اس سے نرمی اور محبت سے کہہ دیں (۹) ایک



دوسرے کے لئے دعا کی جائے (۱۰) اللہ تعالیٰ سے آپس میں محبت کی دعا اور اختلاف کے غلبہ سے پناہ مانگتے رہیں۔ فقط واللہ المستعان وعلیہ التکلیل

رشید احمد

مقیم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

(۳) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ملحق امرأ مسلمہ شیء یرید ان یوصی فیہ بیئت لیلین الا ووصیتہ فکتوبۃ عنده (متفق علیہ)  
”کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر وہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔“  
عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
من ملأ علی وصیتہ ملأ علی سبیل سنة و ملأ علی تقی وشهادة و ملأ مغفوراً (ابن ماجہ)  
”جو شخص وصیت کر کے مرادہ صراطِ مستقیم اور طریقِ سنت پر مرا اور تقویٰ و شہادت پر مرا اور مغفرت کی حالت میں مرا۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب ہے تو اس پر اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی حق اسکے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا مغفرت اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہذا میں اُمور ذیل کی وصیت کرتا ہوں۔

(۱) ادھی نفسی وایاکم بتقوی اللہ، میں اپنے نفس کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، یہ دولت کسی اللہ والے کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی لہذا کسی ایسی شخصیت کی صحبت کو لازم پکڑیں جس کے پاس بیٹھنے سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔ اگر ایسی مجلس میسر نہ آئے تو اہل اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کا روزانہ بلا ناغہ معمول بنالیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں۔ اس عاجز کو جو کچھ حاصل ہوا شکرِ نعمت کی بدولت ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا اس عاجز بندے پر یہ بہت بڑا کرم ہے کہ کسی کا کوئی مالی حق اس بندہ کے ذمہ واجب نہیں، آئندہ کے لئے بھی ربِّ کریم سے حفاظت کی اُمید ہے، البتہ جسمانی حقوق میں



ابتلا کے مواقع پیش آتے رہے ہیں، اپنی اولاد اور طلبہ کو بغرض اصلاح اور بعض غیر متعلق لوگوں کو بھی حمیت دینی کے باعث زبرد تو بیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی، چونکہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش کا احتمال ہے اس لئے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ مجھے دل سے معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرمائیں گے، یہ معاف کرنا انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی مفید اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ درگزر اور معاف کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں اور معذرت کرنے والے کو معاف نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”جس شخص سے اس کا بھائی معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آنے پائیگا“ (تغیب و تہییب) ایک حدیث میں ہے، ”جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلماً محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے“ (ابن ماجہ) اور ظلماً محصول لینے والے کے بارے میں یہ وعید ہے، ”اللہ تعالیٰ (بروز قیامت) اپنی مخلوق سے (بلحاظ رحمت و مغفرت) قریب ہونگے پس زبڈی اور (ظلماً) محصول لینے والے کے سوا جس کی چاہیں گے مغفرت فرمائیں گے“ (طبرانی)

دوسری روایت میں ہے، ”(ظلماً) محصول وصول کرنا جنت میں داخل نہ ہوگا“ (ابوداؤد، ابن خزیمہ) میرا کئی سال سے یہ معمول ہے کہ ہر اس شخص کے لئے جس کو مجھ سے کبھی کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچی ہو، روزانہ بلا تاخیر دعا بر مغفرت کرتا ہوں اور اپنے تمام نیک اعمال کا ثواب بخشتا ہوں اور مزید برس تین بار سورہ اخلاص پڑھ کر بھی ایصالِ ثواب کرتا ہوں، مجھ پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں بھی میرا یہی معمول ہے۔

(۴) وصیت کے باب میں میرے نزدیک دارالافتاء والارشاد کا معاملہ بہت اہم ہے، میں اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ دارالافتاء والارشاد کے نظم سے متعلق اپنا وصی کسے مقرر کر دوں، اگر آئندہ کوئی قابل اطمینان سہرت ظاہر ہوئی تو اس کے مطابق وصیت کر دوں گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں دھو حسیٰ نفعہ الوکیل۔

(۵) میں اپنے تمام متعلقین کو اور بالخصوص اولاد کو اس کی وصیت کرتا ہوں کہ کبھی بھی قرض کا لین دین ہرگز نہ کریں، نہ اپنی ذات کے لئے اور نہ ہی کسی دینی کام کے لئے، اپنی تمام تر



حاجات کو صرف اپنے مالک کے سامنے پیش کیا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے اور استعاذہ (پناہ مانگنے) میں مغرم و مآثم (قرض اور گناہ) کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ قرض لینے میں عزت اور دین دونوں کا نقصان ہے۔ قرض دینا اگرچہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اس زمانے میں لوگوں کی بدمعاشی کی وجہ سے آپس میں عداوت اور منافرت کا باعث بن جاتا ہے اسلئے اس سے بھی احتراز لازم ہے بحمد اللہ تعالیٰ میں نے آج تک کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے یا کسی دینی کام کے لئے قرض نہیں لیا، مجھے اپنے رب کریم کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی حفاظت فرمائیں گے، سفر میں کوئی ساتھ ہوتا ہے تو مصارف سفر کا اندازہ کر کے اس سے بھی کافی زیادہ رقم اس کے حوالہ کر دیتا ہوں، سفر ختم ہونے پر وہ حساب کر کے بقیہ رقم مجھے واپس کر دیتا ہے، میں حساب نہیں کرتا۔ البتہ کسی لوگوں کو قرض دیا انہیں سے کسی بھی بطریق خاطر واپس نہیں کیا اکثر کو تو معاف ہی کرنا پڑا اور ہمیشہ آپس میں ناگواری کا سبب بنا۔

(۶) کچھ امانت رکھنے کا معاملہ کریں تو اشیاء کی پوری تفصیل اور رقم کی مقدار لکھ کر اس پر مالک دستخط کرے محض حافظہ پر اعتماد کرنا بسا اوقات غلط فہمی اور بدگمانی کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) کوئی رقم کسی خاص مد کی ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس پر یادداشت لکھ دیں، اسی طرح کوئی حساب آپ کو کوئی چیز یا کچھ رقم بطور امانت دیں اگرچہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہوا پھر بھی جتنی جلدی ممکن ہو مالک کا نام اور رقم کی مقدار لکھ لیں نہ معلوم کب وقت آجائے، موت کے لئے ہر وقت سب معاملات سے فارغ رہنا لازم ہے۔

(۸) میں نے قبل ازیں ایک وصیت نامہ ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۶ھ میں عزیزہ اسماء کے حفظ قرآن کی تکمیل کے موقع پر اہتمام اعمال سے متعلق لکھا تھا پھر ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں آپس میں محبت و اسباب اختلاف اسباب محبت پر مشتمل دوسرا وصیت نامہ لکھا ان دونوں وصیت ناموں کے مطابق عمل کرنے کی اب پھر وصیت کرتا ہوں۔

(۹) مجھے کسی حال میں بھی ہسپتال میں ہرگز داخل نہ کریں اور اتنا مشورہ تو سب کو دیتا ہوں کہ جب مریض کی حالت مایوس کن ہو تو اسے ہسپتال نہ لے جائیں۔

(۱۰) جس شہر یا گاؤں میں میرا انتقال ہو مجھے وہیں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل نہ کیا جائے اور نہ ہی میرے لئے عام قبرستان سے الگ کوئی جگہ منتخب کی جائے

(۱۱) میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے وہ تر ہونیکے بعد جسم کے ساتھ



چپک جاتا ہے جس سے جسم کی رنگت اور حجم نظر آنے لگتا ہے اس لئے مجھے غسل دیتے وقت ناف سے زانو تک کے حصہ پر کوئی چارپائی وغیرہ رکھ کر اس کے اوپر چادر ڈال دی جائے یا چارپائی کے بجائے چادر کو دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچی کھینچ کر رکھیں۔

(۱۲) میرے جنازے میں شرکت کے لئے کسی قریب سے قریب رشتہ دار یا کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا زیادہ لوگوں کے اجتماع کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ وقت پر جتنے افراد بھی موجود ہوں وہ نماز جنازہ پڑھ کر جلد از جلد قبرستان پہنچانے کی کوشش کریں، سنت کے مطابق چند افراد کے نماز جنازہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ خلاف سنت ہزاروں کے جمع پر بھی نہیں ہوتی۔

(۱۳) منہ دکھانے کی رسم بہت بُری ہے ہمیں شرعاً بھی کئی قباحتیں ہیں اسلئے اس رسم سے احتراز کی تاکید کرتا ہوں (۱۴) مجھے قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رخ ٹھایا جائے، میت کو سیدھا ٹاکر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

(۱۵) میرے ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع نہ کیا جائے، شخص اپنے اپنے مقام پر حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کرتا ہے مالی عبادت کا ثواب پہنچانا چاہے تو حسبِ توفیق رقم کسی کارِ خیر میں لگائے یا کسی مسکین کی مدد کرے اللہ تعالیٰ کے ہاں سنت کی مطابق تھوڑا سا عمل بھی خلافِ سنت بہت بڑے اعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۶) میرے لئے ابھی سے روزانہ مغفرت اور غنائے الہی کی دعا اور ایصالِ ثواب کا معمول بنالیں، کم از کم تین بار قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخشد یا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل خود پڑھنے والوں کے لئے بھی بہت نافع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حیات و موت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت اور ایصالِ ثواب وغیرہ سب معاملات اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مطابق مقدر فرمائیں، آمین

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْہِیْ لِلذِّیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اِنَّ صَلٰوٰتِیْ وَنُسُکِیْ حَیْثُ وُجَّهْتُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اَمَرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

رشید احمد

مقیم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کوچی، ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

نوٹ : جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہل ذوق کو بہت سی چیزیں اس مختصر مضمون میں تشنہ تحریر نظر آئیں جن سے ان کی پیاس کی تڑپ اور فروزان ہو، — وہ انوار الرشید کے چھپنے کا انتظار فرمائیں، فقط واللہ المستعان عَلَیْہِ سَوَکَلَتْ وَالْکِیْدُ اُنْیْبُ، احتشام الحق آسیا آبادی ۹۶۰۰۲۳ھ

مہ "مقیم دارالافتاء والارشاد" لکھنے کا معمول اسلئے ہے کہ دنیا میں جہاں بھی رہیں بہر حال قیام عارضی ہی ہے وطن تو آخرت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا استحضار اور وطن کا شوق عطا فرمائیں، آمین



# تمہید

(طبع جدید)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي جعل العلم نوراً يهتدى به في ظلمات الجهل واختلاف الآراء وأوضح سبيله الصراط المستقيم لمن اتقى وإن اضطربت فيه الأهواء وجعل في كل زمان رجالاً على الحق أدلاء تيسيراً للاهتداء وجعل منهم أئمة ومجددين خاشعين لله علماء . وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى أَفْضَلِ الْمُرْسَلِينَ وخاتم الأنبياء وعلى آله وصحبه الاتقياء ومن هذا أخذوا من العلماء والاولياء صلوةً وسلاماً دائمين ما طلع القمران والنجوم في الغبراء ، أما بعد .

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشا تو اس میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو بسا کر کے مزید شرف عطا فرمایا لیکن انسان کو خود اپنی ذات میں اشرف واعلیٰ نہیں بنایا بلکہ ایک خارجی چیز ایمان و اسلام کی نعمت سے مالا مال کیا اور یہی نعمت دوسری عام مخلوق پر اس کے شرف و منزلت کا موجب بنی۔

چنانچہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے اور بندگان خدا کو ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھاتے رہے ، ہدایت کا یہ سرچشمہ انبیاء اور رسولوں کے وجود مبارک سے پھوٹتا ہوا انسانوں کے ایمان کی کھیتی کو سیراب کرتا رہا ، بالآخر یہ منبع ہدایت سرکارِ دو عالم فخرِ موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنی انتہا کو پہنچا جس طرح آپ کی ذات گرامی کو بیچ سے ہٹا کر ہدایت کا حصول ناممکن ہے اسی طرح رشد و ہدایت کی انتہا بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب و سنت پر ہوتی ہے ، یہی فیض نبوت کا وہ چشمہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے :-

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ترکْتُ فیکم شیئین لن  
تضلوا بعدہما کتاب اللہ وسنتی  
(مستدرک حاکم)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے بعد تم  
مگراہ نہ ہو گے ، کتاب اللہ اور اپنی سنت ۔  
(حاکم)



دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں ہو سکتی ہے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طالبین کو جو پیغامِ رحمت دیا وہ صراطِ مستقیم ہے، یہ وہی صراطِ مستقیم ہے جس کو پروردگارِ عالم نے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی منعم علیہم بندوں کا طریق فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ کتابِ سنت کی وہی تعبیر و تشریح صراطِ مستقیم پر لے جانے والی ہے جو منعم علیہم بندوں، صحابہ و تابعین و سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کی بیان کی ہوئی ہو، کتابِ سنت کی یہی تعبیر و تشریح جس کو صراطِ مستقیم کہا گیا، اسی کا دوسرا نام ”فقہ“ ہے۔ فقہ ہی وہ علم ہے، جو انسانوں کے لئے منضبط طور پر ایک مکمل ضابطہ حیات اور لائحہ عمل پیش کرتی ہے۔

ان سرچشمہائے ہدایت میں اگرچہ جزئیات سے بھی کافی بحث کی گئی ہے، لیکن کلیات جو ایک جامع شریعت کی روح ہوتی ہیں، انہیں کتاب و سنت اور فقہ میں بہت اہمیت دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے ان کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنا ہر زید، عمرو و بکر کا کام نہیں، خصوصاً اس دورِ ترقی میں جب کہ انسان زہرہ و قمر پر کندیں ڈال رہا ہے، ہر آئے دن ایسی ایجادات ہوتی رہتی ہیں جن کے متعلق سلف کی تحریروں میں کوئی صریح حکم دستیاب نہیں ہوتا، آج کے ہر انسان کو ان ایجادات خصوصاً ڈاکٹری طریقہائے علاج وغیرہ سے تو روزمرہ سالہ پڑتا ہے اور ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا حکم معلوم کر کے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ان کے سانچے میں ڈھالا جائے، لیکن یہ معلومات کہاں سے حاصل کی جائیں؟

اس لئے ہر دور کے ماہرینِ علومِ دینیہ علماء و ربانین نے اپنے اپنے دور کے نئے مسائل کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما کر امت کے سامنے ان کا حل پیش فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود آج کل کچھ ایسے عجیب و غریب مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک عام انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ ان مشکلات کا حل کہاں ملے گا؟ جن میں سے کچھ تو نئی ایجادات اور ڈاکٹری طریقِ علاج میں ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اور کچھ عوامی جہالت اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی مرعوب ذہنیت اور خود ساختہ پیغمبروں اور مجتہدوں کی پیداوار،

علاوہ ازیں بعض ایسے اہم مسائل بھی ہیں جنہیں کوئی سطح سے بنکوں اور دوسرے ذرائع سے پُران چڑھایا جا رہا ہے، غرضیکہ تقریباً تیرہویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک چاروں طرف ایسے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں جن کے سبب اب نے عوام کو بھی اپنی رو میں بہا دیا ہے، بلاشبہ علماء کرام اور اہل فتویٰ حضرات نے ایسے نئے پیدا شدہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہیں اور ان پر گراں قدر تحقیقات کر کے ان کا حل تلاش کیا، لیکن ان فتوؤں سے صرف وہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان مسائل کا حل زبانی یا لکھ کر دریافت کیا ہے۔ مگر ذرائعِ نشر و اشاعت کے مسدود یا معیوہ ہونے کی وجہ سے یہ تحقیقات کاغذوں کے صفحات اور لاتعداد جسطروں کے اوراق کی زینت ہیں اور بس،



جن سے ہر کس و ناکس نوکیا استفادہ کرتا، جن کی عمر اس میدان تحقیق میں کھپ گئی ہیں، ان کے لئے بھی بروقت اپنے کلمے ہوئے کسی مسئلہ کو اتنے بڑے ذخیرہ سے تلاش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، حالانکہ ان میں سے ایک سے ایک مسئلہ ایسی اہمیت کا حامل ہے کہ جس قدر ہو سکے ان کی اشاعت کر کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خزانہ علم کے دفاتر زبانِ حال سے اپنے قدر دانوں اور ضرورت مندوں کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں فیہ اسفا علی سد الذرائع۔

انہی متبحرین علماء کرام میں جنہوں نے اپنی عمریں علوم اسلامیہ کی خدمت، خصوصاً مسائل و نوازل کی تحقیق و تفتیش میں گزاری ہیں، میرے مرتب و محسن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی امت فاضل ہیں، آپ نے چونتیس برس فتویٰ نویسی میں گزارے ہیں، اور ہنوز فتویٰ نویسی میں محنتِ شاقہ اور غور و فکر و زاد کی طرہ جاری ہے۔ ۱۳۶۲ء سے آپ کی فتویٰ نویسی کا آغاز ہوا، آپ کے تعمق نظر و قوت استدلال کی وجہ سے اکثر علماء کے درمیان نزاعی مسائل فیصلہ کے لئے آپ کے پاس آتے تھے، ۱۳۷۹ء میں آپ کے ابتدائی دور کے فتاویٰ کا انتخاب بنام احسن الفتاویٰ کامل مبوَّب شائع ہوا، جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شاید کسی دینی ادارہ کا دارالمطالعہ اس سے خالی نہ ہوگا، اکابر علماء بھی اس سے استفادہ بلکہ استناد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا منتخب مجموعہ کی اشاعت کے بعد اپنے جتنے فتاویٰ جاری فرمائے ہیں، ان سب کی تعداد تو بہت گنتی ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت والا کے مختلف رسائل اور زیادہ اہم فتاویٰ کا انتخاب کر لیا جائے، فرائض کی تحریرات، غیر اہم مسائل و مکرات کو چھوڑ دیا جائے۔

اس سے قبل احسن الفتاویٰ مکمل کے نام سے جو کتاب معروف ہے اسے بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا ہے تازخِ تحریر سے قدیم اور جدید فتاویٰ میں امتیاز کیا جاسکتا ہے، رمضان ۱۳۸۲ھ سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا ہے۔

### اس مجموعہ کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مجموعہ فتاویٰ و رسائل میں سے اس مجموعہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو سامنے رکھ کر رسائل و مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے کہ :-

① — اس مجموعہ میں صرف فقہی رسائل و مضامین اور فتاویٰ شامل کئے گئے ہیں۔

② — فقہی رسائل و فتاویٰ کے انتخاب میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے :-

(الف) وہ فتاویٰ و رسائل لئے گئے ہیں جو موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور مسائل کی احتیاج کو پورا کریں۔

(ب) ایسے مسائل جو تحقیق طلب تھے مگر عام طور پر ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔



(ج) وہ مسائل جو عربی فتاویٰ میں تو موجود ہیں مگر اردو فتاویٰ میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا اختصاراً مختل کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے۔

(د) ایسے رسائل جواب تک طبع نہیں ہوئے، یا طبع تو ہوئے ہیں مگر ضخامت کم ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) — مسائل اکثر تحقیقی اور اصطلاحی زبان میں لکھے گئے ہیں تاکہ علماء و محققین حضرات ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں۔

(۴) — بعض رسائل فتاویٰ آسان زبان میں ہیں اور جن میں عربی کتابوں کی عبارتیں زیادہ ہیں ان میں اس مسئلہ کا خلاصہ بحث کے شروع یا آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ عوام بھی مسئلہ کی نوعیت سے واقف ہو سکیں۔ البتہ عربی عبارات و دلائل کی عوام کو ضرورت ہی نہیں، اس لئے ان کے ترجمے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، نیز یہ تطویل کا باعث بھی ہے جس سے بچنا ضروری تھا۔

(۵) — احسن الفتاویٰ کی ترتیب دوسرے فتاویٰ کی طرح فقہی رکھی گئی ہے۔

(۶) — ان فتاویٰ میں سے بیشتر حصہ دارالافتاء والارشاد کے شعبہ تدریس افتاء میں کام کرنے والے مختلف علماء کا تحریر کردہ ہے مگر چونکہ ہر مسئلہ حضرت اقدس نے اپنی خاص نگرانی میں اور خصوصی ہدایات کے تحت لکھوا کر اس پر تصدیق فرمائی ہے اس لئے ہر مسئلہ میں تحقیق حضرت اقدس ہی کی ہے، اگرچہ تحریر مختلف حضرات کی ہے۔

(۷) — ان تمام مسائل و رسائل پر حضرت اقدس نے چھپنے سے پہلے نظر ثانی فرمائی ہے۔

وعلیہ کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو عوام و خواص کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں و ما ذلک علی اللہ بعزیز

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

احتشام الحق آسیا آبادی عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والارشاد کراچی

۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

مطابق ۷ مارچ ۱۹۷۶ء



# تقدمہ

(اشاعت اول)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وہیے تو ۱۳۶۲ھ ہی سے بندہ کو تحریر افتاء کے مواقع پیش آتے رہے، مگر ۱۳۶۶ھ سے اللہ تعالیٰ نے دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری اور مستقل طور پر خدمت افتاء کی نعمت سے نواز الیکٹرانک سائنسز تک محضرہ فتاویٰ کے جمع اور ضبط کا کوئی انتظام نہ ہو سکا (الانادر) ۱۳۷۱ھ سے منعم حقیقی نے اس کی بھی توفیق عنایت فرمادی، کثرت مشاغل کی وجہ سے ہر فتویٰ کو خود نقل کرنے کی فرصت نہ تھی کسی دوسرے کی نقل پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے بطور یادداشت نمبر تو ہر مسئلہ کا درج کر دیا گیا، مگر مضمون کی نقل میں کثرات (الانادر) (الفائدۃ) اور فوائد کی تخریجات (جن میں مناسخہ کی طویل تخریجات کا بہت بڑا حصہ ہے) کو ترک کر دیا۔ ۱۳۷۶ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں منتقل ہونے پر چونکہ دارالافتاء کی مستقل ذمہ داری نہ رہی اور کثرت مشاغل میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس لئے اس اثنا میں جن مسائل کی تحریر کی نوبت آئی ان میں سے بیشتر کے ضبط کی ہمت نہ ہوئی (الاناشاء اللہ)

پس ۱۳۷۶ھ سے لے کر ۱۳۷۷ھ تک پانچ سال کے فتاویٰ کی کل تعداد تو ۲۰۲ تھی مگر ان میں سے محفوظ صرف ۴۵۱ تھے جن میں سے بعض مدت مذکورہ سے قبل یا بعد کے بھی ہیں۔ مگر بہت کم بلکہ کالعدم ہیں۔ نامساعد حالات میں اس مجموعہ کی نویب اور طباعت و اشاعت کی فادیر مطلق نے توفیق عنایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو شرف قبول بخشیں اور اس عاجز کے لئے ذریعہ نجات بنائیں، اور سراپا ظلم و جہول و مجتہدین و معاصی کے عیوب ظاہر و باطنہ کو جیسے دنیا میں محض اپنی کرم نوازی سے اہل دنیا کی آنکھوں سے مستور کر رکھا ہے، ایسے ہی آخرت میں بھی سوا ترحمت مغفور فرمائیں اللہم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی و اخروی خیرا من دنیا و آئین برحمتک یا ارحم الراحمین و بحق سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحابہ اجمعین۔

وانا العبد

رشید احمد

۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ، یوم الخمس



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## کتاب الایمان والعقائد!

کسی شخص کا یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرض نماز منع کر دی ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین ایسے شخص کے متعلق جس کا عقیدہ اور بیانات

حسب مندرجہ ذیل ہوں :

امرض ہے کہ ڈاکٹر عسکری صاحب جو کہ اپنے آپ کو ڈاکٹر اور سید بھی بتلاتے ہیں، مقام نودیر و ضلع لاڑکانہ میں آباد ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق ایڈیٹر اخبار رہبر سندھ نے بہت کچھ لکھا۔ بعد عسکری صاحب نے معافی مانگ کر ان سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ڈاکٹر عسکری صاحب کا عقیدہ اور بیانات حسب ذیل ہیں :

ڈاکٹر عسکری صاحب مذکور نے مسلمان ہونی عبدالستار صاحب و محمد حسن صاحب و اختتام الدین صاحب سابق اسٹیشن ماسٹر نودیر و، و تیغ علی خاں و سید رشید الدین احمد صاحب پوسٹ ماسٹر نودیر و ضلع لاڑکانہ سندھ کے روبر و بیشتر مرتبہ حسب ذیل بیان کیا کہ :

- ① — پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے فرمایا ہے کہ نماز پڑھنے سے آزاد ہے۔
- ② — حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خواجہ غفر بنیاز صاحب اور حضرت خواجہ قطب الدین صاحب اور حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین صاحب میرے مکان نودیر و میں تشریف لائے اور میرے عالم بیداری میں مجھ سے بات چیت ہوئی۔ بزرگان موصوفین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم سب تمہارے یہاں تین یوم قیام کریں گے۔ چنانچہ تین یوم تک مذکور بالا لوگوں میں سے بجز صوفی عبدالستار صاحب بقیہ مذکور چارہ اشخاص کو تین روز دعوتیں کھلائیں۔

- ③ — ایک روز بیان کیا کہ آج جنابہ سیدہ حضرت فاطمہ الزہراء میرے گھر تشریف لائیں اور میں جاگ اٹھا۔ مگر کمر سے نیچے میرا جسم بالکل مفلوج ہو گیا تھا، اٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں بیدار تھا اور دیکھ رہا تھا۔ لہذا مالا



کہہ رہا تھا۔

④ — ایک دن بیان کیا کہ آج شب میں حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما میرے مکان پر تشریف لائیں اور مجھے عالم بیداری میں زیارت ہوئی۔

⑤ — ایک دفعہ بیان کیا کہ آج شب میں حضرت خواجہ غریب نواز تشریف لائے ہیں اور مجھ سے مُسَلِّم بکرا پکوانے کی فرمائش کی اور پکانے کی خاص ترکیب بھی بتلائی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا بچہ بکری کا پکوا کر کھلایا۔ اس کھانے کے بعد بعض کوفے بھی ہوئی۔

⑥ — بیان کیا کہ میں ایک روز دہلی میں پیدل تیز رفتار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک بزرگ صاحب کا مزار تھا۔ جب کہ میں کچھ مزار سے دور بڑھ گیا تو صاحب مزار نے آواز دے کر فرمایا کہ اب نہیں آتے ہو میں لوٹ پڑا اور مزار پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ صاحب مزار مسکرا رہے ہیں۔ مجھ سے بات چیت ہوئی اور پھر میں چلا آیا۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ میں نے اہل قبور سے باتیں کی ہیں۔ جب اس قسم کے روزانہ قہقہے بیان کرنے لگے تو اشخاص مندرجہ بالا میں سے کچھ نے عسکری حجاب مذکور سے کہا کہ اس قسم کے قہقہے بیان کرنا بند کر دیجئے۔ یہ قوت اللہ پاک نے نبیوں کو عطا فرمائی ہے۔ آپ کے بیانات سے تو ہمیں بزرگان دین اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ اور بہتان ہے۔ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔ جواب میں فرمایا کہ میری اپنی قبر اور میری اپنی صلیب میں نے روپیہ خرچ کر کے یہ حاصل کیا ہے۔ مجھ کو کسی سے کچھ نہیں لینا ہے۔

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

مندرجہ سوال عقائد رکھنے والا شخص زندقہ ہے، نماز وغیرہ ظاہری احکام کا انکار کفر ہے۔ ایسے شخص کا معتقد ہونا ہرگز جائز نہیں۔ ہر شخص پر اس کی تکذیب اور انکار واجب ہے۔ جو شخص اس کی تصدیق کرے وہ بھی زندقہ ہے۔ علامہ محمد برکلی رومی رحمہ اللہ تعالیٰ طریقہ محمدی میں فرماتے ہیں مایداعیہ بعض المتصوفۃ فی زماننا اذا انکرو علیہم بعض امور ہم المخالف للشرع ان حرمۃ ذلك فی العلم الظاہر وانا من اصحاب العلم الباطن وانه حلال فیہ و انتکم تأخذون عن الکتاب وانا نأخذ من صاحبہ یعنی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم، کلہ الحاد و اضلال اذ فیہ ازدراء بالشریعة المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع هذا المقال الانکار علی قائلہ والحزم ببطلان قوله بلا شک ولا تردد ولا توقف والافہو من جملتہم ویحکم بالزندقة علیہم، الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم



اولیاء اللہ کو متصرف اور عالم الغیب سمجھنا؛

سوال؛ اولیاء کرام کی ارواح کو متصرف فی الامور اور عالم الغیب سمجھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جبردا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عقیدہ کا کفر ہونا قرآن، حدیث اور فقہ میں مصرح ہے، کفر لہ تعالیٰ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ الشُّوْكَ إِنَّ الْأَنْذِيْرَ وَبَشِيْرَ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۸۸-۴) قُلْ إِنْ كَانَ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (۲۱-۴۲) من قال ان ارواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر (بنازيه) ذكر الحنفية نصريها بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قُلْ مَا يَعْلَمُونَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ (شرح فقہ کبر) ومنها ان المیت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر (البحر الرائق ج ۲) قاضی خان وغیرہ کتب فقہ میں ایسے شخص کی تکفیر ہے جو نکاح میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔ اس باب میں آیات، احادیث اور عبارات فقہ اس کثرت سے ہیں کہ انہیں تحریر میں لانا مشکل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۱ رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ

قبر کو بوسہ دینا،

سوال؛ قبر کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے یا کہ حرام؟ بینوا تو جبردا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قبر کو بوسہ دینا بنیت عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلا نیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے، وکن اما يفعلونه من تقبيل الارض بين يدي العلماء والخطاء فحرام والفاعل والراضي به اثنان لانه يشبه عبادة الوثن هل يكفران على وجه العبادة والتعظيم كفروا على وجه التمجيد لا وصار اثمًا وتركيبًا للكبيرة وفي الملتقط التواضع لغير الله حرام (شرح التنوير) قوله ان على وجه العبادة والتعظيم كفرًا (تلفيق لقولين) قال الزيلعي ذكر الصدر الشهيد انه لا يكفر بهذا السجود لانه يريد به التمجيد. وقال شمس الامنة الشخص ان كان لغير الله تعالى على وجه التعظيم كفرًا قال القرطبي وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقًا وفي الزاهدی الايمان فی السلام الی قریب الركوع كالسجود وفي المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره اه وظاهر كلام اطلاق السجود على هذا التقبيل. (رد المحتار كتاب المحظر والاباحه) مزید دلائل محدثین و فقہاء کی تصریحات غریز الفتاویٰ جلد میں ملاحظہ ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ارشوال ۱۴۰۸ھ



## تارکِ صوم کا فر نہیں :

سوال ؛ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا مگر خود کو بد بخت اور گنہگار سمجھتا ہے۔ یہاں بعض علماء اسے کافر کہتے ہیں۔ آنجناب بادلائل اس پر روشنی ڈالیں کیونکہ اس میں اختلاف ہو گیا ہے  
بینوا بالادلة توجروا بالاجر الجزیل۔

## الجواب ومنه الصدق والصواب

تارکِ صوم بلا استحلال باتفاق جمیع اہل السنۃ مسلمان ہے لان الکفر هو انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ۔ گناہ کبیر کی وجہ سے خروج عن الایمان معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے ومن ادعی الارتداد فلیطع لنا قرنه ولیرض فی مضمار الیمن مہرۃ فان من قال انا، وقع فی العنا۔ اہل سنت کے ہاں بعض اعمال مثل شذرتار والقار القرآن وغیرہ اس لئے موجب کفر ہیں کہ یہ انکار اور تکذیب پر دل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،  
رمضان میں علانیۃ کھانے والے کا حکم :

سوال ؛ شامیہ کتاب الصوم میں ہے کہ رمضان میں علانیۃ کھانے والا کافر ہے۔ پس ایک شخص رمضان میں کھلم کھلا کھانا ہے مگر ساتھ ہی خود کو قصور وار اور گنہگار بھی کہتا ہے۔ آنحضور کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فی شرح التنویر ولواکل عمدًا شہرۃ بلا عذر یقتل وتامہ فی شرح الوہابیۃ۔ وفی الشامیۃ (قولہ وتامہ فی شرح الوہابیۃ)، قال فی الوہابیۃ ۷

ولواکل الانسان عمدًا وشہرۃ ولا عذر فیہ قیل بالقتل یومر

قال الشرنبلالی صورتها تعد من لا عذر له الاکل جهاراً یقتل لانه مستهزیء بالدين، او منکر لما ثبت منه بالضرورة ولا خلاف فی حلقۃ قتله والامر به فتعبیر المؤلف بقیل لیس بالازم الضعف۔ ۱۵ ح (شامیہ ج ۲)، بینوا توجروا،

## الجواب ومنه الصدق والصواب

شامیہ کی عبارت مذکورہ فی السؤال واقعی موجب تکفیر ہے، مگر اولایہ امر قابل لحاظ ہے کہ شامیہ میں علت تکفیر استہزاء بالدين ذکر کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے کو گنہگار اور قصور وار سمجھتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے وہ مستہزیء بالدين نہیں بلکہ مکاسلاً ترکِ صوم کرتا ہے، اور مکاسلاً تارکِ صوم کے متعلق خود شامیہ میں لکھا ہے کہ اسے قید و ضرب کی شدید سزا دی جائے، قتل نہ کیا جائے گا، اور باتفاق حنفیہ



شافیہ، مالکیہ تارک مسئلہ کافر نہیں تو تارک صوم بطریق اولیٰ کافر نہ ہوگا، اور ثانیاً حکم قتل موجب تکفیر نہیں کہ حکم القتل حد أو قصاصاً، اور ثالثاً قابل توجہ امر یہ ہے کہ تکفیر مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے، وقد ذکر ان المسألة المتعلقة بالكفر بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر واحتمال واحد في نفيه فلا أولى للمفتي والقاضي ان يعمل بالاحتمال الثاني لان الخطأ في ابقاء الف كافر اهلون من الخطأ في افتاء مسلم واحد، (شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۱۹) شامیہ باب المرتد میں (قوله قال في البحر وقد ألزمت نفسي الخ) کے تحت نہایت بسط اور تفصیل سے احتیاط فی التکفیر کی از حد تاکید ہے، اور بہت سی کتب کی عبارات نقل کی ہیں، اور اس مقام سے کچھ آگے چل کر خود در مختار میں اس کی سخت تاکید کی گئی ہے، لہذا ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانا خلاف احتیاط ہے، البتہ اس کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دینا بہتر ہے، کما فی شرح التنویر معزیاً الی شرح الوهبانیۃ للشرنبلالی ما یكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح واولاده اولاد زنا وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح، وفي الشامية (قوله والتوبة) ای تجدید الاسلام (قوله وتجديد النكاح) ای احتیاطاً (الی قوله) وظاهره انه لا يحكم القاضي بالفرقة بينهما وتقدم ان المراد بالاختلاف ولورواية ضعيفة ولو في غير المذهب (شامیہ ج ۳)، فقط والله تعالى اعلم،

۱۴ محرم ۱۴۳۸ھ

علم اور اہل علم کی اہانت کفر ہے :

سوال : ایک شخص اہل علم اور علماء حق کو گالیاں دیتا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

بیٹو! توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

علم دین کی اہانت اور علماء حق کو اس لئے گالیاں دینا کہ وہ حاملین علم دین ہیں کفر ہے، لہذا ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کر کے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے، اور اسے جلا وطن کرنا چاہیے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل



کرنے کا حکم ہے، قال فی البریقة المحمودیة شرح الطريقة المحمدیة قال فی الاشباہ  
الاستہزاء بالعلم والعلماء کفرو عن منیة المفتی تخفیف العلم والعلماء کفرو عن الخزانة من اذل العلماء ینفی  
من البلد بعد تعجید الایمان وعن مجموع النوازل اهانة علماء الدین کفرو عن المیطان شتم عالماً  
فقد کفر فطلق امرأته الخ (بریقة محمودیة ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

پردہ کو برا سمجھنا کفر ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی عورت کو یردہ شرعی کا حکم دیا۔ عورت نے جواب میں کہا کہ میں آخر  
عمر میں لغت قبول نہ کروں گی۔ اس عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے بینوا بالبرہا تو جروا عند الرحمن  
الجواب ومنہ الصدق والصواب

لفظ مذکور فی السؤال کلمہ کفر ہے اس میں نص مرتج سے ثابت شدہ حکم حجاب کا انکار بلکہ اہانت ہے  
قال فی شرح التوہید والکفر لغتہ السنو وشرعاً تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مما جاءہ من  
الدین ضرورة۔ وقال قبیل هذا من ہزل بلفظ کفر ارتداد وان لم یعتقدہ للاستخفاف الخ، وفی  
الشامیۃ المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مڑا یم عدم الاذعان والقبول لما علم بحیثہ بہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ضرورة (الی قولہ) ولیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا لان مجرد نسبة  
الکذب الیہ صلی اللہ وسلم کفر الخ (رد المحتار - کتاب المرتد ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۲۱ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اے شخص کے بارے میں جو  
علانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اپنے گناہوں پر فخر ہے، شریعت  
میں اس کی کیا سزا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

احکام شریعت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلاشبہ کفر ہے، لہذا  
ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری  
ہے، حاکم وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدید ایمان کی تلقین کرے، اگر خدا نخواستہ توبہ  
نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے، قال فی شرح التوہید من ہزل بلفظ کفر ارتداد وان لم



يعتقده للاستخفاف (رد المحتار ج ۳) وفيه ايضا تعميد من لا عذر له الاكل (في رمضان) جهارا يقتل لانه مستهزئ بالدين او منكرا لما ثبت منه بالضرورة (رد المحتار ج ۳)

مزاخہ کلمہ کفر کہنے والے اور علانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے تو گناہوں پر نثر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔  
۲۳ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

### تبصرہ برسالہ التلقین والهدایۃ لمن انکر الکرامۃ

میں نے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر اور مولانا عبد الکریم صاحب اور مولانا دوست محمد کے جوابات کا بغور مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں جواب لکھنے والے ہر دو حضرات نے مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد پوری طرح نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا جواب مکمل نہیں جواب میں دو امر مذکور ہیں۔

(۱) وقوع کرامت بدرجہ قدر مشترک نصوص قطعیہ سے ثابت ہے حالانکہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب بھی اس کے منکر نہیں۔

(۲) ہر واقعہ اور جزئی کرامت کے ثبوت کے لئے نص قرآنی یا احادیث متواترہ کی ضرورت نہیں حالانکہ مولانا خلیل اللہ صاحب بھی اس کے قائل نہیں۔

میرے خیال میں مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ) کہ مثلاً احراق نار مشاہد ہونے کی وجہ سے قطعی ہے۔ اب اگر کسی ولی کے متعلق سننے میں آئے کہ اسے کرامت کے طور پر آگ نہیں جلاتی تو اس واقعہ کی تصدیق کے لئے اس کا علم قطعی ضروری ہے۔ یعنی روبرو جاکر بالمشافہ دیکھا جائے یا اس کی خبر حدیث تواتر تک پہنچے۔ غرضیکہ قطعی سے مراد علم قطعی ہے قرآن یا حدیث کی نص قطعی مراد نہیں چنانچہ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا پہلا جملہ "واقعات عادیہ قطعی ہیں" اس پر بین دلیل ہے کہ قطعی سے ان کی مراد قطعی الوجود بالمعاینۃ وغیرہ ہے۔ ثابت بنص القرآن یا بالحديث القطعی مراد نہیں۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا مقصد واضح ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ رسالہ میں مندرجہ جوابات مولانا کے استدلال کی تردید کے لئے کافی نہیں، لہذا مولانا کے استدلال کے بالاخصار دو جواب تحریر کئے جاتے ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

(۱) الزامی جواب۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات اخبار آحاد ہی سے ثابت ہیں آپ کے استدلال کے مطابق ان جملہ معجزات کا انکار کرنا پڑے گا۔ یہ جواب مولانا عبد الکریم صاحب کی تحریر میں بھی موجود



ہے۔ مگر مندرجہ ذیل تحقیقی جواب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

(۲) تحقیقی جواب۔ امور عادیہ کے خلاف بعض واقعات جب ظہور قیام میں ہیں تو امور عادیہ قطعی نہ ہے بلکہ عام مخصوص منہ بعض ہونے کی وجہ سے ظنی ہو گئے۔ لہذا ان کے مقابلہ میں خبر واحد عادل کافی ہے جو کہ موجب ظن غالب ہے، غرضیکہ اگر کوئی کرامت خبر واحد عادل سے مستقول ہو تو اس کی تصدیق لازم ہے۔

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

## چاند پر پینا شرعت کے خلاف نہیں

عنایت فرما کر اس سوال کا تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔ قرآن شریف میں ”تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں اسی طرح چند تفسیریں بھی تحریر ہے کہ سب آسمان میں ہیں اور آج کل لوگ چاند پر اتر رہے ہیں اور اسی طرح زہرہ پر اتر رہے ہیں اور وہاں ٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور دلیل یہی دے رہے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو ہمیں رکاوٹ ہوتی، عنایت فرما کر جواب تحریر فرمائیں، والسلام

## الجواب باسم ملہم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں لہذا آیہ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں، کما قالوا فی قوله تعالیٰ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً تَوَكُّفًا لِّأَشْكَالٍ بَاقِيَةٍ نہیں رہنا جیسے کہ ”كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ“ میں فلک کے لغوی معنی یعنی تدویر مراد لینے سے اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حشر ”فی“ ظاہر رویت کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آ رہے ہیں اگرچہ حقیقت نیچے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی یا آسمان پر بارل ہیں حالانکہ یہ سیارات آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات شمس سمار میں مرکوز ہیں کیونکہ اشیاء مجاورہ کے لئے سمی ”فی“ استعمال ہوتا ہے کما فی قوله تعالیٰ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ پس قرب الی السمار یا بطبع مائل الی المحيط ہونے کی وجہ سے ”فِي السَّمَاءِ“ کا اطلاق صحیح ہے بلکہ ”یسبحون“ سے یہی متبادر ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ



## ڈاڑھی کو برا سمجھنا کفر ہے

سوال۔ سنت نبویہ خصوصاً ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کیسا ہے؟ بیٹو! تو جروا  
الجواب! ہم ملہم الصواب۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا درحقیقت اسلام اور  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء ہے جس کے کفر ٹوہنے میں کچھ شبہ نہیں۔ جب سنت سے  
استہزاء کفر ہے تو ڈاڑھی تو واجب ہے، اور شعار اسلام ہے، ایک مشیت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے۔  
اس کا مذاق اڑانا بطریق اولیٰ کفر ہے۔ قال فی العلانیۃ ولما الاخذ منها وہی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربة و  
مخنتۃ الرجال فلم یجدا احد (شامیہ رحمہ اللہ) اسے دوبارہ مسلمان کر کے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے اگر دوبارہ اسلام  
قبول نہ کرے تو حاکم پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ یوم عید الاضحیٰ ۱۴۲۸ھ۔

## مسئلہ ختم نبوت پر ایک دلچسپ مناظرہ

جمع و ترتیب

احتشام الحق آسیا آبادی

الحمد لله وكفى وسلاماً على عبادة الذين اصطفى۔ اقبال بعد  
میرے مرقی روحانی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ابتدائی تدریس کے زمانے  
میں ایک قادیانی مناظرے اتفاقاً ملاقات ہو گئی، قادیانی کے ساتھ ان کا ایک شاگرد بھی تھا، ملتے  
ہی قادیانی مناظرے اپنی تعریف اور مہارت پر کافی تقریر کی اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابیں پڑھی ہیں،  
عیسائیوں اور آریوں سے بہت سے مناظرے کئے ہیں، خوب اپنی قابلیت اور مہارت جتاتا رہا اور حضرت والا  
خاموشی سے سنتے رہے، اس کے بعد مسئلہ جریان نبوت پر بات شروع کر دی۔ ذیل میں اس مختصر مگر  
دلچسپ مناظرے کی رویت اور پیش کی جا رہی ہے جس میں خاص طور سے حضرات علماء کرام کے لئے بڑی کار آمد اور  
مفید باتیں آگئی ہیں۔

اختصار کی خاطر حضرت والا کو مفتی صاحب اور قادیانی کو قادیانی مناظرے کے عنوان سے ذکر کیا جائے گا۔

( آسیا آبادی )

حضرت مفتی صاحب :- آپ کا اصل دعویٰ تو اثبات نبوت مرزا ہے، مسئلہ جریان نبوت  
آپ کے دعویٰ نبوت پر دلیل کے لئے صغریٰ کا کام دیتا ہے یا کبریٰ کا؟

قادیانی مناظر :- یہ ہماری دلیل نہیں ہے، بلکہ اس مسئلہ کو ہم اس لئے بیان کرتے ہیں



کہ مرزا صاحب کی نبوت پر بحث کرتے ہوئے اکثر علماء یہ بحث از خود چھیڑ دیتے ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بحث کرنا پڑتی ہے۔

مفتی صاحب :- یہ بحث آپ اس عالم سے کریں جو اسے چھیڑے، مجھ سے براہ راست اپنے دعوٰی نبوت مرزا پر بحث کریں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ بغرض محال اگر نبوت جاری ہو تو بھی مرزا صاحب نبی نہیں ہو سکتے۔

حضرت والا کے اس اصرار کے باوجود قادیانی مناظر جریاں نبوت ہی پر بحث کرنے پر مصر رہے، اصل وجہ یہ ہے کہ قادیانی مناظر اس مسئلہ میں اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے آگے کانٹوں کا انبار ہے۔ اس لئے حضرت والا ارفاء عثمان کے لئے سہریان نبوت ہی پر بحث کرنے پر رضا مند ہو گئے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کسی کمزوری کی بناء پر اس بحث سے پہلو تہی کر رہے ہیں، چنانچہ اب بحث شروع ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب :- یہ بحث ہے تو بالکل فضول مگر جب آپ اپنے اصل مدعا کی طرف نہیں آنا چاہتے اور اسی پر مصر ہیں کہ جریاں نبوت ہی پر بحث ہو تو چلیے اس پر فرمائیے۔ قادیانی مناظر :- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بالاتفاق نبوت جاری رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ نبوت ختم ہو گئی، جو شخص متفق علیہ حقیقت کے خلاف کا قائل ہوتا ہے وہ مدعی کہلاتا ہے اور مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہوتا ہے، آپ مدعی ہیں، لہذا ختم نبوت پر دلیل بیان کریں۔

حضرت مفتی صاحب :- آپ میرا مدعی ہونا تسلیم کرتے ہیں؟ قادیانی مناظر :- (ذرا ہچکچا کر) ہاں! اس حیثیت سے کہ آپ متفق علیہ حقیقت کے خلاف کے قائل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب :- آپ حیثیت وغیرہ چھوڑیں اور سادہ اس کا اقرار کریں کہ آپ مجھے مدعی مانتے ہیں،

قادیانی مناظر :- (دبی ہوئی زبان میں) ہاں آپ مدعی ہیں۔

قادیانی مناظر کو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مدعی تسلیم کرنے میں تردد اس لئے ہو رہا تھا کہ



مناظرہ میں ہر شخص مدعی بننے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، مگر یہاں خود حضرت مفتی صاحب اپنے مدعی ہونے کا ان سے اقرار لے رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب :- یہ بتائیے کہ آپ کے ہاں نبوت بشرط لاشیء جاری ہے یا لا بشرط شیء؟  
قادیانی مناظر :- آپ علمی اصطلاحات استعمال نہ کریں، عام فہم زبان میں بات کرنا چاہئے۔  
حضرت مفتی صاحب :- یہاں عوام کا کوئی ایسا مجمع نہیں اس لئے علمی اصطلاحات کے استعمال میں کوئی حرج تو نہیں، معہذا آپ کی خواہش کی رعایت کرتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں مطلق نبوت جاری ہے یا النبوة المطلقة؟

قادیانی مناظر :- دونوں میں کیا فرق ہے؟

حضرت مفتی صاحب :- میں نے خیال کیا کہ آپ بوعلی سینا کی کتابیں دیکھے ہوئے ہیں اس لئے سمجھ جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں نبوت کی دو قسمیں ہیں، تشریعی اور ظلی، یہ دونوں قسمیں جاری ہیں یا ایک؟

قادیانی مناظر :- ایک قسم جاری ہے یعنی ظلی، تشریعی نبوت ختم ہو گئی۔

حضرت مفتی صاحب :- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت تشریعی جاری تھی آپ اس کے ختم ہو جانے کے قائل ہیں، متفق علیہ حقیقت کے خلاف کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ مدعی ٹھہرے۔ آپ اس پر دلیل بیان کریں۔  
قادیانی مناظر :- میں مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب :- بعینہ جس طریقے سے آپ نے مجھے مدعی ٹھہرایا، اسی طریقے سے آپ مدعی بن رہے ہیں۔

قادیانی مناظر :- میں کسی طرح مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب :- جس طریقے سے مجھے مدعی بنایا تھا بعینہ اسی طریقے سے آپ مدعی بن گئے اب اگر آپ مدعی نہیں تو میں بھی مدعی نہیں، قصہ ہی ختم ہو گیا۔

قادیانی مناظر :- (مجبور ہو کر اپنے مدعی ہونے کا بادل ناخواستہ اقرار کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں) نبوت تشریعیہ کے لئے کچھ شرائط ہیں (ان شرائط کی تفصیل بیان کرنے سے بچنے کے لئے کہا کہ) یہ شرائط آپ کو معلوم ہی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب :- مجھے ان شرائط کا علم نہیں آپ ہی بیان کریں، نیز یہ بھی بتائیے



حضرت مفتی صاحب :- اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریفی ممکن تو ہے مگر واقع نہیں !

حضرت مفتی صاحب :- یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شرط ممکن ہو اور شرط متمنع ؟

قادیانی مناظر کافی دیر تک اس بحث میں الجھتے رہے کہ شرائط ممکن ہیں اور نبوت شرعی ممکن نہیں، مگر بالآخر اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ نبوت شرعی کے شرائط بھی ممکن نہیں۔

حضرت مفتی صاحب :- اپنا دعووں کا اثبات آپ کے ذمہ ہو گیا ، ایک تو یہ کہ جو چیز آپ بیان کریں اس کی شریعت دلیل سے ثابت کریں ۔ دوسرا یہ کہ اس شرط کا ممتنع ہونا بھی ثابت کریں ،

فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے پھر حکم اس سے یہ ثابت ہو کہ تشریعی رسول نیا ہے جب کہ اس سے پہلے کتاب میں تحریف ہونے لگے ۔ چونکہ قرآن کریم میں کوئی تحریف نہیں ہو سکتی اس لئے تشریعی رسول بھی نہیں آ سکتا ۔

حضرت مفتی صاحب :- اس آیت سے تو سیبیت ثابت ہوئی نہ کہ شرطیت، تحریف ماقبل نہی رستا  
کا سبب ہے، شرط نہیں، یعنی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر تحریف ماقبل کے کوئی نیا رسول نہیں آسکتا، چنانچہ حضرت  
آدم علیہ السلام نشریعی نبی تھے، مگر آپ سے قبل کسی دین کی تحریف نہیں ہوئی، کیا نیا رسول آنے کی وجہ نہیں ہو سکتی کہ  
دین ماقبل میں کوئی تحریف بھی ہو مکمل طور پر صحیح طریقہ پر موجود ہو، اس کے باوجود اس کے احکام طہارت کے مناسب  
نہ رہے ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ اس زمانہ کے طہارت کے مطابق احکام تہیم فرمائیں۔ بہر حال  
شرطیت ثابت نہیں ہوتی۔

**فتاویٰ مناظر :-** (شرمندگی کی مہنی طاری کر کے فرمانے لگے کہ) شرطیت ہو یا سببیت بات یوں ہی ہے ۔

یہ کہہ کر اپنی چٹیری ہوتی بخت کو خود ہی ختم کر دیا اور حضرت مفتی صاحب ظہم کے بار بار اصرار کے باوجود اصل مدعا یعنی اثبات نبوت مرزا پرستہ کرنے کو تیار نہ ہوئے اور نہ ہی مسئلہ جبر یا انہوت پر مزید کلام کیا، بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب ظہم نے فرمایا کہ ”ہم نے کبھی کسی مناظر کو اس طرح خاموش نہ دیکھا نہ سنا۔ یہ صاحب اپنی خاموشی میں منفرد ہیں۔“



## قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم:

سوال - ایک شخص صحیح العقیدہ ہے۔ صوم، صلوٰۃ و زکوٰۃ کا پابند ہے، لیکن اس کے دنیوی تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں۔ کیا ایسے شخص سے مسجد کے لئے چندہ لینا اور ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور ایسے شخص کو خنزیر سے بدتر کہنا اور سمجھنا کیسا ہے؟ بیٹو! توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا شخص جو صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ خنزیر سے بدتر ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں، البتہ بہت سخت مجرم اور فاسق ہے۔ قادیانی زندیق ہیں جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے، مرتد اور اس کا بیٹا اپنے مال کے مالک نہیں، لہذا ان کی بیع و شراء، اجارہ و استجارہ، ہبہ کالین دین وغیرہ کوئی تصرف بھی صحیح نہیں، البتہ پوتے نے جو مال خود کھایا ہو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، مگر زندیق کا پوتا بھی اپنے کھائے ہوئے مال کا مالک نہیں اور اس کے تصرفات نافذ نہیں، اس لئے قادیانی سے کسی ذریعہ سے بھی کوئی مال لیا تو وہ حلال نہیں۔ تجارت وغیرہ معاملات کے علاوہ بھی قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی میل جول رکھنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں:

- ① اس میں قادیانیوں کے ساتھ تعاون ہے،
  - ② اس قسم کے معاملات میں عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں،
  - ③ اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں،
- اس لئے قادیانیوں سے لین دین اور دیگر قسم کے معاملات میں قطع تعلق ضروری ہے، ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ اُن کو بُرا سمجھتا ہو قابل ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قادیانیوں سے متعلق مزید مسائل جلد ۱ "باب المرتد والبنیة" میں ہیں۔ ۲۱/ محرم ۱۴۰۶ھ  
اور زیادہ تفصیل کتاب الخطر والاباحۃ میں۔



## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے

سوال : مرزائیوں نے کتابیں چھپوا کر بستی میں تقسیم کی ہیں جس میں انھوں نے قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کیا ہے۔ کچھ مسلمان اس عقیدے کی طرف رجوع بھی ہو گئے تو ان مسلمانوں کو مرتد خارج از اسلام اور کافر سمجھا جائے یا ضعیف الایمان مسلمان؟ بیٹنوا توجروا

### الجَوَابُ بِاسْمِ قُلُوبِ الصَّوَابِ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنے والے خارج از اسلام اور بلاشبہ کافر ہیں اس لئے کہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ قال اللہ تعالیٰ وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزاً حكيماً جب تک یہ لوگ توبہ استغفار کر کے تجدید ایمان نہ کریں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جیسا کہ قادیانی و دیگر مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اسی تفصیل یہ ہے کہ انکے ساتھ ہر قسم کا تعلق و کاروبار وغیرہ ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں مرتد کا حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے وارثوں کو نہیں مل سکتا بلکہ مسلمانوں کا حق ہے اسلئے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ نیز مرتد کے تصرفات نکاح، شرکت مفادضہ، ولایت علی الولد الصغیر، ہبہ، اجارہ، قبض دین وغیرہ نافذ نہیں ہوتے اور احد الزوجین کے ارتداد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ قال فی التنویر ویبطل منه النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث ویوقوف منه المفادضة والتصرف علی ولده الصغیر والمبايعة والعق والتمذیر والکتابۃ والہبة والاجارة والوصیۃ ان اسلم نفذ وان هلك او لحق بدار الحرب وحکم بطل۔

(رد المحتار ص ۳۳ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۶ھ

### ماہ صفر میں شادی کو منحوس سمجھنا

سوال : لوگ صفر کے مہینے میں شادی کرنے کو برا سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ لوگوں کا منحوس کا گمان غلط ہے لیکن میرے بھائی کی شادی اس مہینے میں ہوئی تو نتیجہ اچھا نہیں ہوا اس



مولوی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

مولوی صاحب کے قول "نتیجہ اچھا نہیں ہوا" سے غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان پر تو بہ لازم ہے نیز جن لوگوں کے سامنے ایسا کہا ہے ان کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف اور توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

### "لی خمسة اطفی بھا الخ" شرک ہے

سوال: لی خمسة اطفی بھا حتر الوباء المحاطہ: المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناہما والفاطمہ، یہ تعویذ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

### الجواب باسم ملہم الصواب

نا جائز اور شرک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

### تحقیق مَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

ایک فتویٰ ارسال خدمت ہے اس کے جواب سے نوازیں۔

سوال: ایصالِ ثواب بروح بزرگان اور ان کی طرف چوپائے منسوب کرنا اور پھر انکو زیارت گاہ پر جا کر ذبح کرنا (بسم اللہ اکبر پڑھ کر) اور غبار میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب

ایصالِ ثواب للغير جائز ہے۔ زمینی (شرح کنز) درمختار، فتاویٰ عالمگیری اور شامی وغیرہ میں یہ مذکور ہے اور کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز حرام نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب فضل الصدقہ میں حضرت سعد بن عبادہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی والدہ کی جب وفات ہوئی تو انھوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کی وفات ہو گئی ہے ان کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کے نام ایک کنواں کھدوایا (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خیرات وغیرہ کو ادیاریت کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی انکا کرے تو وہ منکر حدیث ہے۔ اور منکرین نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے، وما اهل



بہ لغیر اللہ، حالانکہ باجماع مسلمین یہ اُس جانور کے بارے میں ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، والاختلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اهل به لغیر اللہ عند الذبح (احکام القرآن للجصاص، ض ۱ ج ۱)

ومن ههنا علم ان البقرة المذبوحة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب كانه لم يذبح باسم غير الله عليها وقت ذبح وان كانوا يذبحونها (تفسيرات احمدیہ ۲۹) بتینواتوجروا۔

### الجواب باسم ملهم الصواب

ایصالِ ثواب بروح بزرگان و اولیاء کرام ثابت و موجب اجر و ثواب ہے اس میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی تقیید و تخصیص احداث فی الدین و بدعت ہے۔ اولیاء کرام کے نام پر جانور متعین کرنا اور پھر مزاروں پر لیجا کر ذبح کرنا ما اهل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے شرک ہے اور اس کا کھانا حرام ہے گو اس پر ہزار بار بسبح اللہ اللہ اکبر پڑھی گئی ہو۔ مجیب نے جواز پر جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی مفید مدعا نہیں۔ ملاحظہ ہو (قولہ) علماء کرام متفق ہیں کہ ہر کار خیر (اقول) اس تقریر سے اتنا ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب الی الغیر مطلقاً جائز ہے۔ اور اس میں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں البتہ اس کے لئے کوئی وقت متعین کرنا اور قیود لگانا بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(قولہ) منکرین نے وما اهل بہ لغیر اللہ سے استدلال کیا ہے (اقول) مجیب نے اس ساری تقریر سے نذر لغیر اللہ کے اثبات کی کوشش کی ہے اور احکام القرآن للجصاص کا حوالہ دیا ہے۔ ان المراد به الذبیحة اذا اهل بها لغیر اللہ عند الذبح، لیکن اس سے آگے نظر نہیں فرمائی جہاں مصرح ہے وظاہر قولہ تعالیٰ وما اهل بہ لغیر اللہ یوجب تحريمها اذا سمي عليها بسم غير الله لان الاهلال به لغیر اللہ هو اظهار غير اسم الله ولم يفرق الآية بين تسمية المسيح وتسمية غيره بعد ان يكون الاهلال به لغیر اللہ (احکام القرآن ج ۱۲) بالفرض ما اهل به لغیر اللہ کی تخصیص ذبح بسم غیر اللہ کے ساتھ تسلیم بھی کر لی جائے تو منذر لغیر اللہ کی حرمت وما ذبح علی النصب میں مصرح ہے۔

دوسرا حوالہ تفسیرات احمدیہ کا دیا ہے ان البقرة المذبوحة للاولياء اه اس کا مطلب یہ ہے کہ نذر تو اللہ تعالیٰ کے لئے مانی جائے اور ثواب اولیاء اللہ کے لئے ہو۔ یہ وضاحت خود مصنف نے منہیہ میں فرمادی ہے (بیان القرآن) اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اگر



اولیاء اللہ کو متصرف فی الامور اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ان کی رضا کے لئے جانور ذبح کرتا ہے تو یہ بلاشبہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور آجکل عوام کا عقیدہ یہی ہوتا ہے قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ و قصد بذبحہ التقرب الی غیر اللہ تعالیٰ حرام مرتداً و ذبیحۃ مرتداً (تفسیر نیشاپوری) امام رازی نے اپنی تفسیر میں صراحتاً اسکی حرمت بیان فرمائی ہے اور تمام فقہاء کرام بھی اس کی حرمت پر متفق ہیں۔ درمختار میں ہے ذبح لقدم الامیر و نحوه لو احد من الانام یحرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضعیف (لا یحرم لانه سنة الخلیل علیہ السلام و اکرام الضعیف اکرام اللہ تعالیٰ والفارق بینہما ان قدھا لیأکل منها کان الذبح لله تعالیٰ والمنفعة للضعیف او للولیمۃ وان لم یقدھا لیاکل منها بل یدفعھا لغيره کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر قولہ استثنی الاشباہ والنظائر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم سنہ ۱۳۹۵ھ

## سائبہ کی تحقیق

سوال : حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن میں سائبہ کی حرمت ثابت فرمائی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں حلال لکھا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ سائبہ کو حرام کہنے سے مشرکین کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ سائبہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں کے علاوہ مٹھائی وغیرہ جو غیر اللہ کی نذر کے طور پر تقسیم کی جاتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اور ما اہل بہ لغیر اللہ اس کو شامل ہے یا نہیں؟ بیوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیاً۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے امداد المفتین ص ۴۳ ج ۲ میں سائبہ کی حلت کی طرف حضرت تھانوی قدس سرہ کا رجوع نقل فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی طرف سے سوال اور حضرت تھانوی قدس سرہ کا جواب امداد المفتین سے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال : ایک فتویٰ ریاست قردلی کا دربارہ (حلت) سائبہ و بجرہ وغیرہ یہاں آیا ہوا ہے جس پر حضرت والا کی بھی تصدیق ہے۔ غالباً تصدیق کی نقل میں تو غلطی نہیں ہے کیونکہ بیان القرآن



جدید کے حاشیہ میں بھی حضرت نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے اور کچھ یاد ہے زبانی بھی حضرت سے چند جملے احقر نے سُننے تھے مگر اسمیں ایک کھٹک اسی وقت سے چلی آتی ہے وہ یہ کہ صورتِ ثالثہ جس میں اراقہ دم لغیر اللہ مقصود نہیں مگر نذر لغیر اللہ کی حد میں تو داخل ہے اور منذور لغیر اللہ کی حرمت پر صاحب بحر نے عبارت ذیل میں اجماع مسلمین نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانور کی حلت کے لئے صرف اذن مالک کافی نہیں بلکہ مالک کا اپنی نذر سے رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر سائبہ وغیرہ جانوروں اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق ہو تو بیشک یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے مگر مجھے ان دونوں میں کوئی فارق معلوم نہیں ہوا کہ اصل علت تقرب الی غیر اللہ ہے وہ دونوں میں یکساں ہے، صرف بحیرہ سائبہ میں صیغہ نذر کا نہیں ہے اگر ہو سکے تو اس پر نظر فرما کر اس کا حل فرما دیا جادے تاکہ اشکال رفع ہو اور اس کا جواب بھی روانہ کر دیا جائے۔

### جواب

اس مسئلہ کے متعلق میری رائے پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک زید کی موافقت (حرمت) کا اور میں نے تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا تردد کا، تفسیر کی جلد ثالث کے منہیہ میں اس تردد کو ظاہر کیا ہے۔ تیسرا بکر کی موافقت میں (حلت) اور امداد الفتاویٰ کے فتویٰ منقولہ سوال میں اسی کا حکم کیا ہے جو کہ تفسیر سے زماناً متاخر ہے، پس اخیر رائے یہی ہے اور پہلی دونوں رائیں مرجوع عنہ ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائب ماہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں کیونکہ نادر کا مقصد ان کا ذبح نہیں، پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارض (عدم اذن المالك) سے ہوگی جس کے ارتفاع سے حرمت اکل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی۔ چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت یا یھٰا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے اور آیت سے حلت کا اثبات اور اس حرمت کی نفی کی ہے اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انہوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا تو مسئلہ متفق علیہا ہو گیا البتہ میری تحقیق میں ماہل بہ لغیر اللہ میں ایک دوسرا عموم ہے یعنی منذور بہ لغیر اللہ غیر حیوان کو بھی حکم حرمت کا شامل ہے مگر اس تفصیل سے کہ حیوان کی حرمت مدلول نص بلا واسطہ ہے (ان الایات وردت قطعاً فی الحیوانات اور غیر حیوان کی حرمت مدلول بواسطہ قیاس ہے۔ لا اشتراك العلة



وہی نیت التقرب الی المخلوق، بحر کا فتویٰ اسی قیاس پر مبنی ہے۔ باقی آپ نے جو ظہان لکھا ہے اس کا جواب قواعد سے یہ ہے کہ منذر بہ لغیر اللہ میں وہ تصرف جس میں تقریر ہے ناذر کی غرض باطل کی حرام ہے لائن اعانة الحرام حرام اور جس تصرف میں ابطال ہے غرض ناذر کا وہ جائز ہے پس ما اھل بہ لغیر اللہ کے ذبح و تناول میں تو تقریر ہے اس کی غرض اراقہ دم کی اسلئے حرام ہے اور سوائب کے ذبح و تناول میں ابطال ہے اس کی غرض کا اس لئے حرام نہیں، اور بحر کی جزئیات میں مجاورین کا انتفاع یا ایتقاد قنادیل وغیرہ یہ سب تقریر ہے غرض ناذر کی اسلئے حرام ہے۔ اس سے فرق نکل آیا سوائب کے تناول میں اور منذر للقبور کے تناول میں۔ واللہ اعلم

مکتبہ اشرف علی

۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ

سوائب اور منذر للقبور میں ایک اور فرق بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ منذر للقبور کی حرمت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ہے اور تقرب بواسطہ قربت ہوتا ہے، اور تصدق و اراقہ دم شرعاً قربت ہے مگر محض تیبیب کو شریعت نے قربت نہیں قرار دیا اگرچہ سیب اسے قربت سمجھتا ہے لہذا سوائب میں تقرب الی غیر اللہ نہیں پایا گیا جو علت تحریم ہے۔

غرضیکہ سائبہ فی نفسہ حلال ہے مگر عدم اذن مالک کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر مالک کی طر سے صراحت یا اباحت عامہ کے تحت اذن پایا جائے تو سائبہ حلال ہے "ما اھل بہ لغیر اللہ" کے عموم میں مٹھائی وغیرہ بھی داخل ہے، اور "وما ذبح علی التنصب" کا بالاستقلال ذکر اس پر قرینہ ہے کہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" حیوان وغیر حیوان دونوں کو شامل ہے اور اگر اسے حیوان کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی، بعلۃ التقرب الی غیر اللہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

## نجومی کوہاتھ دکھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ نجومی کوہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا جائز ہے، علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، نجومی اسباب پر نظر کر کے نتیجہ کی پیشگوئی کرتا ہے جیسے کہ محکمہ موسمیات اور دوسرے مختلف محکمے اور ماہرین فن اسباب



کے پیش نظر پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا تھا اور نجومی جو وقوع حوادث کی خبر دیتا ہے وہ امر تقدیری بقواعد نجوم بتاتا ہے یہ علم غیب میں شمار نہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ عقائد رکھنا شرعاً جائز ہے؟ بیٹو! تو جروا

### الجواب باسمہم السلام

اسباب سے متعلق عام قاعدہ یہی ہے کہ اگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ درجہ سببیت میں رکھتے ہوئے سبب پر استدلال کیا جائے تو یہ جائز ہے مگر شریعت نے اس قاعدہ سے علم نجوم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یعنی نجوم سے درجہ سبب میں بھی واقعات پر استدلال سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس استثناء کی حکمت کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں، معذرا بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں اتنا غلو ہو گیا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے بالعموم نجوم کی تاثیر کے قائل ہو جاتے ہیں، محض سببیت پر توقف نہیں کر سکتے، نیز اس علم میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ بسا اوقات بہت سی پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شریعت نجوم کی سببیت ہی کا انکار کرتی ہے یعنی نجومی جن امور کی نسبت نجوم کی طرف کرتے ہیں شریعت نے ان کی تغلیط کی ہے ویسے مطلقاً سببیت بالخصوص شمس و قمر میں مشاہد ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ علم نجوم و علم فراست دراصل صحیح ہیں مگر ان کے قواعد کسی دلیل سے ثابت نہیں اسلئے ان میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے جو بسا اوقات بدگمانی کا باعث بنتی ہے اور بدگمانی سے فتنہ، منافرت اور دیگر کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ چور کی شناخت کا عمل اسی وجہ سے ممنوع ہے۔

افلاطون سے اگر کوئی ملاقات کرنا چاہتا تو پہلے اس کی تصویر منگو کر بذریعہ فراست اس کے اخلاق معلوم کرتے ملاقات کے قابل ہوتا تو اجازت دیتے۔ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر ملاقات سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ افلاطون کی فراست صحیح ہے واقعی میرے اندر یہ رذائل تھے مگر اب میں نے ان کی اصلاح کر لی ہے، جب افلاطون جیسے مشہور صاحب تصرف اشرافی سے غلطی ہوئی ہے اور وہ بدگمانی پیدا کر سکتی ہے تو کوئی دوسرا کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

(۱) من اتی عرافاً فسأله عن شيء لم يقبل له صلاة أربعين ليلة (صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل)

(۲) من اتی عرافاً وکاهناً فصدقه بما یقول فقد کفر بما أنزل علی محمد (مسند احمد، مسند کرکام)

(۳) من اتی کاهناً فصدقه بما یقول اوائی امرأة حائضاً وائی امرأة فی دبرها



فقد برئ مما انزل علی محمد (سُنن اربعہ، مسند احمد)

(۴) من اتى كاهنا فسأله عن شئ عجبته عند التوبة اربعين ليلة فان صدقه

بما قال كفر (طبرانی)

قال فی رد المحتار تحت (قوله التنجيم) وافاد ان تعلم الزائد على هذا المقدار  
(ای مقدار یا بعرف به، مواقیت الصلوة والقبلة) فیہ یأس بل صرح فی الفصول مجرمة  
وهو ما مشى عليه الشارح والظاهر ان المراد به القسم الثاني دون الاول ولذا قال فی  
الاحياء ان علم النجوم فی نفسه غیر مذموم لذاته اذ هو قسمان الاول (تم قال) ولكن مذموم  
فی الشرع وقال عمر تعلموا من النجوم ما تهتدوا به فی البر والبحر ثم امسكوا وانما جوعته  
من ثلاثة اوجه احدها انه مضر بأكثر الخلق فانه اذا التقى اليهم من هذه الآثار  
تحدث عقيب سیر الكواكب وقع فی نفوسهم انها المؤثرة وثانيها ان احكام النجوم  
تتمين محض ولقد كان معجزة لادريس عليه السلام فيما يحكى وقد اندرس في ثلثها  
انتهى لا فائدة فيه فان ما قدر كائن والاحتراز عنه غير ممكن اهـ ملخصاً (رد المحتار ص ۱۳۲)

یہ جو کہا گیا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا تھا، اولاً تو یہ بات  
پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، ثانیاً قواعد نجوم سند سے ثابت نہیں کہ ان پر اعتماد کر لیا جائے، اور یہ  
کہا جائے کہ یہ وہی علم ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ثالثاً خود منجمین اور ان سے  
پوچھنے والے عام طور پر کواکب کو متصرف و فاعل سمجھتے ہیں جو شرک جلی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

## خالہ زاد سے پردہ کو معیوب سمجھنا کفر ہے

سوال : خالہ، ماموں، پھوپھی اور چچا لے لڑکوں سے پردہ کو بُرا سمجھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

بیّنوا توجروا۔

خالہ زاد وغیرہ سے پردہ فرض ہے اور شریعت کے کسی حکم کو بُرا سمجھنا کفر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رذی قعدہ سنہ ۸۷۷ھ



## جی ایم سید کفر میں حبس

سوال۔ کتاب ”جئین ڈنوموں“ تصنیف جی ایم سید طابع و ناشر نور محمد ملیمچی برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے، تحریر فرمائیں کہ اس کے مصنف اور طابع و ناشر کے بارہ میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ بیٹو اتوجروا۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ صریح اور ناقابل تاویل کفریات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مذہب اور خدا پرستی کو وہم پرستی ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع، بصر، رزق، رضا، غضب وغیرہ اور اسلام کے بنیادی عقائد خلق انسان، حیات بعد الموت، برزخ، قیامت، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ، حج، طواف، رمی، سعی، قربانی، صدقات، ختنہ، جانوروں کی حلت و حرمت، عبادات، اوراد، وظائف اور روزہ وغیرہ احکام کو قدیم و ہم پرستی قرار دیا ہے (ص ۱۴) یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ اس دو سو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ الحاد و کفر سے خالی ہو انتہائی حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلم حکومت اور مسلم ملت میں ایسی صریح اسلام دشمنی اور عقائد و اصول اسلام کا علانیہ مذاق اڑانے اور صریح کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کی جرأت کیسے ہوئی؟ پھر مسلمانوں نے اور مسلم حکومت نے اسے برداشت کیسے کیا؟ حکومت پر فرض ہے کہ اس کتاب کے ضبط کا فوری حکم دے اور ایسے مردود و دشمنان اسلام کو برسرِ عام قتل کی عبرتناک سزا دے اور عامۃ المسلمین، خصوصاً علماء کرام کا فرض ہے کہ اس کھلی ہوئی توہین اسلام اور کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس کی روک تھام کے لئے حکومت سے پُر زور مطالبہ کریں۔ مسلمانوں کے لئے اس کتاب کے مصنف و طابع و ناشر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ ان مرتدین کا نکاح بھی باقی نہیں رہا۔ ان کی بیویوں پر فرض ہے کہ فوراً ان سے الگ ہو جائیں ان کے ساتھ بیوی جیسا تعلق رکھنا زنا شمار ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا ہوگی، واللہ یعول الحق وھو یدھ السبیلہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

## نور و بشریت

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سمجھنا کیا ہے؟ بیٹو اتوجروا۔



### الجواب باسم ملہم الصواب

نور کے معنی ہیں روشنی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور فرمایا ہے هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً۔ روشنی چونکہ خود بھی ظاہر ہوتی ہے اور دوسری اشیاء کو بھی روشن اور ظاہر کر دیتی ہے اسلئے نور کے التزامی معنی ہیں ”الظاهر المظہر“ اسی مناسبت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نور کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کے لئے بھی وصول الی اللہ کے راستوں کو ظاہر کرنے والے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کرنے والے، بلکہ اس معنی سے ہر دینی مقتدا نور ہے۔ حدیث میں ”اللہم اجعلنی نوراً“ کی دُعا سے بھی یہی مراد ہے۔ نور الدین، نور الاسلام نور اللہ وغیرہ نام رکھنے کا عام دستور ہے، اس سے بھی یہی مقصد ہے۔ یعنی دین اور اسلام کی ہدایت کرنے والا۔ نور اور بشریت میں کوئی منافات نہیں ورنہ بشر کا نام نور الدین وغیرہ رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اسی طرح بشر کے لئے ”اللہم اجعلنی نوراً“ کی دُعا جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ ”یا اللہ اسے بشریت اور انسانیت سے نکال دے“۔ قرآن کریم میں بھی دینی ہدایت کو نور اور گمراہی کو ظلمت فرمایا گیا ہے او من کان مبیناً فاحییناہ وجعلناہ نوراً لیمشی بہ فی الناس کہن مثله فی الظلمات لیس بخارج منها۔ یہی نور ہدایت بروز حشر روشنی بن کر چمکے گا۔ یسعی نورہم بین ایدہم ویما ہنہم۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے بارے میں فرماتے ہیں اللہ نور السموات والارض۔ حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نور بمعنی ہدایت تحریر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ بندہ کے خیال میں اس کا زیادہ واضح اور زیادہ جامع مطلب یہ ہے کہ جس طرح روشنی سے استفادہ کیا جاتا ہے اسی طرح زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا وجود اور صفات محض ربِّ کریم کا فیض ہے حقیقت یہ ہے کہ نور بمعنی ہدایت ہی اصل کمال ہے اور یہ ظاہری روشنی سے بدرجہا زیادہ افضل ہے، چنانچہ سورج، چاند اور ستارے ظاہری نور ہونے کے باوجود بشر کے خادم ہیں۔ وسخر لکم الشمس والقمر والنجوم۔ چونکہ بشر اشرف المخلوقات ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کے لئے بشر ہی کو منتخب فرمایا۔ ارشاد ہے انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملها الانسان، معکرین بشریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و اُمی کو اشرف المخلوقات کی جنس اور بشریت کے اعلیٰ ترین مقام سے گرا کر کس مخلوق میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی طرح آپ بھی مجردات میں



سے ہیں تو یہ مدعیانِ محبت نادان دوست کی طرح محسنِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔ بشریت و رسالت میں تضاد کفار کا عقیدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ رسول صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انکے اس غلط عقیدہ پر قرآن کریم میں جا بجا تردید فرمائی ہے۔

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی، آپ کی بشریت کا انکار نصوصِ قرآنیہ کے خلاف اور آپ کی توہین کو مستلزم ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵، سوال سنہ ۹۱ھ

## تکفیرِ مسلم کفر ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ امیر بادشاہ ایک مینی جماعت کے ایک حلقہ کے ناظم تھے اور کمال الدین صاحب اس جماعت کے مرکزی ناظم۔ امیر بادشاہ نے جماعت میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ امام مسلم کو مشرک قرار دو۔ یہ مسئلہ اس جماعت کی شوری کے زیر غور تھا امیر بادشاہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ جو کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان پر جو رحمہ اللہ لکھا ہے اسے کاٹ دو شوری نے فیصلہ دیا کہ جب تک مسئلہ کا آخری فیصلہ شوری نہ کر دے جب تک رحمہ اللہ نہیں کاٹا جاسکتا، اس پر امیر بادشاہ نے کہا میں ایسی جماعت کا کوئی کام نہیں کروں گا اور جماعت کے کام میں بالکل حصہ نہیں لوں گا یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا، اور عملی طور پر الگ ہو گئے۔ کمال الدین صاحب مرکزی ناظم کا ارکان کی میٹنگ میں سارا زور اس بات پر تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ مشرک ہرگز نہیں تھے بلکہ بچے مومن تھے، اتفاق سے ایک اور مسئلہ پر کمال الدین صاحب مرکزی ناظم اور جماعت کے امیر اور شوری کے تمام ارکان میں اختلاف ہو گیا، امیر جماعت اور پوری شوری ایک طرف، کمال الدین صاحب مرکزی ناظم دوسری طرف اکیلے تھے تو امیر بادشاہ اپنے مسئلہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ کمال الدین صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں تحریر کریں کہ ہم ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اب سنا ہے جو صحیح بھی ہے کہ کمال الدین صاحب اس جماعت کے امیر بن گئے ہیں اور امیر بادشاہ مرکزی ناظم بن گئے ہیں۔

بیّنوا التوجروا

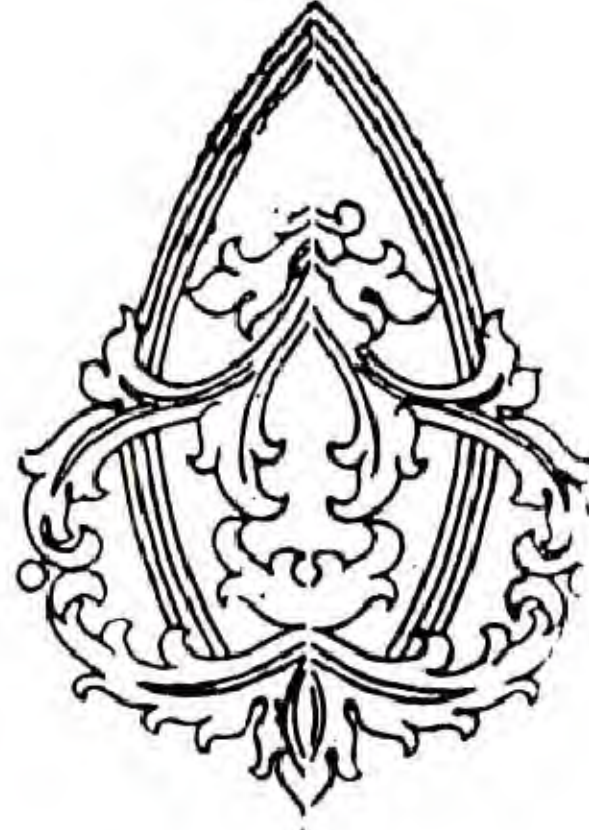


## الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقام تو بہت بلند ہے، کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی کافر یا مشرک کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، لہذا امیر بادشاہ جب تک توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ اگر امیر بادشاہ شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھا جائے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے، کمال الدین۔ اگرچہ تکفیر مؤمن جیسے کفر کا مرتکب نہیں ہوا مگر امیر بادشاہ کے ساتھ تعلق و تعاون کی وجہ سے فاسق ہے جب تک اس سے قطع تعلق کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔

حکومت پر فرض ہے کہ ان دونوں کو عبرتناک سزا دے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لایخیه کافر فقد باء بها احدهما (متفق علیہ) وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (رواہ البخاری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ ۱۴۱۵ھ





کَلِمَاتُ فِرَاقٍ أَحَدُ كُمْ حَتَّى يَكُونَتْ  
هُوَ أَوْ بَعْدَ الْمَاجِئَاتِ بِهَذَا رَفَعِ الشَّيْءَ

## ایمان و کفر کا معیار

○ گاندھی کو مسلمان سمجھنا کفر ہے  
○ مسلمان کی تعریف

سوال : گاندھی نے

جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے -

”مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کلمہ کیوں پڑھوں؟ کیوں یہ  
اللہ کی تعریف نہ کروں؟ کیوں میں محمد کو اپنا پیغمبر نہ سمجھوں  
مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے ہما تماؤں اور پیغمبروں میں  
وشواش ہے۔“ مذکورہ الفاظ کہنے سے گاندھی کو مسلمان کہا  
جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب جلد عنایت فرمائیں کیونکہ مجھے  
ایک تبلیغی رسالے کے لئے ضرورت ہے —

بیتنا بالبرہان نہرکم الرحمن



## الجواب ومنه الصدق والصواب

ایمان کی تعریف یہ ہے: هو التصديق بما علم محي، الرسول صلى الله عليه وسلم به اجمالاً فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً اس تعریف میں تصدیق سے مراد تصدیق منطقی یعنی معرفت و ادراک نسبت نہیں اور نہ ہی تصدیق لغوی (ای نسبة الصدق الى القائل) مراد ہے بلکہ مقصود تصدیق شرعی ہے جو کہ امور ثلاثہ کا مجموعہ ہے (۱) معرفت (۲) تصدیق لغوی (۳) انقیاد و استسلام۔ یا یوں کہا جائے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق لغوی ہے مگر ایمان کے تحقق کے لئے معرفت اور انقیاد شرط ہیں۔ عند الجہمیہ ایمان صرف معرفت ہے و هو مردود لانہا غیر اختیاریۃ۔ الایمان اختیاری لكونه مكلفاً به والتكليف وارد على الافعال الاختيارية۔ وايضاً قوله تعالى فاعلم انه لا اله الا الله ای اکتسبه يدل على كون الایمان كسبياً والمعرفة ليست بكسبية وايضاً المعرفة كيف والتصديق فعل وبينهما تضاد۔

قرآن مجید کی نصوص بھی جہمیہ کی تردید کر رہی ہیں، قال الله تعالى وحدها واستيقنتها انفسهم ظلمات وعلموا۔ الذين اتينهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم۔ ولما جاءهم ما عرفوا كفروا به۔ وقال الله تعالى حكاية عن موسى عليه السلام مخاطباً لفرعون لقد علمت ما انزل هؤلاء الا رب السموت والارض بصائر واني لاظنك يا فرعون منبورا۔

غرضیکہ ایمان کے لئے صرف معرفت کافی نہیں بلکہ تصدیق اور انقیاد بھی لازمی ہیں۔ قال امام الحرمین فی الارشاد التصديق على التحقيق كلام النفس ولكن لا يثبت العلم الخ قال ابن الهمام وظاهر عبارة الاشعري في هذا السياق ان التصديق كلام للنفس مشروط بالمعرفة يلزم من عدمها عدمه ويختل ان الایمان هو المجموع من المعرفة والكلام النفسی فيكون كل منهما ركناً من الایمان فلا بد في تحقيق الایمان على كلا الاحتمالين من المعرفة اعني ادراك مطابقة دعوى النبي صلى الله عليه وسلم للواقع ومن امر آخر هو الاستسلام الباطن والانقياد لقبول الاوامر والنواهي المستلزم للجلال وعدم الاستخفاف (مع التبري من الكفر الذي كان فيه) وهذا الاستسلام الباطن هو المراد بكلام النفس وبه عبر المصنف (ای الغزالی) فی كلامه على الایمان والاسلام وانما قلنا انه لا بد مع المعرفة من الامر الآخر وهو الاستسلام الباطن لا تقدم من ثبوت مجرد تلك المعرفة مع قيام الكفر الخ۔ قال العلامة الزبيدي في شرح الاحياء الاظهر ان التصديق قول للنفس غير المعرفة لان المفهوم من التصديق لغة هو نسبة الصدق الى القائل وهو فعل والمعرفة ليست فعلاً انما هي من قبيل كيف المقابل لقوله الفصل فلزم خروج كل من الانقياد الذي هو الاستسلام ومن المعرفة عن مفهوم التصديق لغة مع ثبوت اعتبارها شرطاً



فی الایمان وثبوت اعتبار ہا بہذا الوجه علی انہما جزءان لمفہومہ شرعاً وشرطان لا اعتبارہ لاجراء احکامہ شرعاً والثانی ہوا الوجه اذ فی الاول یلزم ثقل الایمان من المعنی اللغوی الی معنی اخر شرعی وهو بلا دلیل یقتضی وقوعہ منتف لا نہ خلاف الاصل فلا یصار الیہ الا بدلیل ولا دلیل بل قد کثر فی الکتاب والتسنۃ طلبہ من العرب واجاب من اجاب الیہ دون استفسار عن معنایہ وان وقع استفسار منهم فانما هو عن منعلق الایمان وعدم تحقق الایمان بدون المعرفة والاستسلام لا یتلزم جزئیتهما لمفہومہ شرعاً لجواز ان یکونا شرطین للایمان شرعاً وحقیقتہ التصدیق بالامور الخاصۃ بالمعنی اللغوی واذا تقررت انک ظہر ثبوت التصدیق لغتاً بدونہا مع الکفر الذی ہو ضد الایمان اھ۔ وناقش فی بعضہ العلامة الاکوسی فقال بعد کلام وحاصل ذلک منع حصول التصدیق للمعانہ فانہ ضد الانکار وانما للحاصل لہ المعرفة التی ہی ضد النکار والجهالة وقد اتفقوا علی ان تلك المعرفة خارجة عن التصدیق اللغوی وهو المعتبر فی الایمان۔ (فتح الملہم ج ۱)

غرضیکہ تصدیق لغوی حق اور انقیاد سے جدا ہو سکے یا نہ ہو سکے ہر کیف ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد ضروری ہے۔ انقیاد کے سوائے ان اقرار ہی معتبر نہیں۔ اظہار حق میں ہر قل کے الفاظ کتنی اہمیت رکھتے ہیں مگر پھر بھی فقدان انقیاد کی وجہ سے اسے مومن نہیں کہا جاسکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے متون بیان کرنے کے بعد ہر قل کہتا ہے "فان کان ما نقول حقاً فسیملک موضع قدمی ہاتین وقد کنت اعلم انہ خارج ولم اکن اظن انہ منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیہ لتجشمت لقاءہ ولو کنت عندہ لغسلت عن قدمیہ" قال ہر قل ہذا ملک ہذا الامۃ قد ظہر" اتنا کتاب من صاحبہ یوافق رأی ہر قل علی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ نبی" فقال یا معشر الروم هل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبا یعوا ہذا النبی (بخاری)

وفی الفتح عن الطبرانی "فقال قیصر اعرف انہ کذلک" وفی مرسل ابن اسحق "ان ہر قل قال ویملک واللہ انی اعلم انہ نبی مرسل" وفی مسند احمد انہ کتب من تبوک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی مسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذب بل هو علی نصرانیتہ وفی کتاب الاموال لابن عبید بسند صحیح من مرسل بکر بن عبد اللہ المزنی نحوہ ولفظہ فقال کذب عدو اللہ لیس بمسلم فعلى هذا اطلاق صاحب الاستیعاب انہ امن ای اظہر التصدیق لکنہ لم یستمر علیہ ولم یعمل بمقتضایہ بل شتم بملکہ وآثر الفانیۃ علی الباقیۃ واللہ الموفق (فتح الباری جلد ۱)

قال النووی لا عذر فیما قال لو انی اعلم لتجشمت لاسہ قد عرف صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم



وانه شخ بالملك ورغب في الرياسته فآثرهما على الاسلام وقد جاء ذلك مصرحاً به في صحيح البخاري

(عمدة القاری ج ۱)

ہرقل نے زبان سے بھی اقرار کیا اور لکھ کر بھی بھیجا کہ میں مسلم ہوں۔ معہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اس لئے کہ انبیاء نہ تھا حضرت ورقہ بن نوفل پر بھی صرف ان کے اقرار اور الفاظ کی وجہ سے مسلم ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایا سے آپ کا ایمان ثابت ہوا۔ ابوطالب نے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار کیا۔ اشاعت اسلام میں کس قدر تکالیف شاقہ برداشت کیں۔ قول و عمل ہر طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ۷

فدعوتنی وعلمت انك صادق	ولقد صدقت وكنت قبل امينا
والله لن يصلوا اليك بجمعهم	حتى اوسد في التراب ديننا
فاصلع بامرک لا تنصبك عضاضة	وابشر بذاك وقر منك عيونا
ولقد علمت بان دين محمد	من خير ادیان البریة دینا
لولا السلامة اوحذاری سبة	لو جدتني سمحاً بذاك مبينا

اس کے باوجود انبیاء نہ ہونے کی وجہ سے ابوطالب کو مومن نہیں کہا جاسکتا۔

نقل فی فتح الملہم قول الحافظ ابن تیمیۃ بل ابوطالب وغیرہ کا توامع محبتہم للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومحبتہم لعلو کلمتہ من عدم حسدہم لہ وعلمہم بصدقہ واقرارہم بہ حملہم الفہم لدین قومہ وکراہتہم لفراقہ وذم قریشی لہم علی عدم اتباعہ علی دینہ القویم وہدیہ المستقیم فلم یترکوا الایمان لعدم العلم بل لہوی الالفس فکیف یقال معہذا ان کل کافر انما کفر لعدم علمہ باللہ اھ وعلی ہذا فالکفر انواع کفر انکار وکفر جہود وکفر عناد وکفر نفاق یعنی ان کان التکذیب ہی عدم التسليم بالقلب وبالدلسان جميعاً فهو الاول وان کان بالدلسان فقط مع حصول المعرفة والاستيقان بالقلب فهو الثاني وان کان مع حصول المعرفة والاقرار بالدلسان لمحض العناد فهو الثالث (ہرقل، ابوطالب اور گاندھی اسی قسم میں داخل ہیں) وان کان بالقلب فقط مع التسليم والانقياد بالدلسان فهو الرابع (فتح الملہم ج ۱)

مذکور بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان کے تحقیقی کے لئے انقیاد لازم ہے۔ پھر وجود تحقق انقیاد کے لئے اصل یہ ہے کہ اسے ہر شخص یوں سمجھنے لگے کہ یہ اپنا اصل دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا ہے۔ اس

۷ الظاهر والله اعلم انه وقع ههنا في عبارة فتح الملهم سقط وهو "ان لا يقبلوا" او نحوه ۱۲ منہ



قانون کی تفصیل شرح التوہید میں بایں الفاظ مسطور ہے۔ الکفار اصناف خمسہ من ینکر الصانع کالدہریۃ ومن ینکر الواحدانیۃ کالتثنویۃ ومن یقرّ بہما لکن ینکر بعثۃ الرسل کالفلاسفۃ ومن ینکر الكل کالوثنیۃ ومن یقر بالکل لکن ینکر عموم رسالتہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کالعیسویۃ فیکتفی فی الاولین بقول لا الہ الا اللہ وفي الثالث بقول محمد رسول اللہ وفي الرابع باحدهما وفي الخامس بہما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام (الی قولہ) والذی افقی بہ صحیحہ بالشہادتین بلا تبر لان التلفظ بہا صار علامۃ علی الاسلام فیکتل ان رجیع مالم یعد، وفي الشامیۃ تحت (قولہ فیکتفی فی الاولین الخ) لان ہوا کلام یمتنعون عن الشہادۃ اصلا فاذا اقرّوا بہا فذلک دلیل ایمانہم۔ وتحت قولہ (وفي الثالث الخ) فلو قال لا الہ الا اللہ لا یحکم باسلامہ لانہ منکر الرسالۃ ولا یمتنع عن ہذا المقالة ولو قال اشہدان محمد رسول اللہ یحکم باسلامہ لانہ یمتنع عن الشہادۃ فکان الاقرار بہا دلیل الایمان وتحت قولہ فی الرابع الخ) عللہ فی الدلائل لانہ منکر الامرین جمیعاً فباہما شہد دخل فی الاسلام (الی قولہ) وزاد انہ لو قال انا مسلم فهو مسلم لان عبدة الاوثان لا یدعون ہذا الوصف لانفسہم بل یدعون علی قصد المغایطۃ للمسلمین وكذا لو قال انا علی دین محمد او علی الحنفیۃ او علی دین الاسلام وتحت (قولہ وفي الخامس الخ) والظاهر انہ لو اتی بالشہادتین وصرح بتعظیم الرسالۃ الی بنی اسرائیل وغیرہم او قال اشہدان محمد رسول اللہ الی کافۃ الخلق الانس والجن یکفی عن التبری ایضاً کما صرح بہ الشافعیۃ وتحت عنوان (تنبیہ) قلت وانما اکتفی علیہ الصلوۃ والسلام بالشہادتین لان اہل زمانہ کانوا منکرین لرسالۃ اصلا کما یأتی ثم اعلم انہ یؤخذ من مسئلۃ العیسوی ان من کان کفراً بانکار امر ضروری کحرمۃ الخمر مثلاً ابہ لا بد من تبرئہ مما کان یعتقدہ لانہ کان یقر بالشہادتین معہ فلا بد من تبرئہ منہ کما صرح بہ الشافعیۃ وهو ظاہر وتحت (قولہ بل غم فی الدلائل الخ) اما الیہود والنصارى فکان اسلامہم فی زمنہ صلوات اللہ علیہ وسلم بالشہادتین لانہم کانوا ینکرون رسالتہ صلی اللہ علیہ وسلم واما الیوم ببلاذ العراق فلا یحکم باسلامہما مالم یقل تبرأت عن دینی ودخلت فی دین الاسلام لانہم یقولون انہ رسول الی العرب والعجم لا الی بنی اسرائیل کذا صرح بہ محمد وفي شرح السیر للسخسی واما الیہود والنصارى الیوم بین ظہرانی للمسلمین اذا اتی واحد منهم بالشہادتین لا ینکون مسلماً لانہم جمیعاً یقولون ہذا الیس من نصرانی ولا یہودی عند نسألہ الا قال ہذا الکلمۃ فاذا استفسرته قال رسول اللہ الیکم



لا الی بنی اسرائیل، ثم قال ولو قال انا مسلم لم یکن مسلماً بهذا لان کل فریق یدعی ذلک لنفسه ،  
فالمسلم هو المستسلم للحق وکل ذی دین یدعی انه متقاد للحق وکان شیخنا الامام یقول لا المجوس  
فی دیارنا فان من یقول منهم انا مسلم یصیر مسلماً لانهم یأبون هذه الصفة ویستون به اولادهم  
ویقولون یا مسلمان اه (الی قوله) فعلى هذا یتقال كذلك فی اليهود والنصارى فی بلادنا  
فانهم یمتنعون عن قول مسلم حتی ان احدهم اذا اراد منع نفسه عن امر یقول ان فعلته اكون مسلماً  
ناذا قال انا مسلم طائفاً فهو دلیل اسلامه وان لم یمنع منه النطق بالشهادتین كما صرح به فی شرح  
السیر فیمن صلی جماعته فانه یحکم باسلامه وبانه یحکم باسلام بمجرد سیم المسلمین فی حق الصلوة  
علیه اذافات وكذا یمتنعون من النطق بالشهادتین اشد الامتناع فاذا اتی بهما طائفاً یجب الحکم  
باسلامه لانه فوق السیم اذ لا شک ان محمداً انما اشترط التبری بناء على ما کان فی زمنه من  
اقرارهم بالرسالة على خلاف ما کان فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم من انکارها فاذا انکروها  
فی زماننا وامتنعوا من النطق بالشهادتین یجب ان یرجع الامر الی ما کان فی زمنه صلی الله علیه وسلم  
اذ لم یتبق وجه للعدول عنه على ان محمداً انما حکم على ما کان فی بلاد العراق لا مطلقاً کما یوهمه  
ما فی الدر وعن هذا ذکر العلامة قاسم انه سئل عن شامی (الی قوله) فانهم ذکرُوا ان  
بعض اليهود یخصمون سالت نبینا صلی الله علیه وسلم بالعرب وهذا کیفیه مجرد الشهادتین بخلاف من  
ینکر الرسالة اصلاً وبعض من اعی الله قلبه جعلهم فرقة واحدة فی جمیع البلاد حتی حکم  
فی نصرانی منکر للرسالة تلفظ بالشهادتین ببقائه على النصرانية لانه لم ینتبرأ . والحاصل  
ان الذی یجب التعویل علیه انه ان جهل حاله یمتسر عنه وان علم بما فی زماننا فالامر  
ظاهر وقال تحت (قوله لان التلفظ بها صار علامة على الاسلام الخ) افاد بقوله صار الی  
ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانهم فی زمنه ما كانوا یمتنعون عن النطق به فلم تکن علامة  
الاسلام فلذا اشترط معها التبری اما فی زمن قاری الهدایة فقد صارت علامة الاسلام  
لان لا یأتی بها الا المسلم كما فی زماننا هذا (الی قوله) وهذا یجب المصیر الیه فی دیار المصر  
بالقاهرة لانه لا یمنع من اهل الکتاب فیها الشهادتان ولذا قیده محمد بالعراق  
(الی قوله) احمد بن کمال یاشا (الی قوله) وهو المعحول به فلیحفظ . وقال تحت عنوان (تجاء)  
اعلم ان الاسلام یكون بالفعل ایضاً كالصلوة بجماعة او الافتراء بها او الاذان فی بعض المساجد

عه ہر قل نے بھی اسی لئے سہانا لم . کسان تھا ۱۲۰ منہ

ایمان و کفر کا معیار ۶



اول الحج وشهود المناسک لا الصلوة وحده ومجرد الاحرام مجرد ذلك نظماً فی اول کتاب الصلوة وقد منا الکلام علیه مستوفی و ذکرنا هذا لانه لا فرق فی الاسلام بالفعل بین العیسوی غیر المراد انه دلیل الاسلام فی حکم علی فاعل ذلك به الخ (رد المحتار کتاب الجہاد باب المقتد ج ۳) در مختار اور رد المحتار کی مفصل عبارات سے ظاہر ہوا کہ تحقق انقیاد کا مدار عرف پر ہے۔ موجودہ عرف میں گاندھی جیسے الفاظ کہنے والے کو مسلم منظور نہیں کیا جاتا، نہ ہی غیر مذاہب کے لوگ ایسے الفاظ سے احتراز و امتناع کرتے ہیں۔ گاندھی سے بھی زیادہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مختلف اہل مذاہب سے نشر و نظم میں ثابت ہے۔ ایسے الفاظ کے تکلم کے بعد بھی عوام ہندو مسلم اور خود تکلم بھی خود کو ہندو ہی سمجھتا ہے۔ کسی کو اس کے مسلمان ہو جانے کا وہم بھی نہیں گزرتا۔ اسی وجہ سے گاندھی کے مرنے کے بعد مسلم علماء میں سے جو گاندھی کی سوانح سے بخوبی واقف تھے۔ بلکہ سیتا میں اس کے رفیق راہ تھے انہوں نے گاندھی پر نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ہندو قوم نے اسے مسلمان سمجھ کر اس کی تجہیز سے بیزار ی ظاہر کی۔ غرضیکہ گاندھی کے ان الفاظ کی وجہ سے نہ ہی مسلمانوں نے اسے مسلمان سمجھا اور نہ ہندوؤں نے۔ اور خود گاندھی کو عیلم یا خیال ہوا کہ ان الفاظ سے وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس لئے آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے۔ یا کم از کم مرتے وقت نماز جنازہ کی وصیت کر جائے ایسے الفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمیشہ غیر مذاہب میں سے فہمیدہ اشخاص کہتے رہتے ہیں مگر کوئی شخص بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ موجودہ عہد میں مسلمان جب سمجھا جاتا ہے کہ صاف کہے کہ میں مسلمان ہوں یا بلا استہزاء شہادتین پڑھے اور آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے گاندھی کا یہ جملہ ”مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں وراثت ہے“ یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ گاندھی موجودہ جملہ مذاہب اسلام، عیسائیت، یہودیت اور ہندو سکھ وغیرہ کو حق سمجھتا تھا اس آخری جملہ سے گاندھی کا عقیدہ اور اس کا اسلام میں داخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی اس قسم کے اعلان صرف مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کرتا تھا جیسے شکاری شکار کو پھانسنے کے لئے اس کی بولی بولتا ہے اگر گاندھی واقعہً اسلام کو حق سمجھتا تھا تو اس کے لئے قبول اسلام سے مانع کیا تھا؟ اس جیسے رگزار اور قطعی کافر کو مسلمان سمجھنا کفر ہے۔ فقط واللہ عید من یشاء الی صراط مستقیمہ



## مسلمان کی تعریف

سوال : ایک رسالہ ”مسلمان کی تعریف“ ارسال خدمت ہے۔ اسکی تبلیغات کی قدرے تفصیل سے وضاحت فرما کر اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں۔

### الجواب باسمِ قلامِ الصواب

مضمون نگار کا یہ کہنا کہ ”عمر بھر درس و تدریس اور فتویٰ دینے والے علماء اُس سوال سے بہت چکرائے مشکل سے جواب دے سکے اور متضاد جوابات دیکر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے“ خلافِ حقیقت ہونے کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت اور خطرناک حد تک مضر بھی ہے۔ درحقیقت یہ بے دین حکمت اور رسوائے زمانہ منیر کمیشن کی تبلیس اور غلط پروپیگنڈہ ہے۔

مضمون نگار کو یہ خیال نہ آیا کہ جب قرآن، حدیث اور فقہ کی خدمت میں عمری صرف کر دینے والے اور قوانین اسلام کے ماہرین بھی آج تک اسلام اور مسلمان کا صحیح مفہوم نہ بیان کر سکے تو اسلام کو دنیا میں باقی رہنے کا کیا حق ہے؟ یہ تحریر قصرِ اسلام میں شگاف ڈالنے، اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے اور اعداء اسلام کو منجنيق مہیا کرنے کے مترادف ہے مضمون نگار نے اسے دانستہ یا نادانستہ اس انداز سے لکھا ہے کہ اس سے قرآن، حدیث اور فقہ کے تمام تراہین پر مضمون نگار کی فوقیت کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے انھوں نے اس تحریر کی مضرت کی طرف توجہ نہ کی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے انھوں نے کیا پایا اور کیا گنوا یا؟ ۵

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو ہسی یہ گھر جو بہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہو

مسلمان کی تعریف میں علماء دین کی عبارات کے اختلاف کو تضاد سے تعبیر کرنا جہالت یا تبلیس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اختلافِ عبارات اختلافِ حقیقت کو مستلزم ہے تو خود مضمون نگار نے مسلمان کی تعبیر میں ایسی آیات اور احادیث کیوں پیش کی ہیں جن کی عبارتیں مختلف ہیں، اس پر شبہ کیوں نہ ہوا کہ آیات اور احادیث متضاد ہیں اور یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا گیا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ”مسلمان“ کی صحیح تعریف بیان نہ کر سکے۔

مضمون نگار کا مسلمان کی تعریف کے اس طریقے کو غلط قرار دینا بالکل بجا ہے کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے کافر قرار دینا ہو اسے پہلے ذہن میں محفوظ رکھیں پھر ”مسلمان“ کی کوئی ایسی تعریف نکالیں جس میں صرف ذہنی فرقے داخل ہو سکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہیں



صحیح طریقہ یہی ہے کہ بالکل خالی الذہن ہو کر کتابے سنت سے مسلمان کی تعریف اخذ کی جائے اور اسکی مطلقاً پرداہ نہ کی جائے کہ اس کی رد سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے، جو فرقہ بھی اس تعریف میں آجائے وہ مسلمان اور جو اس سے نکل جائے وہ کافر ہوگا۔

بطریق مذکور قرآن و حدیث میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعریف بہت جامع، مختصر اور بہت سہل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو صحیح ماننا اسلام ہے علماء نے اسکی تفسیر یوں کی ہے اَمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقِيلَتْ جَمِيعٌ اَحْكَامِهِ، قرآن و حدیث کی نصوص میں جہاں کہیں ایمان باللہ کے ساتھ دوسری اشیا مذکور ہیں مثلاً ملائکہ، کتب، رسل، یوم آخرت وغیرہ یہ مستقلاً مراد نہیں اور نہ ہی ان میں حصر مقصود ہے بلکہ یہ سب ایمان باللہ ہی کے چند اہم شعبے ہیں۔ انکی اہمیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کو مستقلاً ذکر کر دیا گیا ہے استیعاب مقصود نہیں یہ امر ظاہر اور مسلم ہونے کے علاوہ اسلئے بھی انکار کی گنجائش نہیں رکھتا کہ اگر ان جملہ امور کی مستقل حیثیت تسلیم کر لی جائے، تو قرآن و حدیث میں اسلام کی تعریف میں ہر مقام پر ان تمام امور کا ذکر لازم تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مختلف مقامات پر یہ امور کی بیشی کے ساتھ مذکور ہیں حتیٰ کہ بہت سے مواضع میں تو صرف ایمان باللہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے اسی طرح ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رسالت کی تصدیق کافی نہیں بلکہ آپ کے ہر حکم کی تصدیق لازم ہے علیٰ ہذا القیاس ملائکہ اور یوم آخرت کے صرف وجود اور وقوع کو ماننا کافی نہیں بلکہ ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہر ہدایت کی تصدیق ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کیسے ہو کہ فلاں حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تاکہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

- (۱) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ بالمشافہہ کوئی حکم معلوم ہو۔
- (۲) تواتر سے یقینی اور بدیہی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا ان دونوں طریقوں سے حاصل ہونے والے علم کو علم بدیہی و ضروری کہا جاتا ہے اور ایسے احکام کو ”ضروریات دین“ کا نام دیا جاتا ہے جن میں سے ایک کا انکار بھی کفر ہے، مثلاً کسی نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رو برو بلا واسطہ یہ حکم سنا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ”اس سننے والے کو اگر اس حکم کے صدق میں ذرا بھی تردد ہو تو وہ بلاشبہ کافر ہوگا بعینہ اسی طرح جب یہ حکم ہم تک بطریق تواتر پہنچا اور بدایت و ضرورت اس کا حکم الہی ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے منکر کے کفر میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔



مضمون نگار نے اپنے مجموعہ عجائب میں ایک عجوبہ یہ بھی لکھا ہے کہ ”ضروریات دین کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کر سکا۔“ ضروریات دین کوئی پانچ دس نہیں کہ ان کی فہرست تیار کی جاسکے، احکام ضروریہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی فہرست لکھنے کی اگر کوئی حماقت کرے بھی تو استیعاب نہیں کر سکے گا اور استیعاب کی ضرورت بھی نہیں اتنا ضروری ہے کہ احکام شرعیہ سے جو مسئلہ بھی سامنے آئے ہم اس کے بارے میں پلا تروڈ دیہ بتا سکیں کہ یہ ضروریات دین میں داخل ہے یا نہیں۔ سو الحمد للہ علماء دین کو اس فیصلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آ سکتا۔

مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے قرآن کریم کی کچھ آیتیں تحریر کی ہیں۔

- (۱) انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذاتلیمت علیہم ایتۃ زادتهم ایماناً علیٰ رءسہم یتوکلون الذین یقیمون الصلوٰۃ ویمارون انہم ینفقون اولئک ہم المؤمنون حقاً (۸۰-۸۱)
  - (۲) فان لم یستجبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الہ الا هو فهل انتقم مسلمون (۸۲)
  - (۳) واذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی ورسولی قالوا امنا واشہد باننا مسلمون (۵-۱۱)
  - (۴) قل انما یوحی الی انما الفکر الہ واحد فهل انتقم مسلمون ۵ (۲۱-۱۰۸)
  - (۵) فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاحوا انکم فی الذین (۹-۱۱)
  - (۶) فامنوا باللہ ورسولہ النبی الا قی الذی یؤمن باللہ وکلمتہ واتبعہ لعلکم تھتدون (۶-۱۵۸)
- ان میں ایمان باللہ کی تفسیر میں ”خدا کی توحید“ لکھا ہے حالانکہ ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر ایمان لائے توحید بھی صرف وہی معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوگی ورنہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور عقیدہ تثلیث کے باوجود مدعی توحید تھے، بلکہ مشرکین بھی ہزاروں معبودوں کی پرستش کرنے کے باوجود اپنے کو موجد ہی سمجھتے تھے اور بر ملا کہتے تھے (اشیر یسلک الاشیر یکا ھولک تمکد واما ملک مگر ان کی توحید اس لئے معتبر نہیں کہ حکم الہی کے مطابق نہیں، ہم ادھر تحریر کر چکے ہیں کہ اسلام سے متعلق آیات و احادیث میں مقصود صرف ایمان باللہ ہے اور بقیہ امور اسی ایمان باللہ کے اہم شعبے ہیں۔ پیش نظر چھ آیتوں میں تو بعض ایسے امور مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا وغیرہ بھی مذکور ہیں کہ غالباً مضمون نگار بھی ان کے تبارک کو کافرنہ کہے گا۔

اس کے بعد مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے چند حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) حدیث جبریل علیہ السلام۔



(۲) بنی الاسلام علی خمس الخ

ان دو حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو آیات قرآنیہ میں ہے۔ ان کی تشریح اوپر گزر چکی ہے  
(۳) جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے (مشکوٰۃ)  
اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ علامات بتائی گئی ہیں۔ اگر اسے مسلمان کی تعریف قرار  
دیا جائے تو توحید و رسالت کا منکر بھی کافر نہ ہوگا لہذا لازماً کہنا پڑے گا کہ یہ امور مسلمان کی علامات  
میں سے ہیں اور محض علامات سے حقیقت ثابت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جھوٹ بولنے کو حضور کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتایا ہے مگر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان محض جھوٹ بولنے سے  
منافق نہیں ہو جاتا، نیز زمانے کے اختلاف سے علامات بدلتی رہتی ہیں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زمانے میں کوئی مسلمان ضروریات دین کا منکر نہ تھا اس لئے امور بالا مسلمان کی حتمی علامت شمار  
ہوتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں کفر کی کوئی وجہ ظاہر ہو جانے کے بعد بھی محض علامات  
مذکورہ کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اگر یہ مسلمان کی تعریف ہے تو آخر منافقین بھی تو یہ کام کیا  
کرتے تھے ان کو مسلمان کیوں نہیں شمار کیا گیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجماع  
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا حالانکہ وہ مذکورہ افعال کے پابند تھے۔ سیلہ  
کذاب بھی نماز پڑھتا تھا اذان دلاتا تھا اور اس کی اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کا اعلان بھی ہوتا  
تھا (تاریخ طبری ص ۲۴ ج ۳) پھر اسے کیوں مسلمانوں کی فہرست سے نکالا گیا؟

(۴) بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا وہ احمق سی کوئی  
حبشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس  
سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی، آپ نے ان صاحب سے فرمایا لجاؤ  
یہ مسلمان ہے۔

یہ حدیث بخاری میں نہیں، البتہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں اس قسم کی روایت ہے مگر  
اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ  
آپ رسول اللہ ہیں۔ جب اس نوٹڈی نے آپ کی رسالت کے اقرار کے ضمن میں آپ کے ہر حکم کی  
تصدیق کر دی تو اس کے اسلام میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟

مضمون ہجاء نے حدیث کا جتنا حصہ نقل کیا ہے حدیث کی کسی کتاب میں اس پر اکتفا نہیں  
کیا گیا، اگر اسے معیار اسلام قرار دیدیا جائے تو مسلم اور کافر میں کوئی فرق اور امتیاز باقی نہ رہے گا



منکرین توحید، منکرین رسالت، یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب کے سب مسلمان کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ ”ما شاء اللہ“ یہ ہے آجکل کی وسعت نظر۔

اس کے بعد بلا حوالہ لکھتے ہیں ”التاویل نوع القبول (تاویل قبول و تسلیم ہی کی ایک شکل ہے) مشہور ہے کہ مؤول کافر نہیں، مگر خوب سمجھ لیں کہ یہ اتنا عام نہیں جتنا بظاہر اس سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسی تاویل مراد ہے جو انکارِ قوا تر کو مستلزم نہ ہو، چونکہ الفاظِ قرآن سب متواتر ہیں اور مفہوم اکثر متواتر نہیں اس لئے کہدیا جاتا ہے کہ اگر کوئی لفظ قرآن کا انکار نہ کرے صرف مفہوم میں تاویل کرے تو وہ کافر نہیں کیونکہ امر متواتر کا انکار نہیں پایا گیا مگر قرآن کے بہت سے مفہوم بھی متواتر ہیں لہذا اس مفہوم متواتر میں تاویل کرنے والا کافر ہو جائے گا چنانچہ جس طرح لفظ ”خاتم النبیین“ متواتر ہے، اسی طرح اس کا مفہوم بھی تواتر سے ثابت ہے لہذا اس کے مفہوم میں تاویل کرنا انکار متواتر ہونے کی وجہ سے بلاشبہ کفر ہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ خوارج میں سے ایک شخص مأمون الرشید کے پاس آیا، مأمون نے اس سے عامۃ المسلمین سے مخالفت کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ کتاب اللہ میں ہے ”ومن لم یحکم بہا انزل اللہ فاولئک ہم الکفرون“ (اور حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے ایک انسان کو حکم تسلیم کر لیا) مأمون نے کہا کہ تمہارے پاس اس کے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اجماع امت، مأمون نے کہا کہ جس طرح تم نے اس کے قرآن ہونے کے لئے اجماع کو دلیل قرار دیا ہے، اسی طرح اس کے مفہوم کی تعیین میں بھی اسی طرح اجماع کو حجت تسلیم کرو، اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا، (تاریخ الخلفاء، مجتبیٰ ص ۱۲)

غرضیکہ اسلام و کفر کا اصل معیار تواتر سے ثابت ہونے والی ضروریات دین کی تصدیق یا تکذیب ہے، لہذا بدیہی اور متواتر مفہوم کا انکار اور اس میں تاویل کفر ہے البتہ غیر متواتر مفہوم کا مؤول کافر نہیں۔

آخر میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا۔ ”جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں۔ اور خلاف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عذر سے یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں۔“

بعینہ یہی مفہوم ضروریات دین کے انکار کا ہے، اگر کوئی شخص ایسے مسئلہ کا انکار کرتا ہے کہ اس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس قدر بدیہی اور یقینی ہو کہ گویا اس نے بالمشافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور پھر اس کا انکار کرتا ہے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کر رہا؟



اس میں کلام ہے کہ ہر امر متواتر کا انکار کفر ہے یا کہ صرف ایسے متواتر کے انکار کو کفر کہا جائے گا جس کا دین میں ہونا اس قدر مشہور ہو کہ عوام بھی اسے جانتے ہوں۔ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ایسا امر متواتر جسے صرف خواص جانتے ہوں عوام تک اسکی شہرت نہ ہوئی ہو اسکا انکار عوام کے لئے تو موجب کفر نہیں اس لئے کہ یہ حکم ان کے حق میں قطعی نہیں، البتہ وہ خواص جو اس کے تواتر و قطعیت کا علم رکھتے ہوں ان کے لئے اسکا انکار موجب تکفیر ہے۔

قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الا  
السدي مع البنت الصليبية بجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفان محذور بانهم لم يشترطوا في  
الاكفار سوى القطع في الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوت قطعاً (مسألة ۱۳۹)

### تکفیر اہل قبلہ

کتب عقائد میں ہے کہ "اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں" اس سے محدثین یہ فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص بیت اللہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتا رہے اسکی تکفیر جائز نہیں، یہ محض تلبیس ابلیس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متکلمین کی اصطلاح میں اہل اسلام کو اہل قبلہ کہا جاتا ہے اور یہ دونوں لقب مترادف ہیں اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اسوقت تک اس کی تکفیر جائز نہیں۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ کی شرح نیز اس میں ہے۔

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروریات الدین (الى قوله) فمن انكر شيئاً  
من الضروریات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهداً بالطاعة وكذا لك من باشر شيئاً من امارات  
التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعی والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة (نبراس ص ۲۵)  
وقال الملا علی نقاری رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من  
ضروریات الدین كحدوث العالم وحشر الاجساد و علم الله تعالى بالكلية والجزئية وما شبه ذلك من المسائل  
المهمّة فمن واطب طول عمره على لطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفي الحشر ونفي علمه سبحانه وتعالى  
بالجزئية لا يكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر  
احد ما لم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر منه شيء من موجباته (شرح الفقه الاكبر)  
وفي شرح المقاصد فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظبين على لطائف الاعتقاد قدم العالم ونفي الحشر  
ونفي العلم بالجزئية ونحو ذلك وكذلك بصدور شيء من موجبات الكفر عنه (شرح المقاصد المبحث السابع)



وقال العلماء رحمه الله تعالى كل من كان من قبلتنا (الى قوله) وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر، وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى، لا خلاف في كفر المخالف في ضروریات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفي العلم بالجزئیات وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحریس (رد المحتار ص ۵۲ ج ۱) متکلمین کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ معتزلہ و خوارج مرتکب کبیرہ کو دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کی تردید میں حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ معنی اہل اسلام کی تکفیر ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے جائز نہیں جب تک وہ ضروریات دین سے انکار نہ کریں۔ نقل فی شرح التحریر عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ لا تکفر اہل قبلہ بذنب (شرح التحریر ص ۳۸) وقال فی لنبراس ومعنی عدم تکفیر اہل قبلہ ان لا یکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیة غیر المشہورة ہذا ما حققہ المحققون (نبراس ص ۵۷)

وقال ابن تیمیہ فی کتاب الایمان ونحن اذا قلنا اهل السنة متفقون على ان لا یکفر بالذنب فانما نريد به المعاصی كالزنا والشرب اه وارضی القونوی فی شرح العقیدة الطحاویة۔  
متکلمین کے اس قول کا مأخذ یہ حدیث ہے۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا الله ولا تکفرة بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل الحديث (البرادود ص ۲۵ ج ۱)

چونکہ متکلمین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل قبلہ بمعنی اہل الاسلام کی اصطلاح اور عدم تکفیر اہل قبلہ کا یہ مطلب کہ ”ارتکاب کبیرہ موجب کفر نہیں“ بہت مشہور اور عام معروف ہے اس لئے بعض دفعہ صرف اتنا لکھ دیتے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں“ اور اعتماداً علی فہم المخاطب اسکی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

### خلاصہ بحث

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام تراکیم کی تصدیق کرنیوالا مسلمان ہے اور کسی ایک حکم کا انکار کرنیوالا کافر ہے اسکی معروف تعبیر یہ ہے کہ جمیع ضروریات دین کی تصدیق کا نام اسلام ہے اور انہیں کسے ایک کا انکار کفر ہے۔ فقط واللہ الہادی الی السبیل الرشاد

رشید احمد

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ



مَنْ جَاهَلَ شَيْئًا مِنْ دِينِهِ فَلْيَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُغْفِرُ لِمَنْ يَتُوبُ مِنْ ذُنُوبِهِ

# حقیقتِ شیعہ

- کیا شیعہ مسلمان ہیں ؟
- کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف ۔
- شیعہ کو ایک اہم مشورہ



# حقیقتِ شیعہ

اشاریہ :-

- کیا شیعہ مسلمان ہیں؟
- عقیدہ تحریفِ قرآن
- تقیہ
- مسئلہ بدار
- شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے
- اہل تشیع کا آپس میں لعن طعن
- اہل بیت سے دشمنی
- کیا شیعہ اہل کتاب ہیں؟
- کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ کی تعریف
- نکتہ
- فضائلِ متعہ
- اہل تشیع خالص شیعہ بن جائیں تو سارے جھگڑے ختم
- تقیہ کی حقیقت
- اہل تشیع کا امتحان
- دل کاراز معلوم کرنے کا عجیب گُر
- شیعہ مجتہد کا مناظرہ سے فرار
- اہل اسلام اور اہل تشیع میں مصالحت کے بہترین طریقے۔



## کیا شیعہ مسلمان ہیں؟

سوال : شیعیان علی مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر کافر ہیں تو اہل کتاب کے حکم میں ہونگے یا نہیں؟ اگر اہل کتاب ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا الحق المبین وادفعوا بالبرہان المتین، اجرکم اللہ یوم الدین -

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باقی سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے افضل سمجھتا ہے تو صرف اتنے اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوتا، مگر آجکل کے شیعہ کا صرف یہ اعتقاد نہیں ان کے معتقدات کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، چنانچہ تحریف قرآن کا مسئلہ ان کے ہاں سلمت اور متواتر ہے، ان کی تصریحات ملاحظہ ہوں

## عمیدہ تحریف قرآن

① المستفاد من مجموع هذه الاخبار وغيره من الروایات من طریق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذي بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم بل منه ما هو خلاف ما انزل الله منه ما هو مغير ومحرّف والله قد حذف من اشیاء كثيرة منها اسم على في كثير من المواضع ومنها غير ذلك (دیباچہ تفسیر صافی)

اہل بیت کے واسطے سے پہنچی ہوئی روایات سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، بلکہ اس میں کچھ حصہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصے میں تغیر اور تحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں ان میں سے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو قرآن میں کئی مقامات سے نکال دیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی کئی ایسے مواضع ہیں :

② لو شئت لك كل ما اسقط وحرف وبدل مما يجري هذا المجري لطلال وظهر ما تحظر التقية اظهاره (اجتاج طبرسی ص ۱۲۸ طبع ایران)

قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے یا اس میں تحریف اور رد و بدل وغیرہ کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز

ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا :



(۳) قال السيد المحدث الجزائري مامعناً  
ان الاصحاح قد اطبقوا على صحة الاختيل  
المستفيضة المتواترة الدالة بصريحها على  
وقوع التحريف في القرآن

(فصل الخطاب علامہ نوری ص ۳)

(۴) ان الاختيل الدالة على ذلك تزيد  
على نفي حديث وادعى استفاضتها جماعة  
كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة المجلسي  
(فصل الخطاب علامہ نوری ص ۳)

(۵) عن علي بن سويد السائي قال كتب  
الى ابو الحسن الاول وهو في السجن واماماً  
ذكرت يا علي ممن تاخذ معالم دينك لا تاخذ  
معالم دينك عن غير شيعتنا فانك ان  
تعدتهم اخذت دينك عن الخائنين الذين  
خانوا الله ورسوله فخانوا اماناتهم اؤتمنوا  
على كتاب الله جل وعلى فحرفوه وبدلوه فعليهم  
لعنة الله ولعنة ملائكته ولعنة ابائ الكرام  
البررة ولعنق ولعنة شيعتي الى يوم القيمة  
(رجال كشي طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ تالیف ابو عمر محمد بن  
عمر عبدالعزیز الکشی ص ۳ سطر ۳)

تمام شیعہ کی قیامت تک پھٹکار ہو۔

(۶) مراد بقرآن قرآن محفوظ نزدائمہ علیہم السلام  
ست کہ ہفدہ ہزار آیت ست (صافی شرح  
کافی ج ۲، کتاب فضل القرآن جز ہشتم طبع نو لکھنؤ ۱۳۵۰ھ)

محدث جزا ئری کہتے ہیں کہ صراحتاً تحریف قرآن پر  
دلالت کرنے والی متواتر روایتوں کی صحت پر  
(ہمارے) سب اصحاب کا اتفاق ہے۔

(فصل الخطاب از علامہ نوری ص ۳)

تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دوم ہزار  
سے زیادہ ہیں، ایک جماعت نے انکے متواتر ہونیکا  
دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد، اور علامہ  
مجلسی وغیرہ۔

علی بن سويد کہتے ہیں ابو الحسن اول نے مجھے جیل سے  
لکھا، ”اے علی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ دین کی  
بنیادی باتیں کس سے سیکھوں؟ اپنے دین کی باتیں  
سوائے ہمارے شیعہ کے اور کسی سے حاصل نہ کرو  
اس لئے کہ اگر تم ان کے علاوہ دوسرے کے پاس  
گئے تو گویا تم نے ایسے خیانت کرنے والوں سے علم  
حاصل کیا جنہوں نے اللہ و رسول سے خیانت کی،  
اور جو امانت انکے پاس رکھی گئی تھی اس میں خیانت کی  
ان کے پاس کتاب اللہ امانت تھی انہوں نے اس میں  
تحریف کر ڈالی اور اس میں تبدیلیاں کیں، ان پر اللہ  
ملائکہ، میرے نیک آباء و اجداد، میری اور میرے

قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے  
جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں (صافی شرح کافی ج  
کتاب فضل القرآن جز ہشتم ص ۶۵ طبع نو لکھنؤ)

موجود قرآن میں ۲۸۳۶ آیتیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی قرآن غائب ہے اور ایک



تہا ہی موجود ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ موجود قرآن سے تین گنا زیادہ قرآن پورے کا پورا غائب ہے جس میں موجود قرآن کا ایک حرف بھی نہیں، چنانچہ آئندہ روایت میں اس کی صراحت آرہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ مذہب کے مطابق موجود قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں، اس روایت میں اگر حرف بمعنی لفظ کی تاویل بھی کر لی جائے تو بھی ثابت ہوا کہ شیعہ کے قرآن میں ایمان، کفر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حشر و نشر، حساب و کتاب، جنت و دوزخ، حتیٰ کہ اللہ، رسول اور ملائکہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ وہ کیسا مصحف ہے۔ مصحف فاطمہ ہمارے قرآن سے تین گنا زیادہ ہے اور خدا کی قسم تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے۔

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اسی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

(اصول کافی ص ۶۷)

ابو محمد کہتے ہیں کہ میرے استاد نے مجھ سے کہا، اے ابو محمد بیشک ہمارے پاس الجامعہ ہے اُن کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میں آپ پر فدا ہوں جامعہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا وہ صحیفہ ہے جسکی لمبائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میرے استاد نے کہا بیشک ہمارے پاس "جفر" ہے، ان کو کیا معلوم کہ جفر کیا ہے؟ میں نے کہا "جفر" کیا ہے؟ تو فرمایا وہ ایک چمڑے کا تھیلا ہے جس میں نیبوں، وصیوں

④ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام وان عندنا مصحف فاطمة وما یدر بہم ما الجامعۃ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد (اصول کافی ص ۱۳) طبع نوکشور، صافی کتاب الحجۃ جز ۳ ص ۱۸

⑤ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعة عشر الف آیۃ (اصول کافی ص ۶۷)

⑥ قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعۃ وما یدر بہم ما الجامعۃ قال قلت جعلت فداک وما الجامعۃ قال صحیفۃ طولها سبعون ذراعاً بذراع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صافی جز ۳ کتاب الحجۃ ص ۱۸، اصول کافی ص ۱۳)

⑦ قال ان عندنا الجفر وما یدر بہم ما الجفر قال قلت وما الجفر قال وعاء من ادم فیہ علم النبیین والوصیین وعلما العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل (اصول کافی ص ۱۳)

اور علماء بنی اسرائیل کے علوم ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۳)



(۱۱) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ قول اللہ عز وجل هذا کتابنا ینطق علیکم بالحق قال فقال ان کتابکم ینطق ولکن رسول اللہ هو الناطق بالکتاب قال عز وجل ذکرہ هذا رسولنا ینطق علیکم بالحق قال فقلت جعلت فداک انا لا نقرہا ہکذا فقال ہکذا واللہ نزل جبریل علی محمد ولکنہ حرف من کتابہ عز وجل (روضہ کلینی ص ۲۵)

ابو بصیر، ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہذا کتابنا ینطق علیکم بالحق، یہ ہماری کتاب (اعمال نامہ) تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بولے گا ابو عبد اللہ نے کہا کہ کتاب نہ کبھی بولی ہے اور نہ بولے گی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو بولتے پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو ہذا رسولنا ینطق علیکم بالحق فرمایا ہے، میں نے کہا میں تم پر فدا ہوں، ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے تو فرمایا، اللہ کی قسم جبریل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح (ہذا رسولنا) نازل کی تھی لیکن اللہ کی کتاب میں تحریف کر کے یہ بدل دیا گیا ہے :

(۱۲) امر موسیٰ کاظم علی بن سدید لا تلتمس دین من لیس من شیعۃک ولا تحبن دینہم فانہم الخاشون الذین خانوا اللہ رسولہ فخانوا اماناتہم وتدمی ما خانوا اماناتہم اوتمنوا علی کتاب اللہ فحرفوہ وبدلوہ (روضہ کلینی ص ۱۱) کی، تمہیں معلوم ہے وہ کیا امانتیں ہیں؟ ان کو کتاب اللہ پر امین بنا دیا گیا، انہوں نے اس میں تحریف کر ڈالی اور اسے بدل دیا :

ابو جعفر کہتے ہیں کہ قرآن کے چار حصے نازل ہوئے تھے، ایک ربع ہمارے بارے میں ہے، ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے ایک ربع میں منن و امثال ہیں اور ایک ربع

(۱۳) عن ابی جعفر قال نزل القرآن اربعۃ ارباع ربع فینا و ربع فی عدونا و ربع سنن و امثال و ربع فرائض و احکام شرع (اصول کافی ص ۶۶۹)

میں فرائض و احکام شرع ہیں : (اصول کافی ص ۶۶۹)

ابو بصیر، ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یطعم اللہ و رسولہ

(۱۴) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عز وجل و من یطعم اللہ و رسولہ



فی ولایۃ علیؑ والائمة من بعدہ فقد فاز فوراً  
عظیماً، لہذا نزلت (اصول کافی ص ۲۶۲)

(۱۵) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قوله  
ولقد عهدنا الی آدم من قبل کلماتی محمد  
وعلی وفاطمة والحسن والحسین والائمة  
من ذریعتهم ففسی لہذا واللہ نزلت علی محمد  
(اصول کافی ص ۲۶۳)

(۱۶) نزل جبرئیل بھذا الایۃ علی محمد صلی اللہ  
علیہ وآلہ بشس ما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا  
بما انزل اللہ فی علی بغیا (حوالہ بالا)

(۱۷) نزل جبرئیل بھذا الایۃ علی محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم لہذا فبدل الذین ظلموا آل محمد  
حقہم قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی  
الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء  
بما كانوا یفسقون (اصول کافی ص ۲۶۴)

غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقہم رجزا من السماء بما كانوا یفسقون :  
(۱۸) لہذا نزلت لہذا الایۃ ولوانہم فعلوا  
ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لہم  
(اصول کافی ص ۲۶۵)

(۱۹) نزل جبرئیل بھذا الایۃ لہذا فاف  
اکثر الناس بولایۃ علی الا کفورا  
(اصول کافی ص ۲۶۵)

(۲۰) ونزل جبرئیل بھذا الایۃ وقل  
حقیقت شیعہ

قَوْرًا عَظِیْمًا اس طرح نازل ہوئی تھی ”ومن  
یضع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمة  
من بعدہ فقد فاز فوراً عظیماً“

ابو عبد اللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آیت ولقد  
عهدنا الی آدم من قبل ففسی اس طرح نازل ہوئی  
تھی ”ولقد عهدنا الی آدم من قبل کلماتی فی  
محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسین والائمة  
من ذریعتهم ففسی“

جبریل نے آیت بشس ما اشتروا بہ انفسہم  
ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
پر اس طرح نازل کی تھی بشس ما اشتروا بہ انفسہم  
ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا

جبریل علیہ السلام آیت فبدل الذین  
ظلموا قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی  
الذین ظلموا رجزا من السماء بما كانوا  
یفسقون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لائے  
تھے۔ فبدل الذین ظلموا آل محمد حقہم قولا

آیت ولوانہم فعلوا ما یوعظون بہ لکان  
خیرا لہم یوں نازل ہوئی تھی، ولوانہم فعلوا  
ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لہم۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے آیت فاف  
اکثر الناس الا کفورا اس طرح نازل کی تھی فاف  
اکثر الناس بولایۃ علی الا کفورا

جبریل علیہ السلام نے آیت وقل الحق



الحق من ربکم فی ولایۃ علی (الی قولہ) انا  
اعتدنا للظالمین آل محمد نارا (اصول کافی ص ۲۶)  
ولایۃ علی (الی قولہ) انا اعتدنا للظالمین آل محمد نارا ۛ

(۲۱) نزل جبرئیل بھذہ الایۃ ہکذا ان  
الذین ظلموا آل محمد حقہم لم یکن اللہ لیغفر  
لہم ولا یہد بہم طریقا (الی قولہ) یا ایہا النبا  
قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فی ولایۃ علی  
فامنوا خیرا لکم وان تکفروا بولایتہ فان للہ  
ما فی السموات وما فی الارض (اصول کافی ص ۲۶)

اللہ لیغفر لہم ولا یہد بہم طریقا (الی قولہ) یا ایہا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم  
فی ولایۃ علی فامنوا خیرا لکم وان تکفروا بولایتہ فان للہ ما فی السموات وما فی الارض ،

(۲۲) ستعلمون یا معشر الکذبین حیث  
انبا تکم رسالۃ ربی فی ولایۃ علی علیہ السلام  
والائمة من بعدہ من ہو فی ضلال مبین  
کذا نزلت (اصول کافی ص ۲۶)

آیت ستعلمون من ہو فی ضلال مبین  
یون نازل ہوئی تھی ” ستعلمون یا معشر  
المکذبین حیث انبا تکم رسالۃ ربی فی  
ولایۃ علی علیہ السلام والائمة من بعدہ  
من ہو فی ضلال مبین ”

(۲۳) نزل جبرئیل بھذہ الایۃ علی محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم والہ ہکذا ان کنتم  
فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فاتوا  
بسورۃ من مثله - (اصول کافی ص ۲۶)

جبرئیل علیہ السلام نے آیت ان کنتم  
فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ  
من مثله یون نازل کی تھی ، ان کنتم فی  
ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فاتوا  
بسورۃ من مثله

(۲۴) نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ و  
الہ وسلم بھذہ الایۃ یا ایہا الذین اتوا  
الکتاب امنوا بما نزلنا فی علی نوراً مبیناً -

جبرئیل نے آیت یا ایہا الذین اتوا  
الکتاب امنوا بما نزلنا اس طرح نازل کی تھی  
” یا ایہا الذین اتوا الکتاب امنوا بما نزلنا  
فی علی نوراً مبیناً ”

(اصول کافی ص ۲۶)



(۳۵) خرجه المصنف الذی کتبہ علی علیہ السلام  
الی الناس حین فرغ منه وکتبہ فقال لہم ہذا  
کتاب اللہ عز وجل کما انزل اللہ علی محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم قد جمعتہ من اللوحین  
فقالوا ہوذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن  
لا حجتہ لنا فیہ فقال اما واللہ ما ترونہ بعد یومکم  
ہذا ابدا انما کان علی ان اخبرکم حین جمعتہ  
لتقرؤہ (اصول کافی ص ۶۱)

حضرت علی جب قرآن لکھنے سے فارغ  
ہوئے تو اس کو لوگوں کے پاس لائے اور ان سے  
فرمایا، یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی، میں نے اس کو دو لوحوں  
سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا اللہ کی کتاب تو یہ  
ہمارے پاس موجود ہے ہمیں آپ کے لئے ہوئے  
قرآن کی حاجت نہیں (اس پر حضرت علی نے غصہ  
میں اگر) کہا، اب خدا کی قسم آج کے بعد تم اس

کو کبھی نہیں دیکھو گے۔ میرے ذمہ تو صرف یہ تھا کہ جب میں نے اسے جمع کیا تو تم کو بتا دوں تاکہ اسے پڑھو۔  
(۳۶) اصول کافی ص ۱۳۹ میں دو روایتیں لائے ہیں کہ حضرت علی کے سوا کسی کو سارا قرآن معلوم نہیں۔  
(۳۸) اصول کافی ص ۶۷۰ پر لویکن الذین الخ سے متعلق تحریف کی روایت ہے۔

(۳۹) اصول کافی ص ۲۶۱ پر بھی ایک آیت کی تحریف کا ذکر ہے۔

(۳۰) قرآن مجید میں ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا نے نہیں کہیں (احتجاج طبری ص ۲۵)

(۳۱) موجودہ قرآن مجید کو اولیاء الدین کے دشمنوں نے جمع کیا ہے (احتجاج طبری ص ۱۳)

(۳۲) موجودہ قرآن مجید میں خلاف فصاحت اور قابل نفرت الفاظ موجود ہیں (احتجاج طبری ص ۳)

(۳۳) قرآن مجید میں سرور کائنات کی بھی ہتک کی گئی ہے۔ (حوالہ بالا)

(۳۴) موجودہ قرآن کی ترتیب خدا کی مرضی کے خلاف ہے (فصل الخطاب ص ۳)

تقیہ :

اگر کہیں کسی شیعہ مصنف نے اعتقاد تحریف سے انکار کیا ہے یا آجکل کوئی شیعہ انکار کرتا ہے تو  
تقیہ پر مبنی ہے۔ جیسا کہ عبارات بالا میں سے طے میں احتجاج طبری کی عبارت گزری کہ عقیدہ تحریف  
کے اظہار سے تقیہ مانع ہے۔ اور تقیہ مذہب شیعہ میں اس قدر مؤکد ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں  
(۱) لا دین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص ۱۴)

جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے۔

(۲) لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص ۱۴)

مسئلہ پداء

شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی واقع ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ وہ



۱ سے بدار کہتے ہیں اور عقیدہ بدار سے بڑھ کر ان کے مذہب میں اور کوئی عبادت نہیں۔

(۱) ما عبد الله بشئ مماثل البداء (۱ اصول کافی ص ۸۴)

(۲) ما عظم الله بمثل البداء (۱ اصول کافی ص ۸۵)

(۳) سمعت الرضا عليه السلام قال ما بعث الله نبيا قط الا بتحريم الخمر ان يقر الله بالبداء (۱ اصول کافی ص ۸۶)

(۴) سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول لو علم الناس ما في القول بالبداء من الاجراف وتروا عن الكلام فيه (۱ اصول کافی ص ۸۷)

(۵) عن ابي الهاشم الجعفری قال كنت عند ابي الحسن عليه السلام (الی قوله) فقال نعم يا اباها شتم بد الله فی ابی محمد کما بدا فی موسی (۱ اصول کافی ص ۸۸)

کیا مذکورہ بالا عقائد کے کفر ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش ہے؟ بلکہ شیعہ کی تکفیر خود انکی کتابوں میں ان کے بزرگوں سے منقول ہے۔

### شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے

(۱) قال ابو عبد الله عليه السلام ما نزل الله آية في المنافقين الا وهي فيمن ينتحل التشيع (رجال کشی ص ۱۹۳ س ۱۶)

(۲) سمعت علي بن الحسين يقول (الی قوله) ان قوما من شيعتنا سيحيوننا حتى يقولوا فينا ما قالت اليهود في عزير ما قالت النصارى في عيسى بن مريم فلا هم منا ولا نحن منهم (رجال کشی ص ۱۹۴)

ابو عبد الله کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جو آیت بھی نازل کی ہے وہ تشیع کی طرف منسوب لوگوں کے بارے میں ہے۔

علی بن حسین کہتے ہیں ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم عنقریب ہمارے ساتھ دوستی کا اظہار کرے گی حتیٰ کہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہیں گے جو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور نصاریٰ

حقیقت شیعہ



نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا نہ وہ ہم سے ہیں نہ ہمیں ان سے کوئی تعلق (رجال کشی ص ۷۹)

(۳) عن ابن ابی یعفور قال كنت عند الصادق  
اذ دخل موسى فجلس فقال ابو عبد الله عليه السلام  
يا ابن ابی یعفور هذا خیر ولدی وحبیب الی  
غیر ان الله عز وجل یضل به قوما من  
شیعتنا فانهم قوم لا خلاق لهم فی الآخرة  
ولا یکلمهم الله یوم القیامة ولا ینزکیهم ولهم  
عذاب الیم قلت فداک قد ارغب قلبی  
عن هؤلاء قال یضل به قوم من شیعتنا بعد  
موتہ جزئاً علیہ (رجال کشی ص ۸۰ س ۸)

لئے دردناک مذاہبم۔ ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرا تو دل ان سے پھر گیا ہے، ابو عبد اللہ  
نے کہا اسی کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں ایک قوم ان کی وفات کے بعد ان پر جزع و فرع کر کے اور  
زور و گمراہ ہو جائے گی۔ (رجال کشی ص ۸۰)

(۴) ان علیا علیہ السلام لما فرغ من قتال  
اهل البصرة اتاه سبعون رجلاً من الزط  
فسلموا علیہ وکلموه بلسانهم فرد علیهم بلسانهم  
وقال انی لست کما قلتم انا عبد الله مخلوق  
قال فابوا علیہ وقالوا له انت انت هو فقال  
لهم لئن لم ترجعوا عما قلتم فی وتوبوا الی الله  
تعالی لا قتلکم قال فابوا ان یرجعوا وابتوا  
فامر ان یحفر لهم ابار فحفرت ثم خرق بعضها  
الی بعض ثم قدفهم فیها ثم طم رؤسها ثم  
الهب النار فی بئر منها لیس فیها احد فدخل  
الدخان علیهم فماتوا (رجال کشی ص ۸۱ طبع کر بلا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اہل بصرہ کے  
قتال سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس قبیلہ نسط  
سے ستر آدمی آئے، انہوں نے آپ کو سلام کیا اور  
اپنی زبان میں بات کی، آپ نے بھی انہی کی زبان  
میں جواب دیا اور فرمایا کہ میں ایسا نہیں جیسا تم  
سمجھتے ہو، میں اللہ کا بندہ اور مخلوق ہوں انہوں  
نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ آپ وہی ہیں (یعنی  
خدا ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا  
کہ اگر تم اس سے باز نہیں آتے جو میرے بارے  
میں کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کرتے تو  
میں تم لوگوں کو ضرور قتل کر دوں گا، ان (شیعہ) نے  
رجوع اور توبہ سے انکار کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے کنوئیں کھودے جائیں پھر ان کے درمیان



سوراخ کر کے ان کو آپس میں ملا دیا۔ پھر ان کو ان کنوؤں میں پھینک کر ان کنوؤں کا منہ بند کر دیا، پھر ان میں سے ایک کنوئیں میں آگ جلائی جس میں کوئی آدمی نہ تھا، اس طرح سے دوسرے کنوؤں میں ان پر دھواں داخل ہو گیا اور وہ سب کے سب مر گئے۔ (رجال کشی ص ۱۱ طبع کربلا)

(۵) قال ابو الحسن لومیزت شیعتی ما وجدتم الا واصفة ولوا متخذتم لہما وجدتم الا حردین (روضہ کلینی ص ۱۱)  
ابو الحسن (موسیٰ کاظم) فرماتے ہیں کہ میں اگر اپنے شیعہ کو چھانٹ کر دیکھوں تو ان سب کو صرف باتیں بتانے والے (منافق) پاؤں۔ اگر ان کا امتحان لوں تو

وہ سب مرتد نکلیں گے :

(۶) اگر عدد ایشان (شیعہ) بہ سہ صد و سیزدہ (۳۱۳) کسی بہینت اجتماعی رسد امام ظاہر شود،  
اگر ان (شیعہ) کی مجموعی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جائے تو امام (مہدی) ظاہر ہو جائیں گے  
(صافی باب ۳ ص ۳۱۳)

معلوم ہوا کہ آج تک کبھی بھی تین سو تیرہ شیعہ کسی زمانے میں جمع نہیں ہوئے، یہ سب مدعیان تشیع منافق ہیں اور انہوں نے امام مہدی کو غار میں دھکیل رکھا ہے اور امام کے نہ ہونے کی وجہ سے اُمت کی گمراہی دُنیا میں فساد و فتن کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، اگر ان میں سے تین سو تیرہ ہی صحیح شیعہ بن جائیں تو امام مہدی ظاہر ہو جائیں اور سارے جھگڑے طے ہو جائیں۔

اہل تشیع کا آپس میں لعن طعن :

لعن و طعن اور سب و شتم کو حدیث میں علاماتِ نفاق شمار کیا گیا ہے، اور شیعہ لوگوں میں آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کا سلسلہ عام ہے، چنانچہ ان کے رواۃ اور بزرگوں پر خود ان کے بزرگوں سے لعنت اور بد دعا کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی جعفر قال امیر المؤمنین اللہم العن ابی فلان واعمر ابصارہما کما عمیت قلوبہما (قال فی الحاشیۃ) ہما عبد اللہ بن عباس وعبید اللہ بن عباس (رجال کشی ص ۳۵ س ۲۳)  
ابو جعفر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اللہ! فلاں کے دو بیٹوں پر لعنت کر اور ان کی بینائی سلب کر لے جیسا کہ آپ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ حاشیہ میں

لکھا ہے کہ یہ (دو بیٹے) عبید اللہ بن عباس اور عبید اللہ بن عباس ہیں :

(۲) مقامات ذیل میں زرارہ کی انتہائی درجہ کی تعریف اور مدح کی روایات ہیں۔ رجال کشی ص ۸۸  
س ۷، ص ۹۱ س ۱۳ و س ۱۸، ص ۱۱۳، س ۸، ص ۱۲۲ س ۱۱، اور اس کے برعکس رجال کشی ہی



میں ص ۹۹ س ۱۲ میں زرارہ پر لعنت کی روایت ہے

(۳) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں بریدہ کی تعریف اور ص ۹۹ س ۱۲ میں اس پر لعنت کی روایت ہے  
(۴) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں محمد بن مسلم کی تعریف کی روایت اور ص ۱۳ س ۱۱ میں اس پر لعنت کی روایت ہے  
(۵) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸ میں ابو بصیر کی تعریف کی روایت اور ص ۱۱۶ س ۶ میں اس کی مذمت کی روایت ہے۔

(۶) روایت ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت علی کتنے ہی بڑے گناہ کرتا ہے تو بھی اسکی مغفرت یقینی ہے  
سید بن محمد الحمیری اشعار در تعریف علی ختہ  
بود پس اس شعر فضیل الرسان در خدمت امام  
جعفر خواند (الی قولہ) قال سمعت نعیباً من  
وراء السائر قال من قال هذا الشعر قلت  
السید بن محمد الحمیری فقال رحمہ اللہ نقلت  
انی رأیتہ یشرب نبیذا فقال رحمہ اللہ نقلت  
انی رأیتہ یشرب نبیذا الرستاق قال تعنی اللہ  
قلت نعم قال رحمہ اللہ وما ذلک علی اللہ  
ان لا یغفر لمحبت علی (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۱)  
دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ شراب ہی تو پی ہوگی، میں نے کہا، ہاں! تو کھینے لگے، اللہ اس پر رحم کرے  
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی محبت علی کی مغفرت نہ کرے؟

اور روایت ذیل میں اسی سید بن محمد کو روسیاء کی قدرتی سزا ملنے کا ذکر ہے حالانکہ روایت بالا میں گزرا کہ وہ باوجود شراب پینے کے محبت علی کی وجہ سے مغفور ہے۔

حدّثنی ابو الحسن بن ایوب المروزی  
قال روی ان السید بن محمد الشاعر اسودّ وجهه  
عند الموت فقال هذا یفعل باولیا ثم  
یا امیر المومنین (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۱۳)  
ابو الحسن بن ایوب مروزی کہتے ہیں کہ موت  
کے وقت سید بن محمد شاعر کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا تو  
اسنے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپ کے احباب  
کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟

اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ کے بزرگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے مبین کا چہرہ موت کے وقت سیاہ ہو جاتا ہے۔



(۷) عن رضا علیہ السلام یونس بن عبد الرحمن  
فی زمانہ کسلمان الفارسی فی زمانہ  
رہنا کہتے ہیں کہ یونس بن عبد الرحمن اپنے زمانے میں  
ایسے ہیں جیسے سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانے  
میں تھے (رجال کشی ص ۳۰۳ س ۲۱)

اور سلمان فارسی کی تعریف میں رجال کشی ص ۹ س ۱۱۵ اور روضہ کلینی ص ۱۱۵ میں روایت ہے  
دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یونس بن عبد الرحمن کی مدح ثابت ہوئی، مگر رجال کشی ص ۳۰۹ س ۲ میں  
رضا ہی سے روایت ہے کہ یونس بن عبد الرحمن ابن زانیہ اور زندقہ ہے۔

### اہل بیت سے دشمنی :

ان لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاملہ تو اوپر کی روایات سے معلوم ہو چکا، اب ذرا  
مدعیان عشق اہل بیت کا حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق حسن اعتقاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔  
(۱) عن ابی عبد اللہ قال ان جبرئیل نزل  
علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا محمد  
ان اللہ یشیرک بمولود یولد من فاطمة تقتله  
امتک من بعدک فقال وعلی ربی السلام لا  
حاجة لی فی مولود یولد من فاطمة تقتله امتی  
من بعدی نعرج ثم هبط فقال لہ مثل ذلک  
فقال یا جبرئیل وعلی ربی السلام لا حاجة لی  
فی مولود تقتله امتی من بعدی فعرج جبرئیل  
الی السماء ثم هبط فقال یا محمد ان ربک یقرئک  
السلام ویشیرک بانہ جاعل فی ذریۃ الامامة  
والولاية والوصیۃ فقال قد رضیت ثم ارسل  
الی فاطمة ان اللہ یشیرک بمولود یولد لک تقتله  
امتی من بعدی فارسلت الیہ ان لا حاجة لی  
فی مولود تقتله امتک من بعدک فارسل الیہا  
ان اللہ قد جعل فی ذریۃ الامامة والولاية و

جعفر صادق فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو فرمایا، اے محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹے کی بشارت  
دیتے ہیں جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوگا  
جسے آپ کے بعد آپ کی امت شہید کر دے گی  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے رب پر سلام  
مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں جو فاطمہ سے پیدا  
ہو اور پھر اسے میرے بعد میری امت شہید کرے  
جبرئیل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے اور تھوڑی  
دیر بعد پھر نازل ہوئے اور پھر وہی بات کہی، آپ  
نے پھر وہی جواب دیا، جبرئیل امین پھر واپس  
تشریف لے گئے اور پھر آئے اور فرمایا کہ اے  
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے آپ کو  
سلام کہا ہے اور وہ آپ کو بشارت دیتے ہیں  
کہ وہ ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور



وصیت رکھیں گے تب آپ نے فرمایا کہ اب میں راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے بچے کی بشارت دیتے ہیں جو آپ سے پیدا ہوگا، جسے میری امت میرے

بعد شہید کرے گی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی حاجت نہیں جسے آپ کی امت شہید کرے، آپ نے پھر پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں امامت و ولایت اور وصیت رکھی ہے تب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) راضی ہوئیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکا بدلہ اپنی والدہ محترمہ سے یہ لیا کہ) اس کے بعد نہ اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا اور نہ ہی کسی اور عورت کا (یعنی ان کو جنس عورت سے نفرت ہو گئی جو اسکی پیدائش پر ناخوش تھی) آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اس سے دودھ پیتے جو ان کو دو تین روز تک کفایت کرتا:

جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے حاملہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے اور کہا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) عنقریب ایک بچہ جنے گی جسے آپ کے بعد آپ کی امت قتل کرے گی، پس جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو وہ اس حمل کو بُرا سمجھتی تھیں اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس کو بھی بُرا سمجھتی تھیں، جعفر صادق نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں جو اپنے بچے کو بُرا سمجھتی ہو مگر حضرت فاطمہ اسے بُرا سمجھتی

تھیں اسلئے کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بچہ شہید ہوگا (العیاذ باللہ شہادت کی نحوست کی وجہ سے وہ بچے کو بُرا سمجھتی تھیں) جعفر صادق نے کہا کہ آیت حملتہ امہ کرھا لہ اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے، (اُس کی ماں نے اسے حمل کی حالت میں بھی بُرا سمجھا اور پیدا ہونے کے بعد بھی) یہ ترجمہ اہل تشیع

الوصیۃ فارسلت الیہ ائی قد رضیت (ای قولہ) ولہ یرضع الحسین من فاطمۃ علیہا السلام ولا من انشی کان یوقی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیضع ابھامہ فی فیہ فیرضع منھما ما یکفیہ الیومین او الثلاث (اصول کافی ص ۲۹۴)

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمۃ بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان فاطمۃ سنلد غلاما تقتله امتک من بعدک فلما حملت فاطمۃ بالحسین کرھت حملہ و حین وضعتہ کرھت وضعہ ثم قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لم تزی الدنیا ام تلد غلاما تکرھہ ولكنھا کرھتہ لما علمت انہ یقتل قال وفیہ نزلت هذه الآية حملتہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا (حوالہ بالا)



کا ہے، حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان کو ماں کا شکر گزار اور مطیع رہنا چاہیے، اس لئے کہ ماں نے حالت حمل اور وقت پیدائش کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

کسی شاعر نے اسے یوں منظوم کیا ہے ۵

ہائے رے شہیر مظلومی تری دہوئی تیری بشارتیں بار گریہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ پھر بھی تھی تیری دلاؤ ناگوار  
کرتی ہے اس رمز کو قرآن میں ائمہ کرہا کی آیت آشکار تمکو بھی غیر کا ایسا جوش تھا دودھ اسٹاں کا نہ چوسا زینما  
دیکھا آپ نے کہ شیعہ مذہب میں شہادت کتنی بڑی چیز ہے اور حضرت حسین شہید ہونے کی وجہ سے  
ان کے خیال میں کس قدر مکروہ و مبغوض ہیں اور حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان  
کس قدر عداوت اور بغض ثابت کیا گیا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ، اُمید ہے کہ مضمون بالا دیکھنے کے بعد  
شیعہ کی تکفیر میں کسی کو بھی شبہ نہ رہے گا۔

## کیا شیعہ اہل کتاب ہیں؟

مقتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہل کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبیہ ہوا کہ یہ لوگ  
زندیق ہیں، اس لئے انھیں اہل کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں، زندیق کی دو قسمیں ہیں :

① بمعنی منافق، یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو، قال العلامة النفتازانی (رحمہ اللہ تعالیٰ)  
وان کان مع اعترافہ بنبوتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اظہارہ شعاثر الاسلام بیطن عقائدہ کفر بالاعتقاد  
خص بآئمہ الزندیق (شرح المقاصد ص ۲۶۹ ج ۲) وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف  
فی تفسیرہ فقیل هو المبطن للكفر المظهر للاسلام کالمنافق (عمدة القاری ص ۷۹ ج ۲۴)

② جو شخص عقائد اسلام میں تاویلات باطلہ کرتا ہو، ایسا شخص اگرچہ اپنے عقائد کفریہ کو پوشیدہ  
رکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی اشاعت کرتا ہے اس کے باوجود اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله المعروف) ای بالزندقة الداعی للذی یدعو الناس الی  
زندقة اھم فان قلت کیف یكون معروفا داعیا الی الضلال وقد اعتبر فی مضمونہ الشرعی ان یبطن الکفر،  
قلت لا بعد فیہ فان الزندیق بموہ کفرہ و عروج عقیدتہ الفاسدة و یجترأ فی الصورة الصحیحة و هذا معنی  
ابطان الکفر فلا ینافی اظہارہ الدعوی الی الضلال و کونه معروفا بالاضلال اھ ابن کمال  
(سرمد المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان المخالف للدين الحق ان لم یعترف به لم یذعن له لا



ظاہرًا ولا باطنًا فهو کافر، وان اعترف بلسانہ قلبہ علی کفر فهو المنافق، وان اعترف بہ ظاہرًا لکنہ یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسر الصحابة والتابعون اجتمعت علیہ (المتن فهو الزندیق) (المسوفۃ ج ۲)  
زندیق کے احکام :

(۱) زندیق واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونیکے بعد اسکی توبہ قبول نہیں، گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔

(۳) ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۴) ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

قال العلامة الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا الکافر بسبب الزندقة لا توبة له وجعلہ فی الفتن ظاہر المذهب لکن فی حظرات الخانیۃ الفتویٰ علی انہ اذا اخذ السحر والزندیق المعروف الداعی قبل توبۃ ثم تادب لم تقبل توبۃ ویقتل ولو اخذ بعدھا قبلت (مرح المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

وقال للعلاء ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (تنبیہ) یعلم قماہنا حکم الدار والقیامۃ فانہم فی بلاد الشیۃ یتظہرون الاسلام والصوم والصلوۃ مع انہم یعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوہیۃ فی شخص بعد شخص ویجحدون الحشر والصوم والصلوۃ والحج ویقولون المسی بہ غیر المعنی المراد یتکلمون فی جنب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کلمات فظیعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمن الحمادی فیہم فتویٰ مطولة (الی قولہ) ونقل عن علماء المذاهب الاربعۃ انہ لا یجحد اقرارہم فی دین الاسلام بحزبہ ولا غیرہا ولا تحل منا کتھم ولا ذبا کتھم فیہم فتویٰ فی تحزبہ ایضاً فراجعہا، والحاصل انہم یصلون علیہ اسم الزندیق والمنافق والملحد (الی قولہ) وبعد النظر ہم لا تقبل توبتھم اصلاً (مر المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

## کتاب شیعہ میں شیخین دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف

(۱) عن فضیل الرسان قال سمعت ابا داود وهو یقول حدثنی بریدۃ الاسلمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الجنة تشاق الی ثلاثۃ قال فجاء ابو بکر فقیل لہذا ابا بکر انت الصدیق وانت ثانی اثین اذہما فی الغار فلو سألت من هؤلاء الثلاثۃ رجال کشی فدا

فضیل الرسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو داود سے سنا اور ان سے بریدہ سلمی نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جنت تین آدمیوں کے لئے مشتاق ہے، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق تشریف لائے تو ان سے کہا گیا کہ آپ صدیق ہیں اور غار ثور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق

خاص تھے، اگر آپ یہ پوچھیں کہ یہ تینوں کون ہیں (تو بہتر ہے)



(۲۲) ثم جاء عمر فقيل له يا ابا حفص ان رسول الله قال ان الجنة تشاق الى ثلاثة وانت الفاروق الذي ينطق الملك (رجال كشي من) ایسے فاروق ہیں کہ آپ کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے، یعنی آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی ہے (۳) قال بعض المخالفين بحضرة الصادق عليه السلام لرجل من الشيعة ما تقول في العشرة من الصحابة قال اقول فيهم الخير الجليل الذي يحط الله به سيأتي ويرفع به درجاتي قال السائل الحمد لله على ما انقذني من بغضك كنت اظنك رافضيا ببغض الصحابة فقال لرجل من ابغض واحدا من الصحابة فعليه لعنة الله والملائكة فقال لعلك تتأول ما تقول فيمن ابغض العشر من الصحابة فقال من ابغض العشرة فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (تفسير عسکری مطبع جعفری شکرہ بیفان باب ۱۹ ص ۱۹۹) سے بغض رکھے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس نے کہا کہ شاید تم اس قول میں کوئی تاویل کر رہے ہو۔ عشرہ مبشرہ کے بارے میں بتائیے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے تو اس نے کہا کہ جو عشرہ مبشرہ کے ساتھ بغض رکھے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت۔

(۴) فردع کافی جلد ۲ نصف اول ص ۲ پر بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مذکور ہے۔  
(۵) نبج البلاغة میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات منقول ہیں جن میں کئی جگہ بہت کثرت سے شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح مذکور ہے، مثال کے طور پر صفحات ذیل ملاحظہ ہوں:

نبج البلاغة جلد ۱ ص ۳۵، ۸۵، ۱۸۲، ۲۴۹ اور جلد ۲ ص ۲۲، ۳۵، ۸۴، ۹۸، ۱۲۱، ۱۰۱ جلد ۳ ص ۸

(۶) شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر عسکری میں آیت اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور کرامت "ياسارية الجبل" مذکور ہے۔

هذه اعز من الخطاب اذا قيل لهم یہ عالم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا ایسی



انہ کان علی المنبر یخطب اذ نادى فی خلخل  
خطبتہ یاساریۃ الجبل وعجبت الصحابة  
ما هذا من الکلام الذی فی هذه الخطبة  
فلما قضی الخطبة والصلوة قالوا ما قولک  
فی خطبتک یاساریۃ الجبل فقال اعلماوا  
انی وانا اخطب رمیت بصری حتی رأیتهم  
وقد صطفوا بین یدی جبل هناك وقد جاء  
بعض الکفار لیلید و خلف سعد بن ابی وقاص سائر  
من معه من المسلمین فیحیطوا بهم فیقتلوهم  
فقلت یاساریۃ الجبل لیلتجی الیه فیمنعهم  
ذلک من ان یحیطوا به ثم یقاتلوا ومنح  
الله اخوانکم المؤمنین اکناف الکافرین  
وفتح الله علیهم بلادهم فاحفظوا هذا  
الوقت فیرد علیکم الخبر بذلک، و بین  
المدينة ونہاوند اکثر من خمسين یوماً -  
(تفسیری مسکری مطبع جعفری ص ۲۷)

حالت میں جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے  
بلند آواز سے فرمانے لگے یاساریۃ الجبل (۱) اے  
ساریہ پہاڑ کی پناہ نو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم  
اس سے تعجب کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
جب خطبہ ورنماز سے فارغ ہوئے تو دریافت کرنے  
پر فرمایا کہ اثنائے خطبہ میں میں نے نظر اٹھای تو دیکھا  
کہ مسلمانوں کا لشکر پہاڑ کے نیچے صف بستہ ہے  
اور خنید کا فر پہاڑ کے پیچھے سے آئے تاکہ حضرت  
سعد بن ابی وقاص اور دیگر مسلمانوں کا گھراؤ  
کر کے ان پر حملہ کریں، اس وقت میں نے یاساریۃ  
الجبل کہا، تاکہ پہاڑ کی طرف پناہ لیکر کفار کے  
گھراؤ سے بچ جائیں اور پھر ان سے مقابلہ کریں  
اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائیوں کو کافروں کے اٹا  
سے نجات دی اور کافروں پر مسلمانوں کو فتح ہو گئی  
پھر فرمایا اس وقت کو یاد رکھو تمہارے پاس  
اس کی خبر آئے گی۔

مدینہ منورہ اور نہادند (جہاں یہ شکر تھا) کے درمیان پچاس دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ  
عروۃ بن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے  
پوچھا کہ کیا تلواروں پر سونا چاندی چڑھانا جائز ہے؟  
تو کہا کہ جائز ہے اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیق  
نے اپنی تلوار پر سونا چڑھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں  
کہ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں؟  
تو امام باقر غایت جوش سے اچھل کر کھڑے ہو گئے  
اور قبلہ رو ہو کر فرمانے لگے، ہاں میں صدیق کہتا  
ہوں! ہاں میں صدیق کہتا ہوں!! ہاں میں

(۷) وعن عروۃ بن عبد اللہ قال سألت  
ابا جعفر محمد بن علی علیہما السلام عن حلیۃ  
السیوف فقال لا بأس به فقال قد حلّی ابو بکر  
الصدیق رضی اللہ عنہ سیفہ قلت فتقول  
الصدیق فوثب وثبۃ واستقبل القبلة وقال  
نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق  
فمن لم یقتل لہ الصدیق فلا صدق اللہ  
لہ قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرۃ۔



دکشف الغمہ فی احوال الائمہ طبع ایران ۱۳۲۵) صدیق کہتا ہوں !!! اور جو آپ کو صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اسکا کوئی قول سچا نہ کرے

## نکتہ :

افسوس کہ شیعہ نے اپنے امام نجیم ابو جعفر محمد بن علی باقر کی بات نہ مانی اور افضل البشر بعد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ صرف صدیقیت بلکہ صحابیت کے شرف سے بھی گرانے کی کوشش کر کے اپنی عاقبت برباد کی اور امام باقر کی بددعا فلا صدق اللہ له قولا فی الدنیا ولا فی الآخرہ (اللہ تعالیٰ اس کی کسی بھی بات کو دنیا و آخرت میں سچا (درست) نہ کرے) کے مستحق ہوئے، شیعہ کے حق میں ان کی یہ بددعا قبول ہوئی، چنانچہ شیعہ لوگوں نے تقیہ یعنی جھوٹ اور فریب کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے اور کہتے ہیں کہ جو جھوٹ نہیں بولتا، فریب اور دغا بازی نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اس کا ایمان معتبر نہیں، اسکے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی جھوٹ بولتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ اور افترا زباندھا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو جاتی ہے، پھر حد یہ کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلطی کو منسوب کرنے سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں، یہ ان کی قوی کذب بیانی اور افترا پر دازی کا نقشہ تھا، دوسری جانب ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ کر لیں کہ انہوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا کہ عورتوں کا بلا نکاح بصیغہ متعہ کسی کے گھر چلی جانا اور مذہب کے علاوہ اخلاق و روایات کی بندشوں کو بھی توڑ کر حیا سوزی کا مرکب ہونا، اسے کار خیر بلکہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیدیا۔

کتب شیعہ سے فضائل متعہ نقل کرے سے قبل ایک اشکال کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔ کتب شیعہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف دیکھنے پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ مرد و دو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھلے دشمن ہیں، پھر تعریف کیونکر؟ اسکے دو جواب ہیں: ① یہ تعریف تقیہ کی بنا پر ہے جس پر ان کے ایمان کا مدار ہے، جیسا کہ تقیہ کے بیان میں ان کا مذہب لکھا جا چکا ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔

② اللہ تعالیٰ نے ”حق“ میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ بسا اوقات اہل باطل اور دشمنوں کی زبان پر بھی بولتا ہے۔ دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض و عناد سے کتب شیعہ بھری پڑی ہیں، ان نفوس مقدسہ کے حق میں ایسی فحش گالیاں بکتے ہیں کہ جس مسلمان کے قلب میں



ایمان کی ذرا سی بھی رُمق ہو وہ کسی مردود سے ایسی بکو اس سن کرا سے جہنم رسید کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

## فضائلِ متعہ

جعفر صادق کہتے ہیں کہ متعہ کے بعد غسل جنابت سے گرنے والے پانی کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو اس متعہ کرنے والے (منحوس) کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

بی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات پائے، جو دو مرتبہ متعہ کرے اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہو، اور جو تین مرتبہ متعہ اپنا رو سیاہ کرے وہ جنت میں میرے ساتھ

ہوگا۔ اعوذ باللہ من سخط الجحیم ومن الکذب علی سید الارواح صلی اللہ تعالیٰ علیہ علی آلہ الاطہار،

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے اس کا تیسرا حصہ آگ سے نجات پا جاتا ہے، جو دو دفعہ کرے اس کا دو تہائی اور جو تین دفعہ (منہ کالا) کرے اس کا تمام بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا۔ (العیاذ باللہ من شرور انفسنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اسے حضرت حسن کا درجہ مل جاتا ہے، جو دو مرتبہ متعہ کرے، حضرت حسین کا درجہ، اور جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ حضرت علی کا درجہ اور جو (العیاذ باللہ) چار مرتبہ متعہ کرے (منہ کالا کرے) وہ میرے درجہ کو پالیتا ہے۔

(۱) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ما من رجل تمتع ثم اغتسل الا خلق اللہ من کل قطرة تقطر منه سبعین ملکا يستغفرون له الى يوم القيامة

(برہان المتعہ صفحہ ۱۰۱ مؤلف سید ابوالقاسم والد سیٹل جاری)

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرة من سخط اللہ الجحیم ومن تمتع مرتین حشر مع الارار ومن تمتع ثلاث مرات صاحبی فی الجنۃ (منہج الصادقین ص ۳۵۶)

ہوگا۔ اعوذ باللہ من سخط الجحیم ومن الکذب علی سید الارواح صلی اللہ تعالیٰ علیہ علی آلہ الاطہار، (۳) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرة واحدة عتق ثلثۃ من النار ومن تمتع مرتین عتق ثلثاہ من النار ومن تمتع ثلاث مرات عتق کلہ من النار۔ (منہج الصادقین ص ۳۵۶)

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرة درجة کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین درجة کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلاث مرات درجۃ کدرجۃ علی ومن تمتع اربع مرات درجۃ کدرجۃ حق (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵۶)



(۵) قال ابو جعفر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ الہ وسلم لما اسری بہ الی السماء قال لحقنی جبرئیل علیہ السلام فقال یا محمد ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول انی قد غفرت للمتعتعین من امتک من النساء (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۲ ص ۱۵)

ابو جعفر فرماتے ہیں معراج کی رات جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں تک تشریف لے گئے تو فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ملے اور فرمایا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے تیری امت میں سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے والوں کو بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اہل تشیع کے نزدیک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج تھے تشریف لائے تو بجائے نماز کے تحفہ کے ان کے لئے بے شرمی اور حیا سوزی کا سامان لائے، اور العیاذ باللہ انھیں یہ بشارت دی گئی کہ اسی میں تمہاری نجات اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

(۶) روی بکر بن محمد عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سألت عن المتعة فقال انی لا کرہ للرجل المؤمن ان یشرب عن الدنیا وقد بقیت علیہ

جعفر صادق سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، میں کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ دنیا سے اس حالت میں چلا جائے کہ اس کے ذمہ

خلة من خلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہ یقضہا (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۳ ص ۱۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنتوں میں سے کوئی سنت باقی ہو (یعنی متعہ کر کے منہ کالا نہ کیا ہو)

(۷) جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ، وہ اہل بہشت سے ہے (تحفۃ العوام ص ۲ ج ۲)

(۸) عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرے (تحفۃ العوام ص ۲ ج ۲)

دیوثی و بے غیرتی کے مظاہرہ اور نفس امارہ کی تسکین کے لئے متعہ جیسا ہم خرماد ہم ثواب نسخہ بھی کافی نہ ہوا تو اس سے بھی آسان ترکیب تحلیل نکال کر بے غیرتی کو بھی شرما دیا، ابن بابویہ کتاب اعتقادات میں لکھتا ہے، اسباب حل المرأة عندنا اربعة النکاح و ملک الیمین والمتعة والتحلیل، تحلیل کی تفسیر کتب شیعہ میں تلاش کرنے کا موقع نہیں ملا، ایک مجتہد نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس سے اعادہ فرج مراد ہے، دنیا کا بدترین سے بدترین جانور بھی حضرت انسان کی اس شرافت کے سامنے شرم کے مارے سرنگوں ہے۔

شیعہ لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ ایک صدیق کی صداقت کے انکار سے ان پر کیا کیا آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں، جن سے مذہب و روایات کی بندشوں سے تودہ آزاد ہو ہی چکے، اخلاق و انسانیت بھی شیعہ معاشرے سے رخصت ہو گئی، فقط واللہ العاصم

۱۹ رذی قعدہ ۱۳۸۱ ہجری



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## شیعہ کو اہم مشورہ خالص شیعہ بن جاؤ تو سارے جھگڑے ختم

(مقتباس از تقریر حضرت الشیخ دامت برکاتہم ۶ محرم سنہ ۱۴۰۵ھ آسیا باری)

شیعہ کا مذہب بالاتفاق یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں، ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہے، اگرچہ بعض شیعہ قرآن کو دیکھتے اور تلاوت کرتے ہوں، انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں متواترات میں سے ہے، متواتر اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کے خبر دینے والے اس قدر ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے خلاف کو باور نہ کرا سکے۔ جیسا کہ مکہ کا وجود اس شخص کے لئے بھی یقینی ہے کہ جس نے مکہ نہ دیکھا ہو، اسی طرح ان کے نزدیک قرآن کا ایک حرف صحیح نہ ہونا اتنا یقینی ہے کہ اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، حالانکہ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کا انکار کر دینے والا بھی کافر ہے۔

### ایک اعتراض اور اس کا حل

شاید آپ کہیں کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں قرآن ہمارے گھروں میں رکھا ہوا ہے ہم پر یہ الزام غلط اور بلا وجہ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور وہ ان کتابوں کو صحیح سمجھتے ہیں ان کو چومتے ہیں، سینوں سے لگاتے ہیں اپنے گھروں میں رکھتے ہیں تو آخر یہ کتابیں اگر ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ میں نے ان کی کتابیں خوب دیکھی بھالی ہیں، ان کو خوب کھنگال کر دیکھا ہے، جو کہونگا کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ایک حرف بھی جھٹلا سکے، چاہیں تو کتاب نکال کر دکھاؤں گا، ان کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں ایک مجتہد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ صحیح ہے، بعد میں انکے کسی شاگرد نے کہا کہ آپ ہم کو تورات دن یہ پڑھاتے اور سکھاتے رہتے ہیں کہ یہ قرآن غلط ہے اور آج آپ نے یہ نئی بات کہی، تو مجتہد صاحب کہنے لگے، قلنہ تقیۃ میں نے تقیۃ کیا تھا۔

### تقیۃ کی حقیقت

تقیۃ ان کے دین کا جز ہے، تقیۃ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ

لے ان جوابات کی تفصیل عنوان ”کیا شیعہ مسلمان ہیں“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔



دینا وغیرہ، ان کے مذہب میں تقیہ جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصول کافی کی روایت ہے لا دین لمن لا تقیۃ لہ<sup>۱</sup> اور ایک روایت میں ہے لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ<sup>۲</sup>، یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا وہ بے دین اور بے ایمان ہے دو چیزوں کو ملا لیں۔ ایک یہ کہ ان کے ایمان میں سے یہ ہے کہ قرآن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ دوسری یہ کہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا فرض ہے بلکہ عین ایمان ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ گھروں میں قرآن کیوں رکھتے ہیں، سوائے فریب دہی کے اور کیا ہو سکتا ہے جس کا نام انہوں نے تقیہ رکھا ہے ۵

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خسرو  
جو چاہے آپ کا حشر کرشمہ ساز کرے

## اہل تشیع کا امتحان

ان منافقین کا امتحان اس طرح لو کہ تم اگر قرآن کو صحیح کہتے ہو تو یہ بتا دو کہ تمہارے جن مصنفین مجتہدین نے قرآن کو غلط کہا ہے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قرآن کو غلط کہنے والے جتنے گزرے ہیں سب کو کافر کہو، اپنے مجتہدین کو جو یہ کہہ گئے ہیں کافر کہو اور ان کی ایسی کتابیں چلا دو تو ہم مان لیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو، لیکن اگر ان کتابوں کو چھاپتے ہو، ان کی تعظیم کرتے ہو، ان کے مصنفین کو اپنا امام مان کر ان کا احترام کرتے ہو تو معلوم ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

پچھلے دنوں قادیانیوں کا بھی اسی طرح امتحان ہوا کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، ہمارا ختم نبوت پر ایمان ہے تو ان سے کہا جاتا تھا کہ تم غلام احمد کو کافر کہو انکی کتابیں خاکستر کر دو۔

حیدر آباد دکن کے صدیق دیندار جن بسویشور کے چند گنتی کے معتقدین ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مجاہدین اسلام ہیں، ہمارا اسلام پر یقین ہے، ہم دیندار ہیں، ان سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ صدیق دیندار جو پہلے غلام احمد کا چیلہ بنا، پھر ترقی کر کے خود نبی بن بیٹھا اور بعد میں خدائی کا دعویٰ کیا اسے کافر کہو، یہ عجیب بات ہے کہ غلام احمد قادیانی جو صدیق جن بسویشور کا پیر ہے وہ تو

۱۵ اصول کافی صفحہ ۲۸۴ ۱۶ اصول کافی صفحہ ۲۸۴



صرف نبی ہوا اور اس کا مرید صدیق دیندار خدا بن گیا۔ ع  
بریں عقل و دانش بباہر گریست

آخر کسی کے دعوے کے صدق و کذب کی کوئی کسوٹی اور معیار بھی تو ہوتا ہے، اس سے  
بہتر کوئی کسوٹی ہو تو بتا دو۔ آج اگر خدا نخواستہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب لے آئے جس میں  
لکھا ہو کہ اللہ کا وجود نہیں ہم اس کو چٹو میں، چاٹیں، غلاف چڑھائیں، سینوں سے لگائیں اور کہیں  
کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں تو کیا کوئی ایسا بے وقوف ہے جو ہمارے اس دعوے کو ماننے کے لئے تیار  
ہو، یہی حال ہے ان شیعہ کا کہ ان کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ قرآن صحیح ہے۔  
شیعہ کی اہم کتب :

شیعہ کی اہم کتابیں کافی اور صافی ہیں۔ صافی دواہیں، ایک اصول کافی کی شرح ہے  
دوسری تفسیر کے فن میں ہے، ان کتابوں کے حوالے اگر دیکھنے ہوں تو میری کتاب "احسن الفتاویٰ"  
میں ان کو تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

بہر حال اصول کافی ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کا کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا، دوسری کتابوں  
کے بارے میں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مجتہد ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کا قول حجت نہیں ہوتا،  
اس کا جواب یہ ہے کہ جن مجتہدین نے قرآن تک کا انکار کر دیا ہے ان کو کافر کیوں نہیں کہتے؟ نیز  
ان کی کوئی بات کہتا ہو تو اصول کافی کو پکڑنا چاہیے اس کا وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکتے، اسکی وجہ  
بھی سن لیجئے، کہتے ہیں کہ ابن یعقوب کلینی نے اس زمانے میں یہ کتاب لکھی جبکہ امام مہدی کی غیبت صغریٰ  
کا زمانہ تھا، امام مہدی کے غار میں جا کر غائب ہونے کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ ایک  
زمانے تک جس غار میں وہ چھپے ہوئے ہیں ان کے خاص لوگوں کو اس کا علم تھا کہ کہاں ہیں غیبت  
صغریٰ ہے اور بعد میں وہ ایسے غائب ہو گئے کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اب وہ کہاں ہیں غیبت  
کبریٰ ہے۔ یہ شیعہ بڑے نافرمان ہیں ان کا امام تو مسلمانوں سے ڈر کر غار میں چھپے اور یہ یہاں پھر ہتھیار  
خواہ مخواہ کا فساد کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امام مہدی شہر سمرقند میں رہا، میں کسی غار میں چھپے ہیں، یعنی اس شہر کو دیکھنے والا خوش  
ہو جاتا ہے، ابن یعقوب کلینی نے اصول کافی لکھ کر غار میں جا کر امام مہدی کو دکھائی، امام مہدی نے  
دیکھ کر فرمایا، ہذا کاف لشیعتنا، یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے، یہی اسکی وجہ تسمیہ  
بھی ہے۔ اب اس کے ساتھ دو باتیں اور ملا دیں، ایک یہ کہ امام ان کے نزدیک معصوم ہوتا ہے



جھوٹ نہیں بولتا، دوسری یہ کہ امام عالم الغیبؑ تاہے اسلئے اس سے غلطی نہیں ہوتی، تو جس کتاب کی تصدیق امام نے کی ہو نہ اس میں غلطی ہو سکتی ہے اور نہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے، اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے، **هَذَا مَا قَالَ فِيهِ الْأَمَامُ الْأَكْبَرُ حُجَّةُ اللَّهِ الْمُنْتَظَرُ هَذَا كَافٌ لَشَيْعَتِنَا، وَاقِعٌ يَشِيعَةُ كِي** پٹائی کے لئے کافی ہے۔

شیعہ صرف قرآن کی تحریف ہی کے قائل نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن موجود کفر کے ستونوں کو مضبوط کرتا ہے۔

و تضمينه من تلقائهم و ايقينون به دعائم  
کفر ہم (تنبیہ الحائرین) خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں وہ باتیں درج کیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کر سکیں۔

شیعہ کو موجود قرآن سے اس لئے عداوت ہے کہ اس میں شیعہ کی طرفداری نہیں کی گئی۔  
لولا اننا زيدا في القرآن فانقصنا خفي  
حقنا على ذي حجج (تنبیہ الحائرین) اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی جاتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر مخفی نہ رہتا۔

شیعہ عقیدہ تحریف قرآن کو بطور تقيہ چھپانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں مگر پھر بھی کبھی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے، چنانچہ سید محمد دہلوی اپنی کتاب "ضربت حیدریہ" میں لکھتے ہیں:  
اين نظم قرآنی نظم عثمانی است بر شیعان احتجاج  
بدان نشاید قرآن کی موجودہ ترتیب عثمانی ہے اس لئے یہ قرآن شیعہ پر حجت نہیں ہو سکتا۔

## دل کا راز معلوم کرنے کا عجیب گُر

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ نشہ، جنون یا نیند وغیرہ کی بہوشی میں دل کی باتیں زبان پر آ جاتی ہیں بعض نفسیات سے واقف لوگ اس گُر کے ذریعہ دل کے راز معلوم کر لیتے ہیں۔ کوئی ایسی بات کہدی کہ سننے والا طیش میں آ کر ہوش کھو بیٹھے اور مضبوط الحواس ہو کر دل کی بات اُگل دے۔  
جب مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کے "النجم" نے رجوم لشیاطین بن کر دشمنان قرآن پر تار توڑ حملے کئے اور ان پر سے تقيہ کی تلبیس کو خاکستر کر کے ان کی اصل تصویر کو عریاں کر دیا تو شیعہ بلبلا اٹھے، "النجم" کے دفاع کے لئے مستقل تصانیف کے علاوہ تقریباً پچیس رسائل جاری کئے مگر "النجم" کے راکٹ کے سامنے وہ بیت العنکبوت سے زیادہ نہ ٹھیر سکے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یکے بعد دیگرے سب نے دم توڑ دیا، ان رسائل میں سے ایک ہفتہ وار "دُرّ نجف" بھی



سیالکوٹ سے جاری کیا گیا تھا اس کی یکم اپریل ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں علماء شیعہ کے خصوصی ترجمان اعجاز حسن بدایونی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ہم اس مضمون کا پہلے وہ حصہ پیش کرتے ہیں جس سے ناظرین کو یقین ہو جائے گا کہ اعجاز حسن صاحب اس وقت "التجھ" کی شدید ضرب سے یوکھلا کر ہوش کھو چکے تھے اس بیہوشی کے عالم میں انھوں نے سر بستہ راز کو اگل کر رکھ دیا۔ چشم بد دور "التجھ" کیسا چمکیلا کوکب ہے جیسے دلی والا فلک جرمی کا چمکتا ستارہ بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پر تو سے بال کالے ہو جاتے ہیں اور اس کی خونی چمک سے قلوب عوام کا لانعام کی بنیائی پٹ ہو جاتی ہے۔

"التجھ" خرافات و مضرات کا طومار ہے اور وہ ایک بے ضرر چیز ہے۔ "التجھ" اپنی بے ڈھنگی رفتار سے فساد پھیلاتا ہے اور وہ اپنی چال سے کبھی کبھی چمک دیتا ہے "التجھ" کی رنگت گرگٹ کے مانند بدلتی رہتی ہے اور وہ اول دن سے نیلگوں شیشہ فلک میں ضیا بار ہے۔ "التجھ" کی نحوست یوم خمس مستمر سے بدرجہا زائد ہے کہ یہ روز بدال میں ایک مرتبہ دیکھنا پڑتا ہے اور "التجھ" کی خونی شعاعیں ہر ماہ میں رنگ لاتی ہیں اور مریخی اثر دکھاتی ہیں۔ "التجھ" کی پیشانی پر یہ آیہ و بِالتَّجْهِ هُمْ يَهْتَدُونَ ایسی ہے جیسے پیر بے پیر کے سر پر تاج شفاعت یا عالم بے عمل کے سر پر قبائے ہدایت یا خلیفہ پنچائیت کے بدن میں قمیص خلافت یا جاہل احمق کی چند یا پر دستار فضیلت شیعہ و محب لطیفہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہے لیکن ہدایت کا دم بھرتا ہے۔ اس کا مدیر سراپا تقصیر فاسق و بے دین ہے لیکن ہم پر اپنا عیب رکھتا ہے خود مؤمن بالقرآن نہیں اور نہ اس کے ہم مشرب مگر اپنا گناہ بے لذت ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔

آگے چل کر مدیر "التجھ" کو لکھتا ہے :

"مگر تمہیں حیا نہیں آتی اور چلتو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے کہ قصہ پاک ہو۔"

"اپنی جھوٹی بجواس سے توبہ کر لو۔"

اب ہم اس حواس باختہ کے اُگلے ہوئے زہر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :

"رسول کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔ بدعت پرستو

۱۔ خلیفہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں اور پنچائیت سے مراد انصار و مہاجرین کا وہ تاریخی اجتماع ہے جس پر دنیا کے اسلام اذائے اور جس میں حضرت صدیق اکبر کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ اجتماع اقوام عالم کی جمہوری زندگی میں جمہوریت کی خشت اول کا درجہ رکھتا ہے ۱۲



اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفات موجودہ عہد رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا اور اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونیکا دعویٰ نہ کرنا۔  
 ”مسٹر النجم تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو درآنحالیکہ اصلی قرآن میں سورۃ احزاب دو سو آیت کی تھی۔“ اس سورت میں آیہ رحم بھی تھی۔“ اور سنو، سورۃ توبہ کا صرف ایک حصہ رہ گیا ہے، باقی تین حصے غائب ہو گئے۔“ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تہران کے تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر حال یہ ہے کہ قرآنی آیات بڑی مشکل سے ملتی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔  
 ”الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اسکا دعویٰ صحیح ہے۔“  
 ”قرآن سے پورا سورۃ ”نورین“ غائب ہو گیا۔“ قرآن موجود میں دو مکمل سورے یعنی ”حقد و خلع“ بالکل نثار دیں۔“ یہ قرآن جو تمہارے زعم ناقص میں مکمل ہے۔“ اگر آیہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ذریعہ سے اصلی و غیر مجموع قرآن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا۔“ پس اگر عہد رسول والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع اور مجلد نہ تھا تو اسکا وجود صفحہ ہستی سے غائب ہے اور اگر یہ قرآن مراد ہے تو اس کے خالق جناب عثمان ہیں پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے۔“  
 ”حضرت ابو بکر کا قرآن غلط ثابت ہوا جس کی ہر ایک آیت دو عادیوں کی گواہی سے لکھی گئی تھی۔ اس میں فضول بھرتی ثابت ہونے سے عدل صحابہ اور ایمان صحابہ کے ساتھ حضرت ابو بکر کا ایمان بھی رخصت ہوا کہ یہ سب کے سب غلط قرآن پر ایمان رکھتے تھے۔“  
 ”مگر آپ نے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایجا د بندہ فرمائی۔ اب بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا۔“ آیات کی بیڈھنگی ملاحظہ ہو۔“  
 ”دوسری آیت بالکل بے ربطا مقام میں لکھی گئی ہے جیسے آیہ تطمیر ازواج نبی کے تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے۔“ اور سنو بارہویں پارہ کے جو تھے رکوع میں طوفان نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع تہران کا جہالت کا طوفان بے تمیزی اُبلتا ہے۔“ کیوں میاں عبدالشکور سچ کہنا یہی ترتیب مطابق لوح محفوظ ہے کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے کیا اسی



ادندھی ترتیب کی حفاظت کا خدانے وعدہ فرمایا ہے۔ کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے۔“

کیا ان اقتباسات کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی سیدھا سادہ مسلمان شیعہ کے گھر میں قرآن یا اس کے پڑھنے پڑھانیکا سلسلہ دیکھ کر اس دھوکے میں آسکتا ہے کہ شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔  
حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک شیعہ مجتہد سے مناظرہ اور مجتہد صاحب کا فرار

ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد نے تقریر میں عام مناظرہ کا چیلنج دیا کہ جو چاہے میرے مقابلہ میں آجائے۔ سندھ کے ایک مقام پر مجھے بلایا گیا کہ ایک شیعہ عالم بار بار پکار کر مناظرہ کا چیلنج دے رہا ہے میں نے کہا کہ مجھے تجربہ ہے کہ جب بھی میں جاتا ہوں وہ لوگ مناظرہ کو تیار نہیں ہوتے، خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوگا، انہوں نے کہا کہ اس میں اہل سنت کی حققت ہے، تو میں تیار ہو گیا، کتابیں لے کر مناظرہ کے مقام پر پہنچا، لوگوں کا مجمع تھا، بات وہی نکلی جو میں نے شروع میں کہی تھی وہ شیعہ مناظرہ کو تیار نہ ہوا اور غدر یہ بیان کیا کہ اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے تو میں نے کہا کہ بھئی بلایا تو آپ لوگوں نے خود تھا فساد پھیلتا ہے تو آپ نے چیلنج کیوں دیا؟ لیکن جب وہ کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے تو میں نے کہا کہ واقعی ٹھیک کہا آپ نے اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے مگر یہ جو صلح ہے اسے پائیدار ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ آج صلح ہو اور کل کو میدان خالی دیکھ کر پھر چیلنج شروع کر دیں اسلئے میں پائیدار صلح کی چند صورتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جو صورت پسند کریں اسکا انتخاب کریں۔

صلح کا پہلا طریق :

صلح کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ جس کے قبضے میں مراکز ہیں اس مذہب کو لے لیا جائے خواہ مخواہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالینا ٹھیک نہیں ہے مرکزوں کو فیصلہ مقرر کرنا چاہیے۔ پہلا مرکز اللہ تعالیٰ :

شیعہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ سے غلطی ہوتی ہے میں ایک لفظ اپنی طرف سے نہیں کہتا، کتاب نکال کر ان کو دکھا دی، اصول کافی کی روایت ہے۔ ما عظم اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص ۵۵) دوسری روایت ما عبد اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص ۵۵) تیسری روایت سمعت الرضا علیہ السلام قال ما بعث اللہ نبیاً قط الا بتحریم الخمر



ان یقر الله بالبداء (اصول کافی ص ۸۵)

بداء کے معنی ان کے ہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کر بیٹھتے ہیں بعد میں پچھتاتے ہیں کہ ارے غلطی ہو گئی نعوذ باللہ منہ۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی سے پاک ہے اور تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے تو یونہی سمجھ لو کہ معاذ اللہ شیعہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی۔ بہر حال یہ مرکز مسلمانوں کے ساتھ ہے۔  
دوسرا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

رسول معصوم ہوتے ہیں وہ کسی سے دب کر یا ڈر کر کوئی کام نہیں کرتے یہ ہمارا عقیدہ ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول بھی تقیہ کرتا ہے (الادین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص ۸۴) اہل الایمان لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص ۸۴) نبی اور رسول بھی جب تک جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، نعوذ باللہ منہ  
تیسرا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد :

اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے اور حضرت حسین شیعہ کے مذہب میں العیاذ باللہ بہت بڑے منحوس ہیں۔ نقل کفر کفر نباشد، ورنہ زبان یہ کہنے کو تیار نہیں ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں میں ہے کہ جبریل امین حضور کے پاس آئے اور حضرت حسین کی بشارت دی اور کہا کہ وہ شہید ہوگا، تو آپ نے فرمایا مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیے جو شہید ہو، پھر دوسری دفعہ جبریل آئے اور یہی کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیے، پھر تیسری دفعہ جبریل آئے اور کہا کہ انھیں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ امام بنائیں گے تب آپ راضی ہو گئے پھر آپ نے حضرت فاطمہ کے پاس آدمی بھیج کر بشارت دی، اس نے کہا کہ ایسا بیٹا نہیں چاہیے جو شہید ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ہوگا تو بھی حضرت فاطمہ بادلِ نحواستہ راضی ہوئی گویا کہ شہادت کی نحوست امامت سے بھی نہیں ڈھل سکتی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی حملۃ امہ کوھا وضعتہ کوھا، حالانکہ قرآن کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کو ماں کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ اس نے کتنی تکلیفیں جھیل کر اسے جنا ہے اور یہ لوگ اسے فاطمہ و حسین پر چسپاں کر رہے ہیں، پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام چونکہ عالم الغیب ہوتا ہے اس لئے حضرت حسین کو پتہ چل گیا کہ ان کی والدہ ان کو نہیں چاہتیں تو انھوں نے انتقام لیا اور ان کا دودھ پینے سے انکار

۱۵۔ یہ حوالہ کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ کے تحت گزر چکا ہے ص ۱۲ منہ



کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھتے وہ چوستے اور اس سے سیر ہوتے، دیکھئے کس طرح ماں اور بیٹے میں عداوت ظاہر کر رہے ہیں، اسی واقعہ کو شیعہ شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔

ہائے رے شبیر مظلومی تری      رد ہوئی تیری بشارت تین بار  
گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ      پھر بھی سمتی تیری ولادت ناگوار  
کرتی ہے اس رمز کو قرآن میں      ائمہ کرہا کی آیت آشکار  
تجھ کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا      دودھ اس ماں کا نہ چوسا زینہار  
چوتھا مرکز حرمین شریفین :

یہ ہمارے قبضہ میں ہیں۔

پانچواں مرکز قرآن مجید :

یہ بھی مسلمانوں کے پاس ہے شیعہ تو اس کی صحت ہی کے قائل نہیں

## صلح کا دوسرا طریق

صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ باری کا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی کچھ مدت کے لئے سب سنی بن جاؤ اور کچھ عرصہ سب شیعہ، تاکہ اتفاق و اتحاد رہے، آگے اس میں اختلاف ہو گا کہ پہلے شیعہ بنیں یا سنی، اس کا فیصلہ یوں کریں کہ جس کے پاس قانون فی الحال موجود ہے اس مذہب کو فی الحال لے لیا جائے، ہمارا قانون قرآن و حدیث موجود ہے اور شیعہ کا قرآن امام مہدی کے پاس غار میں ہے جو اونٹ کی ران کے برابر موٹا اور ستر گز لمبا ہے وہ تو یہاں موجود ہی نہیں، جس مذہب کا قانون ہی نہیں اس کو لیکر کیسے کام چلے گا اس لئے فی الحال سب شیعہ مسلمان بن جائیں جب بھی امام مہدی آپ کی کتاب لے آئیں گے ہم سب ان کے ساتھ ہو جائیں گے آپ ہم سے اس بارے میں معاہدہ لکھوالیں پھر اس کو رجسٹری بھی کرائیں۔

## تیسرا طریق کار

اگر صلح کے یہ طریقے منظور نہیں تو آسان سی بات یہ ہے کہ شیعہ اصلی شیعہ بن جائے تو سب



جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے، کیونکہ شیعہ مذہب میں یہ احکام ہیں۔

(۱) سیاہ لباس پہننا حرام ہے، عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) قال امیر المؤمنین علیہ السلام فیما علم

اصحابہ لا تلبسوا السواد فاتہ لبیل فرعون

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکیرہ

لباس السواد الا فی ثلثة العمامة والخف

والکساء (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص ۱۸)

(ب) سئل الصادق علیہ السلام عن

الصلوة فی القلنسوة السوداء فقال لا

تصل فیہا فانہا لباس اهل النار

(من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص ۱۸)

(ج) روی اسمعیل بن مسلم عن الصادق

علیہ السلام انہ قال ادحی اللہ تعالیٰ

الی نبی من انبیائہ قل للمؤمنین لا تلبسوا

لبیل اعدائی ولا یطعموا مطاعم اعدائی و

لا یسلکوا مسالك اعدائی فیکونوا اعدائی

فاما لبس السواد للفقیة فلا اثر فیہ

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۸ ج ۱)

(د) فقد روی عن حذیفۃ بن منصور

انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام

بالحیرۃ فاتاہ رسول ابی العباس الخلیفۃ

بیدعویۃ فذما بمطر احد وجہیہ اسود والاخر

ابيض فلبسہ ثم قال علیہ السلام اما انی

البسۃ انا اعلما انہ لبیل اهل النار

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۸ ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو

تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ کانے کپڑے نہ پہنیں

کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

پگڑی، موزے اور چادر کے سوا دوسرے لباس

میں سیاہ رنگ کو برا سمجھتے تھے۔

جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی میں نماز

پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں منازنہ پڑھی

جائے اسلئے کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔

(ایضاً)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر

وحی بھیجی کہ مومنین سے کھدو میرے دشمنوں کا

لباس نہ پہنیں، ان کے کھانے نہ کھائیں اور ان

کے راستے پر نہ چلیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو

میرے دشمن بن جائیں گے، ہاں البتہ تقیہ کے

طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

(ایضاً)

حیرہ میں خلیفہ ابو العباس کا قاصد امام جعفر صادق

کو بلانے آیا آپ نے بارش سے بچاؤ کا ایک

ایسا کپڑا منگوایا جس کی ایک جانب سیاہ

اور دوسری سفید تھی امام جعفر نے اسے پہن کر

فرمایا میں اسے یہ جان کر پہن رہا ہوں کہ یہ

دو زخیوں کا لباس ہے

(ایضاً)



(۲) ماتم کرنا کافروں کا کام ہے۔

(۱) عن ابی عبد اللہ قال ان الصبر والبلاء يستبقان الی المؤمن فیاتیہ البلاء وهو صبور وان الجزع والبلاء يستبقان الی الکافر فیاتیہ البلاء وهو جزوع قال قلت له ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعیل وطمع الوجه والصدور وجز الشعر من النواصی (فروع کافی ص ۱۲ ج ۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ صبر و مصیبت مومن کے پاس آتے ہیں، چنانچہ مومن پر آفت آتی ہے تو وہ صابر رہتا ہے، ایسے ہی جزع و مصیبت کافر کے پاس آتے ہیں، چنانچہ کافر کے پاس آفت آتی ہے تو وہ جزع فرع کرنے لگتا ہے امام جعفر سے جب پوچھا گیا کہ جزع کیا ہے تو فرمایا اشد ترین جزع یہ ہے کہ واویلا کیا جائے چہرہ اور سینہ (شیعہ کی طرح) پیٹا جائے اور پیشانی کے بال نوچے جائیں۔

(ب) من اقام النوحۃ فقد ترک الصبر و اخذ فی غیر طریقہ (فروع کافی ص ۲۲۸ ج ۲)

جس نے ماتم اور نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر کو چھوڑ کر غیر طریق اختیار کیا (فروع ص ۲۲۸ ج ۲)

(۳) سُنی امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھنا اتنا ثواب ہے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے میں۔

من صلی معہم فی الصف الاول کمَن صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعۃ)

جس نے اہل سنت کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۴) مناظرہ کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ تقیہ کے خلاف ہے اور تقیہ نہ کرنے والے کا ایمان باقی نہیں، اس کے حوالے پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

(۵) ڈاڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا واجب ہے۔

یہ سب کام کرنے لگو تو کیا کوئی اختلاف باقی رہ سکتا ہے۔ شیعہ مذہب میں تقیہ فرض ہے آپ تقیہ کر کے سُنی بن جائیں تو سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ شیعہ کی کتابوں میں مدح صحابہ کی روایا موجود ہیں اور نبی البلاغۃ میں حضرت علی کے کئی خطبے منقول ہیں جن میں انھوں نے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کی ہے اس لئے آپ بھی مدح صحابہ کے جلسے کیا کریں۔

۱۰۵ کے حوالے عنوان ”کتب شیعہ میں حضرات شیخین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں گزر چکے ہیں۔



پھر جب آپ لوگ سب شیعہ بن جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر نکل آئیں گے، کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تین سو تیرہ <sup>۳۱۳</sup> شیعہ روئے زمین پر ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر آجائیں گے۔

آپ شیعہ بنتے نہیں، امام مہدی نکلتے نہیں، ان کو ناحق آپ نے اپنے کرتوتوں سے غار میں دھکیل رکھا ہے، اپنے امام پر کتنا بڑا ظلم کر رہے ہو، نیز آپ کے خالص شیعہ نہ بننے سے کتنا بڑا فساد ہو رہا ہے، دُنیا گمراہ ہو رہی ہے۔ آپ شیعہ بن جائیں تو امام مہدی آجائیں گے اور سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے،

## حاضرین سے

اور کچھ نہیں تو آپ یہاں پر کم از کم تین چار سو شیعہ موجود ہیں آپ سب یہیں پر غم کر کے پچھے شیعہ بن جائیں تو فیصلہ ہو جائے گا امام مہدی آجائیں گے۔ اگر آپ اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے صرف تین سو تیرہ شیعہ بھی نہیں لاسکتے تو معلوم ہوا کہ مدعی شیعیت سب منافق ہیں چنانچہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے ائمہ شیعہ کا یہ فیصلہ موجود ہے کہ ہمارے سب شیعہ منافق اور مرتد ہیں۔ شیعہ علماء نے ان اُمور کا کچھ جواب نہ دیا اور مجلس مناظرہ درخواست ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں آمین۔

(اس رسالہ کا منہمہ ”احسن الفتاویٰ“ کے تتمہ میں ہے)



۱۔ اگر عدد ایشاں (شیعہ) بسہ صد و سیزده (۳۱۳) کسی بھیست اجتماعی رسد امام ظاہر شود (صافی باب ۳۶ ج ۳) ۲۔ یہ حوالے عنوان ”کیا شیعہ مسلمان ہیں“ کے تحت گزر چکے ہیں، ۱۲ منہ





وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فِي ثَمَنٍ بَخِيسٍ  
لِّلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ





## حجۃ الحدیث پر مبسوط بحث

**سوال** - آج کل انکار حدیث کا فتنہ روز افزون ترقی پر ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور عوام کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھنا علمائے وقت ہی کا فریضہ ہے۔ لہذا اسناد علیہ کہ حجۃ الحدیث سے متعلق سیر حاصل بحث فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے واللہ لا یضیع أجر المحسنین ط

## الجواب ومنہ الصدق والصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ  
بمصلحت برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست اگر باو ز رسیدی تمام بولہی ست

عبداللہ حکیم الوہابی نے سب سے پہلے انکار حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مہر وچ کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور سمجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمع رسالت کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پر ویز بٹالوی نگراں رسالہ طلوع اسلام اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمر بستہ ہے اور کیوں ہو جب کہ قادیان اور بٹالہ دونوں ایک ہی ضلع میں واقع ہیں۔ بلکہ بٹالہ بوجہ تحصیل ہونے کے قادیان پر ایک قسم کی مرکزی فوقیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر غلام احمد بٹالوی غلام احمد قادیانی سے رسول دشمنی میں ایک دو درجے اوپر چڑھ جائے تو کوئی بعید نہیں۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نام نہاد غلاموں نے بموجب مقولہ مشہورہ ”برعکس نہند نام زنگی کا نور“ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دنیا میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ رسول دشمنی پر ویز (علیہ علیہ) کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ امتیازی شان اس کے منحوس نام کا اثر ہے وہ سیاہ بخت کسری جس نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو بہت پیچ و تاب کھاکر پھاڑ ڈالا تھا وہ بھی پر ویز کہلوانا تھا پر ویز (علیہ علیہ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسری پر ویز کا رسول دشمنی جیسے ناقابلِ معافی جرم میں نہ صرف تاج و تخت کھویا گیا بلکہ سارا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جو دار جزا نہیں و لعذاب الاخرۃ اکبر ط وہ دن دور نہیں جس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ جَسَّ رَوْضًا لِمِ (غایت حسرت) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا



يَلِيَّتَنِي اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَيِّدًا (۲۵-۲۴) اور کہے گا کیا اچھا ہونا کہیں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر اگر چلتا۔

چودھویں صدی کے پرویز کو بھی اپنی سیاہ کاریوں کے تلخ ثمرات سے خائف رہنا چاہئے فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (خزل دنیا والاخرة) پروفیسر امین الدین صاحب روزنامہ نسیم لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۷۷ء میں تحریر فرماتے ہیں: ”یہ نیا فتنہ لاہور کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام سرکاری امداد کے بل بوتے پر پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس کا ذکر گذشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ہمارے ملک کے وزیر تعلیم نے فرمایا تھا اور اس کے بعد مغربی پاکستان کے بجٹ میں اس کے لئے پچیس ہزار روپے کی گرانقدر امداد کا انتظام بھی فرمایا گیا ہے۔“

## مفسد کون ہے؟

موجودہ فضا میں جو شخص بھی کسی ایسے ضروری اور اہم مضمون پر قلم اٹھاتا ہے جو خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہو یا اس میں کسی ناپاک فتنے کو دبانے کی کوشش کی گئی ہو اور کسی دشمن اسلام کی بدعنوانیوں کی صدائے بازگشت ہو تو بلا امتیاز حق و باطل اسے مفسد اور مفتن کہا جاتا ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چودہ سو سالہ مشہور عالم ادارہ کی رکنیت قبول کرے۔ اس ادارہ کے ارکان سابقہ علم و فراست، علمی جدوجہد اور اخلاص میں یکساں ہوں جن کی مجید العقول مساعی اور شبانہ روز انھک تنگ و دوسے اس ادارہ کا نا اچھا رسوا فاق عالم میں چمکنے لگا ہو اب یہ جدید رکن کہے کہ ادارہ کے سابقہ ارکان سب کے سب جاہل اور قوانین سے ناواقف تھے یا ان میں اخلاص نہیں تھا یا سب کے سب خائن تھے یا ان میں عملی اقدام نہ تھا۔ وہ سب قوانین جن پر چودہ سو سال تک عمل ہوتا رہا سرسرا غلط ہیں انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ادارہ میں قانون وہ جاری ہو جو میں بناؤں اور اس کی فلاح اسی میں ہے جو میں کہوں، فکر صائب صرف وہی ہے جو میکہ دماغ میں آئے اور نظریہ صرف وہی درست ہے جو میں پیش کروں تو کیا ایسا رکن ادارہ کا خیر خواہ ہے یا بد خواہ؟ اور صلیح ہے یا مفسد؟ ادارہ کے ارکان سابقہ میں سے اگر کوئی رکن اس جدید روشن خیال کو سمجھائے اور اس کے خرافات کا جواب دے تو کیا اس کے فعل کو فتنہ اور فساد سے تعبیر کیا جائے گا۔ بلکہ امن اور اصلاح سے؟ بعینہ یہی مثال غلام احمد پرویز کی ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک دین کا مدار دو ہی چیزیں رہی ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دوستوں پر دین کی عمارت ٹھہری ہوئی ہے۔ خلفائے راشدین دیگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین



فقہاء صوفیہ اور تمام عالم اسلام کے علماء سنت نبویہ کو دین میں حجت مانتے آئے ہیں مگر غلام احمد پرویز کا خیال ہے کہ اب امت مسلمہ کو قرآن کی وہ تفسیر اور تعبیر قبول کرنی چاہئے جس پر میرے نام کی چھاپ لگی ہوئی ہو۔ میری تفسیر و تعبیر تشریح کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ملازم ہے، عجمی سازش ہے۔ جہل اور نادانی ہے۔ اب تک قرآن کو ٹھیک طور پر سمجھا کہاں گیا ہے۔ بڑے بڑے علماء حدیث اور فقہ میں الجھے رہے بلکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ عجمی سازشی قادیان، حسن، مجاہد اور عکرمہ جیسے مفسرین کی قرآن میں سند قبول کرتے تھے اور میں نے ان تمام مفسرین کے علی الرغم عبد اللہ حکیم الوہی، سر سید احمد خان اور سلم جیراج پوری سے فیض حاصل کیا ہے۔ لہذا قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہے جو میں کرتا ہوں۔ قرآن کو ان عجمی سازشوں سے نجات دلانے اور مظلومیت سے بچانے والو آؤ، بھاگتے ہوئے آؤ اور میرے ارگرد جمع ہو جاؤ۔ پرچے اڑاؤ تفسیر ابن کثیر کے پارہ پارہ کر دو۔ بیضاوی، ابن جریر اور اتقان کو۔ معارف القرآن پڑھو۔ اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم اسی میں مل سکتا ہے۔

پرویز لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث دین میں حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو دواج دے کر جو دین میں حجت ٹھہرایا گیا ہے یہ اصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ پرویز خاک بدین گستاخ نے جن نفوس قدسیہ کی طرف عجمی سازش کو منسوب کیا ہے یہ وہ پاک روہیں ہیں جن کو بڑے سے بڑے جابر اور ظالم حاکموں کا ظلم و استبداد کلمہ حق سے روک نہ سکا جنہوں نے کوڑے کھائے، مصیبتیں بھیلیں۔ دار کے تختوں پر لٹکے تیغوں کے سایوں میں اور توپوں کی گرجوں میں اعلائے حق کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ کوئی خوف انہیں مرعوب نہ کر سکا، اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طمع اور دنیا کا لالچ انہیں رام کر سکا۔

ٹل نہ سکتے تھے جو میدان میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑاتے تھے  
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ تو کیا چیلے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ ایسے نفوس قدسیہ تھے جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کے دامن ملائکہ کے لئے مصلے بن سکتے تھے جن کی پاکبازی کی قسم کھا جا سکتی ہے جن کے جسم رات بھر بستروں سے علیحدہ رہتے تھے جنہوں نے برسوں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور خشیت الہیہ جن کے لئے دنیا کی تمام تر لذتوں کو مکسیر بے کیف کر ڈالا تھا جو شخص خاک بدین گستاخ ان سعید روحوں کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والا کہتا ہے۔ اگر



اس کی تحریروں کی وجہ عالم اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آجاتے تو فتنہ و فساد اور بے نیکی کی فتنہ داری کس پر عائد ہوگی؟

## ناپاک عزائم

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم السلام) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض اور واجبات کی تفصیل، صوم و صلوٰۃ کے مفصل احکام حج کے مناسک، قربانی، بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ پرویز (علیہ السلام) ان سب تفصیلات اور پورے نظام کو یکسر بدل ڈالنا چاہتا ہے۔ باقی رہا قرآن۔ سو اس میں بھی من مانی تفسیر کر کے حقیقی مطالب اور مراد الہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اہل قرآن کہلاتے ہیں اور بظاہر قرآن کی تائید میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے مارِ آستین بن کر قرآن کے مفہوم کو فنا کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کی حقانیت کو مخدوش کر رہے ہیں صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء بقول پرنیز خاں کہ گستاخ قرآن کے خلاف سازش کرنے والے اور قرآن کے دشمن تھے تو انہی اصناف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

## گندگی چھپی نہیں رہتی

مشہور ہے کہ گندگی چھپی نہیں رہتی۔ کیوں کہ اس کی بدبو ہی اس کی غمنازی کرتی ہے منکرینِ حدیث کی تحریروں کے چند جملے ملاحظہ ہوں :-

- ① منکرینِ حدیث ایک جدید اسلام کے بانی ہیں (رسالہ طلوع اسلام ص ۱۶، اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء)
- ② بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد مرکز حکومت ہے (معارف القرآن ص ۶۵ ج ۴)
- ③ دینِ قیام صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔ مذہب میں یہ چیز نماز پڑھنے کے مراد بن گئی (پرنیز طلوع اسلام ص ۴۶، جون ۱۹۵۰ء)
- ④ مرکز ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا (پرویز، طلوع اسلام ص ۴۶، جون ۱۹۵۰ء)
- ⑤ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل، (عباد اللہ اختر طلوع اسلام ص ۵۸ اگست ۱۹۵۰ء)
- ⑥ پھر آج کل مسلمان دو نمازیں پڑھ کر کیوں مسلمان نہیں رہ سکتا (لاہوتی۔ طلوع اسلام ص ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء)
- ⑦ مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامد نامہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے خوشامد نامہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جنوری، فروری ص ۱۰۸ ۱۹۵۰ء)



۸) حج ایک بین المللی کانفرنس ہے اور حج کی قربانی کا مقصد بین المللی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے خور و نوش کا سامان فراہم کرنا ہے۔ مکہ معظمہ میں حج کی قربانی کے سوا اضمحیہ (عید کی قربانی) کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔  
(رسالہ قربانی از ادارہ طلوع اسلام)

۹) عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی)

۱۰) عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالیوں میں بہ جاتا ہے (ادارہ طلوع اسلام ص ۱ ستمبر ۱۹۵۱ء)

۱۱) روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جولائی ص ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۱ء)

۱۲) الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ وغیرہ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں

لیکن دینی حجت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی (اسلم جیراچوری۔ طلوع اسلام ص ۳، نومبر ۱۹۵۱ء)

۱۳) حدیث ظنی ہیں (مقدمہ اول) ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (مقدمہ دوم) نتیجہ حدیث کی

پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (اسلم جیراچوری۔ طلوع اسلام ص ۵، جولائی ۱۹۵۱ء)

۱۴) بخلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے؛

(اسلم جیراچوری۔ طلوع اسلام ص ۱، دسمبر ۱۹۵۱ء)

۱۵) حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجیب سازش تھی اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پید کردہ

ہے، (پرویز۔ طلوع اسلام ص ۷، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

۱۶) صرف مردار، بہت خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور

کچھ حرام نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیٹ لکھتا ہے کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے

کھاتے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے

کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سمجھنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر شبانہ روز مذکورہ چیزیں مزے

لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ وجوہم،

دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھڑنے والا پنجرہ مڑ دیا جائیگا

اکتوبر ۱۹۵۲ء کے رسالہ طلوع اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز (علیہ علیہ) کی نیشن

۱۷ اس کا جواب آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گا ۱۱



کا زمانہ قریب ہے اور اس کو اتنی پیشین گوئی ہو سکتی ہے کہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو جائے اب اس کو چند راز داں بھی بانٹھ آگئے ہیں۔ لہذا پریوز (علیہ السلام) اب اس مشن (انکارِ حدیث) کو پوری تنظیم کے ساتھ چلانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لہذا ہم پریوز (علیہ السلام) کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تمہارے یہی غرائز اور حوصلے ہیں تو لبسم اللہ۔ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کے فدائی سرورِ کائنات کی سنت اور اسوۂ حسنہ کے شیدائے اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ہمارے ہاتھوں سے دامنِ رسول پھڑانے کیلئے آگے بڑھنے والا پنجہ مروڑ دیا جائے گا۔ طریق رسالت میں اٹکنے والا روڑا بوٹ کی نوک سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ رسولِ دشمنی کا حوصلہ رکھنے والے گروہ کے پرچے اڑا دیے جائیں گے اور راہِ رسول میں کانٹے بچھانے والے چودھویں صدی کے ابولہب کو اپنی سب کاربوں کا نتیجہ دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد میں کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت کا لفظ بھی شریک کر دیا ہے۔ اس پریوز (علیہ السلام) بہت خفا ہے۔ متواتر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے کہ قرارداد مقاصد سے سنتِ نبوی کو حذف کر کے صرف کتاب اللہ کو باقی رکھا جائے۔ یہ دریدہ دہنِ پاکستان میں بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ دین کے اصل الاصول اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کو یکسر ٹھکرا دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے اربابِ حل و عقد کے سامنے ایسی مفسدانہ آوازیں صدِ البصائر ثابت ہوں گی۔ اگر بفرض محال دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد سنتِ نبویہ کو حذف کر ڈالا تو جس دن (خدا نہ کرے) یہ اعلان ہوگا۔ وہ دن پاکستان کی تاریخ میں شدید ترین کشمکش کا دن ہوگا۔ یہ باتیں اس مملکت میں نہیں چل سکتیں جو کتاب و سنت کے نام پر وجود میں آئی ہو۔ مسلمان اس متاعِ بے بہا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اندازِ تحریر سے کسی صاحبِ کو درستی کا شکوہ نہ ہو کیوں کہ یہ منکرینِ حدیث حقیقت میں منکرینِ اسلام ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کا سوال ہے ہم ان پر ذرہ برابر بھی نرمی کرنا روا نہیں سمجھتے۔ ہماری ان سے جنگ ہے اور اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی۔ انہوں نے کی ہے، انہوں نے ہی پہلے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ پس ہم بھی اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حیات ہماری جان اور ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کی حفاظت کے لئے اپنی جان و تہاں کر دینا ہم انتہائی سعادت سمجھتے ہیں۔

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے ملحدوں کو تہ تیغ کر کے انہیں ان کے کردار کا مزہ چکھا دیا جائے مگر شریعت



غزائے کی حفاظت اور امت مسلمہ کے امن کی خاطر بموجب قانون الہی کسی ملحد کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے وجود نامساعد سے دنیا کو پاک کر دینا تو درکنار یہاں تو اس قسم کے ملحدین کے متعلق لب کثائی کرنا اور صدائے احتجاج بلند کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔

یہ دستور زباں بندی عجب ہے تیری مھنل میں یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں مہری

## دنیا میں بڑے سے بڑا حق پڑا ہوا ہے

پڑیہ علیہ یا علیہ اپنے عقیدہ مندوں پر اتر لے، عقیدہ مندوں کا جمع ہو جانا حقانیت کی دلیل نہیں۔ اس دنیا خیر و شر میں کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں جس پر اجتماع نہ ہوا ہو ہر آواز پر کچھ نہ کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ ہم نے دیوانوں اور پارلیمنٹوں کے پیچھے عقیدت مندوں کی ٹولیوں کو ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے ہماری ہی سستی میں ایک شخص ایک ہندو کا اس لئے عقیدت مند ہے کہ وہ ہندو پاکل ہے۔ جب قادیانی مجنوں (جو مراق کا خود اقرار کرتا ہے) کے پیچھے ہزاروں حلقہ جمع ہو سکتے ہیں تو بٹالوی منکر اسلام کے جھنڈے کے نیچے اگر چہ بے وقوف اکٹھے ہو جاتے تو کیا تعجب ہے؟ دنیا میں بے وقوفوں کی کمی نہیں یہاں بڑے سے بڑا حق پڑا ہوا ہے۔

## خوفناک فتنے کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ

ہم اور پڑا ہر کر چکے ہیں کہ چودھویں صدی کا ابولہب رسول شیعہ کے منصب کو جماعتی تنظیم کے ساتھ چلانا چاہتا ہے، لہذا اے شیعہ رسالت کے پروانوں، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ، محبوب دعو عالم کی محبت اور عشق کے دعویدارو، شیعہ المذہب کی شفاعت کے طلب گارو، اٹھو دشمنانِ رسول کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بے غیرت ہے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز سننے اور اس کی حیثیت بے چین نہ ہو بے ایمان ہے وہ سیاہ بخت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کے منصوبے آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے۔ ملعون ہے وہ مسلمان کہ ہولانے والا جس کے روبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسوۂ حیات کو مٹایا جا رہا ہو، مگر اس کی رگوں میں خون نہ گر ملے اور جسم کے رونگھے ٹکھڑے نہ ہوں۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس شجرِ خبیث کی بیج کٹی کے لئے مستعد اور کمر بستہ ہو جائے۔ اس فتنہ کو زخمی اور ملامت سے رام نہیں کیا جاسکتا۔ اسے دبانے کے لئے پوری قوت اور شدت سے کام لینا پڑے گا۔ وہ اہل ایمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو عین ایمان جانتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تقریروں، تحریروں، عام



مفسلوں اور نوجو صہبتوں میں اس فتنہ پر ملامت کریں اور ناواقف مسلمانوں کو اس بے دینی کے سیلاب سے بچائیں۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان فروعی اختلافات جیسا نہیں یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ لہذا تمام ترجمانی اختلافات کو چھوڑ کر متحد محاذ قائم کرنا اور مسلمانوں کی جمیع جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہم حجیت حدیث پر مختصر اچند دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنان رسول کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے قل وَجَبْرِيلَ مَعَكَ اس لئے میں دشمنان رسول کے مقابلہ میں مضمون لکھنے وقت ہر لمحہ کو انتہائی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آقا نے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فداۃ الابی دالی کا مذکورہ بالا ارشاد گرامی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو دل میں وہی مژدہ موجزن ہونے لگتا ہے جو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ہوتا ہوگا۔ اس لطف اور ضرور کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بے کیف اور بڑے سے بڑے مصائب اور رنج و غم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہی اور صرف یہی ایک خدمت ہے جسے میں اوثق الاعمال اور ذریعہ نجات سمجھتا ہوں اور یہی ہدیہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنا ہوں ع گرفتبول اقتدر ہے عز و شرف۔

### آیات بینات

① — مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحِيًّا أَوْ مِنْ دُونِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا

وحی کو ارسال رسول کے مقابلہ میں کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② — وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا مِنْ مَعْلُومٍ هُوَ أَلَّا نَحْكُمَ بِحُكْمِ الْمُتَكِبِّينَ الَّتِي هُمْ يُنْفِكُونَ

تھا حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ — عَلَّمَ اللَّهُ آتَكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ

بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

④ — وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ أَحَدُكَ مَوْجِعٌ

اللہ تعالیٰ نے انزال ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقع بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم

ہو کہ انزال ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ — قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیت حدیث پر واضح دلیل ہے۔

جب انبیاء سابقین کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے



نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہیں؟

⑥ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزاروں سالوں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں پھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے۔ مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا و خلّت کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی تا حال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو حکیم الہی یقین کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جانے ہیں بلکہ لخت جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور اسماعیل علیہ السلام کا اِفْعَلْ مَا تَدْعٰی کی بجائے مَا تَوْمَرُ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا قَدْ صَدَقْتَ الرَّؤْيَا ، وَفَدَيْنَهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو بلاء مُبِیْن سے تعبیر کرنا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑦ — قرآن کریم میں جابجا اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ ارشاد ہے۔ اگر نبی کا قول و فعل قابل اعتبار نہیں تو اَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا قرآن میں کئی جگہ بار بار اطاعت رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید سنائی گئی ہے۔

⑧ — فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۵۹-۴) اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

⑨ — لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط (۱۶۳-۳) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

⑩ — كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (۲-۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہاری جنس سے تم میں ایسے رسول کو بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور فہم اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے ہیں جن سے تم ناواقف تھے۔



- ⑪ — رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲-۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجے جو ان کو آپ کی آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور انہیں پاک کریں۔
- ⑫ — هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۶۲-۲) اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب آسمانی اور فہم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ آیات معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہیں۔ ان میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہر کارے کی طرح محض بلاغ ہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے لئے مڑکی بھی تھے۔ تعلیم کتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ دریافت ہی کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش کر دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں۔ اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے جملات کی تفسیر و تشریح کرے اور طلبہ کے اعتراضات و خدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ پرویز کہتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں صلوٰۃ و صوم، حج و زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیل کہاں ذکر ہے۔ اور اگر قرآن کی تفسیر کرنے کا کسی کو حق نہیں تو آپ نے معارف القرآن لکھ کر حقائق کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہیں اور اس گستاخ خاک بندش کی تفسیر قابل اعتبار نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول و فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا نزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل قابل اعتبار نہیں تو معلم کتاب اور مڑکی کیسے بنے؟ اور پھر وَالْحِكْمَةَ کا عطف مغایر کا مقتضی ہے اسلئے مفسرین حکمت کی تفسیر حدیث کی ہی بنیاد لگاتے تھے۔ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ (۱۰۶-۱۰۷) یہ علوم قرآن کے سوا کسی دوسری جنس کے ہیں۔ یہی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کی تشریح اور تفصیل فرماتے تھے وہ اپنی ذات کی طرف سے نہ تھے بلکہ وہ بھی پروردہ وحی والہام ہوا کرتی تھی جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔



⑬ — وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ يُوحَىٰ ۖ بِأَمْرِ رَبِّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ (۵۳-۵۴) آپ اپنی نفسانی خواہشات سے باتیں نہیں بتاتے۔ آپ کا ارشاد خالص وحی ہے۔

⑭ — فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (۵۳-۵۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کچھ وحی نازل فرمائی۔ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے۔

⑮ — فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۴-۶۵) قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو فیصلہ نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کر لیں۔

⑯ — لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لفظوں میں بھیجے۔ اس نے خود نماز پڑھ کر زکوٰۃ دے کر، حج کر کے اور روزہ رکھ کر نہیں دکھایا۔ اس فریضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اس لئے فرمایا صَلُّوا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ أَصَلِّیْ اللہ تعالیٰ کی ذات بیوی، بال بچوں اور شریک سے منزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بچوں کی تربیت، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برت کر ایک نمونہ قائم کر دیا — غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قول فعل اور زبان و عمل سے قرآن کی مفسر اور معلم تھی۔ گویا کہ آپ بولتا ہوا قرآن تھے۔ ع۔ قاری نظر آتے تھے حقیقت میں تھے قرآن۔

⑰ — قُلْ هَذِهِ سَبِيلِيْٓ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰی بَصِيْرَةٍ اَنَا وَّمَنِ اتَّبَعَنِ ۖ (۱۳-۱۰۸) آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس طور پر کہ میں اور میرے متبعین دلیل پر قائم ہیں۔

⑱ — قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ ۖ (۳-۳۱) آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

⑲ — وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

⑳ — فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَاَطِيعُوْا (۳-۵۰) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔



(۲۱) — وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۲-۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲۲) — وَإِنْ تُطِيعُوا نَهْيَهُمْ لَا تَهْتَدُوا (۲۴۲-۵۴۲) اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

(۲۳) — فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي (۴۰-۹۰) میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲۴) — وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (۳۳-۳۳) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۵) — وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا (۱۴۵-۱۴۵) اگر تم اللہ اور رسول

کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔

(۲۶) — اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ (۸-۲۴) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۷) — رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (۳-۵۳) اے ہمارے

رب ہم تیرے نازل کئے ہوئے احکام پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کا اتباع کیا

(۲۸) — قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (۷-۱۵۸) آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں

تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

(۲۹) — وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱-۱۰۴) ہم نے آپ کو رحمہ للعالمین بنا کر بھیجا۔

(۳۰) — وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۴-۲۸)

ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

(۳۱) — مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (۳۲-۲۰) آپ

رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ان چاروں آیتوں میں واضح دلیل ہے کہ قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل

حجت ہے۔ رحمت اور بشیر و نذیر ہی ہو سکتے ہیں کہ آپ مزی ہوں اور آپ کا قول و فعل حجت ہو۔

(۳۲) — وَإِنَّهُ لَنَزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (۲۶-۱۹۵) قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔

(۳۳) — رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (۴-۱۶۵)

رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

(۳۴) — يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلِیَّ اللَّهُ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا

ہم نے آپ کو شاہد، بشیر اور نذیر، اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ (۳۳-۲۶)



۳۵ — یَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (۲۴-۱۷۷) لے لوگو! تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور ظاہر نور آچکا ہے۔

۳۶ — قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۵-۱۵) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ظاہر کتاب آچکی ہے۔

۳۷ — وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (۳۳-۳۶) مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کو رد کر سکیں جس اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ ظاہر گمراہی میں ہے۔

۳۸ — وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۲۶-۲۷) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تشریح فرمائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین اور تشریح ہے۔ ذکر سے مراد قرآن۔ بیان سے حدیث اور تفکر سے مراد اجتہاد و استنباط ہے۔

۳۹ — فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نَحْبُ دَعْوَتِكَ وَتَلَبُّعِ الرَّسُولِ (۱۲-۱۳) قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ اے رب ہمیں کچھ مہلت ملے تو ہم آپ کی اور رسولوں کی اطاعت کریں۔

۴۰ — فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲۲-۲۳) رسولوں کے نافرمانوں کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

۴۱ — وَيَوْمَ يَعْصِي الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلْبِثُنِي أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا (۲۵-۲۷) جس روز ظالم حسرت سے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسول کا اتباع کر لیتا۔

۴۲ — يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ (۲۲-۲۳) قیامت کے دن رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش مٹی ہو جاتیں۔

۴۳ — يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي التَّارِيقِ يَقُولُونَ يَلْبِثْنَا أَطْعَمَنَا اللَّهُ وَأَطْعَمَنَا الرَّسُولُ (۳۳-۶۱) دوزخی کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کر لیتے۔

ہم پر وزیر کو بطور خیر خواہی کے مشورہ دیتے ہیں کہ اس عذاب اور رسوائی سے پہلے رسولِ شہنی سے متائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔

۴۴ — قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۲۹)



ایسے لوگوں جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے۔

اس آیت کے حکم کے بموجب حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ بذریعہ قتال پر وینکی بیخ کنی کرے۔

④۵ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۴-۱۵۷) رسول پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

④۶ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دے ہوئے پر راضی رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

④۷ وَيُرِيدُ أَنْ يَمْلِكُ الَّذِينَ يُفَرِّقُونَ بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۴-۱۵۰) کفار اللہ اور رسول کی اطاعت میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

④۸ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (۲۹-۲) اگر تم رسول کی آواز پر اپنی آواز بلند کر و گے تو تمہارا اعمال ضائع جائیں گے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا جب اعمال کی بربادی کا باعث ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم رکھنا اعمال کی تباہی کا سبب کیوں نہ ہو گا؟

④۹ أَلَمْ يَكُنْ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَلْفِهِمْ (۳۳-۱) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

⑤۰ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۴-۱۰۵) ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں میں حکم الہی سے فیصلہ کریں۔

⑤۱ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۵۹-۴) رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور جس چیز سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روکیں اس سے باز رہو۔

اسلم جبر چوری کہتا ہے، مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے رسول اللہ کی احادیث اور ہدایات اس میں شامل نہیں اور دلیل میں ایک مضحکہ انگیز بات کہتا ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لئے ان پر ایثار کا لفظ اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ نتیجہ ہے رسول دشمنی کا کہ خود خدا ان میں تحریف کرنے لگے۔ قرآن مجید میں کتاب، حکمت، علم، فضل، رحمت، عذاب وغیرہ



پرایتبار کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اُنْثٰی الْکُتُبَ وَجَعَلْنٰی نَبِیًّا۔ وَ اُنْثٰی رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِیْ۔ فَلَمَّا  
اَلْتَوَلَّوْهُ مَوْتِقَهُمْ۔ فَ اَنۡتَهَمُ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ وَ اُنۡثٰی اِلَیْهِ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اُنۡثٰی الْقُبَانَ  
الْحُکْمَةَ۔ وَ اُنۡثٰی اِلَیْهِ مِّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

رسول دشمنی کے جرم میں عقل اور فہم تو مسخ ہو ہی چکی تھی۔ اب حافظہ کا بھی دیوالہ نکل گیا۔ بلکہ آنکھیں  
بھی چندھیا گئیں۔ قرآن میں کوئی دس یا بیس مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کئی جگہ کتاب، علم اور حکمت کے متعلق  
ایثار کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر مہارتِ قرآنی کے مدعیوں کی بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی مسخ ہو  
چکی ہے۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب کہ دشمنانِ رسول کی زبان پر رِبِّ لِمَ حَشَرْتَنیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا  
(اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں اندھانہ تھا) کا ورد ہوگا۔ بضر محال اگر ما انکم  
الرَّسُوْلُ کا مالِ غنیمت کے ساتھ مخصوص ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب مالِ غنیمت  
کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل تم بھی حجت مانتے ہو تو دیگر امور میں آپ کا اسوۂ حسنہ  
کیوں قابلِ اعتبار نہیں؟ مابہ الفرق کیا چیز ہے۔

## احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حجیتِ حدیث کا اثبات خود حدیث سے نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مندرجہ ذیل احادیثِ مؤیدات  
کے باب میں سے ہیں۔

منکرینِ حدیث تاریخ سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث تو بوجہ تنقید و تنقیح اسناد وغیرہ  
کے تاریخ سے بدرجہا قوی ہے۔ اثباتِ حجیتِ حدیث کے لئے تین قسم کے دلائل قطعی ہیں جن میں  
سے آیاتِ شریفہ اور گزیر چکیں اور اجماع و عقل سلیم کا بیان احادیث کے بعد آئے گا۔

① عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أكون أحبَّ إليه  
من ولده ووالديه والناس أجمعين۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا  
جب تک کہ اس کو میرے ساتھ اپنی اولاد اور  
اپنے والد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے

(رواہ الشیخان)



## محبت مستلزم ہے محبوب کی اطاعت کو

نقصی الرسول وانت نظهر حبه  
لو كان حبك صا دقا لا طعته  
(۲) عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فی خطبة یوم حجة الوداع، ایہا الناس  
انہ لا نبی بعدی ولا امة بعدکم فاعبدوا  
ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شہرکم  
وادوا زکوة اموالکم طیبہا انفسکم  
واطیعوا ولاة امورکم تدخلوا الجنة ربکم

هذا لعمری فی الفعال بدیع  
ان المحب لمن یحب مطیع  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے  
لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے  
بعد کوئی امت نہیں، تم اپنے رب کی  
عبادت کرو اور پانچ وقت کی نمازیں، رمضان  
کا روزہ اور کثادہ دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے  
رہو اور مسلمان حکام کی اطاعت کرتے  
رہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔

(مسند امام احمد)

(۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالوا  
یا رسول اللہ ومن یابی قال من اطاعنی  
دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری  
ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو  
انکار کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انکار  
کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے  
میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور  
جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(رواہ البخاری)

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ قال قال  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت  
ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد  
فا فعل ثم قال یا بنی وذلك من سنتی ومن  
احب سنتی فقد احببني ومن احببني کان معی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ  
سے فرمایا کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ بغض نہ رکھو  
پھر فرمایا کہ یہ میری سنت ہے جس نے  
میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب  
رکھا اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت

(رواہ الترمذی)

میں میرے ساتھ ہوگا۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے بتلائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔ اگر نبی کا راستہ چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

جو حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔  
فتن آن و حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حدیث سے اعراض کرنے والا سخت گنہگار ہے۔  
حضور پر جس طرح جبریل قرآن نازل کیا کرتے تھے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل کیا کرتے تھے۔  
حدیث فتن آن کی تفسیر اور تشریح ہے۔  
حدیث کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
کہ جس شخص نے فتنہ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کھانے والا اور حدیث پر عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

⑤ عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن أحدكم حتى يكون هو لا يتبع لما جئت به (شرح السنة)

⑥ عليكم بسنتي وسنتي الخلفاء الراشدين المهديين (ابوداؤد)

⑦ ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم (مسند احمد بن حنبل ودارمی)

⑧ وجوب اتباع النبي صلى الله عليه وسلم فيما لم يوح اليه من القرآن (مسند بحوالہ مفتاح)  
⑨ ملازمة الرجل للكتاب والسنة (موطأ امام مالك بحوالہ مفتاح)

⑩ اثم الحائذ عن السنة (دارمی بحوالہ مفتاح)

⑪ كان جبريل ينزل على النبي صلى الله عليه وسلم بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

⑫ السنة قاضية على القرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

⑬ ملعون التارك لسنة رسول الله صلى الله

عليه وسلم (ترمذی بحوالہ مفتاح)

⑭ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد (بيهقي)

⑮ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اكل طيبا رمل في سنة دخل الجنة الخ (ترمذی)



(۱۶) عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکثراً علی اریکتہ یا نئیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد و ترمذی)

(۱۷) الاوان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهو مثل ما حرم اللہ (دارمی بحوالہ مفاتیح کنوز السنن)  
(۱۸) عن المقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شیعان علی اریکتہ یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوه وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحیل لکم الحمار الاہلی ولا کل ذی ناب من السباع الخ

(رواہ ابوداؤد والدارمی وابن ماجہ)

(۱۹) عن العرباض بن ساریتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحب احدکم متکثراً علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئاً الا ما فی هذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا لمثل القرآن او اکثر الخ

(رواہ ابوجاؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہوں گے ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں۔

جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے ویسے ہی حرام ہیں جیسے وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کئے گئے ہیں بعض لوگ مال و دولت کے غرور میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم قرآن کے سوا حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول نے جن چیزوں کی حرمت کو حدیث میں بیان فرمایا، ویسی ہی حرام ہیں جس طرح وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن میں مذکور ہے گدھا اور ہر درندہ حرام ہے۔

(حالانکہ ان کی حرمت قرآن میں ذکر نہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ مال و دولت سے مغرور ہو کر کہیں گے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن میں بیان کی گئی ہے آپ نے فرمایا، خبردار خدا کی قسم بلاشبہ میں نے بہت سے ایسے اہم و نواہی کی تبلیغ کی ہے جو قرآن جتنے بکواس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ آخری دو حدیثیں چونکہ انکار حدیث کے شجر خبیث کی جڑیں کاٹ رہی تھیں۔ اس لئے دشمنان



رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں اور دلیل یہ بیان کی کہ قرآن تو معجز ہے اور اس کی مثال لانے سے جن وانس وغیرہ عاجز ہیں تو احادیث قرآن کی مثل یعنی پایہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے خلاف عجمی سازش کے ماتحت احادیث کو وضع کر کے قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا ہے۔

جواب (۱) حدیث میں مثل فی فضل فصاحت و بلاغت اور اعجاز میں مماثلت مراد نہیں بلکہ واجب الانباع ہونے میں مثل فرمایا گیا ہے۔ یعنی کتاب و سنت دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ اور ان پر عمل کرنا واجب ہے (۲) مثل سے مراد مثل فی الکمیت ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں او اکثر کالفظ اس پر واضح دلیل ہے۔ لغت میں شدت و ضعف کالفظ کیفیت کے لئے اور کثرت و قلت کمیت کے لئے موضوع ہے عرف اور اصطلاح میں بھی یونہی استعمال ہے۔ قرآن مجید میں ہے **أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جُمُعًا (۲۸-۴۸)** قوت کے ساتھ اشد اور جموع کے ساتھ اکثر کالفظ ہے۔ غرضیکہ لغت، عرف و اصطلاح شریعت میں ہر لحاظ سے کثرت کالفظ کیفیت میں نہیں کمیت میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر رسول دشمنی کی وجہ سے عقل و خرد کا دیوالہ نکل چکا ہے کہ ایک ظاہر و باطل و اشراق حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح غلام جیلانی برفق لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حیض کی حالت میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور خون نیچے گرتا تھا۔ برفق یہ حدیث بیان کر کے اس پر اعتراض کرتا ہے کہ حائضہ کیسے نماز ادا کر سکتی ہے۔ یہ بھی برفق کی جہالت اور نادانی پر واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیوی جسے برفق نے حائضہ لکھا ہے یہ حائضہ نہ تھیں بلکہ استحاضہ کا خون گرتا تھا اور استحاضہ کی حالت میں نماز معاف نہیں۔ یہ تو بطور مثال کے ہم نے بیان کر دیا۔ ورنہ ان دشمنان رسول و اسلام کے جتنے بھی اعتراض حدیثوں پر ہیں سب کے سب اسی طرح جہالت اور کج فہمی پر مبنی ہیں۔

### اجماع امت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ ہر معاملہ میں حدیث کو حجت سمجھتی رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے اربعہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ، محدثین، صوفیاء اور علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ سمجھتے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے استدلال لیتے رہے اس کی تفصیل ہم ”تدوین حدیث“ کے ضمن میں لکھیں گے۔



## عقل سلیم

① اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی ان ہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی جو کہ حدیث میں وسائط ہیں۔

② صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و من بعدہم جمیع امت مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتے رہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، یا کہ جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے یعنی حقیقت میں حدیث قابل اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہو گئی کہ وہ اسے قابل عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متاخرین علماء اور صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک نے دئے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابل اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مؤمن کون باقی رہا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین رحمہم اللہ تو نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخ قرآن کے مخالف تھے، کیا مذہب اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مؤمن صرف پرویز (علیہ ماعلیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو تو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

③ یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطے سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سبب ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائی۔ اور رسول بھی صرف انسانوں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے، تاکہ



ہمیں ان احکام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔  
 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا (۶-۹)  
 اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت ہی میں بھیجتے۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ اگر زمین پر فرشتے لپکتے ہوتے تو ہم رسول بھی فرشتے  
 لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (۱۴-۹۵) ہی بھیجتے۔

غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص  
 انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ  
 رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط (۳-۶۲) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف  
 یہ رہا کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانین الہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل  
 شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کریں تاکہ امت ان کا اتباع کرے۔ اگر بلا واسطہ رسول  
 احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل و تشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو  
 لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشا الہی سمجھنے میں غلطی کرتے۔ ان کو سمجھانے والا  
 کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے  
 کہ فرشتے تقویٰ شہوانیہ غصبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج و ضروریات سے مستغنی ہیں۔ اس لئے  
 تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے،  
 کھانے پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت و غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات و داعیات اور  
 امراض و عوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی، بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع  
 انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی  
 تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان ان ہی جذبات و عوارض انسانیہ کے ساتھ زمین پر  
 آتا، اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں تاکہ وہ قوانین الہیہ کے مطابق  
 زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے  
 قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر راہِ مستقیم  
 پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل شدہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔

بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے صرف کتاب کو کافی نہ سمجھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

اس کے بعد ہم دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خرافات کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض ہے۔ دشمنانِ رسول کہتے ہیں کہ حدیث بالاتفاق ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰-۳۶) قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶-۱۲۸) وَإِنْ نُطْعُ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُلْذِكُ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۶-۱۱۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۱۷-۳۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔

جواب : لفظ ظن تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین (۲) شواہد و شرائع سے ظن غالب (۳) ظن مجنی نظری واستدلالی علم یقینی جو دلیل و برہان قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں ہے۔ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلتَفُوۡا رَبَّهُمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاٰجِعُوۡنَ (۲-۲۶) قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمْ مُّلتَفُوۡا اللّٰهَ (۲-۲۴۹) وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاٰعًا وَاَنَابَ (۳۸-۲۴) كَلَّا اِذَا بَلَغَتِ النَّحْلَۃُ وَقِيلَ لَهَا رَاقٍ وَظَنَّۡۤ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۵-۲۸) اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوۡتُوۡنَ لِيَوْمٍ عَظِيۡمٍ (۵-۸۳) قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ نعوذ باللہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے۔ پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظن کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ منوفی ۸۵۴ھ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

وفتدقق فیہا ای فی اخبار الاحاد المنقمة الی مشہور وعزیز وغریب ما یفید العلم

النظری بالقرائن علی المختار (شرح نخبۃ الفکر)

علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظن غالب کا

فائدہ دیتی ہیں۔ سو شریعتِ مطہرہ نے ظن غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے



شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی، کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے احادیث سب یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث مفید ظنی غالب ہیں اور دنیا میں ظن غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ موٹر، ریل، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں، طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹری سے اتر جانے، بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدنے وقت اس کی جلّت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا اور پانی پیتے اور غسل کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں ظن غالب کی پٹری پر مجبور ہیں۔ ظن غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں اسی طرح زہر پینے سے موت یقینی نہیں۔ معہذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر بالکل ناقابلِ عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کا ہر لفظ توازن سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی عقلی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا لہذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ معہذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

**دوسرا اعتراض** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب حدیث سے منع فرمادیا تھا۔

لا تکتبوا عتی ومن کتب عتی غیر القرآن فلیمحہ (مسلم) کتابت سے منع کر اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث حجت نہیں۔ اس کے بعد تیسری صدی کے آخر میں محدثین نے حدیثیں جمع کیں۔ ان محدثین



اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عموماً پانچ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وسائط ہیں۔ یہ محدثین روایت در روایت، در روایت، در روایت کرتے ہیں جو چیز اتنے وسائط سے ہم تک پہنچی اس پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد عام لوگوں میں اب اس حدیث میں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے کی رسم پیدا ہو گئی۔ جس کی تردید قرآن نے بار بار بایں الفاظ کی ہے **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْمِعُوا مِمَّا أُنْزِلَ اللَّهُ فَالْوَابِلُ يَتَّبِعْ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (۳۱ - ۲۱)** ”جب ان کو قرآن کی پیروی کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے۔“

**جواب:-** اس اعتراض کے جواب کے لئے تاریخ تدوین حدیث کے بیان کی ضرورت ہے لہذا ہم مختصراً بقدر ضرورت اس مضمون پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

## تدوین حدیث

شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ قرآن سے التباس ہو جائے کیوں کہ اس وقت میں کتابت قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے بھی پرمانوس نہ تھے۔ کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حالانکہ مسلم شریف کی جس روایت میں کتابت حدیث سے منع نہیں ہے اسی روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے ”وحدثوا عینی ولا حرج“ منکرین حدیث کی بددیانتی کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث سے استدلال لیتے ہیں اسی کے آخر کا وہ جملہ جو ان کی اہوائے باطلہ کے خلاف اسے بالکل حذف کر دیتے ہیں اور پھر تعجب یہ کہ انکار حدیث کے لئے خود حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جب حدیث قابل اعتماد نہیں تو لا تکتبوا الخ پر کیسے اعتماد کیا گیا؟ حدیث کی اشاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب حاضر غائب کو پہنچا دے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حدیث بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا۔ پھر آپ کے قول و عمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیت حدیث کی تصدیق فرمادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ



بھی ارشاد ہے تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (ابوداؤد کتاب العلم) منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ تیسری صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین ہوئی ہے سراسر غلط ہے۔ تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف سے کتابت حدیث کی اجازت نہ تھی تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ مگر عبد اللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے میں نے لکھا تھا اِنَّہ کان یکتب ولا اکتب (بخاری)

مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے عبد اللہ بن عمرو کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبد اللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور ابو ہریرہ کا قیام مدینہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دو برابر اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کے علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابو ہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری ص ۱۸۴ ج ۱)

طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میرے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی پھر عبد اللہ نے دریافت کیا کہ صرف حالت نشاط کی حدیثیں لکھوں یا حالت غضب کی بھی۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حقی کے کچھ نہیں



نکلتا۔ چنانچہ انہوں نے احادیث کو جمع کیا اور اس کا نام ”الفتاویٰ“ رکھا۔ یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔

جب لوگ قرآن کے معجزات اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبر ہدایات خود لکھواتیں۔ کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیحجبه ولا یحفظه فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقتال یرسل اللہ انی لا اسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بيمينک واما بیدہ للخط (رواہ الترمذی)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابو شامی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر ان کو دیا۔ اکتبوا لابی شامہ (مفتاح السنۃ مصری ص ۱۰ و بخاری)

عمر بن حزم کو عین بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، قرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ ص ۱۸)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ستر شخص سے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد)

طائف کے ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا۔ حضرت انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص ۶۸)

ابن عبد البر نے جامع میں عبد الرحمن بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

عبد اللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

(دارمی ص ۶۸-۶۹، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۹۸، کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر نے عمال حکومت کے لئے صدقۃ الماشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔



(موطا مصری صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں)

مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظ میں مشہور تھے۔ طویل و عریض فقہیہ مختلف مضامین کے انہیں یاد ہونے تھے اور اونٹوں گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الہی سمجھ کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ دور و دراز سے سفر کر کے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ خود صحابہ نے دوسرے ممالک میں پہنچ کر حدیث کی تبلیغ کی۔

دارمی نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابو بکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو صحابہ میں عام طور پر اعلان کر دیتے کہ ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ پیش آیا ہے کیا آپ صاحبوں میں سے کسی کو اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ اگر آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اسے سن کر آپ اللہ کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا جو صحابہ کرام میں مشہور و متعارف نہ ہوتی تو اس سے اس کے متعلق شہادت طلب کی جاتی خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہوتا۔

مغیرہ بن شعبہ ابو بکر صدیق کے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ جہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرس دیا کرتے تھے تو آپ نے پوچھا هل معك احد؟ کیا کوئی تیرا گواہ ہے اس پر محمد بن مسلمہ نے یہی گواہی دی تب صدیق نے جہہ کو سدس دیا (بخاری و مسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور اس میں کبیر جازہ جزیرہ مجوس۔ طاعون۔ خبر الضحاک بن سفیان فی توریث المرأة من دیتہ زوجہا۔ اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخضین وغیرہ مسائل کا فیصلہ احادیث ہی کو..... حجت بنا کر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بیان کرنے پر شہادت طلب کی کہ جب کوئی مسلمان (باہر سے) نین مرتبہ سلام کہنے پر (اندر سے) جواب نہ پائے (اسے اندر آنے کی اجازت نہ ملے) تو واپس چلا جائے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق شہادت پر ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی



رفع ہوئی (مفتاح السنۃ ص ۲۰۹، حاکم، بخاری، مسلم)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ محدثین نے روایات حدیث کی پوری چھان بین کی ہے۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال اور اصول جرح و تعدیل کو مستقل فنون کی صورت میں مدون فرمایا۔ اور صرف انہی احادیث کو (ٹھوس علمی شہادت کی بنا پر) صحیح قرار دیا جو اصول روایت و درایت کے بلند معیار پر پوری انہیں اور نقائص کی حالت میں ان میں کوئی معقول صورت تطبیق کی دریافت ہو سکی اور قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی قبول نہیں کیا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

”فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسیار از اہیات فن حدیث روایت کردہ است و در دست مردم تا ہنوز باقی است بعد از ان فاروق اعظم علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم را باقلیم دارالاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت شہرہا و بروایت حدیث در آنجا“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت حدیث کا اس قدر شغف تھا اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ فرماتے ہیں :-

”اگر تم میرے قتل کے لئے میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے یہ امید ہو کہ مرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سنا ہے پہنچا سکوں تو میں ضرور کہہ دوں گا“ (بخاری)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احادیث بیان کرتے تو سننے والوں کے ذوق و شوق کی حالت ہوتی تھی کہ آدمیوں کی دیوار آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لوگوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب مکانوں کی چھت پر چڑھ کر روایت بیان کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوی میں کم سن تھے، آپ زیادہ عمر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازوں پر صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک صرف اس لئے بیٹھ رہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وہ بیان کریں تو اسے لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بہت سے اہل صحابہ مثلاً معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابوذر، ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ مدینہ کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن وغیرہ بلاد مملکت اسلامیہ میں پھیل گئے اور ہر جگہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ آیا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔



صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۸۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا:-  
انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لو۔ مجھے حدیث  
فاکتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء کے مٹ جانے کا خوف ہے۔

(مفتاح السنۃ ص ۲)

اور اسے یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (متوفی ۱۸۹ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔

اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن الشہاب الزہری المدنی (متوفی ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا (مفتاح السنۃ)

خليفة عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۸۵ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبوی کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و یحییٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابواسحق و سلیمان اعمش (کوفہ میں)۔

امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعد میں اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریر (متوفی ۱۵۱ھ) نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورت کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۶ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۷۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۷۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۷۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۷۸ھ وغیرہ نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا جس میں اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی مختلط تھے۔ اسی دور ہی میں سفیان بن عیینہ مکہ میں حماد بن سلمہ و سعید بن ابی عروبہ بصرہ میں۔ ہشیم بن بشیر واسط میں۔ کعب بن الجراح شام میں۔ عبدالرزاق یمن میں۔ جریر بن عبداللہ شام میں وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین گذرے ہیں جن کے کارنامے حیات ابدی پا چکے ہیں۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں:-

(۱) مصنف اللیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۲) موطا امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ)



(۳) مصنف سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۱ھ) (۴) مسند الامام الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ)

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے۔ اس میں صحاح ستہ وغیرہ مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کی یہ نورانی منابع بکمال وضوح افگن ہیں۔ صحاح ستہ یہ ہیں:-

(۱) صحیح البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) (۲) صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابی داؤد (متوفی ۲۴۵ھ) (۴) سنن الترمذی (متوفی ۲۶۹ھ) (۵) سنن النسائی (متوفی ۳۰۳ھ) (۶) سنن ابن ماجہ (م ۲۶۳ھ) ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدون ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) (۸) مسند اسحق بن راہویہ (متوفی ۲۴۴ھ) (۹) مسند عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) (۱۰) مسند الدارمی (متوفی ۲۵۵ھ) (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی (متوفی ۲۴۶ھ) (۱۲) مسند ابی یعلیٰ الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ) (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۲۰ھ) محدثین کے علاوہ ائمہ فقہ نے بھی حدیث کی روایت کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ان کے احکام اور فتاویٰ کی بنیاد ہوتی تھی۔

امام ابو حنیفہ۔ ولادت ۸۰ھ۔ وفات ۱۵۰ھ۔ امام مالک، ولادت ۹۳ھ۔ وفات ۱۷۹ھ۔ امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ۔ وفات ۲۰۴ھ۔ امام احمد ولادت ۱۶۲ھ۔ وفات ۲۴۱ھ۔ امام ابو یوسف ولادت ۱۱۳ھ۔ وفات ۱۸۲ھ۔ امام محمد بن حسن ولادت ۱۳۵ھ۔ وفات ۱۸۹ھ۔ غرضیکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تبلیغ اور حفاظت اکمل طریقہ سے چلی آئی ہے اور جمیع امت اس سے استدلال کرتی آئی تو آج اسے ناقابل اعتبار قرار دینا صریح ضلالت اور گمراہی ہے۔ آیات قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ امت پر واجب الاتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ پس اگر احادیث کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ قابل وثوق ہی نہیں تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے ایسا لغو اور فضول حکم کیوں دیا جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہ ہو۔

محدثین نے حفاظت حدیث کا ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز ملک کے پاپیاد سفر کئے، بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ پھر حاصل کرنے کے بعد تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی خاطر مکہ، مدینہ، شام، بخارا، مرو، ہرات، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، بلخ، نیشاپور اور دیگر بہت سے جزائر کا ایسے زمانہ میں سفر کیا جب کہ ریل، موٹر وغیرہ سواری کا کوئی بندوبست



نہ تھا جہاں حدیث کا پتہ چلتا یا پیادہ وہاں پہنچ جاتے۔ ایک ہزار اسی شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور امام بخاری سے روبرو بلا واسطہ علم حدیث حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد نوے ہزار ہے۔

یہ تو تحصیل حدیث اور تبلیغ کی حالت تھی۔ پھر صحیح اور موضوع حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اسماء الرجال کا فن لکھا۔ اسناد کی پوری تنقیح اور تنقید کی، حدیث کی صحت اور سقم کو پرکھنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ جس حدیث میں ذرا بھی ضعف معلوم ہوا یا شک پیدا ہوا اس حدیث کو کتاب میں درج ہی نہیں کیا اگر کسی محدث نے درج کیا بھی تو اس کے ضعف کو واضح کر دیا۔ ان محدثین کے تقویٰ اور پریزگاری کی حالت اگر بیان کی جائے تو اس کے لئے دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا التزام فرماتے تھے۔ پھر اسناد میں یہاں تک احتیاط کی کہ راوی اور مروی عنہ اگر ایک ہی زمانہ میں گزرے ہوں۔ ان کا آپس میں لقاء بھی ممکن ہو۔ مگر جب تک ان کا لقاء ثابت نہ ہو جائے امام بخاری اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے، اگرچہ یہ راوی کتنا ہی عادل اور فقیہ کیوں نہ ہو۔

دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع حدیث کو بَلْ نَشِيعُ مَا آلفَيْنَا عَلَيْهِ اَبَاؤُنَا (۲-۱۴۰) میں داخل کرنا انتہائی بدطینتی اور کج روی ہے۔ اتباع آباء ضلالت اور گمراہی میں ممنوع ہے نہ کہ رشد و ہدایت میں۔ قرآن مجید میں بنو یعقوب علیہ السلام کا قول منقول ہے :-

قَالُوا نَعْبُدُ اللَّهَ وَآلَهُ اَبَاءُكَ اِبْرَاهِيْمَ  
وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ الْهَادِیْنَ اَوْ نَحْنُ لَهٗ  
مُسْلِمُوْنَ (۲-۱۳۳) ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحق کے واحد معبود کی عبادت کرتے رہیں گے۔

دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود رسول دشمنی میں تاریخ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی صحت کے لئے کوئی سند نہیں۔ تاریخ میں سکندر اور دارا وغیرہ کے مفصل قصے مذکور ہیں مگر کوئی شخص اگر سکندر یا دارا کے وجود ہی کا انکار کرے یا کسی واقعہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اثبات کے لئے کیا دلیل اور سند ہو سکتی ہے؟ بخلاف حدیث کے کہ اس کی ہر جزئی سند اور دلیل سے ثابت ہے، پھر سند کی بھی پوری تنقیح و تنقید اور ہر ممکن ذریعہ سے جاچ پڑتال کی گئی ہے اور ٹھوس علی شہادت کے بعد قبول کی گئی ہے۔

بہت سی حدیثیں بالاتفاق موضوع ہیں اور بہت سے راوی خود حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ تبسیر الغرر :- لہذا اب کیسے معلوم ہو سکے کہ صحیح حدیث کونسی ہے اور موضوع کونسی؟

جواب :- اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دشمنان دین خود حدیثیں بنا کر اسلام کو نقصان



پہنچانا چاہتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت و قیامت منظور ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا حکم جمیع امت کو دے چکے ہیں۔ اس لئے محدثین نے صحیح اور موضوع حدیث پر کھنے کے لئے ایسے اصول اور معیار قائم کر دیئے اور ان اصولوں کی وضاحت کے لئے مستقل فنون و تدوین کے جن سے کھوٹی اور کھری میں امتیاز قائم ہو جائے کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا حکم ہو جانا یہ خود حجیت حدیث پر دلیل ہے۔ کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع حدیثوں کو چن چن کر ذخیرہ حدیث سے باہر کر دیا ہے۔

**چوتھا اعتراض :-** دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ قرآنی اصول قیامت تک کیلئے مؤبد ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروری مسائل بیان فرمائے وہ قیامت تک کے لئے نہیں بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے اسی وقت کے ساتھ خاص تھے اور ہر زمانہ کے مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے اگر یہ جزئیات بھی مؤبد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اصول کی طرح ان کو بھی قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا؟

**جواب :-** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی ناقیامت مؤبد ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے جمیع امت کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ باقی یہ سوال رہا کہ پھر ان جزئیات کو قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جزئیات کو قرآن نے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا مگر اطیعوا الرسول کی کلی کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم قرآن سے ثابت ہو جاتا ہے۔ نیر وما یَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (۵۳-۴) سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی وحیِ الہی ہیں۔ یہی سب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار ممبر پر چڑھ کر مسلمانوں کو مخاطب کیا

ایہا الناس انّ الرأی انما کان من رسول  
انّہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیباً ان اللہ  
کان یریدہ وانما هو منا الظن والتکلف  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے ہوا کرتی تھی، اس لئے یقیناً صحیح ہوتی  
تھی اور ہماری رائے ظنی ہوتی ہے

## منکرین حدیث کا تذبذب

منکرین حدیث تا حال اپنا دعویٰ متعین نہیں کر سکے۔

(۱) کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل مطلقاً حجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے، وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے



ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

(پرویز معارف جلد ۴ ص ۶۹)

(طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء ص ۴)

(۲) اور کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت تو ہے۔ مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے نظنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں رہا۔ (پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۷ء ص ۴۹)  
(اسلم جبرجپوری طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۷ء ص ۳)

(۳) اور کسی وقت یوں کہتے ہیں کہ روایات حدیث کا سلسلہ قرآن کے خلاف غجبی سازش ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں۔

(پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۷)

منکرین حدیث کے اس تذبذب سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جملہ مساعی کا مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کا کسی نہ کسی طریقے سے انکار کر کے آزادانہ زندگی بسر کریں اس مقصد کے لئے وہ جہاں کہیں جیسا موقع پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ اس امر کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ آخر میں ہم منکرین حدیث کو بطور نصیحت کہتے ہیں کہ ۔

ظالم ابھی ہے فرصت تو بہ نہ دیر کر

وہ بھی گرا نہیں جو گرا ہر سنبھل گیا

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ ۝

رشید احمد

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ



ضمیمہ  
ایک مستقل سوال کے جواب میں سالہ فتنہ انکار حدیث کا خلاصہ لکھا گیا تھا جو درج ذیل ہے۔

## منکرین حدیث کے متضاد نظریات پر ایک نظر

سوال: کتب حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”لا تکتبوا عنی غیر القرآن“ اور ”ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ“ موجود ہے؟ اگر ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قسم کے سوالات کا منشاء فتنہ انکار حدیث ہے۔ جو آج کل نہایت آب و تاب سے پھل پھول رہا ہے، حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کی طرف سے تین قسم کے متضاد خیالات اشاعت میں آ رہے ہیں۔  
① قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔

(پرویز۔ طلوع اسلام)

روایات حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجبی سازش ہے۔ (پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۷ء)

مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح کی قطعاً حاجت نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔  
② حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

(پرویز۔ معارف جلد ۴ ص ۲۱۲، اور طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء ص ۴۷)

یعنی آپ کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا۔ ہم پر حجت نہیں۔

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور جل جلالہ حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہیں رہا۔

پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۷ء ص ۴۹۔ اسلم جیر چوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۷ء ص ۴۳)

اگر منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے یہ مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ عجیب امر ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آراء اور متضاد خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر دشمنوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یعنی یا تو ان کو مجنون سمجھ کر معذور خیال کیا جائے اور یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصیبین اور نظر متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس ساری تنگ و دو سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لئے جس قسم کا موقع



پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ ہم قبل ازیں ان کا پول کھولنے کے لئے مختلف مضامین بذریعہ اخبارات و رسائل شائع کر چکے ہیں۔ اس وقت ہم ان تین قسم کے مختلف نظریات پر بالاختصار بحث کرنا چاہتے ہیں۔

## ابطالِ نظریہ اولیٰ

① وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ قَدْ آءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا (۴۲ - ۵۱)

اس آیت میں وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسالِ رسول کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا الْخ (۲ - ۱۴۳) سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکم الہی تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ عَلَيْهِ اللَّهُ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ (۲ - ۱۸۴) سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں رمضان شریف کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

④ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ قَاتِلْتُمْ أَذْنَةً (۳ - ۱۲۳) اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بد میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعہ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ قرآن میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیت حدیث پر اضعاف دہلی ہے جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہ ہوگی؟

⑥ قرآن کریم میں جَا بِجَا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ارشاد ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ امتبار نہیں تو أَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا؟ قرآن میں کئی جگہ پر بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر عید شدید سنائی گئی ہے۔

⑦ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۳ - ۱۶۴) یہ آیت معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہے۔ اس میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہر کار کے کی طرح



محض بلاغ ہی نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے لئے نر کی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ) آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرمادیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے۔ اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے طلبہ کے اعتراضات اور حذرات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز (علیہ ما علیہ) نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہ ہو، اور اس گستاخ (خاک بدینش) کی تفسیر قبول ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول اور فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابل اعتناء نہیں تو معلم الکتاب اور نر کی کیسے ہوئے؟

⑧ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب بھی حجت اور واجب العمل ہے۔ حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے سرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غفری نرس میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا کے امتحان کی ایک شدید ترین گھائی نا حال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو وحی الہی یقین فرما کر بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لخت جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کا فاعل مانتاری کے بجائے "فافعل ما تؤمر" کہنا، اور اللہ تعالیٰ کا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اور وَقَدْ بَيْنَهُ بَذِيحٍ عَظِيمٍ" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مبین" سے تعبیر فرمانا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑨ كَذِبَكُمْ قَالَ اللَّهُ مِمَّنْ قَبْلُ الْخ میں تصریح فرمائی جا رہی ہے کہ منافقین کو غزوہ خیبر میں شرکت کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کر دیا ہے حالانکہ اس آیت کے سوا اس فیصلہ کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر مستلوس سے ہوا تھا۔



⑩ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۶-۴۴) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین و تشریح ہے۔

⑪ ثُمَّ آتَاكَ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۴۵-۱۹) سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر قرآن کا بیان خود قرآن ہی کی آیت سے کیا تو اس آیت کے لئے بھی بیان کی ضرورت ہوگی۔ کیوں کہ بیانہ کی ضمیر کا مرجع کل قرآن ہے پس ہر جز قرآن محتاج بیان ہوا۔ اب اگر ایک آیت کا بیان دوسری آیت سے ہوا تو اس دوسری آیت کا بیان کسی تیسری سے ہوگا، پھر وہ تیسری آیت بھی محتاج بیان تو اس کے لئے چوتھی آیت ضروری ہوتی۔ پس سلسلہ یاد و لازم آتے گا اور یہ دونوں مبراہل ہیں اور باطل کو مستلزم خود باطل ہوتا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کا بیان خود قرآن سے باطل ہے پس قرآن کا بیان غیر قرآن سے ہوگا جو حدیث ہے۔

مسکین حدیث کا وَكَفَدَ بَيِّنَاتِنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ (القمر) سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک احکام دوسرے توحید و رسالت کے دلائل اور انذار و تحویف کے مضامین اور تذکیر کے لئے اہم سابقہ میں سے مسکین کے قصص۔ سو تیسیر قرآن باعث تذکیر کے ہے نہ باعتبار استنباط احکام کے، اس پر چند دلائل ہیں۔ (۱) وَلَقَدْ بَيَّنَّا كُودَ لِلذِّكْرِ سے مفید کرنا (۲) فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ کا ترتیب تیسیر (۳) قصص انذار و تحویف کے ساتھ بار بار اس آیت تیسیر کا اعادہ (۴) اگر تیسیر کو عام لیا جائے تو یہ آیت معارض ہوگی آیات مذکورہ الصدر سے جن سے معلوم القرآن اور اس کی تبیین و تشریح کی ضرورت ثابت ہوتی۔ پس وجہ توفیق یہی ہوگی کہ تیسیر قرآن محض بحسب تذکیر ہے اور استنباط احکام میں قرآن معلوم کی تبیین و تشریح کا محتاج ہے اس کے باوجود وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ سے تفکر و تدبیر کی حاجت ظاہر فرمادی۔

⑫ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ (الی قولہ) نَبَأَ فِي الْعَلِيمِ الْخَبِيرِ (۶۶-۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک راز کے اخفاء کی تاکید کے باوجود جب ایک بی بی نے اس کا افتاء کر دیا تو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی جو وحی غیر متلو سے تھی۔ کیوں کہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

⑬ لَتَكْفُرُوا بِاللَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ (۲-۱۸۵) میں فرمایا کہ احکام حج اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ طرق کے مطابق ادا کرو۔ حالانکہ قرآن میں احکام حج کی تفصیل مذکور نہیں۔ سو اس آیت میں حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں احکام کی پوری تفصیل ہے۔

⑭ بہت سے انبیاء علیہم السلام کتاب کے بغیر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس اگر قول رسول حجت نہیں تو



ایسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے کیا فائدہ ؟

### دلائل عقلیہ

① قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقات، حجسہ تعداد رکعات، فرائض اور واجبات کی تفصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی وغیرہ، بیع و شراء، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس حدیث کا انکار سارے نظام اسلامی سے یکسر ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح بول و براز، کتے، گیدڑ وغیرہ کی حسرت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لئے مسکین حدیث ان جملہ اشیاء خبیثہ کی حلیت کے قائل ہیں۔ بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔

(طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسکین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکور چیزیں شبانہ روز مرے لے لے کر کھاتے ہوں گے (سورۃ اللہ تعالیٰ وجوہم)

② اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف بھی ساریں کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی تو انہی وسائل سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَءِیْهِ لَیْطُوفُونَ (۱۵-۹) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہوگا؟ یہ بھی تو انہی لوگوں کی رسالت ہی سے ہم تک پہنچی ہے جو حدیث میں وسائل ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کا اعجاز فی البلاغہ اس کی صداقت پر دال ہے کیونکہ اولاً تو قرآن کا معجز من حیث البلاغہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اعجاز من حیث الاخبار عن الغیبات وغیرہ کا قول کیا ہے جس کی تصدیق مذکور وسائل ہی کے ذریعہ سے منقول ہے۔ ثانیاً قلیل تغیر اور بعض مواقع پر ترتیب کی تبدیلی سے اعجاز فی البلاغہ میں بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ”اَلَمْ اَعْهَدْ“ پر مختصر المعانی میں بحث کی گئی ہے۔ ثالثاً اعجاز فی البلاغہ معیار صداقت تب ہوگا کہ تحدی ثابت ہو اور آیات تحدی مذکور وسائل ہی سے منقول ہیں۔ رابعاً تحدی من حیث البلاغہ زماۃ موجودہ میں تو معیار صداقت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ تحدی ایسی چیز کی مفیدگی



جس کا دنیا میں بہت زور و چرچا ہو۔ ظاہر ہے کہ دورِ حاضر میں علمِ البلاغہ کی بنسبت سائنس کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ پس بلاغت کے لحاظ سے متحدی صرف زمانہ تنزیل کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اُس وقت میں اہل بلاغت کا قرآن کے مثل سے عاجز ہو جانا قیامِ قیامت تک کے لئے صداقتِ قرآن پر دلیل ہوگا یعنی زمانہ حاضرہ میں صداقتِ قرآن پر یہ دلیل نہیں کہ ہم اس کے مثل سے عاجز ہیں بلکہ دلیل یہ ہے کہ بلاغت کے مشہور دور میں بڑے بڑے بلغاء اس کے مثل سے عاجز رہے اور یہ جملہ امور یعنی یہ کہ زمانہ تنزیل دورِ بلاغت تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں قرآن نے متحدی میں جیتِ البلاغہ کی تھی اور یہ کہ مشاہیر بلغاء قرآن کے مثل سے عاجز رہے تھے، انہی کے واسطے سے منقول ہیں جن کو قرآن کے خلاف عجمی سازشی کہا جا رہا ہے۔

۳۷ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ومن بعدہم جمیع امت مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی آئی ہے کیا اس میں ان سے اجتہاد غلطی ہوتی ہے۔ یا جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہاد غلطی ہوئی یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار تھی مگر اسلاف غلطی ہو گئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متاخرین علماء و محققین تمام تر اسلاف اسی اجتہاد غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو قابلِ اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین تو نعوذ باللہ خاکِ بدن گستاخِ قرآن کے مخالف تھے کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز (علیہ السلام) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہوا اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو، ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۳۸ یہ امر دریافتِ طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطے سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب بھی تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانتا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سبب ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل و کتابیں اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے تاکہ ہمیں احکام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمایا



وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا (۶-۹) وَلَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا سُوْرًا (۱۷-۹۵) غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (نار ۹) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ قرائینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیں تاکہ امت ان کا اتباع کرے اگر بلا واسطہ رسول کے احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل و تشریح کرنے والا اور علی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشا الہی سمجھنے میں غلطی کرتے ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے مگر ان کے متعلق لوگ خیال کرتے کہ فرشتے توقوتِ شہوانیہ اور غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج و ضروریات سے مستغنی ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت اور غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات و داعیات اور امراض و عوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ رسول انہی جذبات و عوارض انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا۔ اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں۔ تاکہ وہ قوانینِ الہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدگیاں ہوں سے کس طرح بچکر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل کردہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو ہمارے لئے کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

## ابطالِ نظریہ ثانیہ

اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھیں بعد میں جھٹ



نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں۔ حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

① أَطِيعُوا الرَّسُولَ حَسْمَ قَرَّانِ عَامٍ اَوْ قِيَامِ قِيَامَتِ تَكِ كِ لِّئَلَّا تَكُونَ رِجَالًا

اگر ہم پر قرآن مجت ہے تو قرآن کا یہ جملہ کیوں کر حجت نہ ہوگا؟

② يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (۱۵۸ - ۱۵۹)

③ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱ - ۱۰۴)

④ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۲۱ - ۲۲)

⑤ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (۲۵ - ۱)

⑥ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (۳۳ - ۳۸)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید معلم (رسول) نہیں آ سکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہیں۔

⑦ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴ - ۱۶۵)

اگر حدیث ہم پر حجت نہیں تو ہم پر تمام حجت کیسے ہو؟ جو کہ بعثت سے مقصود ہے۔

## دلائل عقلیہ

① کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے معلم کتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث

فرمایا گیا اور حضور کے اہل زمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیوں واجب الاتباع قرار دیا گیا؟

اور اگر معلم کی ضرورت ہے تو ہم ان تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ہم تو خود

بخود کتاب اللہ کو سمجھ سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے معلم کی ضرورت پڑے۔ مابہ الفرق کیا چیز ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل سان تھے، محاورات سے واقف تھے۔ ان کو مواقع تنزیل کا مشاہدہ اور

شان نزول کا علم تھا۔ خطاطی الہی کے مخاطبین ولین تھے اس کے باوجود ان کے لئے تو معلم کتاب کی ضرورت

ہو اور ہمارے لئے کوئی ضرورت نہ ہو؟

② وہ دلیل جو نظریہ اولیٰ کی تردید میں دلائل عقلیہ کے تحت نمبر ۳ میں گذری۔ یعنی جمیع امت



جو حدیث کو آج تک قبول کرتی آئی ہے ان سے اجتہادی خطا ہوئی ہے یا کہ جان بوجھ کر قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ دونوں شقیں خلاف عقل اور مردود ہیں۔

### ابطالِ نظریہ ثالثہ

مسکین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ مسکین حدیث کا یہ استدلال محض دجل اور تلبیس ہے لفظ ظن تین معنوں میں مستعمل ہے۔

- ① اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین۔
- ② شواہد و قرائن سے ظن غالب۔
- ③ علم یقینی نظری و استدلالی جو دلیل و برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں مذکور ہے

① يٰظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّلتَکُوا رَبِّهٖمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رَاجِعُونَ ۝ (۲ - ۴۶)

② قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلتَکُوا اللّٰهَ (۲ - ۲۴۹)

③ وَظَنَ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنَّهٗ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَاَنَابَ (۳۸ - ۲۴)

④ کَلَّا اِذَا بَلَغَتِ الشَّرَاقِیَّ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۵ - ۲۸)

⑤ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مُّنبَعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (۵ - ۸۳)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حافظ ابن حجر شرح نخبہ الفکر میں منبر مانتے ہیں وقد یقع فیہا امی فی اخبار الاحاد المنقسمۃ الی مشہور و عزیز و غریب ما یفید العلم النظری بالقرآن علی المختار خلافاً لمن ابی ذلك والخلاف فی التحقیق لفظی لان من جوز اطلاق العلم قیداً بكونه نظریاً و هو الحاصل من الاستدلال ومن ابی الاطلاق حص لفظ العلم بالتواتر و ما عداہ عندہ ظنی۔ پھر حافظ نے خبر محقق بالقرآن موجب علم یقینی استدلالی کی چند انواع ذکر کی ہیں۔

- ① ما اخرجہ الشیخان فی صحیحہما ما یشیع حد التواتر و ما لم یشیعہ احد من الحفاظ و لم یقع التخالف بین مدلولیہ۔



② المشهور اذا كانت له طرق مباينة سالمة من ضعف الرواة والعلل.

③ المسلسل بالاثمة الحفاظ المتقنين حيث لا يكون غريباً.

پس عالم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعت مطہرہ نے ظن غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں۔ قطعی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں۔ یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عتلاً احتمال خطا موجود ہے۔ شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمیع احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث موجب ظن غالب ہیں۔ اور دنیا میں ظن غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ ریل، کار، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہم ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے تمام پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں۔ طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹری سے اتر جانے بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا، پانی پیتے وقت غسل اور وضو کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں قدم قدم پر ظن غالب کی پٹری پر مجبور ہیں، ظن غالب کی پٹری کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں، اسی طرح زہری لینے سے موت یقینی نہیں۔ معہذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر ناقابل عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تو اتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا۔ لہذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے۔ جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی۔ کیوں کہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فلاں کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا۔



منہذا باب کا علم یقینی شری ہے۔

## دلیل عقلی

جب تسلیم کر دیا گیا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے۔ مگر حدیث کا موجودہ ذخیرہ حجت اس لئے نہیں کہ ظنی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تعلیمات رسول کو ہم پر قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات کی حفاظت کے اسباب کیوں نہ پیدا فرمائے؟ کیا یہ تکلیف مالا یطاق اور امت پر ظلم نہ ہوگا؟ کہ ان اقوال کا اتباع ہم پر لازم کر دیا گیا جن کے علم کی تحصیل ہمارے لئے ناممکن ہے۔ غرضیکہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع تسلیم کر لینے کے باوجود اسے ظنی ہونے کی وجہ سے حجت نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

مسکریں حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث تیسری صدی کے اخیر میں لکھی گئی ہے صاف دھوکہ دہی ہے، کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت حدیث سے منع فرمانا ابتدائی دور میں اس لئے تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے۔ اس وقت میں کتابت قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے ابھی پورے مانوس نہ تھے کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فلیبلغ الشاہد منکم الغائب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احادیث بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کرونگا۔ پھر آپ کے قول و عمل سے اسناد لال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مستزکا اظہار فرما کر حجیت حدیث کی تصدیق فرمادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم ویسمع من لیسع منکم" (ابوداؤد۔ کتاب العلم) شروع میں اگر عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف کی وجہ سے کتابت حدیث کی اجازت نہ تھی۔ تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔ طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ صرف



حالت نشاط کی حدیں لکھوں یا کہ حالت غضب کی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ چنانچہ انہوں نے احادیث نبویہ کو جمع کیا اور اس کا نام ”الصداقہ“ رکھا۔ یہی واقعہ ابو داؤد کتاب العلم میں بھی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، مگر عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا ”انہ کان یکتب ولا اکتب“ (بخاری) مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں۔ (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے۔ اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبد اللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں۔ اور ابو ہریرہ کا قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دور اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی میں تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ (۲) متدرک حاکم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے ”لا اکتب“ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو ہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے۔ ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴)

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب بخوبی واقف ہو گئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابو شاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر انکو دیا۔ (مفتاح السنۃ و بخاری) عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے (مفتاح السنۃ مصری ص ۱۵)



مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد) طائف کے ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی۔ (ترمذی کتاب العیال) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا جسے انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی صفحہ ۶۹) ابن عبد البر نے جامع میں عبد الرحمن بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، برادر بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مرویات کو ان کے شاگردان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی صفحہ ۶۹ و ۶۸) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب العیال للترمذی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمالی حکومت کے لئے قسطنطینیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔ موطا مصری صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۵۱ و ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اگرچہ کتابت حدیث ثابت ہے۔ مگر اس زمانہ میں حفظ صد پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظین مشہور تھے۔ طویل و عریض قصیدے، مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الہی سمجھ کر حفظ کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی صحابہ کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا زمانہ آیا انہوں نے دنیا تے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی۔ پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز المتوفی ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا۔ انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاكتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء (مفتاح السنۃ ص ۲۱) اور ان کو یہ بھی لکھا کہ عمر بن عبد الرحمن انصاریہ (متوفی ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔ اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں بھی اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن الشہاب الزہری المدنی (متوفی ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا۔ (مفتاح السنۃ)



خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی۔ اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبویہ کے قصر کے یہ چھ ستون ہیں حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و حجاج بن کثیر (بصرہ میں) ابو اسحق و سلیمان اعمش (کوفہ میں)۔ امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعد اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریر متوفی ۱۵۰ھ نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورت کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحق متوفی ۱۶۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۱ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمین میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہم (جہم اللہ تعالیٰ) نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں (۱) موطا امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ (۲) مصنف اللیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ (۳) مصنف سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۱ھ (۴) مسند الامام الشافعی متوفی ۲۰۴ھ۔

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے اس میں صحاح ستہ وغیرہ مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یزوانی منابع بمجاہذاً ضوفاً لکن ہیں صحاح ستہ یہ ہیں :-

- (۱) صحیح البخاری۔ متوفی ۲۵۶ھ (۲) صحیح مسلم متوفی ۲۶۱ھ (۳) سنن ابی داؤد متوفی ۲۵۵ھ (۴) سنن الترمذی متوفی ۲۶۹ھ (۵) سنن النسائی متوفی ۳۰۳ھ (۶) سنن ابن ماجہ متوفی ۲۶۳ھ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی تیسری صدی میں مدون ہوئیں۔
  - (۷) مسند احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ (۸) مسند اسحاق بن راہویہ متوفی ۳۷۳ھ
  - (۹) مسند عبد بن حمید متوفی ۲۴۹ھ (۱۰) مسند الدارمی متوفی ۲۵۵ھ
  - (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی متوفی ۲۷۶ھ (۱۲) مسند ابی یعلیٰ الموصلی متوفی ۳۰۷ھ
  - (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۲۰ھ وغیرہا
- فقط۔ رَبَّنَا امْتَا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ  
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

رشید احمد

۳ رذیقہ ۱۲۸۵ھ، یوم الجمعہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَلْيَعْلَمَنَّ مَوَالِي مَنَاقِرِهِ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْدَامُ

# ارغام العنید فی میراث الحفید

پوتے کی میراث  
اصول وراثت پر منکرین حدیث کے اعتراضات کے جواباً



## پوتے کی میراث

سوال۔ بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ آجکل پنجاب سہیلی میں زیر غور ہے اس لئے اخبارات میں مختلف لوگ اس مسئلہ پر اپنی آراء ظاہر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اخبارات (زمیندار) ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان اجماع امت شائع ہوا ہے جس میں شریعت مطہرہ کے قانون کے خلاف پوتے کی وراثت کی پُر زور تائید کی ہے۔ لہذا جناب سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ اخبارات کا پرچہ ارسال ہے۔

## الجواب ومنہ الصدق والصدق

منکرین حدیث کا اصل مقصد قرآن کریم کے قطعی فیصلے کے خلاف بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کو ثابت کرنا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار نے بے ضرورت بحث (منکر اجماع کا فتنہ نہیں) کو تو کافی طول دیا۔ مگر اصل مقصد پر پہنچنے تو صرف ایک محل جملہ لکھ کر اس کی قدرے تشریح کرنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد علم فائض کے بعض مسائل پیش کر کے ان پر وہ دیرینہ اعتراض دہرائے ہیں جو دشمنانِ رسول منکرین حدیث کے قائد اسلم جیرا چوری اور ان کے ہمہوالوں کی طرف سے طلوع اسلام وغیرہ کے صفحات پر بار بار شائع ہو چکے ہیں اور ہر دفعہ علمائے حق کی طرف سے ان کا مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ غرضیکہ مضمون نگار نے اصل مقصد پر صرف ایک محل جملہ ہی لکھ دینا کافی سمجھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں ”قرآن میں صول وراثت کا بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا، لیکن علماء اپنے بنائے ہوئے اصول کی لاج رکھنے کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اسے حجب حرمان کہتے ہیں۔“

آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ قرآنی اصول کے بموجب قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا مگر پہلے ورثہ ملنے کے مفہوم کی تشریح و تفصیل سے بالکل پہلو نہی کی ہے جو دیانت کے قطعاً خلاف ہے میں اس وقت صرف ”پہلے ورثہ ملنے“ کا مفہوم معین کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً مضمون نگار کو بھی اس سے اتفاق ہو گا کہ ”پہلے ورثہ ملنے“ کا مفہوم یہ نہیں کہ قریب کا حصہ اسے صبح کے وقت ملے اور بعید کو شام کے وقت۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہی ہو سکتا ہے کہ قریب کا حق بعید سے زیادہ ہے اور بہ الاقرب فالاقرب کا قانون آیہ کریمہ لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا سے مستنبط ہے۔ پس قرآن کریم کا یہی اٹل قانون (جسے خود مضمون نگار نے بھی تسلیم کیا ہے) جملہ وارثوں ذوی الفروض و عصبات میں طاری ہو گا۔ احکم الحاکمین نے ذوی الفروض کے حصے معین کرنے میں اسی قانون کو ملحوظ رکھا ہے۔ قریب کا حصہ بعید

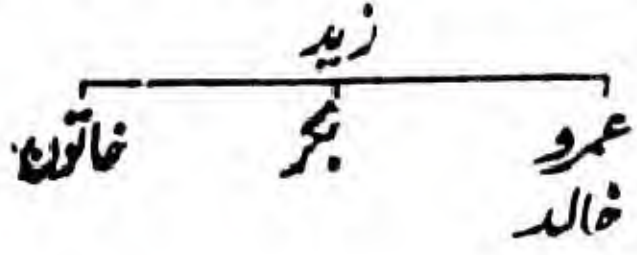


سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ ممکن تھا کہ عقل انسانی کسی خاص صورت کو اس قانون قدرت کے خلاف سمجھنے لگے۔ لہذا اس کی تسکین کے لئے ارشاد فرمایا اَبَاءُكُمْ وَابْنَاءُكُمْ لَا تَدْرُونَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔ جس طرح ذوی الفروض کے سہام معین کرنے میں اس قانون کا لحاظ ہے ایسے ہی عصبیات کی قریش میں بھی قانون ہول ہے فرق صرف یہ ہے کہ ذوی الفروض کے سہام چونکہ معین ہیں اس لئے قریب کا سہم بعید سے زیادہ کر کے قریب کو ترجیح دے دی گئی۔ اس کے برعکس عصبیات کے سہام معین نہ ہونے کی وجہ سے ان میں اس قسم کی ترجیح ناممکن ہے۔ کیوں کہ ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کہ بعض کا حصہ بعض سے زیادہ رکھ دیا جاتا بلکہ قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے کہ ذوی الفروض سے جو کچھ بچے وہ عصبیات پر لڈ کر مثلاً حِطَّ الْأَنْثَيْنِ تقسیم کر دیا جائے۔ لہذا ان میں قریب کو مقدم رکھنے کی صرف یہی صورت ممکن ہے کہ بعید کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ عصبیات کے بارہ میں فقہاء کا مقرر کردہ قانون (قریب کی موجودگی میں بعید محروم) قرآنی قانون سے مخالف نہیں بلکہ عین وہی قانون ہے جو قرآن میں ہے۔ یعنی قریب کا بعید سے زیادہ حق ہو مگر عصبیات میں اس قانون کے اجراء کی صرف وہ صورت ممکن ہے جو فقہاء بیان کرتے ہیں۔ عصبیات میں اس قانون کے اجراء کی صورت اگر جتنی قرآن ہی نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے تاہم معلم الکتاب والحکمہ سید زین الدین علی شہر علیہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں اس کی تشریح فرمادی ہے، ملاحظہ

هو عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اَلْحَقُّوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرَ (بخاری کتاب الفرائض) یعنی ذوی الفروض کو ان کے سہام لینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ سب کا سب عصبیات میں سے اس شخص کا حق ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ بخاری ہی میں ایک جلیل القدر صحابی کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت کا یہ قول بھی منقول ہے قَالَ زَيْدٌ وَلَدُ الْإِبْنِ لِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ (الی قولہ) ولا یرث ولد الابن مع الابن۔ یعنی بیٹے کی اولاد میت کی اولاد کے قائم مقام اس شرط سے ہو سکتی ہے کہ میت کی اولاد میں سے کوئی فرد بھی نہ ہو اور فرمایا کہ کسی بیٹے کی موجودگی میں کوئی پوتا وارث نہیں ہو سکتا۔ اگر ذوی الفروض کی طرح عصبیات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم دینے کے ہول پر عمل کیا جائے تو اس کی پیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنے خیال اور اٹکل ہی سے بیٹے کے لئے ۱/۲ اور پوتے کے لئے ۱/۴ معین کر دیا جائے تو کیا اس کا واضح مطلب یہ نہ ہوگا کہ آج تک نوزائشہ قرآن ناقص تھا جس کی تکمیل جبراجپوری اور اس کے متبعین نے کی ہے۔ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون (قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملے گا) کے خلاف ہے۔ میں فاضل مضمون نگار سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ آپ اپنے ہی بیان کردہ قرآنی قانون کے مطابق بیٹے اور پوتے یا دوسرے عصبیات میں تقسیم ترکہ کے متعلق فقہاء کی بیان کردہ صورت کے علاوہ کوئی دوسری



صورہ پیش کریں۔ امید ہے کہ جواب سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ پوتے کی وراثت کے بارہ میں یہ سوچنا ضروری ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں اس کی وراثت کا مالک یا حق کا دعویٰ دار ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس بیٹے کا بیٹا (پوتا) حق دار ہے یا نہیں؟ مگر ایسا نہیں بلکہ اس کے عکس ہے یعنی بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں بالکل اس شخص کی مانند ہے جس کو صاحب جائداد کہا ہی نہیں جاسکتا تو ایسی صورت میں اس بیٹے کے بیٹے (پوتے) کے حقوق کا سوال ہی فضول ہے۔۔



منقوشہ بالا صورت میں زید کی موجودگی میں عمرو اس کے کسی

مال کا حقدار ہی نہیں۔ جب عمرو حقدار نہیں تو خالد کے حقدار ہونے کا سوال ہی باطل ہے جس چیز کو عمرو اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر سکا اس کے لئے اس کا بیٹا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے؟ معترضین نے لفظ ولد میں وسعت پیدا کر کے اس سے بیٹا، پوتا اور پڑپوتا مراد لیا ہے اور بیٹی کو سرے سے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ایسا کرنے کے بعد کسی قاعدہ کی رو سے جب لفظ ولد سے بیٹی کو نکال دیا جائے تو پوتا کسی صورت ولد کے ضمن میں نہیں آسکتا۔ دوسری جگہ لفظ قرب پر جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے وہ بھی عجیب ہے۔ ذرا خیال فرمائیں کہ زید کی موت کے بعد صرف خاتون (بیٹی) اور بھر (پوتا) زندہ ہیں۔ عمرو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔ اگر عمرو کو اس کی موت کے بعد بھی ”قرب“ میں شامل کیا جاسکتا ہے تو زید کی اپنی ذات اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لہذا اگر ایسا کر لیا جائے تو نظم دنیا جو نظام حیات پر مبنی ہے درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے عمرو کو کسی حالت میں بھی قرب میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس کے بیٹے خالد کا قرب میں شامل ہونا ہی بے بنیاد ہے۔ صرف بھر اور خاتون ہی قرب میں شامل ہونے کے صحیح حقدار ہیں۔ اس کے بعد لفظ ”قائم مقام“ پر اس طریق سے بحث کی گئی ہے جو سیدھے لوگوں کی گمراہی کا موجب بن سکتی ہے۔ حالانکہ قائم مقام اور وراثت میں جو فرق ہے اس کو ہر تھوڑی بہت سوچ بوجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔ مثلاً اب حال میں جسٹس رشید صاحب غلام محمد گورنر جنرل کے قائم مقام تھے۔ مگر وراثت نہیں تھے۔ لیکن ان کا لڑکا وارث تھا مگر قائم مقام نہیں حالانکہ وہ قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وارث قائم مقام ہو سکتا ہے، مگر ہر قائم مقام وارث نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یتیم پوتے کی پرورش کا سوال تو شرفا میت کو اپنے مال سے ۱۰ حد کی حد تک وصیت کرنے کی اجازت ہے۔ پس دادا بطور وصیت کے اپنے پوتے کی پرورش کا انتظام کر سکتا ہے بلکہ خود اپنی زندگی ہی میں مناسب ملکیت پوتے کو دے کر اس کو معاشی مشکلات سے بچا سکتا ہے۔ اگر بالفرض دادا نے پوتے کو کچھ نہ دیا اور ہی وصیت



کی تو چچا اس یتیم کا ولی ہے اور اس کی پرورش کے جملہ مصارف چچا پر شرعاً لازم ہیں۔ فقط  
واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

۳ جنوری ۱۹۵۴ء

سوال۔ آج کل پنجاب قانون ساز اسمبلی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ پیش ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر عام اخباروں، پمفلٹوں اور رسالوں میں مختلف قسم کے مضامین تردید اور تائید میں متواتر شائع ہو رہے ہیں۔ آنجناب کی نظر نقاد سے امید ہے کہ اس موضوع پر مدلل اور مفصل مضمون تحریر فرما کر تحقیق حق فرمائیں گے۔

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

یتیم پوتے کے متعلق قرآن حدیث اور اجماع امت کے اٹل فیصلے کے خلاف جو لوگ میدان میں نظر آ رہے ہیں ان کا اصل مقصد حدیث کا انکار کر کے سارے اسلامی نظام کو درہم برہم کرنا اور ہر امر و نہی سے آزادانہ زندگی گزارنا ہے۔ یہ لوگ منکرین حدیث ہیں اور اصولی طور پر مسلمانوں سے ایک علیحدہ نظریہ رکھتے ہیں۔ اس لئے رات دن مسلمات دین میں سے ایسے مسائل کریدتے رہتے ہیں کہ جن میں تبلیغ کر کے کچھ نمک مرچ لگا کر ہمدردانہ لہجہ اور جذباتی تحریروں و لفاظی کا ملمح کر کے سادہ لوح عوام کے سامنے سنت نبوی اور چودہ سو سالہ نظام شریعت و اجماع امت کا تمسخر اڑایا جاسکے۔ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ لہذا ان لوگوں کے ساتھ کسی خاص جزئی میں گفتگو کرنا فضول ہے اگر ایک جزئی کا فیصلہ ہو بھی گیا تو دوسرا مسئلہ شرع ہو جائے گا۔ اس لئے ان کا مقابلہ صولی طور پر ضروری ہے۔ چنانچہ حجیت الحدیث کے بارے میں ہم ایک مدلل و مبسوط رسالہ ”فتنۃ انکار حدیث“ شائع کر چکے ہیں۔ سنت نبویہ اور نظام فقہ و قانون اسلامی کے بارے میں دین کے دشمنوں اور منکرین حدیث و محدوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ یہ سادہ لوح مسیح نشین چند ملاؤں کے ڈھکوسلے ہیں جو پرانی کتب میں لکھے چلے آ رہے ہیں۔ اور بعد کے لوگ ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر مکھی پر مکھی مارتے جا رہے ہیں۔ سو طبع سلیم رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں کہ منکرین حدیث کا یہ تصور محض بازاری خرافات کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نظام اسلامی اور قانون فقہ جو ہماری درس گاہوں کے نصاب سے خارج اور ہماری لائبریریوں و حدود مطالعہ سے باہر ہو چکا ہے کچھ عرصہ قبل ہی قانون فقہ اسی طرح نافذ تھا جس طرح آج ہمارے ہاں انکلو سیکشن نظام قانون رائج ہے۔ یہ قانون فقہ باقاعدہ اسلامی ملکوں کی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں زیر غور و فکر اگر مرتب ہوا ہے۔ فاضل ججوں اور قانون اسلامی کے ماہروں نے اس کے مہولوں کو عدالتوں میں روزمرہ پیش آنے والے مقدمات پر منطبق



کر کے اور ہر قسم کے نو پیدا حوادث کو ان قوانین سے حل کر کے اس قانون کا بار بار امتحان کرنے کے بعد سے انسانی زندگی کا کامل معیار سمجھ کر ایک خاص وسعت تک پہنچایا ہے، یہ مسجد کے حجروں میں نہیں بلکہ حکومت کے ایوانوں میں، یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور عدالتوں کے گہواروں میں ٹھیک اسی شان سے پلا ہے جس طرح آج کسی حکومت کا قانون پُران چڑھتا ہے۔ ایک ایک شعبہ میں اس کے اصول متعین کئے گئے ہیں، حکمتیں اور مصلحتیں سامنے لائی گئی ہیں۔ ہر بحث میں مصلحت و مضرت کا ہر پہلو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اور منافع و مفاسد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہرین قانون نے وسیع سرمایہ نظر و فکر کا ڈھانچہ تیار کیا ہے جسے مدتوں تک پیش آنے والے واقعات پر پرکھ کر مدون کیا گیا ہے اور اس کے لئے خاصی نئی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ پھر یہ نہیں کہ ہر قانون دان لکیر کا فقیرین کرکھی پرکھی مارتا چلا گیا ہے۔ بلکہ اس کے عکس ماہرین قانون فقہاء کے درمیان بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔ متفقہ اصولوں پر اجتماع کے باوجود تفصیل میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چار بڑے بڑے منالغ فکر ہماری فقہ میں پیدا ہو گئے پھر خود انہیں بھی داخلی طور پر اجتہادی اختلاف نمایاں ہے۔

بعد میں جب یہ نظام فقہ متروک ہو گیا تو اس کا نشو و نما اسی طرح رک گیا جس طرح کسی بھی حکومت کا کوئی قانون عملی زندگی سے برطرف کر دینے کے بعد فطری نشو و نما سے رک جاتا ہے۔ لیکن آج بھی اس کے سرچشموں کی روانی، اسکے اصولوں کی مضبوطی اور اس کے قابل نشو و نما ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ کسی بھی حکومت میں فارمولوں اور کلیات کو جب ایک مرتبہ پورے غور و خوض کے بعد اختیار کیا جاتا ہے تو پھر وہ قانون کے پورے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کو کوئی بھی رائے قائم کرنے، فیصلہ دینے، اجتہاد کرنے یا کسی مقدمہ میں کوئی نظیر پیش کرنے میں پوری طرح مد نظر رکھا جاتا ہے۔ پھر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کلیات اور فارمولے کہیں نہ کہیں تفصیل میں جا کر جب باہم گر متاثر ہوتے ہیں تو کچھ نہ کچھ پیچیدگیاں ہر فارمولے اور کلیے کو پیش آتی ہیں لیکن دنیا کے کسی بھی نظام میں یہ حماقت نہیں کی جاتی کہ جہاں کوئی پیچیدگی کسی کلیے کی وجہ سے پیش آتی تو اسے چھوڑ کر فوراً کوئی متضاد جدید کلیہ گھڑ لیا۔ بلکہ کلیات اور فارمولوں کے بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھ کر اسی کے اندر رہتے ہوئے پیچیدگیوں کا حل تلاش کیا جاتا ہے، یعنی اس بطور اجماع کا انٹی ٹوشن اسلامی نظام قانون کو ایک مستقل ڈھانچہ فراہم کرنے کے لئے نصوص ہی سے اخذ کردہ متفق علیہ کلیات اور فارمولے سامنے لاتا ہے۔ ان فارمولوں کے تعامل سے تفصیل میں جا کر کہیں کہیں پیچیدگیاں بھی نمودار ہوتی ہیں لیکن ان پیچیدگیوں کی وجہ سے نہ اس قانون کو ملائی ڈھکوسلے کا نشانہ بنانا کوئی معقول حرکت ہو سکتی ہے اور نہ ان جزئی چیزوں کی خاطر قانون کے مجموعی ڈھانچہ کو



توڑ پھوڑ کر نت پنا ڈھانچہ بنانے میں لگ جانا حتیٰ اجتہاد استعمال کرنے کی کوئی صحیح صورت ہے۔ ان جزئی پیچیدگیوں کو بہر حال اسلامی نظام فقہ و قانون کے مجموعی فریم میں رکھ کر اجتماعی کلیات اور فارمولوں کے تحت ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت ایسے مواقع پر جب کہ بیک وقت دو یا تین کلیوں کا اکل جمع ہو جاتا ہو سوچنا یہ ہونا ہے کہ مسئلہ پر کس کلیے کا عائد کرنا اہم تر ہے اور کس کو کم اہمیت کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر اختلاف بھی ناگزیر ہو جاتا ہے اور اس طرح کے پیچیدہ مسائل میں ہمارے مدارس فقہ کا پہلے سے اختلاف موجود ہے اور آئندہ بھی موجود رہے گا۔ مگر نہ پہلے کبھی تفاسیل کے فنی اشکالات اور پیدا ہونے والے اختلافات کی وجہ سے کسی نے ان کلیات کی صحت و اہمیت سے انکار کیا ہے اور نہ آج ایسا کرنا صحیح ہے۔ دنیا کے ہر نظام قانون میں بلکہ ہر شعبہ زندگی کے علوم و فنون میں کلیات کو تفصیلی و جزئی امور پر منطبق کرتے ہوئے یہی صورت پیش آتی ہے لیکن کبھی اہل فہم بنیادی مسلمات کو جزئی اشکالات کی بنا پر مضحکہ انگیز قرار نہیں دیتے لیکن منکرین حدیث کا شیوہ ہے کہ ہمارے علماء قانون کی کتابوں کے چھانٹ چھٹا کر وہ حصے نکال لاتے ہیں جن پر اعتراضات اور اشکالات زور بیان کے ساتھ سامنے لائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ماہرین قانون نے اعتراضات کے جواب دئے ہیں اور اشکالات کو جس طرح حل کیا ہے ان حصوں کا یا تو بلیک آؤٹ کر دیا جاتا ہے اور یا ان کو حد درجہ کمزور کر کے پیش کیا جاتا ہے اس طرح فقہ اور حدیث کے خلاف انتشار پیدا کرنے میں بھی کامیابی ہوتی ہے اور علمیت و فکر کی دھونس بھی قائم ہو جاتی ہے

غرضیکہ منکرین حدیث چونکہ کلیات اور بنیادی مولوں ہی میں مسلمانوں سے ایک علیحدہ جماعت ہے اس لئے مسئلہ زیر بحث میں ان سے خطاب کرنا تو بالکل بے معنی ہے۔ البتہ سید سادے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے اس مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل ضروری ہے۔ پس ہم فقہ میراث سے متعلق نظام اسلامی کے چند اجتماعی اصول ذکر کرتے ہیں اور صرف ایسے اصول کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا جن کا مسئلہ زیر بحث کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

**اصل اول۔** اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت میں میراث کی تقسیم کا معیار ضرورت و حاجت اور خدمت یا لیاقت یا قائم مقامی یا یتیم اور قابل رحم ہونے پر نہیں بلکہ یہ حق جس بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ قرابت ہے ورنہ اگر ضرورت و حاجت پر مدار ہوتا تو ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کے مالدار بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بیوی، بھائی، بہن وغیرہ سب محروم رہتے اور بستی کے فقراء و مساکین اور یتیم وارث بنتے۔ نیز وہی بھی قائم مقام ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اصل مسلمات غفلت میں اخل اور اجتماعی و جملہ مذاہب میں



متفق علیہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی نصوہ صریحہ سے بھی ثابت ہے ”مِمَّا تَرَكُوا لِاٰلِاٰدِاٰمِ وَالْاَقْرَبُوْنَ“ اور دوسری تمام متعلقہ آیات میں اس کی تصریح ہے۔

**اصل دوم۔** جب وراثت کا مدار رشتہ و قرابت پر ہے تو ساری دنیا اولادِ آدم ہونے کی وجہ سے آپس میں رشتہ و قرابت کا تعلق رکھتی ہے حالانکہ ساری دنیا کو حق وراثت کا دلانا نہ ہے، عقلاً ممکن ہے اور نہ کسی نسب میں اسے قابلِ عمل سمجھا گیا ہے، لہذا ”الاقرب فالاقرب“ کا قانون سامنے آتا ہے۔ یعنی درجہ قرابت میں جو لوگ مقدم ہیں وہ مؤخرین کو کلاً یا جزئاً محروم کر دیں گے۔ جو لوگ اصولاً وارث ہوتے ہیں ان میں درجہ قرابت کے تفاوت کی وجہ سے سہام متفاوت ہوں گے۔ استحقاقِ ارث میں قرب و بعد کا تفاوت مندرجہ ذیل لائق سے ثابت ہے۔

① یہ تفاوت مسلمات جملہ مذاہب میں سے ہے عقلی طریق سے اس کا واجب العمل ہونا اور بیان ہو چکا ہے۔

② ”مِمَّا تَرَكُوا لِاٰلِاٰدِاٰمِ وَالْاَقْرَبُوْنَ“ میں ”اقربون“ کا لفظ۔

③ علاقہ بنوت میں زیادہ قرب ہونے کی وجہ سے والدین کو خاص طور پر اقربون سے جدا ذکر کرنا۔

④ ”وَاُولَئِكَ اَلْاَرْحَامُ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ“

⑤ اجماع امت۔

پھر قرب و بعد کے لحاظ کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) جب نقصان یعنی قرب کو زیادہ اور بعد کو کم حصہ ملے۔

(ب) جب حرمان یعنی قرب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہ جائے۔ ذوی الفروض میں یہ دونوں صورتیں موجود ہیں۔ احکم الحاکمین نے ذی الفروض کے سہام متعین کرنے وقت اپنی حکمت سے قرب کی موجودگی میں بعید کو کلاً یا جزئاً محروم کر دیا ہے۔ چنانچہ قرب و بعد کے لحاظ سے وارثوں کو تین مراتب پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(۱) ذوی الفروض — (۲) عصبات — (۳) ذوی الارحام

اور پھر ہر مرتبہ میں قرب و بعد کے لحاظ سے تین درجات ہیں

(۱) جزر میت — (۲) اصل میت — (۳) جزر اصل میت

عصبات اور ذوی الارحام کے متعلق یہ تقسیم مشہور اور کتب منذاولہ میں مذکور ہے۔ لہذا ہم یہاں صرف ذوی الفروض کو تین درجات پر تقسیم کرتے ہیں۔

**پہلا درجہ** (جزر میت) اس میں بیٹی، پوتی، خاوند اور بیوی ہیں۔ کیونکہ زوجین میں ولدی وجہ سے علاقہ عزیمت پیدا ہو جاتا ہے۔

**دوسرا درجہ** (اصل میت) ماں، باپ، دادا، دادی اور نانی پر شامل ہے۔



تیسرا درجہ - (بزرگ اصل میت) بہن اور بھائی خیفی، بہن عینی اور علی پر حاوی ہے۔ دوسرے درجہ میں سے ماں کا حصہ  $\frac{1}{2}$  پہلے درجہ میں سے بیوی کا حصہ  $\frac{1}{4}$  سے زائد رکھنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بیوی میں علاقہ جزیت میں کل الوجہ نہیں ہے۔ نیز ماں کا حق پرورش ملحوظ ہے۔ اور درجہ سوم میں سے اگرچہ بہن عینی اور علی کا حصہ  $\frac{1}{4}$  درجہ دوم میں سے ماں کے حصہ  $\frac{1}{4}$  اور جدہ کے حصہ  $\frac{1}{4}$  سے زیادہ ہے مگر یہاں ماں اور جدہ کے قرب کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ بہت سے وارث بہنوں کو بالکل محروم کر دیتے ہیں۔ ماں اور جدہ کو محروم نہیں کرتے۔ ماں کی حالت میں بھی محروم نہیں، نانی صرف ماں کی موجودگی میں اور رادی ماں یا باپ کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے۔ اس صورت کے سوا دوسری حالت میں بھی جدہ محروم نہیں۔ علاوہ ازیں ماں کا حصہ  $\frac{1}{4}$  سے کبھی بھی کم نہیں ہوتا۔ اور خواتین جب زیادہ ہوں تو ہر ایک کا حصہ  $\frac{1}{4}$  سے کم بھی ہو سکتا ہے۔ نیز ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ کسی خاص جزئی میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جانے کی وجہ سے قانون کو چھوڑ دینا نادانی ہے۔ غرضیکہ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان تینوں درجات میں اور اسی طرح ہر ایک درجہ کے وارثوں میں قدرت نے قرب و بعد کا لحاظ رکھا ہے۔ ممکن تھا کہ انسان کی نظر قاصر کسی خاص صورت کو اس کے خلاف سمجھنے لگے۔ لہذا ارشاد ہوا اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ اَلَيْسَ اَقْرَبَ لَكُمْ نَفْعًا۔ حاصل یہ کہ ذوی الفروض میں سے قریب بعید کو کلاً یا جزئاً محروم کر دیتا ہے۔ اول کو جب حرمان اور دوم کو جب نقصان کہا جاتا ہے۔ عصبات میں صرف حجب حرمان ہوتا ہے، حجب نقصان ممکن نہیں۔ کیونکہ عصبات کا کوئی حصہ معین نہیں کہ قریب کی وجہ سے بعید کا حصہ ناقص ہو جائے۔ عصبات کا حصہ معین نہ ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں :-

① قرآن یا حدیث میں کوئی حصہ معینہ مذکور نہیں۔ حالانکہ قرآن میں ذوی الفروض کے حصص نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ مفصل بیان کئے گئے ہیں۔

② یُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْ كَانَ مِنْكُمْ اَلْاُنْثٰى

③ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ فَاُولٰٓئِكَ اَبْوَالُهَا فَلَا مِيرَاثَ لَهَا مِنْ اَبَائِهَا

④ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ

حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہاں موالی سے عصبات مراد ہیں۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۲۳)

⑤ حدیث مَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَلَهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۴)

⑥ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للحقوا الفرائض

بأهلها فما بقی فهو لولی رجل ذکر (بخاری، کتاب الفرائض)



④ مَا أَحْرَزَ الْوَلَدُ وَالْوَالِدَ فَهُوَ لِعَصْبَتِهِ مِنْ كَانَ (مسند احمد، ابوداؤد)

⑤ فَاِيَهَا مِمَّنْ تَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصْبَتُهُ مِنْ كَانَ (بخاری، کتاب التفسیر)

⑥ وَاجْعَلُوا الْاِخْوَانَ مَعَ الْبَنَاتِ عَصْبَةً (بخاری)

⑩ اجماع امت۔

غرضیکہ عصابات میں قرب و بعد کا لحاظ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے۔ بخاری کی روایت مذکور المحفوا الفرائض باہلہا فمالہا بقی فہو لاولی رجل ذکر۔  
بھی صراحتاً اس کی مثبت ہے حقیقی عصبہ صرف مرد ہی ہیں بہن اپنے بھائی کے ساتھ ضمناً عصبہ بن جاتی ہے  
بقولہ تعالیٰ لِلَّذِي كَرِهَ مِثْلَ حِطِّ الْأَنْثَيْنِ اور بیٹی کے ساتھ بہن کا عصبہ ہوتا صرف حدیث پر مبنی ہے۔  
عصابات کی طرح ذوی الارحام کا بھی کوئی حصہ عین نہیں بلکہ ذیل کے دلائل سے بلحاظ قرب و بعد مطلقاً  
استحقاق ثابت ہے۔

① وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔

② لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ  
وَالْأَقْرَبُونَ لفظ اقربون میں قرابت کا ہر درجہ داخل ہے خصوصاً لفظ للنساء سے ذوی الارحام  
کے استحقاق کی زیادہ وضاحت ہو گئی۔

③ الخال وارث من لا وارث له (بخاری)

④ التمسوا له وارثاً وذا رحم (ابوداؤد)

**اصل سوم** کوئی شخص کسی شخص کی زندگی میں اس کا وارث نہیں ہو سکتا بلکہ مرنے کے بعد استحقاق وراثت  
ہوتا ہے۔ یہ اصل مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

① عقل سلیم، چنانچہ جملہ ادیان کا اس اصل پر اتفاق ہے۔

② قانون وراثت سے متعلق نصوص قرآنیہ میں مِمَّا تَرَكَ، مِمَّا تَرَكَ، مِمَّا تَرَكَ کے الفاظ بار بار  
وارد ہیں یعنی قانون وراثت کی بحث کا موضوع ہی تقسیم ترکہ ہے۔ نہ کوئی مال کسی کی زندگی میں ترکہ ہو سکتا ہے اور نہ  
اس مال میں بحیثیت وارث کسی کا حق پیدا ہو سکتا ہے۔

③ إِنْ أَمْرٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ (۲-۱۷۶)

اس میں پوری وضاحت ہے کہ اقرباء کے استحقاق وراثت کا سوال مورث کے مرنے ہی پر پیدا ہوتا ہے  
زندگی میں نہیں۔ غرضیکہ اصل بھی قطعی ہے کہ کسی کی زندگی میں کوئی دوسرا اس کا وارث قرار نہیں پاسکتا بلکہ اس کے  
ارغام العنید ۱۰۔







مرگتی۔

⑤ اگر قریبی رشتہ دار کو مرنے کے بعد بھی مستحق وراثت سمجھا جائے تو چاہئے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی کسی کا وارث نہ ہو کیونکہ مرنے کے بعد مورث کا نفس اس کی طرف سب سے زیادہ اقرب ہے۔ لہذا مورث خود اپنے مال کا مستحق ہوگا۔

پس اس معاملہ میں پوری امت متفق ہے کہ وراثت کے حق کی بحث کا غلق صرف ان وزائر سے ہے جو مورث کی موت کے وقت زندہ ہوں۔ مورث سے پہلے مرنے والوں کا کسی قسم کا استحقاق شریعت اسلامی کے نظام قانون میں نہیں پایا جاتا۔ اس طرح کے غیر عقلی استحقاق کی مثال صرف ہندو واندھ رواجی قانون میں ہے۔ اب اگر کسی کو یہ ہندو واندھ قانون پسند ہو تو سرے سے شریعت کو پھوٹ کر اسے اختیار کر سکتا ہے لیکن اس ہندو واندھ رواجی قانون کے اجراء کو لاکر شریعت کے قانون میں پیوند نہیں دے سکتا۔

مندرجہ بالا اصول دلائل عقلیہ، نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ اور اجماع امت سے ثابت ہونے کی وجہ قطعی ٹھوس و اٹل ہیں کہ ان میں ذرہ برابر بھی اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ لہذا ہر ایسا اجتہاد جو مذکورہ اصول میں سے کسی اصل سے ٹکراتا ہو باطل اور ناجائز ہے۔ پس اب ہم ان صورتوں کا تجزیہ کرتے ہیں جو تقیم پوتے کو حصہ دلوانے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

**صورت اول۔** یونہی زیادہ صاحب ضرورت اور حاجت مند و قابل رحم ہے اور بعض دفعہ چپاکی بہ نسبت زیادہ خدمت گزاریا لائق ہوتا ہے۔ یہ صورت اصل اول سے ٹکراتی ہے یعنی وراثت کا استحقاق ضرورت، حاجت اور قابل رحم ہونے یا خدمت و لیاقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس کا معیار قرابت و رشتہ داری پر ہے۔ منکرین حدیث شاذ و نادر کسی خاص صورت میں جذبہ رحم کی وجہ سے قرآن کے قطعی اصل کو ٹھکرا دینا چاہتے ہیں تفصیلی جزئیات میں بہت سے مواقع رحم پاتے جاتے ہیں۔ مثلاً زوجہ مفقودہ، عدۃ ممتدة الطهر منکومہ صغیرہ، مطلقہ ثلاثہ وغیرہ صورتوں میں بعض دفعہ عورت غریب و مسکین ہوتی ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار یا کفیل بھی موجود نہیں ہوتا جو میراث میں بھی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں جن کی وجہ سے اگر معاذ اللہ حدیث اور اجماع کا انکار بھی کر دیا جائے تو قرآنی قانون میں بھی ایسی صورتوں سے نجات نہیں ملتا۔ مثلاً اولاد نہ رہنے (علاء پوتا ہی ہو) کی وجہ سے بہن عینیہ محروم ہو جاتی ہے خصوصاً جب کہ یہ بہن بیوہ ہو، عیال رکھتی ہو، اس کے خاوند نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو ایسے ہی وہ نواسی جس کی والدہ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئی ہو، ایسی صورتوں میں بھی آپ کا جذبہ رحم ابھریگا اور آپ کہیں گے کہ خدا کا قانون ایسا بے مہر نہیں ہو سکتا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیواؤں اور یتیموں کو سکھا و ماویٰ تھے۔ غرضیکہ نہ صرف میراث میں بلکہ نکاح، طلاق، رضاعت، کفالت وغیرہ میں بھی آپ کو کئی جزئیات مواقع رحم نظر آئیں گی۔ پس اگر آپ کے جذبہ رحم کو کھلی اجازت دیدی جائے تو یہ جذبہ قطعی اصول کو توڑ پھوڑ کر سارے نظام اسلامی کو درہم برہم اور قانون



کے ڈھانچے کو پاش پاش کر دے گا۔ منکرینِ حدیث یہ نہیں سوچتے کہ اولادِ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ فی صدی کتنی صورتوں میں پیش آتا ہے اور پھر کتنی صورتوں میں پوتا خود بالغ اور کاروبار میں مستقل آمدنی کا ایک ہونا ہے یا اپنے والد سے ملا ہو کافی ترکہ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں داد اپنی زندگی میں جس قدر چاہے یتیم پوتے کو دے سکتا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث نے جا بجا اس کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی خاندانی قرابت کے جذبات بھی اس کے مؤید ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں نہ دے سکا تو ثلث مال تک وصیت کر سکتا ہے۔ پھر تعجب اس پر ہے کہ ان لوگوں کی نظر رحم صرف یتیم پوتے ہی پر مرکوز ہے۔ اس طرف قطعاً توجہ نہیں جاتی کہ انتقالِ ارضی کے وقت بھائی اپنی بہنوں سے اور بیٹے اپنی والدہ تک سے دستبرداری کے بیان دلا دیتے ہیں اور رشوت خور افسر موقع غنیمت سمجھ کر سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ اگر آپ میں ایسا ہی جذبہ رحم موجود ہے تو ایسا ہی بیچاری ماؤں اور بہنوں کے متعلق کیوں قانون پاس نہیں کرتے؟ حالانکہ مستورات کے حقوق کی حفاظت کے متعلق ارشاد ہے وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ قرآن کریم میں ہر جگہ مردوں کے احکام میں ہی منما عورتوں کو بھی دخل کر دیا گیا ہے۔ مگر یہاں اہتمام کے لئے عورتوں کا حکم مستقل بیان نہ پایا اور پھر مزید تاکید کے لئے نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ کو مکرر لایا گیا۔ پھر نَصِيبًا مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ سے واضح کر دیا کہ مستحق کو اس کا حصہ معلینہ بکمال دینا فرض ہے۔ نیز اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ وارث اگر اپنا حصہ نہ لے یا بری کر دے تب بھی اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ مذکورہ آیت کی علی الاطلاق خلاف ورزی کی جاتی ہے مگر اس کے متعلق جناب کی رگِ حمیت نہیں پھرتی۔ حالانکہ ان کی گودوں میں بسا اوقات یتیم ہوتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّهُمْ مِّنْ اُولٰٓئِیْنَ اَلَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ مَّارًا وَّ سَبِيْضًا سَعِيْرًا۔ خود یتیم پوتے کی بھی ہمدردی یہ ہے کہ قرآن کے ٹھوس اور اٹل قانون کو ٹھکرانے کے بجائے مستورات کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ یتیم پوتے کی والدہ کو جب کتنی طرح حصہ ملے گا تو وہ خوشحال ہوگا اور کسی کا دست نگر نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں اگر یتیم پوتا محتاج ہو تو جب تک وہ نابالغ ہے یا اپنا بچ ہو تو اس کے مصارف شرعاً اس کے چچا پر واجب ہیں۔ اگر خدا نخواستہ کوئی صورت بھی نہ ہو سکے تو بیت المال جملہ مساکین اور محتاجوں کے مصارف کا کفیل ہوگا۔ اسلامی قانون کو مکمل طور پر جاری نہ کرنے کی وجہ سے اگر ملک کے یتیم بچے آفت میں مبتلا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری قانونِ اسلامی کی بجائے اس قانون ساز مجلس پر ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفاذ ہے۔ پس آپ کو اگر واقعی یتیم پوتے پر شفقت ہے تو اسلامی قانون پاس کر لیتے۔

مندرجہ بالا صورتوں سے معلوم ہو گیا کہ منکرینِ حدیث کا یہ سوال کہ یتیم پوتے کی معاش کی کیا صورت ہوگی؟ بالکل باطل ہے۔ قانونِ وراثت یا وصیت تمام انسانوں کے گزارہ کا ذمہ دار نہ عقلاً ہو سکتا ہے نہ شرعاً اگر لوگوں کے معاش کا مدار وراثت ہی پر رکھا جائے تو کر دہل انسان ایسے ہیں جن کے مورث کچھ بھی ترک نہیں چھوڑتے



سوجو انتظام ان کی معاش کا ہوگا وہی یتیم پوتوں کی معاش کا بھی ہو جائے گا۔

**صورت دوم۔** شریعت کے قانون میراث میں تقدم و تاخر کا ضابطہ ہی ختم کر دیا جائے تو یتیم پوتا بیٹوں کے حق شامل ہو کر میراث پالے گا۔ یہ صورت اصل دوم یعنی "الاقرّب فالاقرب" کے قانون سے ٹکراتی ہے۔ بہار اس اجتہادی اقدام کا اثر سارے ہی نظام قانون کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ یعنی اب ایک میت کے مرنے سے اس کے تمام زندہ رشتہ دار بیکدم وارث ہوں گے، خواہ درجہ قرابت میں کتنا ہی تفاوت ہو اس صورت کے اختیار کرنے میں اجماع تو کیا خود نصوص پر پانی پھر جائے گا۔

**صورت سوم۔** "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" لفظ اولاد کے تحت بیٹوں، پوتوں، پڑپوتوں سب کو جمع کر دیا جائے اور سب کو ایک ہی درجہ میں لاکر ان پر علی السوۃ تقسیم کی جائے۔ یہ اجتہادی تجویز بھی اصل دوم یعنی "الاقرّب فالاقرب" کے قاعدہ کلیہ پر ہاتھ صاف کر دیتی ہے۔ لفظ اولاد عربی لغت اور محاورہ میں حقیقتہً بلا واسطہ اولاد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ کبھی تو سٹا اولاد کی اولاد پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ میں لفظ ولد عام ہے (روح المعانی) يُوَصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ میں لفظ اولاد کو عام لینا نہ اصولی طور پر مقول ہے کہ قریبے بعید کو یکساں حصہ ملے اور نہ ہی عہد رسالت اور خلفائے راشدین و تابعین کہیں ایسا مل ہوا اور نہ پوری امت محمدیہ میں کوئی اس کا قائل ہے۔ آپ جب یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ والد کی موجودگی میں پوتا اپنے دادا کا وارث نہیں ہے کیونکہ اقرب الی المیت اس پوتے کا والد ہے لہذا وہی اصل وارث ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ پوتے کو ولد کے وسیع مفہوم میں داخل کرنا مجاز ہے اور حقیقت کی موجودگی میں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جانا۔ اگر ولد کے مفہوم میں پوتا حقیقتہً داخل ہے تو باپ کی موجودگی میں بھی پوتے کو ضرور حصہ ملنا چاہئے۔

**صورت چہارم** ذوی الفروض کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی قرب و بعد کا لحاظ رکھتے ہوئے بیٹے کو زیادہ حصہ دیا جائے اور پوتے کو کم۔ یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے۔ اصل دوم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عصبیات میں جب نقصان ممکن نہیں بلکہ ان کا حصہ معین ہونے کی وجہ سے انہیں "الاقرّب فالاقرب" کا قانون جاری کئے کی صرف یہ صورت ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید یا کل محروم رہے۔ اگر آپ بلحاظ قرب و بعد کے بیٹے اور پوتے کو کم و بیش حصہ دینا چاہتے ہیں تو اس کی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنی طرف سے کوئی معیار مقرر کر لیا جائے مثلاً بیٹے کو ۲/۳ اور پوتے کو ۱/۳ دیا جائے تو کیا یہ قرآن پر زیادتی نہ ہوگی؟ کیا نشہ اجتہاد میں عصبیات کے متعلق "لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثٰیٰ" میں بیان کردہ غیر معین حصص کو معین کرنے اور قرآن کے اہل قانون کی مخالفت کرنے کی گنجائش ہے؟ پھر ہم یتیم پوتے کو ظلم سے بچانے کے مدعیوں سے پوچھتے ہیں کہ بعید کو اگر قریب کے حصہ میں شریک کر دیا جائے تو کیا اس میں قریب پر ظلم نہیں کہ یتیم پوتے کو تو حصہ دیا گیا مگر



زندہ بیٹے کی اولاد کو محروم کر دیا گیا جو درجہ میں یتیم پوتے کے مساوی ہے اور ان کے باپ کو جو کچھ ملا ہے وہ حقیقت میں ان کو نہیں ملا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ آئندہ بھی وہ ان کو نہ ملے اور ملا بھی نہ لے والد کے ترکہ کی حیثیت سے ملے گا جس سے یتیم پوتا بھی محروم نہیں۔ الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر قانون شرعی میں یتیم کرنا بہت سے لوگوں پر بے رحمی کا سبب بنے گا اور سب سے بڑا ظلم اپنے نفس پر ہوگا کہ حکم الحاکمین اور اس کے رسول میں صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹل قانون میں دست اندازی کرتے ہیں۔

**صورت پنجم۔** نظریہ قائم مقامی یعنی جو تعلق بالواسطہ ہونے کی وجہ سے مرتبہ ثانی پر ہوتا ہے وہ واسطہ کے بیچ میں سے ہٹ جانے پر مرتبہ اول پر آ جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فقہاء متقدمین نے خود قائم مقامی کا نظریہ اختیار کیا ہے جیسے حضرت ابو بکر و ابن عباس کے قول "لجد اب" کے تحت باپ کا حصہ داد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جب باپ کی خالی جگہ کو داد ادا کر سکتا ہے تو بیٹے کی خالی جگہ کو پوتا کیوں پر نہیں کر سکتا۔ یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے اور پوتے کو دادا پر قیاس کرنا باطل ہے۔ چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام کر کے چچا کے برابر کر دینے سے "الا قرب فال اقرب" کا قانون ٹوٹ جاتا ہے اور دادا کو باپ کے قائم مقام کرنا اس قانون کے مطابق ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کے بیٹے متعدد ہو سکتے ہیں۔ مگر باپ متعدد نہیں ہو سکتے تاکہ یہ سوال پیدا ہو تاکہ متعدد باپوں میں سے ایک باپ کے مرنے پر اس کا باپ اس کا قائم مقام ہو کر دوسرے باپوں کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ "الا قرب فال اقرب" کے قانون کا حاصل یہ ہے کہ درجہ اول میں سے جب تک کوئی فرد بھی موجود ہو درجہ دوم کا کوئی شخص بھی وارث نہ ہوگا۔ درجہ اول میں سے اگر کوئی موجود نہیں تو درجہ دوم کے افراد درجہ اول کے قائم مقام ہوں گے۔ یہی قانون اصول اور فروع میں دونوں طرف جاری ہوتا ہے۔ لہذا جب تک کوئی بیٹا موجود ہوگا پوتا وارث نہ ہو سکے گا۔ چچا چچا اول میں بھی جب دادی فوت ہوگئی ہو اور اس کی ماں زندہ ہو اور نانی بھی موجود ہو تو دادی کی ماں کو دادی کے قائم مقام کر کے نانی کے ساتھ سدس میں شریک نہیں کیا جاتا اور باپ چونکہ ایک ہی ہو سکتا ہے اس لئے اس کی عدم موجودگی میں درجہ اول خالی ہونے کی وجہ سے درجہ دوم میں سے دادا کو اس کا قائم مقام کر کے میراث دلائی جاتی ہے۔ غرضیکہ باپ کے مرنے پر دادا کو اس کا قائم مقام اس لئے کیا جاتا ہے کہ درجہ اول خالی ہے اور چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ درجہ اول خالی نہیں بلکہ اس میں چچا (میت کا بیٹا) موجود ہے۔ اگر چچا نہ ہو تو پوتا بھی بیٹے کا قائم مقام ہوگا۔ منکرین حدیث نے یہ عجیب ضابطہ ایجاد کیا ہے کہ وہ بعد وارث جو میت کی طرف بالواسطہ منسوب ہو، واسطہ کے فوت ہو جانے پر اصل واسطہ کے قائم مقام ہو کر میت کا اقرب بن جاتا ہے ع بریں عقل و دانش بیاید گریست



تمام اہل عقل کے نزدیک جس رشتہ دار کی قرابت میت سے بلا واسطہ ہو وہ اقرب کہلاتا ہے اور جس کا تعلق کسی واسطہ سے ہو وہ ابعد۔ خواہ یہ واسطہ زندہ ہو یا مردہ۔ کیونکہ واسطہ کی زندگی اور موت کا رشتہ کی نوعیت اور اس کے قرب بعد سے کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص میت سے قرابت بالواسطہ رکھنے کی وجہ سے ابعد ہے وہ جس طرح واسطہ کی زندگی میں ابعد ہے اسی طرح واسطہ کے مرجعہ کے بعد بھی ابعد ہی رہتا ہے۔ اس کے رشتہ و قرابت کی نوعیت نہیں بدل جاتی وہ اب بھی ابعد ہی ہے۔ ہاں قرب کے موجود نہ ہونے پر ابعد ہونے کے باوجود اس کو وارث تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ چپاکی موجودگی میں پوتے کو یتیم ہونے کے باعث میراث دلاتے ہیں۔ پس جب پوتے کو یتیم کہا جاتا ہے تو یہ عوی باطل ہو گیا کہ بیٹے کے مرنے پر وہ یتیم بیٹے کے قائم مقام ہو گیا اور اسے ابن ہونے کا درجہ مل گیا۔ جب پوتے کو بیٹا سمجھا جاتا ہے تو اسے یتیم کیوں کہتے ہیں؟ غرضیکہ اہل عقل کا اجماع ہے کہ واسطہ مرجعہ سے ابعد اقرب نہیں ہوتا۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سہ س اور باقی ہمیشہ کو دیا جائے (بخاری ص ۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی برابر نہیں۔ اس حدیث سے پوتے کی وراثت پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ جب بیٹی کی موجودگی میں پوتی وارث ہے تو بیٹے کی موجودگی میں پوتہ کیوں نہ وارث ہوگا؟ یہ قیاس چنڈ و بڈہ سے باطل ہے۔

① — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو  $\frac{1}{4}$  اور پوتی کو  $\frac{1}{4}$  حصہ لایا اور آپ بیٹے اور پوتے کو برابر رکھتے ہیں۔

② — اگر بیٹے کو بیٹی پر قیاس کیا جائے تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی موجودگی میں بہن کو بھی وارث بنایا اسی طرح آپ کو چاہئے کہ بیٹے کی موجودگی میں بھی بہن کو محروم نہ کریں۔

③ — مؤنت اولاد کا کل حصہ  $\frac{1}{2}$  ہے۔ ایک بیٹی چونکہ  $\frac{1}{4}$  کی مستحق ہے لہذا باقی  $\frac{1}{4}$  پوتی کو مل جا ہے تاکہ  $\frac{1}{2}$  حصہ پورا ہو جائے۔ جب زیادہ بیٹیاں ہوں تو چونکہ کل  $\frac{1}{2}$  ان میں تقسیم ہو جاتا ہے اس لئے پوتی محروم رہ جاتی ہے۔ بیٹا چونکہ کل مال کا مستحق ہے اس لئے اس سے کچھ بچتا ہی نہیں تاکہ باقی پوتے کو دیا جائے۔

④ — ایک بیٹا دو بیٹیوں کی بجائے ہے۔ پس جب دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں ہوتی حالانکہ بیٹیاں کل مال کی مستحق نہیں تو بیٹا جو کل مال کا مستحق ہے بطریق اولیٰ پوتے کو محروم کر دے گا۔

⑤ — بیٹی اور پوتی ذوی الفروض میں سے ہیں اس لئے ان میں حج نقصان جاری ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور پوتہ عصبائے میں سے ہیں۔ ان میں "الاقرب فالاقرب" کا قانون صرف حج حرمان کی صورت ہی میں جاری ہوتا ہے۔ حج نقصان ممکن نہیں۔



**صورتِ ششم**۔ منکرینِ حدیث کے نظریہ قائم مقامی کا وہ دوسرا تصور اختیار کیا جائے جو مندور واجی قانون سے مأخوذ ہے اور جو اخباری بحثوں میں زیادہ تر پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز جس پر محمد اقبال جیمہ کا ترمیمی مسودہ قانون مبنی ہے جو انہوں نے پنجاب اسمبلی میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ تصور کہ یتیم پوتا اگرچہ بذات خود وارث نہیں ہے لیکن وہ اپنے باپ کا حصہ دادا سے لینے کا حق دار ہے۔ یہ صورت اصل سوم اور اصل چہارم سے ٹکراتی ہے۔ یعنی اس تصور کو قبول کرنے کیلئے ہمیں شریعت کا یہ بنیادی اصول ختم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کے مال پر کسی کا حق میراث نہیں لگ سکتا اور یہ اصول بھی ختم کرنا ہوگا کہ تقسیمِ ترکہ کے وقت زندہ وارثوں کے ساتھ کسی مردہ وارث کو مستحق نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر ان دو اصولوں سے آزاد رہ کر قانون سازی کی جائے تو صرف پچھلے کیلئے ہی اس کے مردہ باپ کو زندہ نہ رکھنا ہوگا بلکہ ہر ترکہ تقسیم کرتے وقت جملہ ممکن وارثوں کو زندہ فرض کرنا پڑیگا اور اس طریق سے جو رشتہ دار بھی فوت ہو گیا ہو ہر ایک کو حصہ دینا ہوگا۔ قرآن اور حدیث و اجماع اور عقل سلیم کے خلاف اگر اس اجتہاد کو زیرِ عمل لایا جائے تو تقسیمِ ترکہ ممکن ہی نہیں۔ جملہ وارثوں پر تقسیم کرنا تو درکنار صرف دو رشتہ داروں کا مال آپس میں تقسیم قیامت تک تقسیم نہ ہو سکے گا۔ فرض کیجئے کہ زید کا بیٹا بکر جو صاحبِ اولاد ہے زید سے پہلے فوت ہو گیا۔ اس لئے بکر کے مال سے ۱/۴ زید کو دیا گیا۔ پھر زید فوت ہوا تو یہی مال اس کے مردہ بیٹے بکر کو ملے گا۔ پھر بکر کا ترکہ تقسیم کرتے وقت اس سے ۱/۴ بکر کے مردہ باپ زید کو دیا جائیگا اور زید سے پھر مردہ بیٹے بکر کو اسی طرح اوپر سے نیچے کو اور نیچے سے اوپر کو، یہ تسلسل ختم ہی نہ ہوگا اور مال تقسیم ہوتے ہوتے اجزائے لاتجزی اور ایٹموں تک پہنچ جائے گا۔ آخر یہ دور ایٹم کے کرشموں کا دور ہے پھر تو تمام دنیا میں اس اجتہاد کے ڈنکے بج جائیں گے۔ اسلامی قانون کی بڑی قدر قیمت ہوگی اور ملاؤں کی حماقتوں کی اصلاح کرنے والے مسٹروں کے دماغوں کو سونے میں تو لا جائے گا۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق جو بھی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں سب کی سب نظامِ اسلامی کے کلیات کے خلاف ہیں۔ اور قرآن، حدیث، اجماع اور عقل سے ثابت شدہ قطعی اصول کے ڈھانچے کو پاش پاش کر دیتی ہیں۔ لہذا ان صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار کرنا نظامِ اسلامی کو یکسر ٹھکرا دینا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پونے چودہ سو سال اسلامی تاریخ میں کوئی ایک جزئی بھی منکرینِ حدیث اپنے نظریہ کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے حالانکہ اس مدتِ مدید میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صورتیں اس قسم کی علمائے مجتہدین کے سامنے آئی ہوں گی اس کے برعکس بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے وارث نہ ہونے پر بالاختصار ذیل کے دلائل رکھے جاتے ہیں۔

① — عقل اور فہم ان کریم کی متعدد آیات سے ثابت شدہ قانون ”الاقرب فالاقرب“



جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

② — الحقوا الفرائض باهلها فما بقى فهو لاولی رجل ذکر (بخاری و مسلم)

③ — عن علی مرفوعاً الرجل یرث اخاه لامته وابیه دون اخیه لابیہ۔ رواہ الترمذی وابن ماجه والدارمی (مشکوۃ) جب سگے بھائی کی موجودگی میں علی وارث نہیں تو بیٹی یا بطریق اولی وارث نہ ہوگا حالانکہ منکرین حدیث اس پر بھی مصر ہیں۔

④ — قال زید ولد الابناء بمنزلة الولدان لم یکن دونهم ولد ذکرهم کذا ذکرهم وانشاهم کانشاهم یرثون کما یرثون ویحبون کما یحبون ولا یرث ولد الابن مع الابن (بخاری) یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے جو اعلم بالفرائض ہیں (طبقات ابن سعد مسند احمد) اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتبِ وحی اور عہدِ صدیقی میں جامع القرآن و عہد عثمان میں ناسخ مصحف ہیں (بخاری)

چودھویں صدی کے مجددین نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ یعنی "لا یرث ولد الابن مع الابن" میں ولد الابن سے صرف وہ پوتا مراد ہے جس کا باپ زندہ ہو اور اس پر اصول فقہ کی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ الابن جو معرفہ کی صورت میں مکرر لایا گیا ہے حسب اصول حنفیہ اس سے عین اول مراد ہے۔ مگر انہیں کیا خبر کہ فقہاء نے اسے قاعدہ کلیہ قرار نہیں دیا۔ پھر تعجب یہ کہ حسب اصول فقہ پر استہزار اور تمسخر کرنے کے لئے یہ نیا اسلام طلوع ہو رہا ہے اسی سے استدلال بھی کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بیانیاتی حیثیت انگیز ہے کہ صرف "لا یرث ولد الابن مع الابن" کا لفظ لے کر تاویل کر رہے ہیں حالانکہ اس کے شروع میں "اذا لم یکن دونہم ولد" میں ولد نکرہ آیا ہوا ہے۔ اور پھر بخاری کا ترجمہ الباب بھی عام ہے اور ماقبل میں مرفوع حدیث بھی عام ہے۔ یہ لوگ گویا مطمئن تھے کہ کون زحمت گوارا کر کے بخاری اٹھا سکا اور ان کی چوری اور بددیانتی ظاہر کرے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اگر یہی مراد ہوتی جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کے لئے سیدھی عبارت یوں ہوتی "لا یرث الابن مع ابیه"۔

⑤ — عینی شرح بخاری اور موطا میں ابن کی موجودگی میں ابن بن کے محروم رہنے پر اجماع منقول ہے، موطا کی عبارت یہ ہے الامر للجمع علیہ عندنا (الی قولہ) فان اجتمع الولد للصلب وولد الابن فکان فی الولد للصلب ذکر فانه لامیراث معه لاحد من ولد الابن فان لم یکن فی الولد للصلب ذکر وکانتا اثنتین فالکثر من ذلك من البنات للصلب فانه لامیراث لبنات الابن معهن الا ان یکون مع بنات الابن ذکر الخ (موطاً مالک)



⑥ — لِّلَّذِیْ کَرِهَ مِثْلَ حَظِّ الْأُنثَیَّیْنِ اور ”اِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ“ سے صاف ظاہر ہے کہ میت کی جب صرف ایک لڑکی ہو تو وہ صرف نصف کی حقدار ہوگی اور اگر اس کے ساتھ پوتنا بھی ہو تو باقی نصف وہ لے جائے گا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ رکھا ہے اور تنہا لڑکی کے لئے آدھا رکھا تو تنہا لڑکے کے لئے آدھے کا دوگنا ہونا چاہئے جو مکمل ہے، جب تنہا بیٹا کل مال کا مستحق ہو گیا تو پوتے پوتیاں محروم رہیں گے۔

⑤ — حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سہواں درمہ شہ کو باقی بیگا (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی مساوات نہیں۔ اس حدیث سے منکرین حیثیت کے استدلال کا جواب گزر چکا ہے۔

کبھی یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ آخر یتیم پوتے کے لئے صورت معاش کیا ہوگی۔ اس کا جواب اور معاش کی صورتوں کی تفصیل صورت اول کے تحت گزر چکی ہے۔ اگر کہا جائے کہ بیت المال آج کل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا گزارہ مشکل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا حل یہ نہیں ہو سکتا کہ رہے رہے اسلامی قوانین کو بھی ختم کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ایسی ترمیمیں پیش کرنے کی بجائے ان قوانین شریعیہ کو نافذ کروائیں جن کے ذریعہ یتیموں اور غریبوں کی کفالت ہو سکے اور پنجاب قانون ساز اسمبلی کو بھی ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اس قانون شریعت میں جو باجماع امت ثابت ہے ترمیم کا خطرناک اقدام ہرگز نہ کرے۔ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث وغیرہ سب متفق ہیں اس میں اختلاف کرنے والے صرف ایسے چند لوگ ہیں جو قرآن کو تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کر کے اپنی اہوا کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ کوئی تعداد ہے اور نہ ہی کوئی علمی یا عملی حیثیت رکھتے ہیں حکومت کی طرف سے اس قسم کا خطرناک اقدام اس کی اسلامی حیثیت کے منافی ہے۔

## اصول وراثت پر منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: قرآن نے وصیت کا پورا پورا حق دیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا کہ وصیت صرف ۱/۴ حصہ مال میں ہو سکتی ہے۔ اللہ نے وصیت کے حکم میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وصیت صرف ۱/۴ حصہ میں ہو سکتی ہے لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ نہیں تم وصیت صرف ۱/۴ حصہ تک کر سکتے ہو۔ یعنی (معاذ اللہ) خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی کہ وصیت ۱/۴ حصہ میں کی جاسکتی۔ وہ اس کے لئے بھی روایات کا محتاج ہو گیا۔ یہ ہے ملا کا



روایاتی مذہب اطلوع اسلام جون ۵۲ء ص ۱

**جواب:** وصیت کا حکم کل مال میں جاری نہ ہونے کو روایاتی مذہب قرار دینا یا ملا کا ڈھکوسلا کہنا محض حق ہے لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ میں صاف ارشاد ہوا اور نہایت تاکید کی گئی ہے کہ میت ترکہ میں بہر حال وارثوں کا حق ثابت ہے جس سے ظاہر ہے کہ کل مال کی وصیت ہرگز نافذ نہ ہوگی۔ اور پھر وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا میں بھی کل مال کی وصیت سے صراحتہً منع کیا گیا ہے۔ کَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتَ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ میں لفظ بالمعروف سے معلوم ہوا کہ کل مال کی وصیت جائز نہیں۔ تعجب ہے کہ قرآن دانی کے مدعیوں کی آنکھیں ان آیات سے چندھیا جاتی ہیں جو ان کے اوہام کے خلاف ہوں۔ احادیث میں ۱/۳ حصہ کی تفریح موجود ہے، ملاحظہ ہو۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرضت بمكة مرضًا اشفيت منه على الموت فاتاني النبي صلى الله عليه وسلم يعود فقالت يا رسول الله ان لي مالًا كثيرًا وليس يرثني الا ابنتي افا تصدق بثلاثي مالي فقال لا، قال فالشطر قال لا قلت فالثالث قال الثلث كثير انك ان تركت ولدك اغنياء خیر من ان تتركهم عالة يتكففون الناس وانك لن تنفق نفقة الا اجرمت عليها حتى اللقمة ترفعها الى في امرأتك الخ (بخاری)

وصیت کا ۱/۳ حصہ میں منحصر ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے (احکام القرآن للجصاص ص ۲ ج ۲) اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ (نوی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹) حدیث مذکور سے ذیل کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

- ① ۱/۳ سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔
- ② مستحب یہ ہے کہ ۱/۳ سے بھی کم کی وصیت کی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث کو کثیر قرار دیا ہے۔

- ③ جب مال کم ہو اور ورثہ بھی محتاج ہیں تو افضل یہ ہے کہ بالکل وصیت نہ کرے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انک ان تدع ورثتک اغنياء خیر من ان تتركهم عالة يتكففون الناس۔
- ④ جب کوئی وارث نہ ہو تو جمیع مال کی وصیت درست ہے۔ کیونکہ زیادہ کی وصیت صرف ورثہ کے



حق کی وجہ سے نابارتر ہے۔

⑤ صدقہ فی مرض الموت بھی وصیت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت سعد کا سوال صدقہ کے بارہ میں تھا۔ بعض روایات میں وصیت کا لفظ ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ پہلے وصیت بجمع المال کی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو کل مال کے تصدق کا ارادہ ظاہر کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بھی بجمع وصیت ہے۔ معلّم الكتاب والحکمة صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ثابت بالتواتر سے انحراف کرنا اور اجماع امت کو ٹھکرانا اور قرآن کریم میں اپنی اہوار کے مطابق تحریف کرنا منکرین حدیث کے مبارک اسلام کا طلوع ہے اسی لئے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ان کا اختلاف مسلمانوں سے اصولی اختلاف ہے۔ جب تک یہ لوگ اسلام کے اصول کو قبول نہیں کرتے اس وقت تک ان سے کسی جزئی مسئلہ پر بحث کرنا فضول ہے۔

**دوسرا اعتراض۔** اور سب بڑی افسوس ناک صورت یہ کہ اس قانون کی رو سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذ اللہ خدا چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں جانتا اس اصول کو ایک سچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے تو تمام حصوں کی حاصل جمع ایک (۱) آنی چلتی ہے۔ اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدہ کی رو سے تقسیم غلط ہے مثلاً  $(\frac{1}{2} + \frac{1}{3} + \frac{1}{6} = 1)$  تقسیم درست ہے لیکن  $(\frac{1}{2} + \frac{1}{3} + \frac{1}{6} = \frac{2}{3})$  تقسیم غلط ہے کیوں کہ ان حصوں کا مجموعہ ایک نہیں بلکہ  $(\frac{2}{3})$  ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۷ء ص ۲۳)

**جواب۔** منکرین حدیث کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حدیث کے علم اور ان پر عمل سے تو محروم رکھا ہی ہے مگر اب ظاہر ہوا کہ انکار حدیث اور رسول شنی جیسے جرم کا نتیجہ یہ ہے کہ حساب کے ابتدائی قواعد سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ حساب کی تفصیل میں کئی جگہ ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ سہام کا مجموعہ مخرج سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر سہام کو اندازہ کے مطابق گھٹا کر مخرج کامل کرنے کے لئے اہل حساب نے مختلف قوانین اور طریقے لکھے ہیں۔ اگر حساب میں ایسی صورتیں ممکن نہیں یا وقوع میں نہیں آتیں تو ان قواعد اور طرق کے وضع کرنے کی کیا حاجت تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ تفصیلی اور جزئی صورتوں میں سختی کی کمی یا بیشی کی وجہ سے اگر سہام میں کچھ فرق پڑ جائے تو اس کی وجہ سے سہام کے کلیات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ ذرا غور کیجئے اگر میت پر ایک شخص کا ہزار روپے قرض ہو اور دوسرے کا پچاس روپیہ یا میت نے ایک شخص کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی ہو اور دوسرے کے لئے پچاس کی حالانکہ میت کا کل ترکہ صرف ہزار روپے ہو تو ان صورتوں میں آپ طریق مول کے سوا کوئی دوسرا طریق اختیار کر سکتے ہیں؟ نیز رد کی صورتوں میں بھی (نحوذ باللہ) آپ اللہ تعالیٰ پر جہالت



کا حکم لگا دیں گے مثلاً لڑکی کا حصہ قرآن مجید میں  $\frac{1}{2}$  ہے اور ماں کا  $\frac{1}{4}$  مگر جب کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ واہ خدا نے تقسیم ترکہ کا خوب طریقہ ایجاد کیا اور یہی غلطی کی کہ چوتھی جماعت والے بچے بھی اسے جانتے ہیں۔ یعنی کسور کی جمع پوری ایک نہیں ( $\frac{1}{2} = \frac{1}{4} + \frac{1}{4}$ ) یہ تقسیم غلط ہے اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو زیادہ تعجب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کل ترکہ کو یوں تقسیم کرے ہے کہ لڑکی کو  $\frac{1}{2}$  دید و اور بس۔ معاذ اللہ خدا نے کل چیزیں صرف ایک کسر ( $\frac{1}{2}$ ) سمجھی ہے گویا خدا کے ہاں ( $\frac{1}{2}$ ) اور (۱) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسکول کی ابتدائی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قصہ کا ایک واقعہ درج ہے کہ تین شخصوں نے تقسیم کا مطالبہ کیا جو کہ سترہ اونٹوں میں اس طرح شریک تھے کہ ایک کا  $\frac{1}{2}$  دوسرے کا  $\frac{1}{3}$  تیسرے کا  $\frac{1}{6}$  حضرت علی نے ایک اونٹ بیت المال میں سے ملا کر اٹھارہ اونٹوں میں سے  $\frac{1}{2}$  والے کو ۹ اور  $\frac{1}{3}$  والے کو ۶ اور  $\frac{1}{6}$  والے کو ۲ دے دیے۔ اس طرح پورے اونٹ تقسیم ہو گئے اور اٹھارہ اونٹ بیت المال میں واپس کر دیا۔ ہر شریک کو اونٹ بھی پورے بلا کسر مل گئے اور ہر ایک کو حصہ بھی زیادہ مل گیا۔ پھر بیت المال کا اونٹ بھی بچ گیا۔ اسکول کے بچے اس مسئلے کی اصل حقیقت اور طریق تخریج سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس کی حقیقت ہی اس ظاہری صورت کو سمجھتے ہیں جو سادہ لوح لوگوں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔ خیال ہے کہ پروریز (خاک بدینش) بھی معاذ اللہ خدا کو جہالت سے بچانے کے لئے ایسے مواقع پر یہی صورت اور حیل اختیار کرتا ہوگا۔ حالانکہ اسے کیا معلوم کہ اس مسئلہ کی ظاہری صورت بدل دینے کے بعد بھی حقیقت وہی ہے جو رد اور غول کی۔

یہ مترآن دانی کے مدعی اگر ذرا قرآن ہی میں غور کر لیتے تو یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا مگر انہیں کیا معلوم کہ یہ غول کا طریقہ خود مترآن میں بھی موجود ہے۔ یعنی لڑکی جب کیسی ہو تو اس کا حصہ  $\frac{1}{2}$  ہے اور لڑکا اکیلا ہو تو کل مال کا مستحق ہے۔ مگر دونوں جمع ہو جائیں تو لڑکی کو  $\frac{1}{2}$  اور لڑکے کو  $\frac{1}{2}$  لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ملے گا کیا فقہاء کا اختیار کردہ طریق غول اس کے سوا کوئی دوسری نوعیت رکھتا ہے ؟

پھر ہم پوچھتے ہیں اگر طریق غول زیر عمل نہ لایا جائے تو لامحالہ بعض وارثوں کو بالکل محروم کرنا پڑے گا کیا یہ ان پر ظلم نہ ہوگا ؟ اور سب سے بڑا ظلم تو اپنے نفس پر ہوگا کہ جن وارثوں کو اللہ تعالیٰ نے محروم قرار نہیں دیا بلکہ نصوص قطعیہ سے ان کے سہام متعین ہیں ان کو صرف اپنے خیال سے محروم کر دیا گیا۔ یہ لوگ عینی بھائیوں کی وراثت کے بارے میں حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں اور غول سے متعلق حضرت عمر کے فیصلہ کو ٹھکرا دیتے ہیں شاید کہ مسئلہ غول میں منکرین حدیث کا مطمح نظر ابن عباس کا قول ہے۔ ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ ایسی صورتوں میں غول سے بچنے کے لئے ان ذوی الفروض کو محروم کر دیتے تھے



جو کسی وقت عصیہ بالغیر یا مع الخیر ہو جاتے ہیں۔ جو ذوی الفروض کسی حالت میں بھی عصیہ نہیں ہوتے انہیں مقدم سمجھتے تھے۔ اگر واقعی ان لوگوں کے خیال کی بنیاد اسی پر ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ عول کی صورت میں اخت خیفیہ کی موجودگی میں اخت عینیہ محروم رہے مگر یہ لوگ اس کے برعکس بنو الاعیان کو محرومی سے بچانے کے لئے بار بار حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کی چول نہ اس طرف لگتی ہے نہ اس طرف منکرین جہنم کے ہاں اگرچہ اخت خیفیہ اور عینیہ میں کوئی فرق نہیں۔ اخت خیفیہ بھی اخت خیفی کے ساتھ عصیہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی ان کا وہم محض اور جہالت ہے جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔ عول کے بارے میں ابن عباس کا مذہب تہران کے خلاف ہے۔ نیز اس سے پہلے حضرت عباس کی تحریک سے حضرت عمر کے سامنے عول پر صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ اس لئے امت میں سے کسی نے بھی ابن عباس کا قول قبول نہیں کیا۔

**تیسرا اعتراض:** قرآن نے کہا ہے کہ تمہارے اقرب جو چھوڑ کر مریں اس کی تقسیم یوں ہوگی یعنی دیکھنا یہ ہوگا کہ مرنے والا اپنے زندہ رشتہ داروں میں سے کس کس کا اقرب ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ زندہ رشتہ داروں میں سے جو میت کا سب سے قریبی ہو اس کو حصہ ملے گا۔

( طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء ص ۲۵ )

**جواب :-** اس انوکھی تحقیق سے منکرین حدیث کو کچھ فائدہ تو کیا پہنچ سکتا تھا بلکہ الٹا بہت سی مصیبتیں ان کے لئے بلائے جان بن گئی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے پھوپھی اور بھتیجا وارث چھوڑے تو چاہئے کہ پھوپھی کل مال کی مستحق ہو اور بھتیجا محروم رہ جائے۔ کیونکہ میت پھوپھی کا بھتیجا ہے اور بھتیجے کا چچا۔ اس لئے میت پھوپھی کا اقرب ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں میت کا بیٹا محروم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ میت کا اپنے باپ سے بنوت کا تعلق ہے اور بیٹے سے ابوت کا اور بنوت کا رشتہ زیادہ قریب ہے غرضیکہ یہ اجتہاد خود مجتہد کے لئے باعث ننگ ثابت ہوا ہے چنانچہ جب پرنسپل پر یہ اعتراض کیا گیا تو جواب دیا کہ اس کا جواب حافظ اسلم جیراج پوری سے طلب کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص اجتہاد کرے اور جواب دوسرے سے طلب کیا جائے۔

اب بھلا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں  
لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

اب پرویز حسرت سے کہہ رہا ہوگا، ع

جواب معلوم ہے کاش ان دنوں معلوم ہو جاتا

اور پھر جب حافظ اسلم جیراج پوری سے یہ سوال کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ باپ اور بیٹے کی وراثت کے متعلق جو بات آپ نے لکھی ہے اور قیاس لگایا ہے اس کی کیا ضرورت پڑی۔ آگے کی آیت یٰٰرِضِیْکُمُ اللّٰہُ



ہیں اللہ نے ماں باپ اور بیٹا بیٹی کی وراثت مفصل بیان کر دی ہے اس کو کیوں نہیں دیکھتے اور غلط قیاس کیوں بیچ میں لاتے ہیں۔

لیجئے اب تو چیلے کے اجتہاد کو خود گروہی نے خاک میں ملا دیا ع  
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حقیقت یہ ہے کہ ترك الوالدان والاقربون میں اقرب یعنی قریب سے اس سے فقہاء نے الاقرب فالاقرب کا قانون اس طرح استنباط کیا ہے کہ قرآن نے وراثت کا مدار قرابت پر رکھا ہے پس جس مستحق میں یہ سبب وراثت قوی ہوگا اور جو وارث زیادہ قریب ہوگا وہ مقدم ہوگا عقل کا بھی یہی مقتضی ہے۔ یہ قرب و بعد میت کی طرف سے نہیں بلکہ مستحقین کی طرف سے ملحوظ ہوگا۔ کیونکہ اس سے کچھ بحث نہیں کر دینے والا یا مال چھوڑنے والا کون ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ لینے والے یا مستحقین کون کون ہیں۔ خود متراکب مجید میں ترك الوالدان کا لفظ اس پر بین دلیل ہے کہ قرب و بعد وراثت کی طرف سے ملحوظ ہے نہ کہ مورث کی طرف سے والدین کو جملہ اقربین سے جدا گانہ ذکر کرتے سے اقرب ترین وارث (اولاد) کے استحقاق کی اہمیت مقصود ہے۔ علاوہ انہیں قرآن کریم میں جتنے بھی مفصل سہام مذکور ہیں ان میں غور کرنے سے ظاہر ہے کہ مورث کی طرف سے قرب و بعد کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ وراثت کے قرب و بعد پر سہام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

معلم الكتاب والحکمہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی "فما لقی فہو لا ولی رجل ذکر" کے ارشاد سے اس کی پوری وضاحت فرمادی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے اقربون کا ترجمہ قریب تر رشتہ دار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اقربون کا عطف للرجال کے محل پر ہو یا اقربون کا رفع والدان کے جوار کی وجہ سے ہو۔ "فما لقی للثعالبی قسم ثانی میں عطف علی اللفظ کی مستقل فصل ہے۔

چوتھا اعتراض۔ اگر یہ قاعدہ "الاقرب فالاقرب" اپنے ظاہری معنوں میں رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کرے تو وراثت کے بہت سے مسئلہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جائیں گے۔ اس کے بعد چند مثالیں پیش کر کے ان پر اعتراض کیا ہے۔  
(طلوع۔ جون ۱۹۵۲ء ص ۳۱)

جواب۔ اس اعتراض کا منشا یہ ہے کہ "الاقرب فالاقرب" کے قانون کو حجب حرمان میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ذوی الفروض میں اس قانون کے اجراء کی دو صورتیں ہیں۔  
(۱) اقرب کو بعد سے زیادہ حصہ ملے۔



(۲) اقرب کی وجہ سے بعد بالکل محروم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے قرب و بعد کے لحاظ سے ذوی الفروض کے حصے کم و بیش معین کرتے ہیں اور ان میں حجب حرمان کا اصول یہ ہے کہ واسطہ کی موجودگی میں ذی الواسطہ محروم ہوگا بشرطیکہ سبب وراثت متحد ہو یا واسطہ کل مال کا مستحق ہو۔ اس قاعدہ پر جو طلوع اسلام میں اعتراض کیا گیا ہے اور دو مثالیں پیش کی ہیں، وہ بین البطلان ہیں کیوں کہ بیٹی پوتی کے لئے اور حقیقی بہن علاقہ بہن کیلئے واسطہ نہیں۔ علاوہ ازیں پوتی اور علاقہ بہن کو صرف تکملۃً للثلاثین حصہ دیا گیا ہے۔

**پانچواں اعتراض۔** حجب حرمان کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں مادری بھائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہیں اس کی موجودگی میں محروم ہوں۔ لیکن نہیں ہوئے۔ دوسرا قاعدہ بھی یہی چاہتا تھا کہ ماں جو قریبی رشتہ دار ہے مادری بھائیوں کو محروم کر دے لیکن نہیں کر سکی۔

(طلوع جون ۱۹۵۲ء ص ۳)

**جواب۔** اعتراض ۱ کے جواب میں گذر چکا ہے کہ ذوی الفروض میں بعد کا محروم ہونا لازم نہیں۔ باقی یہ کہ بھائیوں کا حصہ ماں سے کیوں کم نہیں۔ اس کا جواب اصل دوم میں مفصل گذر چکا ہے اور یہاں واسطہ کی وجہ سے ذی واسطہ اس لئے محروم نہیں کہ سبب وراثت مختلف ہے اور واسطہ کل مال کا مستحق نہیں۔

**چھٹا اعتراض۔** تعجب پر تعجب ہے کہ ماں جو کمزور ہے وہ نودادی کو محروم کر دیتی ہے اور باپ جو قوی وارث ہے نانی کو نہیں محروم کر سکتا۔ (حوالہ بالا)

**جواب۔** واقعی جس چیز کی حکمت سمجھیں نہ آئے اس پر تعجب ہوتا ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دادی اور نانی کا استحقاق ہی اس لئے ہے کہ یہ حکماً ماں ہیں۔ پس حقیقی ماں کی موجودگی میں حکمی ماں محروم رہیگی اس سے نظریہ قائم مقامی کا شہمہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ دادی اور نانی ماں کی عدم موجودگی میں اپنے درجہ میں رہتی ہوئی باوجود بعید ہونے کے اپنی ذاتی قرابت کی وجہ سے وارث ہوتی ہے۔ باپ کا حصہ نانی کی طرف منتقل نہیں ہوتا اس لئے وہ نانی کو محروم نہیں کرتا۔ بلکہ صرف دادی کو محروم کرتا ہے اس لئے کہ باپ کا واسطہ ہے اور وہ کل مال کا مستحق ہے۔

**ساتواں اعتراض۔** دنیا میں کون شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ حقیقی بھائیوں کو محروم کر کے اخیانی بھائیوں کو حصہ دیدینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہیں ہوتے کسی معقول اصول وراثت پر مبنی ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس رشتہ سے اخیانی وارث بنائے گئے حقیقیوں میں اگر باپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جائے تو کم از کم



وہ رشتہ تو ضرور موجود ہے۔ پھر ان کو محروم کرنے کے کیا معنی۔ چنانچہ امام مرنی کی کتاب "المختصر" میں ہے کہ اس صورت میں حضرت عمر حقیقیوں کو محروم نہیں کرتے تھے (طلوع۔ جون ۱۳۲۵ء ص ۳۳، ۳۲)

**جواب۔** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بعید کا حرمان ضروری نہیں بلکہ بہ ضروری ہرگز قریب بعید کا حصہ کم ہو۔ چنانچہ اخت عینیہ و علیہ سے خفیہ کا ہم اقل ہے۔ عینی و علی بھائیوں کا درجہ بھی خفی بھائیوں سے قوت قرابت کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے ان کو بیٹے کی طرح عصبہ کیا گیا اور حقیقی وارث عصبہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حالات میں حقیقیوں کا حصہ خفیوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں خفی بھائی بنت کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ علی و عینی محروم نہیں ہوتے۔ غرضیکہ عینی بھائیوں کا درجہ اور استحقاق خفیوں سے بہت زیادہ ہے۔ پیش کردہ مثال میں بھی حقیقیوں کو محروم کہنا صحیح نہیں بلکہ شاذ و نادر ایک جزئی صورت میں ان کے لئے باقی کچھ نہیں بچا۔ کسی جزئی صورت میں بھی شاذ و نادر کوئی پیچیدگی پیدا ہو جانے سے قانون کلی کو توڑنا بہت بڑی حماقت ہے۔ باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال سواس کی علت بھی یہی ہے کہ عینی بھائی بھی ماں کے رشتہ میں شریک ہیں اس لئے ان کا حصہ خفی بھائیوں سے کم نہونا چاہئے۔ مگر حضرت عمر کا یہ قول خود انہی کی بیان کردہ علت کے خلاف ہے چنانچہ جب ایک خفی اور متعدد عینی بھائی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سدس خفی کو دلاتے تھے اور ایک سدس عینی بھائیوں پر تقسیم کرتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد جلد دوم ص ۳۴)

اس صورت میں حقیقیوں کا حصہ خفی سے بہت کم ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حضرت عمر کا خیال چونکہ اپنی ہی بیان کردہ دلیل کے خلاف ہے اس لئے امت نے بالاتفاق یہ خیال غیر قابل قبول سمجھ کر چھوڑ دیا۔ تعجب یہ ہے کہ منکرین حدیث اس صورت میں حقیقیوں کو حصہ دلانے کے لئے حضرت عمر کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر خفیوں اور حقیقیوں کے درمیان طریق تقسیم کے بارے میں حضرت عمر کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا اجتہاد ہر مسئلہ میں انوکھی ہی نوعیت رکھتا ہے۔

طلوع اسلام جون ۱۳۲۵ء ص ۳۳، ۳۲ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث خفی بھائیوں کو عصبہ قرار دیتے ہیں۔ اور سورہ نسا کے آخر میں کلامہ والی آیت کو عینی علی، خفی جملہ اقسام کے بھائی بہنوں کے لئے عام کہتے ہیں۔ اور آیت **وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ** کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں "لہ" کی ضمیر کا مرجع "کلالہ" ہے اور **لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا** میں تنبیہ کی ضمیر **رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ** کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کی طرف۔ یورث باب افعال سے ہے مجرد سے نہیں پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی مرد



کسی کلام کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بجا لیکہ اس کلام کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سہ ملے گا۔ اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعاً نہیں بیان کیا گیا بلکہ عہدہ رشتہ داروں کا ہے جو وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ — میں مذکور ہیں۔ بھائی اور بہن کا ذکر صرف اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح عہدہ رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں وارث ہو سکتے ہیں۔ اس دعویٰ کے اثبات کے لئے لکھتے ہیں کہ فقہاء اور مفتیین "لہ" کی واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امراۃ دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں جن میں امراۃ مؤنث حقیقی ہے وہ کبھی اس کا مرجع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس صورت میں لہما یا لكل واحد منھا ہونا چاہئے تھا۔ نیز اس آیت میں "لام" کا لفظ اور توریث کلام دالی آیت میں جو آخر سورہ میں ہے "لاپ و اقم" یا "لاپ" بڑھانے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

منکرین حدیث نشہ اجتہاد میں اس حد تک مست ہو گئے ہیں کہ قرآن کی صریح نصوص میں بھی تحریف کرنے لگے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ خفی بھائیوں کو عصبہ کہا جائے۔ عصبہ ہی شخص ہو سکتا ہے جو نسب میں شریک ہو اور نسب صرف باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے خفی بھائی ہرگز عصبہ نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں خفی بھائی اور بہنوں ہی کا حصہ معین کرنا مقصود ہے اور اس پر دلائل حسب ذیل ہیں۔

① خفیوں کا حصہ قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ قطعاً نہیں ہے۔ سورہ نساء کے آخر کی آیت میں بالاجماع صرف عینی اور علی کا بیان ہے۔ اس پر اجماع امت کے علاوہ یہ قرینہ بھی ہے کہ اس میں اخت اور اخ کے اجتماع کے وقت لِلَّذِیْكَرْمِثْلُ حَظِّ الْأُنثٰیٰیْنِ تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ خفی بھائی اور بہن عصبہ نہیں ہو سکتے۔

② اخت اور اخ کا حصہ  $\frac{1}{4}$  اور  $\frac{1}{8}$  بیان کیا گیا ہے اور اس کے ماقبل میں ماں کا حصہ بھی  $\frac{1}{4}$  اور  $\frac{1}{8}$  بیان ہو چکا ہے۔ اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ یہ حصہ مادری بھائی اور بہنوں کا ہے۔ ان قرآن کی وجہ سے اس جگہ "لام" اور دوسری آیت میں "لام واپ" کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا۔

③ حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابی بن کعب کی قرأت میں "لام" کا لفظ بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ انہوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفسیر کے سنا ہوگا۔ منکرین حدیث (معاذ اللہ) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ قرآن دانی کے مدعی ہیں (فعلیہم ما علیہم)

④ اس آیت میں خفیوں کا حصہ مذکور ہونے پر جملہ امت کا اجماع ہے۔

باقی رہا "لہ" کی ضمیر کا سوال سو اس کی چند وجوہ ہیں۔



① عرب کا قاعدہ ہے کہ جب دو اسم حکم میں متحد ہوں تو دونوں میں سے ایک کی طرف ضمیر کو کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ** میں ہے۔ قال الفراء اذا جاء حرفان بمعنى واحد جازا سناد التفسير الى ايهما اريد ويجوز اسناده اليهما ايضا (خازن)

② "لہ" کی ضمیر رجل اور امراة ہر ایک کی طرف ہے مگر مذکر کو غلبہ دیکر ضمیر مذکر لائی گئی ہے جیسا کہ **وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً** میں "كَانُوا" اور "إِخْوَةً" مذکر ہیں۔

③ ضمیر صرف رجل کی طرف ہے۔ عورت کا حکم بالفتح خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

④ ضمیر لفظ "احدہما" کی طرف ہے جو مذکر ہے اور حرف "او" سے مفہوم ہے۔

⑤ موروث منہ کی طرف راجع ہے۔

⑥ میت کی طرف ہے۔

⑦ اگر ضمیر "لہ" کو کلام کی طرف کہا جائے تو بھی مقصود کے خلاف نہیں۔

⑧ آپ نے ضمیر "لہ" کی اصلاح کے لئے تو ایت کی تحریف معنوی کر دی مگر یہ نہیں سوچا کہ اس تحریف کے بعد بھی آپ اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ آپ کی تحریف کے مطابق بھی "او" عاطفہ کی وجہ سے عبارت یوں ہو گئی **إِنْ كَانَ أَحْرَأَةً يُورَثُ** اس میں "كَانَ" اور "يُورَثُ" مذکر ہیں۔ آپ کی بیان کردہ تفسیر مندرجہ ذیل وجوہ سے محض تحریف اور باطل ہے۔

① یہاں عہدی رشتہ دار مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں۔

② "امراة" کا عامل "کان" اور ضمیر "یورث" مذکر ہے جو آپ کے خیال میں درست نہیں۔

③ حال ذوالحال کے عامل کے لئے قید ہوتا ہے۔ پس جملہ حالیہ **وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ** استحقاق سدس کے لئے قید ہوگا۔ آپ نے خود اس کا ترجمہ "بجالیہ" کیا ہے اور آپ کے مقصود کے خلاف ہے آپ کے نظریہ پر ان وصلیہ کے ساتھ **وَإِنْ كَانَ لَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ** ہونا چاہئے تھا۔

④ قرآن کریم میں اس آیت کے سیاق و سباق میں وارثوں کے لئے فعل مجرد سے صیغہ معلوم استعمال کیا گیا ہے **"وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ"** "وَهُوَ يَرِثُهَا" وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ "یورث" بھی مجرد سے صیغہ مجہول ہے اور رجل سے مراد موروث منہ ہے نہ کہ وارث۔

⑤ آپ کی تحریف پر لازم آتا ہے کہ خفیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہ ہو، یا خفی بھائی بھی حصہ ہوں اور یہ دونوں امور باطل ہیں۔

⑥ یہ تحریف حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہے جو سعد بن ابی وقاص اور ابی بن کعب



سے منقول ہے۔

⑤ یہ تحریف اجماع امت کے خلاف ہے۔ یہ قرأت صرف ابی بن کعب کی نہیں بلکہ ابن مسعود، سعد ابن ابی وقاص اور سعید بن ابی وقاص سے بھی منقول ہے (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳) و آخر ج غیر واحد عن سعید بن ابی وقاص (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰۷) ابی بن کعب کی قرأت میں معوذتین کا قرآن سے خارج ہونا محتاج نقل ہے، عبد اللہ بن مسعود کی طرف یہ نقل منسوب ہے جس کی تحقیق نے تردید کی ہے اور کہہ رہے کہ عبد اللہ ابن مسعود پر یہ بہتان ہے۔ ملاحظہ ہو المحلی لابن حزم کا شروع، شرح تہذیب للنووی، ابن ہمام کی کتاب التخریک کی شرح ج ۱ ص ۹۔ شفاء للقاضی عیاض الماکی کی شرح لملا علی القاری ج ۲ ص ۵۵۔ اگر بالفرض ابی بن کعب کی قرأت پر معوذتین قرآن سے خارج ہیں تو کیا کسی صحابی کا ایک قول غیر مقبول ہونے کی وجہ سے اس کا ہر قول رد کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ حضرت ابی بن کعب سید القراء ہیں۔ کمافی تقریب التہذیب، ایسے ہی بہتی ہیں بعض روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی جمیع روایات کو رد کر دینا کوئی معقول چیز نہیں خصوصاً جبکہ فتح الباری اور روح المعانی میں بھی دیگر صحابہ سے یہ قرأت منقول ہے اور اس پر اجماع بھی ہے۔

**آٹھواں اعتراض۔** اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلا واسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بلا واسطہ لیکن پوتے وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہ ہو جس طرح کہ میت کے مرنے کے وقت اگر اس کا باپ موجود نہیں ہے تو دادا بجائے باپ کے رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بیچ میں جو واسطہ تھا یعنی باپ جس کی وجہ سے دادا محبوب ہو جاتا تھا وہ نہیں ہے۔ لہذا دادا اس واسطہ کی عدم موجودگی سے خود اقرب ہو گیا۔ اور اب کوئی اقرب خواہ وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو دادا کو محبوب نہیں کر سکتا۔ (طلوع ج ۲ ص ۳۵)

**جواب۔** اس کا مفصل جواب اور پوری تحقیق صورت پنجم میں گذر چکی ہے۔

**نواں اعتراض۔** اگر عصبیات میں "اولیٰ رجل ذکر" آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہیں تو خود کیوں اس کو جا بجا توڑتے ہیں۔ مثلاً

اس مثال میں بیٹیاں ذوی الفروض ہیں ان کو ۲ ثلث دینے کے بعد	اس کو جا بجا توڑتے ہیں۔ مثلاً بیٹیاں بہن بھتیجا ۲ ۱ محروم
جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد مر	
ہے ملنا چاہئے تھا۔ لیکن وہ محروم کر دیا گیا اور بہن جو زن مادہ ہے	

بقیہ کی وارث ہو گئی (طلوع جون ۱۹۵۲ ص ۳۷)

**جواب۔** اس حدیث میں عصبہ بنفسہ کا حکم مذکور ہے کیونکہ حقیقی عصبہ صرف یہی ہیں "رجل ذکر" کی قید سے عمہ، بنت العم اور بنت الاخ وغیرہ کا اخراج مقصود ہے عصبہ بالخیر کا استحقاق قرآن مجید سے اور عصبہ مع الخیر کا حدیث "اجعلوا للاخوات مع البنات عصبہ" سے ثابت ہے۔ یہ حدیث آیت کلام کے خلاف



نہیں ہے۔ کیونکہ اخت کے صاحب فرض ہونے کے لئے میت کا کلام ہونا شرط ہے اور حدیث میں بنت کی موجودگی میں اخت کو صاحب فرض قرار نہیں دیا گیا۔

**دسوال اعتراض۔** یتیم اولاد کے محبوب کرنے میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ محبوب اولاد کے دلوں میں محرومی کی وجہ سے رنجش پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص فرشتہ تو نہیں ہے کہ مادی جذبات سے بالاتر ہو۔ انسان کی فطرت اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میرے ہی بزرگوں کی کمائی سے جن کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا ہے میرے چچا زاد بھائی تو عیش و عشرت کریں اور میں بلا کسی قصور کے اس سے بالکل محروم ہوں تو اس کو صبر نہیں آتا البتہ دوسری خرابی یہ ہے کہ جب لائق بیٹوں کو جو باپ کے خدمت گذار ہیں اور اس کی ملکیت کے انتظام و ترقی میں دن رات محنت اور کوشش کرتے ہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ اگر اتفاقاً وہ اپنے باپ سے پہلے مر گئے تو ان کی اولاد محبوب ہو جائے گی تو وہ باپ کی خدمت اور اس کے کاروبار سے پہلو نہی کرنے لگیں گے اور اپنی کمائی اور کوشش سے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے البتہ تیسری خرابی ایک مثال سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک دولت مند کے دو بیٹے ہیں جن میں سے ایک بیٹے کے چار بیٹے اور ایک کا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ اب اگر چار بیٹوں کا باپ خود اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائے تو اس کے چاروں بیٹے محبوب الارث کے قانون کی رو سے سمجھ لیں گے کہ جو کچھ خاندانی ملکیت ہے وہ دادا کے مرنے پر چچا کو اور پھر اس سے منتقل ہو کر چچا زاد بھائی کو ملے گی۔ ہم چاروں بھائی تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان میں سے اگر کوئی محرومی کے خیال سے غیظ و غضب میں آ کر اپنے بھائیوں کی خاطر بلا ان کے مشورہ کے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دادا کی زندگی میں چچا کو کسی حیلہ سے مار ڈالے تو بالکل قرین قیاس ہے البتہ۔

(طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء ص ۴)

**جواب۔** حقیقت تو یہ ہے کہ ابوار باطلہ اور نفس پرستی کے نشہ میں ہر محمود چیز محبوب اور ہر معیوب چیز محمود نظر کرنے لگتی ہے۔ چنانچہ مسلم صاحب نے نشہ اجتہاد میں اگر پوتے کو محبوب کرنے کی خرابیاں تو لکھ دیں۔ مگر اس کے عکس محبوب کرنے میں بعینہ یہی خرابیاں بلکہ ان سے بھی زیادہ مضر ہیں ہونے کے باوجود چشم کور سے مخفی ہیں۔ غور کیجئے کہ بھتیجے کو چچا کا مد مقابل اور رقیب بنا دینے سے چچا کے دل میں رنج پیدا نہ ہوگا؟ خصوصاً جب چچا کے متعدد لڑکے ہوں۔ فرض کیجئے کہ یتیم پوتا ایک ہے اور چچا کے پانچ لڑکے ہیں تو کل مال میں سے  $\frac{1}{4}$  صرف پوتے لے جائے گا اور چچا کے لڑکے فی الحال محروم ہیں اور ان کے والد کے مرنے پر بھی یقین نہیں کہ وہ ان کے لئے کچھ ملکیت چھوڑ جائے گا۔ پھر اگر ملا بھی تو وہ دادا کی ملکیت سے نہیں بلکہ ان کے والد کی ملکیت سے ملے گا اور وہ بھی اس قدر قلیل کہ یتیم پوتے سے پانچ گنا کم۔ کیا یہ چیز چچا اور چچا زاد بھائیوں سے عداوت اور



خاندانی بربادی کا باعث نہیں۔ اور جب چچا کو یقین ہو جائے گا کہ یتیم پوتے کو میرے لڑکوں سے پانچ گنا زیادہ حصہ ملے گا۔ بلکہ خود میرا رقیب بن جائے گا حالانکہ میرے لڑکے دادا کی وراثت سے بالکل محروم ہیں تو کیا اس صورت میں چچا اپنے باپ کے کاروبار اور اس کی خدمت سے پہلو ہٹ کر اپنے جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں نہ پڑ جائے گا؟ اور اگر چچا جتنے کو اپنا ہم درجہ اور مساوی شریک دیکھ کر اور اپنے لڑکوں سے مقدم فی الاستحقاق سمجھ کر غیظ میں آکر اسے قتل کر ڈالے یا چچا کے لڑکے "اس حصہ میں کہ ہم تو دادا کی میراث سے محروم ہیں اور یہ ہمارے باپ کا شریک ہو رہا ہے۔ پھر اگر کسی وقت میں ہماری طرف یہ ملکیت منتقل ہو بھی گئی تب بھی اس کا حصہ ہم سے پانچ گنا زیادہ ہے یہ عیش و عشرت میں زندگی گزارے گا اور ہم تنگدستی میں "یتیم پوتے کو قتل کر ڈالیں تو کیا یہ قرین قیاس نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ خاندان میں اتفاق اور محبت تب ہی باقی رہ سکتی ہے کہ یتیم پوتے کو چچا کے لڑکوں کا درجہ دیا جائے۔ جیسے وہ دادا کے وارث نہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی وارث نہ ہو۔ اس صورت میں چچا اور اس کے لڑکوں کے دل میں عداوت کا کوئی باعث نہ ہوگا بلکہ یتیم ہونے کی وجہ سے فطری شفقت موجب ہوگی اور جس طرح چچا کے لڑکے اس لئے اس کے فرمانبردار رہتے ہیں کہ یہ خود کسی چیز کے مالک ہی نہیں اپنے باپ کے منہج ہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی اپنے چچا کا مطیع رہے گا۔ اس کے برعکس اگر اسے چچا کا ہم درجہ بنا دیا جائے تو یہ چچا کی اطاعت نہ کریگا بلکہ اس کا مد مقابل اور ہر معاملہ میں اس کا رقیب ہوگا جس سے خاندانی بربادی ظاہر ہے۔

یہاں طلحہ اسلام کے مضمون سے صرف ان امور کا جواب دیا گیا ہے جو موجب شبہ ہو سکتے تھے جو چیزیں وہم محض اور بین البطلان ہیں ان کے جواب کی ضرورت نہیں۔ منکرین حدیث نے وراثت سے متعلق نظام اسلامی کے پورے ڈھانچے کو پاش پاش کر دیا ہے۔ پس ان پر لازم ہے کہ اصول وراثت کا کوئی جدید ڈھانچہ تیار کر کے پیش کریں۔ یتیم پوتے کا مسئلہ جس پر محدثین، ائمہ، علماء، صوفیاء، فقہاء، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، شیعہ، غیر مقلد، اہل بدعت وغیرہم ساری امت کا اجماع ہے اس کا انکار کرنے سے منکرین حدیث کا مقصد قرآن کی خفایت کو مخدوش کرنا ہے جبکہ پوتے چودہ سو سال تک کوئی ایک فرد بھی یہ مسئلہ نہ سمجھ سکا بلکہ ساری امت گمراہی میں مبتلا رہی تو ان اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن اور سارے اسلامی نظام پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

میں آخر میں منکرین حدیث سے پھر وہی سوال کرتا ہوں جو روزنامہ زمیندار بابت ۱۱ جنوری ۱۳۵۴ء میں پیش کر کے پر زور الفاظ میں اس کے جواب کا مطالبہ کر چکا ہوں۔ مگر آج تک منکرین حدیث کے منہ پر ہر سکوت لگی ہوئی ہے۔



اختیار زمیندار ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں منکرین حدیث نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اصول وراثت کا بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے حصہ ملیگا۔ لیکن علماء اپنے اصول وراثت کی لاج کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار بعید کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا، اسے حجب حرمان کہتے ہیں۔

اس کا جواب جو میری طرف سے ۱۱ جنوری کی اشاعت میں دیا گیا تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ذوی الفروض کی طرح مصبات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ دینے کے اصول پر عمل کیا جائے تو اس کی بیشی کامیاب کیا ہوگا؟ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملیگا کے خلاف ہے۔ کیونکہ پہلے ورثہ ملنے کا یہ مفہوم تو نہیں ہو سکتا کہ قریب کو صبح کے وقت حصہ دیا جائے اور بعید کو شام کے وقت۔ اور یہ بھی آپ تسلیم نہیں کرتے کہ قریب کی وجہ سے بعید محروم ہے تو پہلے ورثہ ملنے کا آپ کے ہاں صرف یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ ملے تو اس کی بیشی کامیاب کیلئے؟ میں نے اس وقت بھی اس کے جواب کا پُر زور مطالبہ کیا تھا اور اب پھر چیلنج کرتا ہوں کہ خود مضمون نگار یا اس کا کوئی غیور طرفدار میدان میں آئے۔ وَاذْخُرُوا شَهْدًا عَلَيْكُمْ مِّنْ دُونِ آبَائِكُمْ وَلَكُمْ صِدْقَتُهُنَّ منکرین حدیث میں اگر کچھ سکت باقی ہے تو صرف اس ایک سوال کا جواب دیں۔ غیرت کا تقاضا ہے کہ اس گلوگیر امتداع سے جان بچانے کی کوشش کریں و ورنہ خطر الفتاد ایک چیز دنیا میں پیش کر کے اس کے منہ توڑ جواب کی تاب نہ لا کر زاویہ غمول میں جا کر ناہت بڑی ذلت اور انتہائی بزدلی ہے۔

فی الحال اسی قدر مضمون پر اکتفا کرتا ہوں جو اہل عقل کے لئے کافی اور وافی ہے۔

اب تو جاتے ہیں میکدہ سے مبر

پھر ملیں گے اگر خدا لایا !

وَاخْرُجُوا نَا ان الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

رسید احمد

۱۵ شعبان ۱۳۷۳ھ



وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ



الرُّجُومُ الشَّهَابِيَّةُ  
على  
الفرقة الذِّكْرِيَّةِ وَالْإِبَاضِيَّةِ





## بسم اللہ الرحمن الرحیم ذکری فرقہ

سوال :- بلوچستان اور خاص طور سے ضلع مکران میں ایک ہندوی فرقہ بنام ”ذکری“ مشہور و معروف ہے، یہ دراصل ہندویوں کی ایک شاخ ہے جو عرصہ تین چار سو سال سے ہے، ان کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں۔

① ان سے رشتہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے بعض جہلاء ان سے رشتہ لیتے اور دیتے بھی ہیں۔

② اگر نکاح کر لیا ہو تو اب مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کیا کرے؟

③ بصورتِ اقتراق اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ کس کے ہیں،

④ کیا یہ لوگ اہل کتاب شمار کئے جاسکتے ہیں؟ جبکہ یہ قرآن کو ماننے اور پڑھتے بھی ہیں اور منتر لے کر لکھتے ہیں۔

⑤ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسا ہے؟ جبکہ ذبح کے وقت کلمہ اور اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

سوالات کا جواب دینے سے قبل مناسب ہے کہ ذکری مذہب پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے۔ آپ کو یہ سنکر شاید تعجب ہوگا کہ ”ذکری مذہب“ ایک ایسا مذہب ہے جس کا کوئی ضابطہ حیات نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر اس کے پیشوا جن کو ملائی کہا جاتا ہے وہ جو کچھ حکم دیدیں وہی ان کا دین ہے، ان مذہب پر اگر کوئی کتاب اصولی طور پر ان کے مذہب کے بانی یا اور کسی پیشوا نے لکھی بھی ہے، تو اول تو وہ قلمی ہے اور ایک دو نسخہ سے زائد نہیں۔ مزید یہ کہ بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح وہ فضا سازگار ہونے تک برسرِ عام نہیں لائی جاتی، بلکہ وہ ایک دو نسخے اباعن جہان کے مذہبی پیشواؤں کے پاس منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ تاہم ان کے مذہبی عقائد جس حد تک ہمیں معلوم ہو سکے ان میں سے چند اصولی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

### ہندوی فرقہ

ذکریوں کے عقائد ذکر کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ”ذکری مذہب“ حقیقت میں فرقہ ہندویہ



کی ایک شاخ ہے، مہدوی فقہ میراں سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے، مختلف جگہوں پر اس کے مختلف نام ہیں، کہیں یہ لوگ ”مہدوی“ کہلاتے ہیں، کہیں ”دائره ولے“ کہیں ”مصدق“ کہیں ”ذکری“ کہیں ”ذاعی“ اور کہیں ”طائی“ کا نام رکھتے ہیں۔ (مہدوی تحریک ص ۵)

## مہدوی جونپوری

میراں سید محمد جونپوری، جمادی الاولیٰ بروز پیر ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۳ء جونپور (دوآب) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (مہدوی تحریک ص ۳) والد کا نام سید عبداللہ بنی باریہ پشت میں موسیٰ کاظم یک سلسلہ نسب جاہنپنا ہے۔ والد کا نام آمنہ خاتون اور عرفاً نامک ہے (مہدوی تحریک ص ۳) سندھ کے عوام سید محمد جونپوری کو ”میراں سائیں“ اور مکران و قلات و ایران کے ذکری ”نور پاک“ کے لقب سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں، جمادی الاولیٰ ۱۲۴۳ھ میں جونپور کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں گشت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۱۲۴۹ھ میں احمد نگر پہنچے اور ۱۲۵۱ھ میں حج کے لئے چلے گئے، نو ماہ مکہ معظمہ میں قیام رہا اور ”رکن“ اور ”مقام ابراہیم“ کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میری ذات وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انبیاء سابق نے جس کی آمد کی خبر دی تھی اور یہ کہا کہ مہدی آخر زمانی میری ذات ہے (تحریک مہدویت ص ۴) شیخ محمد اکرم نے ”رود کوثر“ میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ :-

” ۱۲۵۱ھ میں انہوں نے حج کیا اور مکہ معظمہ میں بھی مہدویت کا دعویٰ کیا۔“

اس کے بعد واپس ہندوستان آئے۔ سب سے پہلے احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوئے، چنانچہ ۱۲۵۵ھ میں وہ موجودہ پاکستان کے علاقہ ٹھٹھہ میں آئے اور یہاں تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ ٹھٹھہ میں ان کی جائے قیام آج تک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

ٹھٹھہ سے چل کر بلوچستان کے غیر آباد اور دشوار گزار راستوں سے ہو کر آپ اپنی کثیر جماعت کو ساتھ لے کر قندھار پہنچے، قندھار سے فراہ (جو اُس زمانے میں ایران میں داخل تھا، اب افغانستان میں شامل ہے) آئے، اور فراہ میں ۱۹ ذیقعد ۱۲۵۵ھ میں روزِ دوشنبہ انتقال کر گئے۔

(مہدوی تحریک مختصر ص ۶)



## مہدی ہونے کا دعویٰ اور سلاطین کو دعوت نامہ

ذیل میں ہم ان کا ایک دعوت نامہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف امار و سلاطین کو لکھا ہے۔  
یہ خط شمس الدین مصطفائی نے اپنی کتاب ”مہدوی تحریک“ میں ”قول المجدوہ کے حوالے سے نقل کیا ہے  
یہ خط مقام بڑی (گجرات) سے ۹۷۰ھ میں مختلف امار و سلاطین اور خوانین کے نام جاری کیا گیا،

”اے لوگو! اس امر کو سمجھ لو کہ میں محمد بن عبد اللہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)  
کا ہم نام ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ولایت محمدیہ کا خاتم اور اپنے نبی کی بزرگ امت پر  
خلیفہ بنایا ہے۔ میں وہی شخص ہوں، جس کے آخری زمانے میں مبعوث ہونے کا وعدہ کیا  
گیا ہے۔ اور میں ہی ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ میں وہی ہوں جس کا  
سابقہ پیغمبروں کے صحیفوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ میں وہی ہوں جس کی اگلے اور پچھلے گروہوں نے  
توصیف کی ہے۔ میں وہی ہوں جس کو رحمانی خلافت دی گئی ہے۔ میں اللہ کی طرف بصیرت پر  
مخلوق کو اللہ کے حکم سے بلاتا ہوں، میں اس دعویٰ کے وقت نشے کی حالت میں  
نہیں ہوں، بلکہ باہوش ہوں۔ ہوش میں لاتے جاتے اور بیدار کئے جانے کا محتاج  
نہیں ہوں، اللہ کی طرف سے مجھے پاک رزق ملتا ہے اور مجھے سوائے اللہ کے اور کسی شے کی احتیاج  
نہیں، میں ملک و حکومت کا طالب نہیں ہوں اور نہ مجھے ریاست و سلطنت قائم کرنے کی  
خواہش ہے۔ میں امارت، ملک اور ریاست کو بخش خیال کرتا ہوں۔ دنیا کی محبت سے  
چھڑانا میرا کام ہے۔

میری اس دعوت کا باعث یہی ہے کہ میں اللہ کی جانب سے اس دعوت پر مامور ہوں  
تاکید اور تہدید سے میں اپنی دعوت تم تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ نے مجھے مقرر فی الطاقہ  
بنایا ہے (یعنی میری اطاعت فرض ہے) میں تمام انس و جن کی طرف اپنی اس دعوت  
کو پہنچا رہا ہوں، اس مضمون سے کہ میں ولایت محمدیہ کا خاتم ہوں، میں اللہ کا خلیفہ  
ہوں۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے روگردانی  
کی گویا اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے روگردانی کی۔ اے لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ  
تم کو چھٹکارا نصیب ہو۔ میری بات سنو اور میری پیروی کرنے میں جلدی کرو تاکہ تم



فلاح پاسکو جو کوئی میرا انکار کرے گا اور میرے احکام سے سترابی کرے گا اس کو اللہ اپنی شدید پکڑ میں پکڑ لے گا۔ اس دن کے عذاب سے بچو جس دن پہاڑ باریک ریت کی طرح پس پڑے جائیں گے۔ تم اس دنیا سے اس حالت میں سفر کر دو کہ ہلاکت میں گرفتار ہو۔ جس ثواب آخرت اختیار کرو۔ اس ثواب آخرت کو کھوٹے داموں کے غرض نہ بیچو، تم سمجھدار ہو، اگر تم سمجھنے ہو کہ میں بناوٹی ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر اقرار کر رہا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تحقیق کرو اور اس بات کے لئے جدوجہد کرو، اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو تمہارا جھٹلانا ثابت ہو گا۔ تم حق بات کی تحقیق پر قادر ہو اور اگر تم نے مجھے جھوٹ پر چھوڑ رکھا تو لازماً تم ماخوذ ہو گے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اور اللہ شہادت کے لئے کافی ہے کہ میں امت محمدیہ کا دافع ہلاکت ہوں اور گمراہی سے بچانے والا ہوں۔ تم پر لازم ہے کہ دھوکے میں نہ رہو بلکہ میرے اقوال، افعال اور احوال کو قرآن پاک سے ملاؤ اور غور کرو، اگر میرا ہر کام اور میرا ہر حال قرآن کے مطابق ہے تو میرا کہا مانو، ورنہ مجھے قتل کر دو۔ یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ سے ڈرو اور قلب عاجز سے اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ مہربان اور متوجہ ہونے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بات نصیحت ہے اس کے لئے جس نے قلب حاضر اور گوشہ واسے اس کو سنا، آھ (مہدوی تحریک ضلالت کا بحوالہ قول محمود)

### زینہ مہدویت

سید محمد جونپوری کے والد کا نام عبداللہ تھا، اور نہ ہی والدہ کا نام آمنہ، بلکہ جب سید محمد نے مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال گذرا کہ حدیث میں مہدی کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ آیا ہے، اس لئے اپنے والدین کے نام تبدیل کر کے حدیث کی ان پیشگوئیوں سے مطابقت اختیار کر لی جائے، چنانچہ اپنے والدین کے نام تبدیل کر دیئے، جب وہ ان ناموں سے مشہور ہو گئے تو مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے معاصرین میں سے کوئی بھی والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ نہیں لکھتا، بعض محققین کی عبارت درج ذیل ہے:-

الجونپوری:- سید محمد کاظمی الحسینی بن سید خان المعروف بڈھ اولیٰ اور والدہ آقا ملک مہدی ہونے کا مدعی۔ جونپور میں بروز یکشنبہ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۳ھ، ۱۰ ستمبر ۱۲۴۳ء کو پیدا ہوا۔ معاصر مآخذ میں سے کوئی بھی اس کے والدین کا نام عبداللہ اور آمنہ نہیں بتاتا جیسا کہ مہدی مآخذ مثلاً سراج الابصار میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان ناموں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناموں جیسا بنایا جائے تاکہ حدیث کی بعض پیشگوئیاں جونپوری پر ٹھیک آسکیں۔ علی شرفائع کی تحفۃ الکرام اور خیر الدین الہ آبادی کے جونپور نامہ میں ان ناموں کا ذکر ہے۔ یہ بعد کی تالیفات ہیں اس لئے معتبر نہیں۔

(دائرہ معارف اسلامیہ اردو نمبر ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶،



علامہ عبدالحی بن فخر الدین بحسینی اپنی مشہور کتاب "نزہۃ الخواطر" کے سلسلہ ۴۸۶ میں لکھتے ہیں :-

الشیخ الکبیر محمد بن یوسف الحسینی الجونیوی المتمدی المشہور بالہندی ولد سنة تسع واربعین وثمان مائة فہتہ  
جونپور (نزہۃ الخواطر ص ۳۲ ج ۴)

میں ، " قال البورجاء الشاہجہا نیوری فی الہدیۃ المہدویۃ ان الجونیوی لم یمنع اصحابہ عن  
ذلک (ای عن نسبتہ الی المہدی الموعود ۱۲ مؤلف) و بدل اسم ابیہ بعبدا للہ واسم امہ بآمنۃ وانشاءہا  
فی الناس وصنف کتابا فی اصول ذلک المذہب (نزہۃ الخواطر ص ۳۳، صبح دائرۃ المعارف حیدرآباد کن)  
ملا عبد القادر بدایونی کی فارسی تاریخ "منتخب التواریخ" کے مترجم محمد احمد فاروقی نے حاشیہ میں لکھا ہے  
"سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے، انکے والد کا نام یوسف تھا، ایک مجذوب شیخ دانیال کے مرید و خلیفہ ہوئے"  
(ترجمہ منتخب التواریخ ص ۲)

بہر حال سید محمد جونپوری کے والد کا نام یوسف ہو یا سید سلطان یا سید محمد یوسف خان، لیکن اتنی بات پایہ  
ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ والد کا نام عبد اللہ مہدیت کے شوق کے بعد رکھا گیا ہے۔ ایسے ہی والدہ کا اہل نام آقا ملک  
تھا جسے ہوس مہدیت نے آمنہ سے بدل دیا اور آقا ملک (آقا ملک) کو عوفی نام تجویز کر دیا۔ اس سے قارئین حضرات  
بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سید محمد جونپوری نے جس طرح والدین کے نام بعد میں نقلی تجویز کر ڈالے ایسے ہی دعوای مہدیت  
بھی نقل ہے جسے بالفاظ دیگر معنوی مہدی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

## ذکری مذہب

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ سید محمد جونپوری نے مہدی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔  
اب ہم مذہب ذکری کے متعلق کچھ مختصر عرض کریں گے۔

یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ سید محمد جونپوری مہدی آخر الزمان ہیں۔ نیز اس کو رسول بھی مانتے ہیں، چنانچہ  
ان کا کلمہ اہل اسلام کے کلمہ کے برعکس ہے لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی مراد اللہ  
(بلوچستان گزٹیر جلد ۱، آرہیو بیلر ۱۹۰۷ء مکران ص ۱۱۶)

نیز یہ کبھی اپنا کلمہ یوں بھی پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ (ملت بیضار ص ۱)  
یہ لوگ اپنے پیغمبر کو عام طور پر محمد مہدی اٹکی کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان کا پیغمبر محمد مہدی انگ  
(پنجاب) سے کمران آیا تھا، وہ ایک نور تھا جو ظاہر ہو کر ان کے بزرگوں کو دین کا راستہ بتا کر روپوش ہو گیا۔  
ان کا خیال ہے کہ اس واقعہ کو چارپانچ سو برس گزر چکے ہیں، اور ان کے تفصیلی حالات (مہدی نامہ)  
میں لکھے ہیں مگر وہ یہ کتاب کسی کو نہیں دکھاتے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ (ماخوذ از ملت بیضار ص ۱)



لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے، یہ محمد اٹکی، سید محمد جوہری ہی کو کہتے ہیں، اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ سید محمد جوہری مکران کے علاقے میں گئے ہی نہیں بلکہ جب پنجاب (ہند) سے نکلے تو بلوچستان کے اس راستے سے گئے جو قندھار جاتا ہے، پہلے قندھار اور پھر فراہ چلے گئے اور فراہ ہی میں انتقال ہوا اس لئے مکران میں ان کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابو سعید بلیدی جو سید محمد جوہری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے ان کے ہاتھوں مکران میں فتنہ آیا یہ زمانہ ہی جبکہ اس علاقے میں بلیدیوں کی حکومت تھی، یہ پندرہویں صدی مسیح کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں ایران پر صفوی خاندان کا شاہ اسماعیل صفوی جو خلیفہ شیعہ تھا فرمانروا تھا اور ترکی میں سلطان سلیم اول کی حکمرانی تھی۔ پرتگیز، ولندیز اور انگریز اسی زمانے میں بحیرہ عرب سے ہندوستان میں تجارت اور سیاسی قسمت آزمائی کرنے میں مصروف تھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کے عازمین حج کو کافی وقت اٹھانی پڑی۔ یہ تفصیلات مہدوی تحریک سے متعلق تقریباً سب ہی کتب میں لکھی ہیں۔

## ذکریوں کے عقائد

مہدوی اور ذکری فرقہ کے تاریخی حالات پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے، چند باتیں بطور پس منظر و اظہار حقیقت ذکر کر دی گئیں، اب ذیل میں ان کے چند عقائد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ذکریوں کا کلمہ الگ ہے | ذکریوں کے کلمہ سے متعلق کچھ حوالے ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، مزید حوالے ملاحظہ ہوں۔

”اول آنکہ فرقہ داعیان کلمہ طیبہ را بدین طریق میگویند لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ مَهْدِي  
رسول الله“ (عمدة السائل ملّا)

ان کے جدید کلمہ میں نور پاک کا اضافہ بھی ہے (میں ذکری ہوں صلا ۳ ج ۱)  
نیز ذکری اور داعی لوگ ”رسول اللہ“ کی جگہ بسا اوقات ”امراللہ“ یا ”امراللہ“ بھی کہتے ہیں۔  
ان کا ایک کلمہ وہ ہے جسے وہ اپنی پنجگانہ تسبیحات میں پڑھتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ نور محمد مہدی رسول اللہ صادق الوعد  
الامین (ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، برحق ہے، ظاہر ہے۔ نور محمد مہدی  
اللہ کے رسول ہیں، جو وعدہ کا سچا اور امانت دار ہے۔

(ذکر توحید ص ۱۴۱، ۱۴۲ و مہدی تحریک ص ۴)

۱۴ (۲) نماز کے منکر ہیں | یہ لوگ نماز کے منکر ہیں اور نماز کی بجائے پانچ وقت ذکر کرتے ہیں۔  
(میں ذکری ہوں ص ۴)



دوم آنکہ داعیان در ادای نماز پنجگانہ براہ انکار و اعراض آمدہ اندومی گویند نماز یکہ شمار دمان  
میخوانید در پنج وقت علی التبعین فرض فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشاء ثبوتی ندارد و خداوند تعالیٰ حکم عدم  
قرب نماز داده است بمقتضای آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ** (ترجمہ) اے  
مومنان نزدیک مشو بہ نماز را (عمدة الوسائل از مولانا محمد موسیٰ صاحب ص ۲)  
(مکران تاریخ کے آئینہ میں ص ۱) وغیرہ

(۳) **روزہ رمضان کے منکر ہیں** | سوم آنکہ مذہب والا داعیان در ماہ صیام رمضان  
المبارک روزہ نمی دانند و در تمام ماہ رجب و شہر سجان  
بشوق و ذوق در خوردن و چریدن مشغولند از فریبت صیام منکرند و میگویند کہ خداوند تعالیٰ گفتہ است  
بخورید و بنوشید خطاب بہم داعیان کردہ است **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى كُلُوا وَاشْرَبُوا** اہ گفت خداوند  
بخورید و بنوشید۔ ہر آن عمل کہ خداوند بجا آورده در ماہ رمضان خور و نوش داریم (عمدة الوسائل ص ۲)  
نیز ذکریوں کی اپنی کتاب ”میں ذکر می ہوں“ میں لکھا ہے کہ وہ رمضان کے بجائے دوسرے دنوں  
میں تین ماہ آٹھ دن روزوں کے قائل ہیں، وہ اس طرح کہ ہر دو شنبہ، ایام بیض اور ذی الحجہ کے آٹھ، یہ کل تین  
ماہ آٹھ دن ہو گئے (میں ذکر می ہوں ص ۱ و ص ۳۸، ۳۹ ج ۱)

(۴) **حج بیت اللہ کے منکر ہیں** | یہ لوگ ذکر می اور داعی حج بیت اللہ کے منکر ہیں اور خانہ کعبہ کو قبلہ  
نصرت نہیں کرتے، حج بیت اللہ کے بجائے ”کوہ مراد“ میں  
جا کر حج کرتے ہیں، جو تربت (ضلع مکران) کے قریب ایک میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے۔  
(ماخوذ از مہدوی تحریک ص ۱)

مولانا محمد موسیٰ صاحب دشتی لکھتے ہیں :-  
”چہارم آنکہ منکر بیت اللہ خانہ کعبہ شریف بقصد زیارت ہستند (القول) و کوہ مراد را  
کہ ذکر آن گذشتہ بود قبلہ خود مقرر کردہ اند (القول) برای زیارت و طواف کوہ مراد  
فراہم و جمع می شوند (عمدة الوسائل ص ۲۹، ۳۰)  
یہ لوگ ۲۴ رمضان اور نہم و دہم ذی الحجہ کو زیارت کے بہانے حج کرتے ہیں۔  
(مہدوی تحریک ص ۱، سپاسنا آل پاکستان مسلم ذکر می نجمن ص ۱۱)

(۵) **کعبۃ اللہ کے قبلہ ہونے کے قائل نہیں** | مولانا محمد موسیٰ عمدة الوسائل میں لکھتے ہیں :-  
”ایضا پنجم آنکہ از توجہ بطرف کعبہ ضرورت عبادت



ندانند، میگویند ملائیکان فَاَیْمًا تَوَلَّوْا فَتُحَرِّمُ وَجْهَهُ اللّٰهُ پس ہر جا کہ روی آرید پس آنجا خدا ہی تعلق  
ہست، لہذا توجہ کعبہ قبلہ ضرورت ندارد (عمدة الوسائل ص ۳۱)

## دین یا مذہب

عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دین و مذہب کی عجیب تقسیم کر کے لکھتے ہیں:  
ہم مسلمانوں کا دین ایک اسلام ہے لیکن مذہب الگ الگ ہیں، جیسا حنفی، حنبلی، مالکی،  
شافعی، جعفری، شش امامی، ذکری اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اور ان سب کا  
دین اسلام ہے اور جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے (میں ذکری ہوں ص ۱ ج ۱)  
یہ عجیب اتحاد اسلام ہے کہ کلمہ مسلمانوں سے الگ ہے، نماز، روزہ، حج جیسے اصول اسلام کے منکر ہیں  
مگر مسلمان ہیں۔

## عبادات کا ذکر مختصراً

کتاب "میں ذکری ہوں" کا مصنف عبادات کے بارے میں اپنا نظریہ یوں لکھتا ہے:-  
"میری عبادت یہ ہے، ذکر خداوندی پانچ وقت، رکوع اور سجدے تین وقت اور  
روزہ ہم سب مذہبوں کے زیادہ رکھتے ہیں، یعنی سال میں تین ماہ آٹھ دن اور زکوٰۃ چالیس  
پرایک اور عشرہ یعنی دسواں حصہ ہر آبادی پر یکساں ہے اور یہ ہم فرض جانتے ہیں  
(میں ذکری ہوں ص ۱ ج ۱)

ان کے علاوہ "ذکری" غسل بعد جماع و احتلام کے قائل نہیں (عمدہ ص ۳۲)  
میت کے لئے نماز جنازہ کے قائل نہیں، صرف دعا کرتے ہیں جو ذکر خانہ میں ہوتی  
ہے (میں ذکری ہوں ص ۱ ج ۱)

ان کے علاوہ اور بھی کئی خرافات ہیں، جن کا تحریر میں لانا مناسب نہیں۔

## ہوگان یا مذہبی رقص

اس سے قبل کہ ہم ہفتا میں مندرجہ سوالات کا جواب دیں، ذکری مذہب کے ایک سماجی رقص کا  
تذکرہ کرتے ہیں:-



**چوگان** | یہ ایک قسم کا سماجی رقص ہے جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، یہ چوگان چاندنی راتوں اور مقدس راتوں میں بالعموم کھلے میدانوں میں ہوتا ہے۔ جوان، بچے اور بوڑھے سب اس میں بڑے انہماک سے حصہ لیتے ہیں۔ چوگان میں شریک ہونے والے ایک دائرے میں کھڑے ہو جانے ہیں اور وسط میں کوئی خوش گلو مرد یا عورت جو چوگان کے قدموں اور حرکتوں سے کماحقہ واقف ہوٹا یا ہوتی ہی، کھڑے ہو کر صفت مہدی اور حمد خدا کے اشعار پڑھنا شروع کرتے ہیں اور تمام شرکار جنہیں جوابی کہا جاتا ہے شاعر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر حرکت میں آجاتے ہیں اور شعر کا آخری مصرعہ بیک زبان دہراتے ہیں۔ چوگان میں کسی قسم کا آلہ موسیقی ہمتال نہیں کیا جاتا۔

چوگان کے بول تین طرح کے ہوتے ہیں، دو چابی، سہ چابی اور چار چابی۔ مثلاً ”ہا دیا ہدیا، نازین ہدیا۔ اللہ یک، مہدی برحق۔ یاراں ہدیا بلوٹیت۔ مہدی منی دل مراد“ وغیرہ

(مہدوی تحریک ص ۷)

اس چوگان (سماجی رقص) میں یہ لوگ دائرے کی شکل میں کھڑے ہوتے ہیں، جب چوگان کے بول بولے جاتے ہیں تو رقص کی طرح وہ اوپر نیچے ہو جاتے ہیں اور آگے پیچھے اس طرح سے ہلتے جاتے ہیں کہ دائرہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ ذکر مذہب میں یہ رقص بہت بڑا ثواب ہے۔ اس میں شامل ہونے والوں کے ثواب کا کوئی اندازہ ہی نہیں، اس کے تماشائی بھی بہت بڑا ثواب کماتے ہیں۔

ایک عزیز نے بتایا کہ انہوں نے دو مدعی ”مہدی آخر الزماں“ دیکھے ہیں..... ذکر یوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے ماننے والوں کی اصلاح کے لئے اسی سے ملتا جلتا ایک مذہبی رقص اختیار کیا ہو لے، جس میں حسب ضرورت عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا دو مہدیوں میں سے ایک کا رقص اکثر و بیشتر پچھلی رات کو ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود دلچسپی اور لوگوں کو نیچانے کا جو شوق ہوا تو اپنی اس ہوس اور خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے مہدویت کا جال استعمال کیا۔

دل کو بہلانے کے لئے یہ چال چلی ہے ہم نے

یہ لوگ سید محمد جو پوری کے ایک جملہ سے اپنے دائرہ یا مذہبی رقص پر استدلال کرتے ہیں، اگرچہ سید محمد جو پوری کا اصطلاحی دائرہ کسی اور ڈھنگ کا تھا، وہ قول یہ ہے :-  
”میرے دائرے کا کتا بھی ضائع نہیں ہوگا“ (مہدوی تحریک ص ۷)

## ذکر کا فرہیں

ذکر چونکہ مہدی کو رسول مانتے ہیں، اس کے نام کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور اصول اسلام نماز،



روزہ، حج وغیرہ کے منکریں، اس لئے ان کے کافر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک شبہ نہیں۔

## آدم برسرِ مطلب

اس تفصیل کے بعد اب مختصراً مطلوبہ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

- (۱) ذکریوں سے نکاح جائز نہیں ہے، قال فی الدر (و) عدم نکاح (الوثنیۃ) قال فالشامیۃ تحت (قوله الوثنیۃ) ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس (الی قولہ) وفی شرح الوجیز وکل مذهب یکفر بہ معتقدہ آھ قلت وشمذک الدروز والنصیریۃ والتیامنتۃ فلا تحل مناکحتہم ولا تؤکل ذبیحتہم لانہم لیس لہ کتاب سماوی (الشامیۃ ص ۳۱۲ ج ۲)
- (۲) چونکہ نکاح شروع سے ہوا ہی نہیں اس لئے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور اتنی مدت جو بلا نکاح میا بیوی کی صورت میں ایک ساتھ ہے اس سے توبہ کرے۔
- (۳) جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ ولد الزنا ہیں، ان کا نسب ثابت نہیں، چونکہ ان کا باپ نہیں اس لئے ماں کی کفالت میں رہیں گے، باپ کے ساتھ ان کی وراثت کا کوئی تعلق نہیں۔
- (۴) اہل کتاب وہ ہیں جو کسی سچے رسول کی طرف منسوب ہوں اور ذکرِی مذہب والے محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں جو ان کے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، نور پاک محمد مہدی رسول اللہ سے صاف ظاہر ہے، حالانکہ سید محمد جو نپوری نبی نہیں اس لئے یہ لوگ اہل کتاب نہیں۔
- (۵) ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، عبارت سوال ۱ کے جواب میں ملاحظہ ہو، ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے صرف کلمہ اور اللہ اکبر کہنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مسلمان یا اہل کتاب ہونا لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ربيع الآخر ۱۳۹۶ھ

## اباضی فرقہ

سوال۔ سلطنت عثمان میں اکثر و بیشتر اباضی فرقہ (جو کہ خوارج کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے) کے لوگ رہتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے لوگ بھی کثیر تعداد میں وہاں پر زندگی گزارتے ہیں، بلکہ عمافی افواج میں اکثر لوگ سنی ہوتے ہیں۔ اب وہاں پر فوجی کمیوں میں اباضی مستقل پیش امام ہیں اور وہی نماز پڑھاتے ہیں

التحجۃ الشہابیۃ — ۱۱



کیا ان کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی نماز ہو جاتی ہے ؟ بیٹو! توجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

مستط میں جو اباضی فرقہ ہے، ان کے صحیح عقائد کیا ہیں ؟ اس کی یہی تحقیق نہیں، ان کے متعلق صحیح فیصلہ جب ہو سکے گا جب کہ ان کے عقائد بھی ذکر کئے جائیں۔ البتہ عبد اللہ بن اباض کی جانب منسوب جو فرقہ اباضیہ ہے اور جو خوارج کی شاخ ہے، ان کے عقائد کتابوں میں ملتے ہیں۔ اگر یہ فرقہ بعینہ وہی ہے یا ان کے عقائد ان کے مطابق ہیں تو ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

سلف کی کتابوں میں ان کے متعلق مندرجہ ذیل عقائد ہیں،

قال العلامة الشيخ محمد کامل بن مصطفى بن محمود الطرابلسي الحنفی سئل عن اهل الى جبل طرابلس الغرب الذين لا يمتدھبون بمذهب من المذاهب الاربعة ما مذهبهم ومن هو امامهم ؟ فالجواب انهم يمتدھبون بمذهب عبد الله بن اباض وهم اباضية وهم من جملة الخوارج وقد قسم في المواقف الخوارج الى سبع فرق احدها الاباضية، قال انهم قالوا مخالفونا من اهل القبلة كفار غير مشركين تجوز منا كتمانهم وغنيمة اموالهم من سلاحيهم وكرامهم حلال عند الحرب دون غيره ودارهم دار اسلام لا معسكر سلطانهم وقالوا لا تقبل شهادة مخالفينهم ومرتكب الكبيرة موحد غير مؤمن بناء على ان الاعمال داخلية في الايمان والاستطاعة قبل الفعل وفعل العبد مخلوق لله تعا ومرتكب الكبيرة كافر وكفر نعمة لامة وتوقفوا في تكفير اولاد الكفار وتعذيبهم وتوقفوا في النفاق اهوشركام لا وفي جواز بعثه رسول بلا دليل ومعجزة وتكليف اتباعه فيما يوحى اليه اى ترددوا في ان ذلك جائز ام لا وكفروا عليا واكثر اصحابه وافتروا فرقا رابعا انظرهم في المواقف والله تعالى اعلم (فتاوى كاملية ۳، طبع قندھار، افغانستان)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ



فَلَا يَخْلَعُ مِنْهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيْفَ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ

# ازالة الریب عن مسألة علم الغیب

مسئله علم غیب پر مفصل تحقیق  
○ حکم عقیدہ علم غیب کُلّی



# انزالۃ السَّیْبِ ۝

اشاریہ

- غیر اللہ سے نفی علم غیب سے متعلق نصوص و ترانیہ
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا علم نہیں دیا گیا
- علم غیب سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ
- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ
- ازدواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا عقیدہ
- حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ
- فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ
- چند نکات نفیسہ
- اہل بدعت کے دلائل کی حقیقت
- علم غیب کی نفی سے متعلق اہل بدعت کے پیشواؤں کی عبارات
- حکم عقیدہ علم غیب کلی



## مسئلہ علم غیب پر مفصل تحقیق

سوال ۱: آیہ کریمہ فی خمس لا یعلمہن الا اللہ ﷻ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم مختص باللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے امور کا علم غیر اللہ کو ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے پس علم مختص باللہ تعالیٰ کی تفصیل کیا ہے مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدقات والصلوات

آیہ کریمہ فی خمس لا یعلمہن الا اللہ ﷻ پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ان پانچ چیزوں کے اختصاص کی کیا وجہ؟ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام اور جمیع مخلوقات کا علم متناہی، اور باری تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے نکالنے کے بعد غیر متناہی ہوگا۔ پھر ان پانچ کو مختص کیوں کیا؟ ان پانچ کے علاوہ بھی بہت سے علوم ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

دوم یہ کہ ان کا اختصاص بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ایک نہیں ہزاروں واقعات ہیں کہ بعض کو ان چیزوں کا علم ہو گیا، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کا سہم قبل از ولادت مقرر فرمایا تھا، شاہ عبداللہ صاحب تعویذ دیکر یہ بھی خبر دیدیا کرتے تھے کہ تمہارے ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ نے اپنی موت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی۔

اول سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب النقول للسیوطی میں ہے کہ آپ سے ان پانچ چیزوں کا سوال ہوا تھا اس لئے جواب میں ان کا ذکر آیا۔

دوسرے سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔

(۱) کسی علم کے اصول حاصل کئے بغیر کسی کو اس کا عالم نہیں کہا جاسکتا۔ اگر کسی کو ہزاروں نسخوں یا ہزاروں جزئیات فقہیہ کا علم ہو جائے تو وہ طبیب یا فقیہ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ ان جزئیات کے اصول سے واقف نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ حقیقۃً علم علم اصول ہے۔

(۲) علم کلیات جزئیات کے لئے مفتاح ہے

(۳) غیب عبارت ہے ان امور غیبیہ سے جن کا ادراک حواس اور دلائل عقلیہ و ریاضیاتیات سے نہ ہو سکے۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ علم غیب کے کچھ کلیات و جزئیات اور اصول و فروع ہیں۔ دنیا میں ایک ذرہ کی حرکت بھی بغیر اصول و ضوابط کے نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو ہزار عورتوں کے حمل



کا علم ہو جائے تو یہ جزئیات ہیں، اگر ایسے ولی سے دریافت کیا جائے تو وہ کشف ہی کا حوالہ دیگا، ایسے ہی منجم بھی ستاروں کی تاثیرات وغیرہ علامات ظنیہ سے معلوم کرتا ہے، یقینی ضوابط سے وہ بھی خالی ہاتھ ہے، کوئی طبیب یا ڈاکٹر اسکا دعویٰ کرتا ہو تو وہ آلات کے ذریعہ مشاہدہ دلائل طبیبہ پر مبنی ہوگا، معلوم ہوا کہ مغیبات کا بلا واسطہ علم اور اسکے اصول و کلیات نقص باللہ تعالیٰ ہیں۔ یاد رہے کہ مغیبات دو قسم کے ہیں، تشریحی اور تکوینی۔ تشریحی جیسے وحی، تمام از قبیلہ غیبیہ، تشریحات میں سے کچھ کلیات بقدر ضرورت تلقین کئے جاتے ہیں، اور تکوینیات میں کلیات نہیں بتلائے جاتے۔ انہی کلیات کو مفاتیح سے تعبیر فرمایا ہے، خزانہ سے دہی کچھ نکال سکے گا جس کے پاس مفتاح ہوگی، پس ظاہر ہوا کہ علم کلیات مفاتیح جزئیات ہے چنانچہ ارشاد ہے، **وَ عِنْدَ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيُعَلِّمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ**، خلاصہ یہ کہ کلیات تکوینیہ کا علم اور اسی طرح جملہ فروع کا اس طرح علمی احاطہ کہ کچھ بھی خارج نہ رہے، باری تعالیٰ ہے غیر کو یہ نہیں حاصل ہو سکتے۔ لہذا اگر کسی ایک جزئی کے علم کی بھی غیر سے نفی ثابت ہو جائے تو احاطہ کی نفی ثابت ہو جائے گی چونکہ اہل بدعت ایجاب کلی کے قائل ہیں لہذا ہزاروں جزئیات کے علم کا ثبوت بھی ان کے لئے مفید نہیں۔ اور اہل سنت رفع ایجاب کلی کے قائل ہیں اس لئے ایک جزئیہ منافیہ بھی ہمارے لئے دلیل ہوگا اس لئے ہم بعض ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ بعض ایسے امور بھی ہیں کہ ان کا علم حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا۔

(دلیل اول) آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ علم قیامت خاصہ باری تعالیٰ ہے۔

(۱) **إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُخْفِيهَا النَّجْزَىٰ كَلَّمَ نَفْسٍ عَمَّا تَشْعَىٰ** صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تفسیر یوں منقول ہے۔ اکاد خفیہا عن نفسی وھذا کنایۃ عن شدۃ الخفاء

(۲) **يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مَرْثَا قُلْ تَعْلَمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُهَا لَوْفُهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضُ لَا تَأْتِيكُمُ الْبَغْثَةُ**، یسألونک کانک حقی عھا قل نما علیہا عند اللہ ولكن اکثر الناس لا یعلمون

(۳) **يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مَرْثَا قُلْ تَعْلَمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُهَا لَوْفُهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضُ لَا تَأْتِيكُمُ الْبَغْثَةُ**

(۴) **وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ**

(۵) **الْبَیْرُ ذِی عِلْمِ السَّاعَةِ**

عہ بوارق الغیب میں اس مسئلہ پر چالیس آیات اور ایک سو پچاس احادیث پیش کی ہیں۔ ۱۲۰



- ۶) قل ان ادري اقريب ما توعدون ام يجعل لى رقب اعدا  
 ۷) قل لا يعلمون فى السموات والارض الغيب الا الله وما يشعرون ايات يبعثون  
 ۸) واجل مسمى عندك ثمرات ترمون  
 ۹) وان ادري اقرب بين ام بعيد ما توعدون  
 ۱۰) ويقولون متى هو قل عسى ان يكون قريبا  
 ۱۱) قل انما علمها عند الله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا  
 ۱۲) ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صدقين - قل انما العلم عند الله  
 ۱۳) ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صدقين قل لا املك لنفسى ضرا ولا نفعا الا ما شاء الله  
 ۱۴) ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث

قیامت سے متعلق قرآن کریم میں جس قدر آیات ہیں ان سے واضح ہے کہ وقت قیامت کا علم خاصہ باری تعالیٰ ہے کہیں "اکاد اخفیہا" فرمایا اور کہیں "انما" یا نفی واستثنا یا تقدم لاحقہ التاخر سے اس کے علم کا حصر باری تعالیٰ کی ذات میں کیا گیا ہے اور کہیں بغتہ، ان ادري اور مايشعرون فرما کر غیر سے علم کی نفی کی گئی ہے اور کہیں علم قیامت کو علی سبیل المذبح ذکر فرمایا ہے اور آخری آیت میں پانچ اشارے کے علم کا مختص باللہ ہونا مذکور ہے۔ نیز قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا۔

رسل دوم، قل لا املك لنفسى نفعاً ولا ضراً الا ما شاء الله ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسنى السوء، تقریر استدلال سے قبل دو مقدمے سمجھ لینا ضروری ہے۔  
 ۱) اس آیت میں خیر و سور سے مراد دنیوی خیر و سور ہے کیونکہ آخرت میں ہر طرح کی خیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور کسی قسم کی سور آپ کو مس نہ کرے گی۔ معالم التنزیل وغیرہ میں اس آیت کے نشان نزول کے متعلق کفار کی جو گفتگو نقل کی گئی ہے وہ بھی دنیوی خیر و سور کے متعلق ہے۔ لہذا جن لوگوں نے اخروی خیر و سور مراد لی ہے ان پر محققین مفسرین نے رد کیا ہے۔

۲) جلب نفع و دفع ضرر کے لئے علم ذاتی ہونا ضروری نہیں، عطائی بھی کافی ہے، نسیز نشان نزول میں سوال صرف علم عطائی سے تھا نہ کہ ذاتی سے (کما رواہ فی المعالم)  
 اس تبصیر کے بعد استدلال کی تقریر یوں ہے کہ آیت مذکورہ میں دلیل کے دو مقدمے ہیں



مقدمہ اولیٰ دلوکنت اعلم الغیب الخ ہے، اس میں رفع تالی کو رفع مقدم کے لئے مستلزم قرار دیا گیا ہے، اور مقدمہ ثانیہ اس سے قبل لا املك لنفسی الخ ہے، اس میں رفع تالی کا بیان ہے تالی کے ہر دو جز، وقت وفات تک مرتفع ہیں، آخر وقت تک آپ کے عام حالات کے علاوہ خود مرض وفات رفع تالی پر شاہد ہے بالخصوص آپ کا بار بار غسل فرما کر مسجد میں جانے کی کوشش کرتا اور ہر دفعہ میں بیہوش ہو جانا۔ اگر آپ کو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکے گا اور جب میں اٹھوں گا غشی طاری ہو جائے گی تو یقیناً یہ ارادہ نہ فرماتے، بہر کیف یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ آخر زمانہ حیات تک عدم استکثار خیر اور مس سور میں آپ کا وہی حال رہا جو پہلے سے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی آپ کو ایسے غیوب کا علم نہیں دیا گیا جو استکثار خیر و اجتناب عن مس السور میں عادت مؤثر ہوتے ہیں۔

(دلیل سوم) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع و قلب لا یخشع (مشکوٰۃ) کیا کسی کو جرأت ہے کہ اس دعا کے عدم استجابہ کا تصور کرے، دعا کے ثانی جز کا مقبول ہونا اظہر من الشمس ہے بلکہ اس کا انکار کفر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فیما رحمۃ من اللہ لنت لہم دلوکنت فظاً غلیظ القلب لا نفصوا من حولک۔ پس جملہ اولیٰ کا مستجاب ہونا بھی متیقن ہے، نصوص بھی اسکی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لایفیع ہے وہ لاینبغی لہ بھی ہے اور ایسے علم کی نفی قرآن میں ہے، فرمایا، وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ جن روایات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مضمون شعر کے وزن پر منقول ہے وہ رجز ہے۔ وقال لا خفش ان الرجز لیس بشعر (فیض الباری ص ۲۳ ج ۲) بعد تسلیم وہ کلمات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جوش میں بلا قصد جاری ہوئے اور شعر کی تعریف میں قصد کی شرط ہے (کما صرح بہ علماء العرض) ورنہ بعض آیات قرآنیہ مثلاً لنت لہم دلوکنت حتی تنفقوا، اور شواہد متعددہ انتہی شہدوں، شعر انتہی ہؤلاء تفتنون کا شعر ہونا لازم آئے گا حالانکہ قرآن اس سے بڑی ہے وما ہو بقول شاعر، اور بقصد شعر کچھ کہنا ثابت ہو جائے تو پھر وہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نہیں بلکہ غیر سے نقل کیا ہے اور اگر اپنا ہی تسلیم کر لیا جائے تو آپ اسے شعری وزن پر ادا نہ کر سکے بلکہ وزن ٹوٹ گیا، جیسا کہ صاحب مدارک و دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ انا انبئی لا کذب، انا ابن عبد المطلب کے رجز میں آپ نے کذب کی باء کو مفتوح اور مطلب کو مجرور پڑھا تھا جس کی وجہ سے اس میں شعر کا وزن ہی باقی نہیں رہتا



اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ج ۱ ص ۵۵۵ باب الحجۃ میں تحت قولہ علیہ السلام ان  
الاجرام الاخرۃ الخ ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے۔ ولو يبلغنا في الاحاديث ان رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم مثل ببیت شعر تمام غیر ہذا البیت، بہر کیف اس رجز سے نص قرآنی کے  
خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم شعر ثابت کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ  
شعر کہا ہے خطرناک ضلالت ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں مشائخ حنفیہ سے ایسے شخص کی تکفیر نقل  
کی ہے جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہے (قاضی خاں کتاب الردۃ)

حاصل یہ کہ یہ قطعی چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی کمالات سے نوازنے کے باوجود  
شعر کا علم عطا نہیں فرمایا تھا، اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر آپ شاعر ہوتے تو دشمن کہہ سکتے تھے  
کہ جناب یہ تو پہلے ہی سے کامیاب شاعر ہے۔ اگر اس نے اپنے شاعرانہ کمال سے قرآن جیسی فصیح  
و بلیغ کتاب بنالی تو کیا عجب ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس قسم کے شکوک کا دروازہ بند کرنے کے  
لئے اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑی دلیل یعنی قرآن پر سے شکوک و شبہات کے بادل چھانٹنے  
کے لئے آپ کو علم شعر سے قطعاً محفوظ رکھا اور اس کی طرف سے طبیعت میں اتنا بعد پیدا کر دیا کہ آپ  
کبھی کسی دوسرے کا شعر بھی ٹھیک وزن پر نہیں پڑھ سکتے تھے، اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس  
طرح حق تعالیٰ نے آپ کو اُمی رکھا۔ اگر آپ لکھے پڑھے ہوتے تو تاریک باطن دشمنوں کو یہ کہنے کی  
گنجائش ہوتی کہ جناب انھوں نے یہ علیٰ مضامین کسی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ ما  
کنت تتلو من قبلہ من کتب ولا تحطہ، بیمنک اذا لا رتاب المبطون

علم غیب سے متعلق صحابہ کا عقیدہ :

(صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) ابن سعد ابن ابی حاتم اور مرزبانی نے حسن بھری  
سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یوں پڑھا کرتے تھے کفی بالاسلام والشیب  
للعرء ناھیا۔ حالانکہ موزون مصرع یوں ہے کفی الشیب والاسلام للعرء ناھیا، مگر حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم ہمیشہ یونہی اُلٹ پُلٹ کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا اشھد انک  
رسول اللہ ما علمک الشعر وما ینبغی لک (درمنثور و ابن کثیر) اس میں دلالت واضح ہے  
کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا تھا جو کہ ماکان  
وما یكون میں داخل ہے۔

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) مسلم شریف ج ۱ ص ۴۸۰ باب ان تخیرو



امراۃ لا یكون طلاقاً، میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے ایلا کر کے ایک بالا خانہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر تحقیق حال کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کمرہ کے دروازے پر آپ کے غلام حضرت رباح کو پایا۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ میرے لئے اذن حاصل کریں۔ دو تین دفعہ اذن طلب کرنے پر جب جواب نہ ملا تو حضرت عمر نے باواز بند عرض کیا کہ حضور کا شاید یہ ظن ہے کہ میں اپنی لڑکی حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں یہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو عالم الغیب نہ سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ:

قال لم یعمد علی نبیکم الا الخمس من سرائر الغیب (درمنثور ج ۵ ص ۱۷) نیز حضرت علی سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے سورہ مؤمن کی آیت منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقص علیک کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا، بعث اللہ عبدا حبشیاً نبیاً فہو متین لم یقصص علی محمد (درمنثور وکنز العمال ج ۲ ص ۲۶۲) اسی طرح سورہ نسا، رکوع ۴۳ کی ایک آیت کے تحت حضرت علی کا یہ قول بردایت ابن ابی حاتم منقول ہے (درمنثور ج ۲ ص ۳۱)

واضح رہے کہ حضرت علی سے پہلی روایت میں حصر حقیقی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ امور خمسہ کو نکال دینے کے بعد بھی باقی علوم غیر متناہی ہیں جن کا حصول کسی مخلوق کے لئے محال عقلی و شرعی ہے۔ حضرت علی سے دایت ثانیہ بھی اس پر قرینہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک علوم خمسہ کے علاوہ بھی بعض دیگر علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں کئے گئے، پس اس قسم کے الفاظ جہاں کہیں کسی صحابی سے منقول ہیں ان کا یہی مطلب ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا عقیدہ:

و اذا اسر النبی الخ (سورہ فتحیم) ان آیات کا شان نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یوں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس جایا کرتے تو وہ شہد پیش کرتیں جو آپ کو مرغوب تھا، آپ یہ شہد نوش فرماتے تھے، بتقاضائے نسوانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دوسری ازواج کو اس پر غیر معمولی رشک آیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ نے مغایر کھائی ہے (یہ ایک کریمہ الرائحہ گوئد ہے) چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے تو کہنے لگیں کہ شاید شہد کی مکھی نے مغایر چوسی ہوگی، آپ نے قسم کھالی کہ میں اب سے شہد نہیں پیوں گا اور



اس خیال سے کہ زمیں کی دشمنی نہ ہو اس کے انخفا کی تاکید فرمائی مگر اس بی بی نے دوسری سے کہنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دی گئی، آپ نے ظاہر کرنے والی بی بی سے دریافت کیا تو اس نے تعجب سے پوچھا من انباءك هذا، تو آپ نے فرمایا نبائی العلیہ الخبیر، یہ آپس میں مشورہ کرنے والی ازواج عائشہ اور حفصہ تھیں اور بعض روایات میں ہے کہ حفصہ شہد پلانے والی اور عائشہ، سودہ اور صفیہ مشورہ کرنے والی ہیں بعض روایات میں شان نزول کا اور طرح بھی قصہ آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور سب کے بعد یہ آیات نازل ہوئی ہوں بہر صورت ہمارا مقصد اس قدر ہے کہ ان ازواج مطہرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خفیہ تہ بیکرنا اور پھر دریافت کرنے پر من انباءك هذا کہنا، اس پر بین دلیل ہے کہ ازواج مطہرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ما کان وما یكون کا علیم وخبیر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتی تھیں، سورہ نمل کی آیہ کریمہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الخ کی تفسیر میں ابن کثیر بروایت ابن ابی حاتم حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں۔ قالت من زعم انہ یعلم ما یكون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ لان اللہ تعالیٰ یقول لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (ابن کثیر ج ۷ ص ۲۳۹) اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ من حدّثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غداً (بخاری ج ۲ ص ۷۲)

ورنثور میں ہے، قبل لعائشة رضي الله عنها هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمثل بشئ من الشعر قالت كان ابغض الحديث اليه غير اني كان يتمثل ببیت اخي بنی قیس یجعل اوله الخره واخره اوله ویقول ویاتیك من لم تزود بالخبیر فقال ابوبکر لیس هكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افي والله ما انا بشاعر وما ینبغی لی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عقیدہ :

تفسیر مدارک التنزیل میں ان اللہ عندک علم الساعة کے تحت مذکور ہے، رأى للنصوفي منامه صورة ملك الموت وسأله عن ملك عمره فاشار اليه باصابعه الخمس فعبر بخمس سنوات وبخمس اشهر بخمسة ايام وقال ابو حنیفة هو اشارة الى هذه الآية فلا یعلم هذاه العلوم الخمس الا اللہ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۲۱۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ : المرأیاتکم نبأ الذين من قبلکم قوم نوح وعاد وثمود الآية



اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بھی انکا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ درمیانی آبار و اجداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۵)

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، انہ کان فی انتسابہ لا یتجاوز عن معدا

ابن عدنان (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۱ و سراج منیر ج ۲ ص ۱۶۹)

### فقہاء کرام کا عقیدہ :

البحر الرائق و قاضی خاں وغیرہ کتب فقہ کی کتاب النکاح میں تصریح ہے کہ جو شخص بوقت نکاح یہ کہے کہ ہمارا شاہد اللہ اور رسول ہے اسکا نکاح نہیں ہوگا اور قائل بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھنے کے کافر ہو جائے گا۔

### چند نکات نفیسہ :

جمع اشیاء کا علم خواہ از قسم غیب ہوں یا شہادت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ایسا علم محیط خدا تعالیٰ کے لئے ضروری اور صرف اسی کے لئے کمال ہے۔ بندوں کے لئے ایسا علم نہ ضروری ہے اور نہ ان کے لئے کمال ہے بلکہ ہر بندہ کے لئے انہی چیزوں کا علم موجب کمال ہے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اس لئے کہ اصطلاح شریعت میں علم کے معنی یہی ہیں۔ لغت میں تو ہر چیز کے جاننے کو علم کہتے ہیں مگر اصطلاح شریعت میں صرف ان اشیاء کے جاننے کا نام علم ہے جنکا جاننا وسیلہ تقرب الہی اور ذریعہ تقرب ایزدی ہو۔ کیا ریل گاڑی کے بنانے اور اسے چلانے، ٹیلیگراف وغیرہ کے مسائل جاننے کو علم کہا جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کو علماء نہیں کہا جاتا۔ علماء کا خطاب صرف علم دین کے حاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" میں بھی علم کے اصطلاحی معنی یعنی ضروریات دین کا معلوم کرنا مراد ہے۔ دراصل بندوں کے لئے حقیقی کمال رضائے مولیٰ جل و علیٰ کی تحصیل ہے اور جتنے کمالات ہیں وہ سب اسی اصل کمال کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ لہذا بندہ کے لئے علم بھی وہی کمال ہے جو رضائے الہی کا سبب بنے۔ رضا خانیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمندر کے قطروں اور درختوں کے پتوں کا علم ہے اور ہر وقت ہر شخص کی حرکات و سکنات سے واقف ہیں، گویا کہ مثل خدائے تعالیٰ کے ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہیں۔ یہ چیز آپ کے لئے باعث کمال نہیں بلکہ آپ کی ذات مقدس سے اس کی نفی کرنا ہی آپ کی شان کے لائق ہے۔ آپ کا قلب مبارک علوم ربانیہ اور معارف الہیہ کا خزانہ ہے نہ کہ مادیات کی صورتوں اور حرکات و سکنات کا آئینہ۔



(۲) علمت علما الاولین والاخرین کا یہی مطلب ہے کہ اولین و آخرین کو تقرب الہی و رضائے مولیٰ کے وسائل کی تعلیم جس قدر دی گئی تھی سب کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اصطلاح شریعت میں جسے علم کہتے ہیں یعنی مقربات بارگاہ الہی کا علم۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہمسرو مساوی نہیں، نہ کوئی ملک مقرب آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

(۳) کسی چیز کا عالم کسی کو کتنا دو صورتوں میں منحصر ہے :

اول یہ کہ اس علم کے جمیع مسائل کو جانتا ہو۔

دوم یہ کہ مسائل کی مقدار کثیر کو جانتا ہو۔ مثلاً فقہ کا عالم اسے کہیں گے جو فقہ کے تمام مسائل یا مقدار کثیر کو جانتا ہو۔ کسی کو وضو یا نماز کے دس بیس مسائل معلوم ہو گئے تو اسے عالم فقہ نہیں کہہ سکتے علیٰ ہذا القیاس۔ عالم طب ایسے شخص کو کہیں گے جو طب کے تمام مسائل یا مقدار کثیر کا علم رکھتا ہو صرف اس قدر جان لینے سے کہ زنجبیل حار ہے اور کافور بارد، سقمونیا مسهل ہے۔ تعقیر اخلاط سے بخار ہو جاتا ہے، عالم طب نہیں ہو سکتا۔

اس تمہید کے بعد غور کیجئے کہ عالم الغیب یا غیب دان کسے کہہ سکتے ہیں۔ اس میں یہی دو صورتیں ہیں۔ یعنی تمام غیوب کو جانتا ہو یا ان میں سے کثیر مقدار کا عالم ہو، غیب کے تمام امور کا علم تو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ تخصیص آیات قرآنیہ سے اس صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اسکے خلاف عقیدہ رکھنے کو فقہاء کرام نے کفر قرار دیا ہے۔ اہل بدعت بھی تمام غیوب کے قائل نہیں کہا سبھی۔ اب رہا مقدار کثیر کا جاننا تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا ہے کہ کثرت باعتبار کل کے ہوتی ہے کیونکہ کثرت و قلت اضافی امر ہے۔ مثلاً کل کی تعداد ایک سو ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کل کی مقدار ایک ہزار ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر نہیں کہہ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ غیوب کی کل مقدار معلوم ہو اور پھر یہ معلوم ہو کہ اس میں سے کتنی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ان دونوں امور کے معلوم ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر امور غیبیہ کا علم دیا گیا وہ کل غیوب کے لحاظ سے کثیر ہیں یا نہیں، حالانکہ یہ دونوں امر مجہول ہیں، کون جانتا ہے کہ کل غیوب کتنے ہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ کتنے امور کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ دینے والا جانے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا غیب دان یا غیب کا جاننے والا کسی صورت میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ نہ کل کے لحاظ سے نہ مقدار کثیر کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے



قرآن مجید میں عالم الغیب کا لفظ صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے اظہار و اطلاع کا لفظ فرمایا، کما قال عالم الغیب فلا یظهر علی غیبہ احد الا من ارتضیٰ من رسول الایہ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولكن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء۔ دیکھئے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے غیب پر اظہار اور اطلاع فرمایا ہے۔ عالم الغیب کا لفظ ان پر اطلاق نہیں فرمایا، بلکہ یہ اپنے لئے خاص رکھا۔

(۴) قرآن مجید میں جہاں بھی غیب کا لفظ آیا ہے ان سب مواضع کو سیاق و سباق سے ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ آیات قرآنیہ میں غیب کا اطلاق صرف دو چیزوں پر ہوا ہے۔ ایک وحی، دوسرا وقت قیامت۔ انبیاء علیہم السلام کو جس غیب پر اطلاع دینے کی بابت فرمایا ہے وہ وحی الہی ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ غیب کا لفظ از روئے لغت ان دو چیزوں کے ساتھ خاص ہے لغت میں تو تمام اشیاء غائبہ کو عام ہے، مگر اصطلاح قرآن میں صرف وحی اور وقت قیامت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اہل بدعت کے دلائل کی حقیقت :

(۱) اہل بدعت اس مسئلہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو کافر یا سنت سے خارج سمجھتے ہیں، پس مسئلہ جب اس قدر اہم ہے اور عقائد میں سے ہے تو انہیں چاہیے کہ اس کے متعلق کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو قطعی الدلالت اور بین الثبوت ہو، ایسی دلیل وہ ہرگز نہیں پیش کر سکتے نہ ہی کتب عقائد میں سے اپنی کوئی تائید حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲) توسیع مجال کی خاطر اہل بدعت فقہ حنفی کو چھوڑ کر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ارفار عثمان کے لئے ہم بھی یہ طرز قبول کر لیتے ہیں۔ ورنہ مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔ عبارات فقہیہ چونکہ ناقابل تاویل ہیں۔ اس لئے اہل بدعت اس طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ پس ان پر لازم ہے کہ یا تو فقہ حنفی کو فیصل تسلیم کریں ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کا دعویٰ چھوڑ دیں اور غیر مقلد ہونے کا عام اعلان کر دیں۔

(۳) یہ لوگ نزول قرآن کے اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو محیط بحمیم ماکان وما یكون مانتے ہیں لہذا ان پر ضروری ہے کہ اثبات دعویٰ کے لئے قرآن کی سب سے آخری آیت پیش کریں ورنہ دعویٰ و دلیل میں انطباق نہ رہے گا۔

(۴) قرآن کریم میں جہاں کہیں غیر اللہ کو علم غیب کا اعطار معلوم ہوتا ہے وہاں ایجاب



جزی ہے اور جہاں نفی ہے وہاں رفع ایجاب کُلی ہے۔ اس تقریر پر قرآنی آیات میں تطبیق ہو جاتی ہے ذاتی و عطائی کی تطبیق ہر جگہ جاری نہیں ہو سکتی۔

⑤ ”کُل“ اور ”مَا“ اپنے عموم پر قطعی نہیں، جو دلائل اہل بدعت پیش کرتے ہیں اُن میں جہاں کہیں کُل کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں استغراق حقیقی نہیں اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ غیر متناہی علوم کا حصول مخلوق کے لئے محال عقلی و شرعی ہے۔ لہذا کُل سے مراد امور کثیرہ ہیں۔ کُل بول کر کثیر مراد لینا عام شائع و ذائع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یجعی الیہ ثمرات کُلّ شئ (سورۃ قصص) ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں دُنیا کے تمام ثمرات نہیں آتے کہ کوئی بھی خارج نہ رہے، اسی طرح بلقیس سے متعلق ارشاد ہے ادیت من کل شئ، اور ذوالقرنین کے متعلق فرمایا و اتیناہ من کل شئ، سبباً، حالانکہ موجودہ زمانہ کی ایجادات ان کے پاس نہ تھیں، ایسے ہی ”د علی کُلّ ضاہر یا تبین من کلّ فجّ عمیق“ میں استغراق نہیں۔ امام ترمذی نے لفظ کُل کے اس اطلاق کے متعلق امام الحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ جاتزفی کلام العرہ اذا صام اکثر الشہر صام کُلّ الخ (ترمذی)

خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس اطلاق کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اپنے فتاویٰ میں ایک جگہ پر فرماتے ہیں ”کبھی کُل سے مراد اکثر ہوتی ہے“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۷۳) اسی طرح ”من“ و ”مَا“ کے متعلق صاحب منار متن نور الانوار فرماتے ہیں من وما یجتملان العموم والخصوص قرآن کریم میں بھی خصوص کے لئے مستعمل ہے چنانچہ یہود کے متعلق ارشاد ہے و علمتم مالہم تعلموا (انعام ۱۱) و یعلمکم مالہم تکتونوا تعلمون (بقرہ ۱۸)

اہل بدعت عموماً اس قسم کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مراد میں قطعی نہیں، اسی طرح جو حدیث پیش کریں گے وہ علاوہ ظنی الثبوت ہونے کے ظنی الدلالت ہوگی لہذا لصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی۔

⑥ اہل بدعت کی مستدل آیات میں جہاں ”مَا“ واقع ہے اگر اسے عام لیا جائے تو خود ان کے دعویٰ اور دلیل میں انطباق نہیں رہتا کیونکہ ان کا دعویٰ خاص پیدائش عالم سے میکہ قیامت تک کے مغیبات کے علم کا ہے جمیع مغیبات کا دعویٰ نہیں کرتے (مکاسبیجی ۶) اور اگر ”کُل“ کو خاص کرتے ہیں تو خاص کے بہت سے افراد ہیں، متعین مراد اس سے کیسے ثابت ہوئی؟



## علم غیب کی نفی سے متعلق اہل بدعت کے پیشواؤں کی عبارات

(۱) فاضل بریلوی "الدولۃ المکیۃ" کی نظر ثالث میں فرماتے ہیں۔ العلم الذاتی والمطلق المحيط بالتفصیل مختص باللہ تعالیٰ۔

(۲) اسی کتاب مذکور کی نظر خامس میں ہے لا نقول بمساواة علم الله تعالى ولا بمحصولة بالاستقلال ولا منبث بعطاء الله الا البعض۔

(۳) نعیم الدین مراد آبادی الکلمۃ العلیا ص ۲ میں فرماتے ہیں، جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام حاضرہ و غائبہ کا علم عطا فرمایا، بدخلق یعنی ابتداء آفرینش سے دخول جنت و دوزخ تک سب مثل کف دست ظاہر کر دکھایا۔

(۴) بحوالہ بالا توضیح رہے کہ حضور نبی اللہ علیہ السلام کے لئے نہ ہم جمیع غیوب غیر متناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں نہ جملہ معلومات الہیہ کا۔

پس اہل بدعت پر لازم ہے کہ اپنے اس مخصوص دعویٰ پر کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو اس سے منطبق ہو۔ ورنہ خطر القتاد، فقط والحمد للہ اولاً و آخراً۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدینا و ہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب۔

## ارشید احمد

### حکم عقیدہ علم غیب کلی :

۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۱ھ

سوال : ماہنامہ الصدیق ملتان کا حجاج نمبر نظر سے گزرا۔ اس میں قائل علم غیب کلی کو کافر کہنے میں احتیاط الخ کے عنوان سے فتویٰ پر نظر پڑی۔ مفتی نے مدرسہ امینیہ دہلی کا جو جواب نقل کیا ہے اور اسی کے قریب دارالعلوم دیوبند کا جواب بتلایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل بدعت علم غیب عطائی کی تاویل کرتے ہیں اور مؤول کافر نہیں۔ اور مولانا عبداللہ صاحب مفتی خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ایسی ہو سکے جو موجب کفر نہیں اس وقت تک اسکے قائل کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجب کفر ہو۔ اس تحقیق سے متعلق آپ اپنی رائے سامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا متوجروا

### الجواب ومنہ الصدق والصواب

احتیاط فی التکفیر کی وہی وجہ صحیح ہے جو مدرسہ امینیہ دہلی اور دارالعلوم دیوبند کے جواب میں مذکور ہے مفتی عبداللہ صاحب کی بیان فرمودہ توجیہ میں یہ اشکال ہے کہ شرح فقہ اکبر میں مذکور قاعدہ کے لئے



ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمال بعید کا انکار نہ کرے۔ اگر قائل خود ظاہر پر رکھنے کی تصریح کرتا ہو اور اسی پر مصر ہو کسی دوسرے احتمال پر حمل کرنے سے روکتا ہو تو اس کے قول کو خلاف ظاہر احتمال بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ خود ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص ۲۳ پر تحریر کر دیا ہے، ثم ان كان نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم وان كان نية الوجه الذي يوجب التكفير لا ينفعه فتوى المفتي الا قول علم غيب عطائي میں کوئی محمل بعید ایسا نہیں کہ قائل علم غیب اس محمل کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو انکے کلام کا کوئی ایسا محمل نہیں ہو سکتا جس کے یہ خود قائل ہوں اور اس کی بنا پر تکفیر سے احتراز کیا جاسکے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۶۶ھ

### سوال متعلق بالا

سوال: بندہ نے عقیدہ علم غیب کلی کے متعلق ایک استفتاء پوچھا تھا اس کے جواب میں کچھ شبہ باقی ہے۔ اُمید ہے کہ حل فرما کر مطمئن فرمائیں گے۔ آنحضرت نے احتیاط فی التکفیر کی بنا ”مؤول کافر نہیں“ کو قرار دینے کی تصدیق فرمائی ہے اس پر شبہ یہ ہے کہ نص قطعی کے معانی بھی اگر تواتر سے قطعی طور پر ثابت ہوں تو اس معنی کا انکار کرنا اور کوئی دوسری تاویل کرنا کفر ہے ”لأنه انكار ما ثبت من الدين ضرورة“ لہذا ”مؤول کافر نہیں“ کا قاعدہ مخصوص ہوا ایسی نصوص کے ساتھ کہ ان کے الفاظ تو قطعی ہیں مگر معانی قطعی نہیں، سو ان کا انکار کر کے کوئی دوسری تاویل کرنا واقعی موجب کفر نہیں۔ قادیانی خاتم النبیین کے لفظ کے منکر نہیں بلکہ معنی کے منکر ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود کافر ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے وہ معنی جن کا انھوں نے انکار کیا ہے قطعی ہیں، پس اب صورت زیر بحث میں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا علم عطائی کو شامل ہونا قطعی نہیں؟ اگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنی عام قطعی نہ ہوں تو ایسے مؤول کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کلی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا

### الجواب ومنه الصدق والصواب

وہ قطعیات کہ جن کے ثبوت اور دلالت دونوں میں ظن نہ ہو۔ الفاظ بھی ثابت بالتواتر ہوں اور دلالت علی المعنی المراد بھی قطعی ہو ان کا انکار کفر ہوتا ہے لیکن کبھی یہ قطعیات ضروریات دین —



نہیں ہوتے اور کبھی ہوتے ہیں۔ ضروریاتِ دین سے مراد یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو کہ ہر وہ شخص جسے کچھ بھی دین سے تعلق ہو اس کو من الدین سمجھتا ہو یعنی وہ اسلام کے اعلیٰ بدیہیات مسائل سے ہو جو جو اللہ تعالیٰ و وحدتہ و قیام السّاعۃ و حشر الاجساد و حدوث العالم و الجزاء فی الدار الاخرۃ و الجنة و النار الی غیر ذلک۔ حضرت شاہ صاحب اکفار المحدثین میں تحریر فرماتے ہیں والمراد من الضروریات علی ما اشتهر فی الکتاب ما علم کونہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالضروریۃ بان توا ترعہ واستفاض و علمتہ العامۃ کالواحدانیۃ والنبوۃ و ختمہا بنجاء الانبیاء وانقطاعہا بعدہ ثم قال بعد اسطر) وکالبعث والجزاء ووجوب الصلوۃ والزکوۃ وحرمة الخمر ونحوہا (وقال فی الحاشیۃ) ائی استفاض علمہ حق وصل الی دائرۃ العوام الخ اب ان ضروریات کا انکار کرنے والے کو اخواہ متمسک بالکتاب والسنۃ کیوں نہ ہو اور خواہ ان قطعیات ثابتہ بالتواتر میں مایل کیوں نہ کرے اسلام سے خارج ہوگا کسئلۃ ختم النبوۃ۔

اور عقیدہ ثابتہ بالتواتر المدلول علیہا قطعاً جب وہ ضروریات دین سے نہ بنا ہو بلکہ خواص کے دائرہ میں ہو جیسا کہ نفی علم الغیب عن غیر اللہ یا خالقۃ اللہ تعالیٰ کل شیء حتی الافعال الاختیاریۃ للعباد و قدّم القرآن اس کا انکار اگر عن تاویل (ولو ضعیفا ناشئا من غیر دلیل یعتد بہ) اور ان کا تمسک بھی کتاب سنت سے ہو تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ یہ انکار کفر ہے اور یہ عقیدہ کفریہ ہے لیکن اسکا معتقد بوجہ اس تاویل ضعیف و تمسک بالدلیل الشرعی من الکتاب والسنۃ خارج از اسلام نہ ہوگا۔ خلق کل شیء، خالق کل شیء، خلقکم وما تعملون جیسی نصوص قطعیہ کی موجودگی میں معتزلہ انسان کو خالق افعال اختیار یہ مانتے ہیں لیکن شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے ان کے عدم کفر کو جمہور کا قول بتلایا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء ماوراء النہر نے ان کی تفسیل میں مبالغہ کیا ہے حتیٰ قالوا ان المجوس اسعد حالا منهم حیث لم یثبتوا الاشریکاً واحداً، اور یہ لاتعد ولا تخصی خالق مانتے ہیں۔ بہر کیف بعض علماء اُس زمانے میں بھی تیز اور سخت اقدام کے قائل تھے، لیکن جمہور نے احتیاط سے کام لیا اور اب بھی وہی معاملہ ہے۔ البتہ بشریت انبیاء علیہم السلام اور غیر اللہ کا متصرف فی الامور نہ ہونا میرے نزدیک ضروریات دین سے ہے جس کا انکار (ولو عن تاویل) کفر ہے۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل السّلام

۱۴ ربیع الاول ۱۴۶۶ھ



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَالِيَهُمْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاللَّهُ مَنَّانٌ

میں سمجھاتا ہے خضرہ دین متیں زاہد  
نقاب الٹا تو در پردہ وہ ابلیس لعین نکلا

# بھیڑ کی صورت میں بھڑیا یعنی دیندارانِ حق

بندہ نے اس موضوع سے متعلق منتشر مضامین کا مجموعہ ترتیب تحریر کے لئے ایک  
ایسے اہل قلم کے سپرد کر دیا جن پر تطویل تحریر، تکثیر اشعار اور عبارت آرائی کا غلبہ ہے،  
جب انھوں نے رسالہ تحریر کر کے پیش کیا تو میں نے اس میں سے صفحات کے صفحات قلمزد  
کئے، اس کے باوجود عبارت کی تطویل اور اشعار کی تکثیر کے علاوہ اس کا طرز نگارش بھی بندہ  
کے اسلوب تحریر سے بہت مختلف ہے، امید ہے کہ جو حضرات بندہ کی تحریر سے مانوس ہیں  
وہ اس خلاف طبع تحریر سے اخذ مطلب کی زحمت گوارا فرمائیں گے، رشید احمد



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى

أما بعد

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ

أَنْتَ الْوَهَّابُ

کسی مذہب، ملت یا مستحکم قانون کو دو طرح کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے، جب مخالفین کی نظریہ کو ناکام بنانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے طور ہزاروں بلکہ لاکھوں حربے استعمال کریں مگر سب کا حاصل اندرونی سازش اور بیرونی یلغار ہے، اور بس۔ کوئی مذہب یا نظریہ یا کسی بھی مملکت کا ایسا وجود نہ آیا ہے نہ آئیگا کہ اس کے خلاف کوئی سازش میں لگا ہوا نہ ہو، اور عادت اللہ بھی یہی ہے کہ اسی تقابل کے میدان میں لڑ کر کھرے کھوٹے کا پتہ چلتا ہے۔

عام طور پر کسی نظریہ کو قیل کرنے کیلئے ابتداءً خارجی وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں اور جب ان سے ناامید رہی ہو جاتی ہے، تو اندرونی طور پر ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہیں، جو اس تحریک کو ناکام بنانے کا امتحان و آزمائش کی ان سخت گھڑیوں میں بعض مات کھا جاتے ہیں اور بعض اس آزمائش سے عہدہ برآ ہو جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، فطرت انسانی کی صحیح ترجیحی اگر کہیں پائی جاتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے، نظریہ اسلام اور دیگر مختلف نظریات میں جہاں دو سر فرق ہیں وہاں یہ فرق نہایت واضح ہے کہ وہ تمام قوانین و نظریات جو غیر اسلامی ہیں وہ ایک خاص طبقہ اور مکتب فکر کے جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں اس لئے وہ خالص جذبات پر مبنی ہونے کی بنا پر اول تو مصالح بشریہ سے بالکل غالی ہوتے ہیں اور اگر ان میں کچھ مصلحت ہو بھی تو وہ مخصوص طبقہ اور مخصوص زمانے تک محدود ہوتے ہیں۔ بخلاف اسلام کے کہ وہ چونکہ خالق کائنات کا اپنی مخلوقات کیلئے بنایا ہوا ضابطہ ہے جو علیم و خبیر ہونے کی وجہ سے بندوں کے حالات مابعد و ماقبل سے بخوبی واقف



ہے۔ اس لئے اس ضابطہ حیات میں جہاں جذبات انسانی کی رعایت رکھی گئی ہے وہاں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کی طبیعت سلیمہ اور فطرت عالیہ کی حقیقی ترجمانی کرتا ہو، ارشاد ربانی ہے۔

فَأَتَمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

و ایسے تو ہر فرد بشر جب اپنی طریقت پر چلے گا تو وہ اسی کو اپنی معراج اور کائنات کی نجات کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

الَّذِينَ فَتَرَوْا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○

لیکن جب واقعات اور حقائق پر نظر ڈالی جاتی ہے تو لوٹ کر بات پھر وہیں آکر رک جاتی ہے جہاں سے ہم چلے تھے کہ

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○

لیکن ظاہر ہے کہ ایسا عالمگیر مذہب اور جذبات و فطرت انسانیہ پر حاوی ضابطہ حیات دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس لئے زیر گردوں جب اسلام کا سورج چمکا تو شہرہ چشموں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اس کو ختم کرنے کی کس قسمی مصلحتی لا حاصل کی گئیں مگر وہ قدم قدم پر اسلام کی ترقی کا موجب بنتی رہیں۔

آخر کار جب ان دشمنان اسلام نے دیکھ لیا کہ اس طرح سے ان کا داؤ نہیں چل رہا ہے تو انہوں نے دشمنی کا دوسرا روپ اختیار کر لیا، چاہیں تو اسے وہ طریقہ کہیں جسے رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی نے سرکارِ دونالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں شروع کیا تھا، یا ہوس نبوت کا وہ تخم زہر قاتل کہیں جس کی آبیاری مسیلمہ کذاب اور اس کے ہم نواؤں سجاح اور طلحہ اسدی نے کی تھی، بہر حال یہ سب ایک ہی شجرہ خبیثہ کے برگ و بار الکفر ملتہ واحدا کا قانون اٹل ہے، نام اور کام کے رنگ ٹھنک کا فرق ہے اور بس ۵

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں

طرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

اور شاعر نے ایسی ہی حالت کے مطابق کیا خوب کہا ہے۔ ۵

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۳



مگر یاد رہے کہ یہ تمام حربے اندر زنی ہوں یا بیرونی جس طرح اب تک ان کے لئے سیر مفید رہے ہیں، اسی طرح آئندہ بھی ان کا ہر حربہ بے نقاب ہو کر انہی کے لئے ذلت و رسوائی کا موجب ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی اہمیت کو کم کرنے بلکہ انہیں بے دینی کی راہ پر لگانے کیلئے جہاں دیگر ذرائع کام میں لائے گئے انہی میں ایک فتنہ دعوائی نثریت کا بھی ہے، نبی بننے کو ایسا آسان کر دیا گیا کہ جب چاہیں نبی بن جائیں

یوں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کتنے لوگوں نے نبی، رسول، مسیح موعود، یوسف موعود ہونے کا دعویٰ کیا، بلکہ بروز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے تک کے دعوے بھی ہوئے۔ لیکن مردم خیزی کا جو شرف ہندوپاک اور خصوصاً سرزمین پنجاب کو نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے کسی اور خطے کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوگا، اس خطہ مقدس میں غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ من حذاذوہ نے جو کشتِ نبوت بوئی ہے، اور جس کے پودے پروان پڑھ رہے ہیں یہ شرف کسی اور دشمنِ اسلام کو کم ہی نصیب ہوگا، ع

این چه شور و سیست که در دور قمری بنیم

عجیب بات ہے کہ استاذِ و پیر (غلام احمد قادیانی) تو درجہ نبوت سے نہ بڑھ سکے اور مرید (صدیق دیندار چن بسویشور) نبوت سے ترقی کر کے مظہرِ خدا بن بیٹھے خدا گنجے کو ناخن نہ دے ورنہ ..... اکبر الہ آبادی مرحوم انہیں سے تو نالاں ہو کر یہ کہہ گئے ہ

صورت فانی سے آخر کیوں پہچانے گئے  
مجھ کو حیرت ہے کہ یہ بُت کیوں خدا مانے گئے

واللہ! یہ اور ان کے پجاری خوب جانتے ہیں کہ خدا جس نے ساری کائنات کو بشمول ان کے پیدا فرمایا ہے وہ کوئی اور ذات ہے، صدیق دیندار چن بسویشور نہ خود خدا ہے، نہ اس کا مظہر اور نہ کوئی نیک بندہ بلکہ یہ سب گورکھ دھند ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے سامنے بھی ایسا کوئی بے وقوف ہوگا، ارشاد ہے

واعظا ہم بھی سمجھتے ہیں خدا ہے کوئی اور  
دل لگی کے لئے ایک بت بھی لگا رکھا ہے

مگر ان یحپاروں کا قصور نہیں، ان کو ان کے دادا (انگریز) نے یہی سبق سکھایا ہے، کہ قسمت آزمائی کرتے رہو، ہو سکتا ہے قرعہ اندازی میں مرزا صاحب کی مصالحت کی بدولت خدا بننے کیلئے



نام نکل آئے، ورنہ پیغمبروں میں تو شمار ہو ہی جاؤ گے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ یہ

عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر  
کیا تعجب ہے جو نکلا پیغمبر نمبر

مرزا غلام احمد قادیانی کے مریدین میں نبی تو بہت سے بنے ہیں، بلکہ ایسے بھی ہیں جو اپنے گرد  
سے بھی پانچ انگل آگے نکل گئے ہیں، لیکن یہ سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے جو سیکڑت  
یوسف موعود بھی ہو، نبی بھی ہو، عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہو اور مظہر خدا بھی، مگر  
صدیق دیندار چن بسویشور میں یہ تمام صفات متضادہ موجود ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدا لئے مرزائش

ذیل میں ہم اسی مرد مجاہد صدیق دیندار چن بسویشور (لئے اللہ) سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے  
ہیں، اور یہ اس سلسلہ کی آخری کڑی نہیں ہے بلکہ فتنہ مرزائیت کے بعد حکومت اور عوام کو اس  
کی طرف توجہ دینے کی ایک اپیل ہے۔ سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدیق دیندار کا مختصراً  
تعارف کرا دیا جائے۔

### صدیق دیندار چن بسویشور

انسانی تاریخ میں وہ دن کتنا منحوس تھا، جس میں صدیق دیندار نے جنم لیا، جس نے  
اپنے خود ساختہ دین کو دینداری کا لیبل لگا کر کفر و ارتداد کی ظلمت پھیلا دی، سادہ دل بندوں کو احتیاط  
توسع، شوق جہاد اور اتفاق پسندی کے سبز باغ دکھا کر قعرِ مذلت میں گرا دیا، بلکہ جو سادہ لوح  
مسلمان اس کے دامِ تزویر میں پورے طور پر نہیں آئے، ان کو بھی شیطان نے یہ فریب دے رکھ  
ہے کہ یہ خدمت اسلام کرنے والے مجاہدین کی ایک فکری غلطی ہے، حالانکہ کفر و ارتداد کی طغیانی میں یہ خود  
تو غرق ہو چکے، اگر تمہاری یہ روش رہی تو خدا نہ کرے ایک نہ ایک دن یہ تم کو بھی بہلے جائیں گے۔  
خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس بد بخت کا نام صدیق ہے، دیندار لقب ہے، عام طور پر اپنے نام کیساتھ ”چن بسویشور“  
لکھا کرتا تھا، حیدر آباد دکن میں اس کی رہائش تھی۔ ۴ رمضان بروز پیر ۱۳۰۳ھ میں دکن ہی میں اپنا  
منحوس قدم رکھا۔ عام طور پر اپنا نام اور لقب اس طرح لکھا کرتا تھا، ”صدیق دیندار چن بسویشور“  
آصف نگر حیدر آباد میں اس کی خانقاہ کا نام ”خانقاہ سرور عالم“ یا ”جگت گرو انترم“ تھا۔



جس میں سیرت النبی کے جلسے بھی کرائے گئے، خود چونکہ تقریر میں زیادہ اچھا نہ تھا، اس لئے اپنے جلسوں کو رونق افروز کرنے کے لئے بعض دوسرے حضرات کو بھی بلایا کرتا تھا۔ صدیق چن بسویشور غلام احمد قادیانی کے ساتھ میل ملاپ رکھتا تھا، لیکن بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان سے جا کر بیعت کی، پھر محمد علی لاہوری مرزائی سے جا کر قادیانی تفسیر پڑھی، اس کے بعد پھر حیدر آباد دکن کی گریڈوں کی کتابوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئیوں کو کھینچ کر اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے ہندوؤں کا اوتار چن بسویشور ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یوسف موعود، مثیل موسیٰ، مظہر خدا کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ ”خاتماہ سرور عالم واقع آصف نگر (حیدر آباد دکن) میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ بعثت ہوتی ہے، نیز اپنے کو اللہ، قیامت کا مالک اور شافع محشر بھی لکھا یہ سب باتیں انشاء اللہ انہی کی کتابوں کے حوالے سے پیش کی جائیں گی۔“

چن بسویشور کی تصانیف میں اب تک ”مہر نبوت“ ”خادم خاتم النبیین“، جامع البحرین، معراج المؤمنین اور ”دعوت الی اللہ“ کے حوالے ملتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں جو بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح فضا ساز گار ہونے پر میدان میں آئیں گی۔

مؤخر الذکر کتاب ”دعوت الی اللہ“ ان کے مذہب اور دیگر کتابوں کا سنگ بنیاد ہے۔ ان کی باقی کتب اور مریدین کی دیگر تصانیف گویا اسی کی تعبیر تشریح ہیں۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت چھپی ہوئی ہے، ”دعوة الی اللہ، الداعی تقدس مآب حضرت قبلہ مولانا صدیق دیندار چن بسویشور، یوسف موعود، سردار آخرین۔ جو باہتمام اراکین دیندار انجمن رزاقی پریس مغل پورہ میں طبع ہو کر رجب الآخر ۱۳۵۹ھ ہجری میں حیدر آباد سے شائع ہوئی“

## دیندار انجمن

صدیق دیندار چن بسویشور نے ۱۹۲۴ء میں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ایک انجمن قائم کی، جس کا نام ”دیندار انجمن“ رکھا، نام کی ملتے ساری نے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور ان کو گرفتار بنا کر دیا۔ اس انجمن کا اصول یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں ظاہر کی جائیں جو ان کی نظروں کے لئے حاذب ہوں، مثلاً جہاد کی ترغیب، اتفاق و اتحاد کی کوشش وغیرہ، اور ان کے نبی چن بسویشور کے جو اصل عقائد ان کی کتابوں میں ہیں حتی الامکان یہ کوشش رہے کہ وہ عوام کے سامنے نہ آئیں۔

آجکل اس انجمن کی تین تحریکیں تین مختلف ناموں سے چل رہی ہیں ان کی وضاحت اس لئے کرنا ضروری



ہے کہ کہیں عوام کسی دوسرے نام سے ان کے دھوکہ میں نہ آجائیں۔ پورے ہندو پاک میں ان کے مبلغین پیسے ہوئے ہیں، ہندوستان میں یہ تحریک ”حزب اللہ دیندارانجمن“ کہلاتی ہے، اس کی ایک شاخ کراچی میں بھی ہے۔ کراچی ہی میں سعید بن وحید بی۔ اے (علیگ) کی امارت میں ”جمعیت مجاہدین فی سبیل اللہ دیندارانجمن“ کے نام سے یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ یہ انجمن آجکل فقراء مبلغین اسلام دیندارانجمن اور زیادہ تر صرف ”دیندارانجمن“ کے نام سے کام کر رہی ہے، جس کا سربراہ سعید بن وحید ہے۔ اس انجمن کا مرکزی دفتر کورنگی کراچی میں ہے، تیسری تحریک ”مرکزی دیندارانجمن“ کے نام سے ہے جس کے مبلغین پنجاب اور پشاور وغیرہ میں ظاہر اور پوشیدہ طریقوں سے کام کر رہے ہیں، عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ان کے مبلغین کے دو خاص پیشے ہیں، بعض امام قوم بن کر مساجد میں امامت کرتے ہیں اور بعض پیر بن کر اپنے حلقہ ارادت میں یہ زہر پھیلا رہے ہیں، ان کی وضع قطع مخصوص ہے اس لئے اسے بھی لکھا جاتا ہے، تاکہ ناواقف مسلمان ان کو وضع قطع سے پہچان کر ان کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

## وضع قطع

انجمن دیندار کے لوگ ہرے رنگ کے عمامے باندھتے ہیں جس کے نیچے عموماً سادہ ٹوپی ہوتی ہے، رنگے ہوئے گیسو کرتے پہنتے ہیں، سر پر لپی لٹیں، لمبی ڈاڑھی، بال پر اگندہ، فقرا نہ ٹھیس میں نظر آتے ہیں۔

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندارانجمن، جواب تائب ہو گئے ہیں، فاران کراچی فروری ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں،

”راقم الحروف نے چار سال کا عرصہ ہوا جمعیت حزب اللہ دیندارانجمن کو ایک تبلیغی ادارہ تصور کرتے ہوئے زندگی وقف کر کے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں، اس کے بعد سے مندرجہ بالا واقعہ تک میں ایک سرگرم مبلغ کی حیثیت سے مغربی پاکستان میں دورہ کرتا رہا، اور ہزار ہا افراد کے مجمع میں اس جماعت کا تعارف کرانا رہا لیکن یہ کسے خبر تھی کہ جنہیں میں نے خدام الدین سمجھا ہے وہ غارتگر ایمان اور محکرمین ختم نبوت ہیں صوفیانہ حلیہ، دیندارانہ وضع قطع، فرقوں کے اتحاد کے متمنی، غرض یہ کہ انہیں آپ دیکھ کر کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ اس وضع قطع کے لوگ بھی دینداری کی آرٹ لیکچر دینی اور مشرکانہ عقائد کی درپردہ تبلیغ کرتے ہوں گے۔“



## اقتباسات

یہاں تک اس انجمن کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے، اب انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور کی تصانیف سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں، ان سے ان کے معتقدات، عزائم اور کئی دیگر خرافات آپ کو معلوم ہو جائیں گی، اور پھر اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ (دیندار انجمن والے) حقیقت میں کیا ہیں اور کس روپ میں دکھائی دیتے ہیں، ان عقائد و عزائم کے حاملین عوام میں جہاد و اتحاد کے نام سے تبلیغ کر کے عوام کو اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں۔

لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہن بھی پھرتے ہیں

اگر دنیا میں رہنا ہے تو پھر پہچان پیدا کر

لیجئے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں

### چن بسویشور اور مرزا غلام احمد قادیانی

دیندار انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور فرماتے ہیں:

”نبیوں کے اسرار مجھ پر کھلنے کے دو اسباب ہیں، پہلا سبب یہ کہ فقیر ۱۹۰۸ء میں فتنہ دجال سے کما حقہ واقف ہو کر جستجوئے مسیح میں تھا، ۱۹۱۳ء میں مسیح (مرزا غلام احمد) کو پایا۔ اور نہایت مخلصانہ طور پر اٹھائیس سال کی عمر میں ترک دنیا کر کے مزید حصول علم کے لئے قادیان پہنچا اور مرزا صاحب کے تحریر کردہ دس ہزار صفحات سے جن میں تین سو جگہ مسئلہ نبوت کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پورا پورا واقف ہو گیا۔ اس طرح ”اسرار نبوت“ کے کھلنے کا اس فقیر پر یہ پہلا سبب ہے۔“ (مہر نبوت ص ۵۱)

اس اقتباس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں، چن بسویشور کا قادیان جانا، مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا، اور اس کی تصانیف سے استفادہ دینی اور اسرار نبوت کا کھلنا، قارئین حضرات یہیں سے اقتباسات کو ذہن نشین کرتے جائیں اور یہ بات نہ بھولیں کہ یہیں سے دیندار صاحب پر اسرار نبوت کی جکی عبارات میں اردو زبان، اوزان شعر حتیٰ کہ آیات قرآنیہ پر جو ظلم ہوا ہے وہ سہو کا تب نہیں بلکہ اس کی قیاس کا غلط ہے نہ بھڑکی ورت میں بھڑیا۔ ۸



کھلتے شروع ہو گئے، اس وقت اٹھائیس برس کی عمر ہے، آج ترک دنیا کر کے مرزا کی کتابوں سے کفریات کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کل پتہ چلے گا کہ اسرارِ نبوت کھلے ہیں یا جہنم کے انگاروں کا دامن بھر لیا ہے ۔

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں

ہوش آئے گا انہیں موت کی بہوشی میں (اکبر الہ آبادی)

غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے اسرارِ نبوت خاک ملتے وہاں تو اغواءِ نفسانی کے غول بیابانی کی رنگاہ میں شکار کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں کہیں رقوم کے کانٹوں میں بھی پھول ملا کرتے ہیں ؟ اب تو جہنم رسید ہونے کے بعد چن بسویشور صاحب لہلہ دل میں کہتے ہوں گے، کاش میں وہاں نہ جاتا، مگر اب تو یلکینتی گنت نرانا کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے کا ۔

مدنوں بیٹھاترے ہنگامہ معشرت میں ہیں روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں ہیں

۴۵ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں مدنوں ڈھونڈا کیا نظارہ گل خار میں

دربارِ قادیان سے ناامید لوٹے، تبھی تو قادیانیوں بالخصوص میاں محمود سے روٹھے اور اپنی مستقل نبوت اور مامور و موعود ہونے کے دعویدار بنے اور زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے دوبارِ قادیان سے لوٹے کہ

چشم حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے

آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بونیرا چین جاتا ہوں میں

رخصت لے بزمِ جہاں سوئے وطن جانا ہوں میں

یعنی بنی بننے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہوں جو آپ کے پاس نہ ملا ۔

اے میرے خضر ختم کب ہوتی ہے مری طلب

اس کو چلا ہوں ڈھونڈنے جو ابھی ملا نہیں

## یوسف موعود

صدیق دیندار چن بسویشور نے چونکہ قادیان میں جا کر غلام احمد قادیانی کے علمی خزانے سے کافی استفادہ کیا تھا، جس کی وجہ سے اسرارِ نبوت آپ پر منکشف ہو گئے تھے، اس لئے اب دعوائے نبوت کرنے میں کیا دیر تھی بس حید آباد پہنچا تھا کہ دعویٰ کر دیا، میں یوسف موعود ہوں، مامورین اللہ چن بسویشور ہوں،



اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کے لئے ایک کتاب ”خادم خاتم النبیین“ کے نام سے لکھ ڈالی جس میں اکثر و بیشتر مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام و پیشگوئیوں سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کیا ہے، آپ بھی چند اقتباسات سن کر قوتِ دلیل کا اندازہ کر لیں۔

”اب حق آگیا، اس کی طرف حضرت صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اشارہ کیا تھا کہ جب تک کوئی روح القدس سے تائید پا کر کھڑا نہ ہو تم سب مل کر کام کرو اور اس کے بعد اس کی اتباع کرنا، اسی میں نجات ہے، اس کام کے لئے اپنی جماعت میں دن رات دعا کرتے رہنے کے لئے کہا تھا۔“

عجب منوائو! احمد یونہی سب مل کر

منظر جس کے تھے آج وہ موعود آیا!

”گزشتہ تین سال میں میاں صاحب کے نام میں نے متعدد خطوط بھیجے اور بار بار لکھا کہ دکن کے اولیاء اللہ (ہندو سادھو وغیرہ) کی کتب پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایک شخص شمال میں دیربنت (اولو العزم محمود) نامی پیدا ہوگا۔ وشنو (غلام احمد قادیانی) کی گادی پر بیٹھے گا۔“

اس کے بعد اور بھی تفصیل ذکر کر کے بشیر الدین محمود کو ہندوؤں کی کتابوں سے موعود انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے متعلق لکھا ہے کہ :

”اس کی اصلاح صدیق دیندار چن بسویشور کریگا“ (خادم خاتم النبیین ص ۱۲۱، از دیندار چن بسویشور)

لیجئے یوسف موعود کا دعویٰ ذرا اور وضاحت سے فرماتے ہیں

”حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب کی بشارت میں جتنی صفتیں یوسف موعود کی آئی ہیں

وہ کُل کمال درجہ پر مجھ پر صادق آتی ہیں“ (خادم خاتم النبیین ص ۱۲۱)

اس کے بعد اسی کتاب میں ص ۱۲۱ سے ص ۱۲۲ تک رات کے دو بجے ایک حسین نوجوان لڑکی کا ان کے بستر میں آکر لیٹ جانے کا واقعہ ذکر کیا ہے، اور آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی چھ وجوہ ذکر کی ہیں

یوسف موعود کے دنیا میں آکر لوگوں کی اصلاح کرنے کی روایت ہندوؤں کی کتابوں یا پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات سے کوئی پیش کرے تو کرے، قرآن، حدیث و کتب شرع میں تو اس کا نام و نشان

مہ یہاں ”مردود“ بھی خوب چپا ہوتا ہے، دھماکا مردود بھی ہے اور موعود بھی ۱۲ منہ



سر خدا کہ عابد و زاہد کے نگفت !  
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

## مأمور وقت

جب صدیق دیندار نے ہندوؤں میں چن بسویشور ہونے کا دعویٰ کیا، تو اس سلسلے میں لکھا کہ  
”دکن میں ایک مامور کا انتظار تقریباً آٹھ سو سال سے چلا آرہا ہے اور اس.....  
دھوم سے کہ نہانگ کا ہرنچ بڑا واقف ہے، اتنا انتظار کسی مامور کا مسلمانوں  
میں نہیں، اس کثرت سے نشانات بیان کئے گئے ہیں کہ مہدی اور مسیح کے  
بھی نہیں“ (خادم خاتم النبیین ص ۱۱)

مزید سنئے اور چن بسویشور صاحب کی علم کلام میں مہارت کی بھی داد دیجئے،  
”میری ماموریت کے انکار کی صورت میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، اگر وہ موعود  
میں نہیں ہوں تو دوسرا کوئی پیش کرے“ (خادم خاتم النبیین ص ۱۲)  
ٹھیک فرمایا حضرت والانے، کیسی دور رس نگاہ ہے، ”خانہ خالی رادیومی گیر د“، مامور وقت  
جیسا ہم عہدہ خالی پڑا رہنا زیب نہیں دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب کی شان عالی  
میں شاعر کہہ گئے ہیں ۷

دل نفس کا تاج غفلت میں دنیا کی حقیقت کیا جانے  
تھی عقل نہاں پرے اکبر اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر  
امڈے ہیں فریب امید کے طوفاں ہیں بیارا انوکے  
نمازیہ ہستیاں ہیں سرخیل رہے دیوانوں کے

## یوسف موعود ہونے کا دعویٰ ایک روپ میں

خدا کرے ذیل کا دعویٰ بھی آپ کی سمجھ میں آجائے، سنئے اور سر دھنیے،  
”یوں تو جلال کے لحاظ سے موسیٰ بھی ہوں اور داؤد علیہ السلام بھی۔ مسیح موعود  
کی عبارت میں ان دونوں کا نام کیوں نہیں آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوسف مصر کے بادشاہ تھے، وہ جس  
قوم پر حکومت کرتے تھے وہ عربی نسل قوم تھی، قبل ظہور اسلام دو ہزار سال کے اندر وہ تمام قوم  
ہندوستان کے جنوبی علاقے میں پہنچ گئی تھی، یہ سمجھنے کے بجاری اور شرک پر قائم رہے، ان میں  
بیمٹر کی صورت میں بھیڑا۔“



ان میں ایک رسول کی بشارت چلی رہی تھی جسکو شکھ اذنا کہتے ہیں، شکھ کے معنی نفسِ آراء کا مقابلہ کرنے والے کے ہیں، درحقیقت یہ یوسف کا قرعہ نام ہے، قوم لنگایت میں شکھ کا مجھ سے پیشتر ۲ دفعہ آنا مانا جاتا ہے اور یہ آخری ظہور ہے۔ آج سے آٹھ سو سال پیشتر اولیاء اللہ (ہندو سادھوؤں) نے اس کو دیندار چن بسویشور کے نام سے موسوم کیا ہے (دعوت الی اللہ از دیندار چن بسویشور) قارئین حضرات! کیا سمجھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں صرف ایک مرتبہ نہیں آئے بلکہ بقول چن بسویشور ان سے قبل ستائیس دفعہ وہ ہندوستان کی قوم لنگایت میں تشریف لائے ہیں، اب اٹھائیسویں مرتبہ ایک ہندو چن بسویشور کی روپ میں آئے نعوذ باللہ من شر ذلک۔ خدا کا پیغمبر اور ہندو کے روپ میں، العیاذ باللہ، یاد رہے کہ یہ دعاوی کی پہلی سیرھی ہے، آگے چل کر خود حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنی فوقیت جتلاتے ہیں، خاموشی اور انگشت بدندانہ رد جانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آئے تو کوئی عرض بھی کرے یہاں پر تو ۷

رنج آسماں میں ہے نہ راحت زمیں میں ہے

اپنے ہی حسن کا جوش ہے سب کچھ ہمیں میں ہے

اپنے قارئین دوستوں کو بس اتنا بتادینا ضروری سمجھتا ہوں اور اس سے بڑھ کر یوسف دوران کا تعارف مجھ ناچیز سے نہ کرایا جاسکتا ہے نہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ جس قدر آپ کے ذہن میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن مبارک گاتنا ہی چن بسویشور کی بد صورتی کا اندازہ کر لیں اور یہ حقیقت ہے مبالغہ آمیزی نہیں اس کو جہنم رسید ہونے زیادہ عرصہ نہیں گذرا اسے دیکھنے والے ابھی تک زندہ ہیں مع برعکس نہ ہند نام زنگی کا فور

## مہدی آخر الزماں

جو شخص نبی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کے لئے مہدی آخر الزماں بننا کیا مشکل تھا جبکہ اس سلسلہ میں ایک خواب بھی بطور تائید نظر آیا تھا، فرماتے ہیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف انگلی سے اشارہ کر کے عوام کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اس میں فنا نہ ہوگا وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتا،

(خادم خاتم النبیینؑ)

میرے آقا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹا خواب نسبت کر کے آسمان سے تو پروانہ مل ہی



چکا تھا اب لوگوں کو دھوکہ دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، ایسی صورت میں دعوائی مہدیت اور بیعت رضوان لینے میں کیا چیز مانع تھی؟ جس سادہ لوح مسلمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ بشارت سنی اپنا تن من دھن قربان کر ڈالا، مہدی مان کر بیعت کر لی، سنیے جن بسویشور کی اپنی زبان سے:

”ہیبتی میں ایک عورت میرا وعظ سن رہی تھی، روحانیت کا اتنا اثر ہوا کہ جدھر دیکھے جن بسویشور نظر آ رہا ہے اور ہر ایک آواز جن بسویشور ہے، اگر مرغ بانگ دے تو جن بسویشور کہتا ہے، اور بچہ بھی روتا ہے تو جن بسویشور ہی کہتا ہے، بگھار چڑھا ہوا ہے تو جن بسویشور آواز آ رہی ہے۔ کئی دن ایسا رہا، اس معاملہ میں وہ عورت گھبر گئی، اپنے خاوند کو لے کر میرے پاس آئی میں نے بیعت لیکر دعا دی، اب تک وہ اچھی ہے، بہت سے لوگ ہیں جو بعد وعظوں کے پکار لٹھے کہ آپ مہدی ہیں، بعض نے مہدی مان کر بیعت کر لی؟  
(خادم خاتم النبیین ص ۳۷)

ایسے ہی سی کتاب میں اپنی روحانیت کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-  
”وہ (کوئی لڑکی) بن سنور کر رات میں مجھ سے آکر لیٹ گئی“

یہ ہیں مہدی آخر الزماں کی روحانیت کے کرشمے ج

درد اکہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

آپ کا کوئی تصور نہیں اصل میں اسلام کو چھوڑے ہوئے کافی زمانہ گزر گیا ہے، اب یاد نہیں رہا کہ مہدی کیا ہوتے ہیں، بس سمجھ کی غلطی ہے بیچارہ یہی سمجھا کہ مہدی آخر الزماں بھی کوئی اسی قسم کا غلط ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۷

گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی صیاد مجھے

کس چمن میں تھا نشیمن یہ نہیں یاد مجھے

تعجب ان دیوانوں پر نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہوس اگر سب پہلا وار ہوش پر کرتی ہے، جب عقل و خرد ہی رخصت ہو گئی تو پھر کسی کا کیا رونا، مگر تعجب ان مسلمان بھائیوں پر ضرور ہوتا ہے جو ایسی خرافات بکتے والوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنا رہبر تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر لکنا ساقطۃ لافطۃ کے قانون پر اس کے بغیر عمل ہی ناممکن تھا ۷

گردشِ چرخِ بدلتی ہے دنیا کا طریق

ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبہ پر از کیسا تھ

بھڑکی مشور میں بھڑیا — ۱۳



## گل تازہ شگفت

”اگر میں احمدیوں کا مامور موعود نہیں تو دوسرا کوئی بتائے کہ جو عین وقت یعنی ۱۹۲۷ء میں آیا۔ اگر میاں (محمود) صاحب کے مامور ہونے کا انتظار ہے تو وہ بالبدانتہ غلط ہے پہلے تو اس بنا پر غلط ہے کہ مامور کبھی ایک نہ درست جماعت کا خلیفہ نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ مامور کے ساتھ ہونے والوں کو ایمان بالغیب اور امتحانات میں سے گذرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے حضرت (مرزا صاحب) نے یوسف موعود کے لئے نطفہ اور علقہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ معمولی انسان ہوگا تمہاری نظریں دھوکہ کھا جائیں گی اور یہی سنت اللہ ہے..... ایسی صورت میں نہ خواجہ کمال الدین صاحب کھڑے ہو سکتے ہیں اور نہ مولانا محمد علی صاحب اور نہ میاں (محمود) صاحب یہ کل مشہور انسان ہیں، اگر یہ لوگ اس کام کے لئے مامور ہو جائیں تو خدا کی سنت میں فرق آتا ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے اپنی سنت کے مطابق جماعت احمدیہ کے ابتلا کے زمانہ میں صدیق کا انتخاب کیا۔ دیر آمدہ زراہ دور آمدہ، کا وعدہ پورا کیا۔ اس کا تفصیل وار ذکر آئندہ آئے گا۔

ہر لفظ پیشگوئی کا فقیر چسپاں ہوتا ہے، پہلے تو یہ نشان کہ وہ نطفہ علقہ کی طرح ہے، اس کو دیکھ کر لوگوں کی نظر دھوکہ کھا ئیگی وہ اس طرح کہ پیدائش کے لحاظ سے بھی میرا یہ حال ہے کہ میں حد درجہ کا کمزور پیدا ہوا تھا۔ رونے کی آواز تک نہیں نکلتی تھی، والد نے یہ کہا کہ یہ بچہ کیا جیتا ہے؟ کوڑے پر پھینک دو۔ (کاش کہ والد کی بات مان لی جاتی، رشید احمد) والد نے کہا ابھی جان ہے ذرا ٹھہرو..... اللہ جماعت احمدیہ سے کام لینا چاہتا ہے، ان میں مخلص لوگ کثرت سے ہیں..... اللہ اس جماعت کو چھوڑنا نہیں چاہتا، پھر دوبارہ فضل ہوا ہے۔ حضرت (مرزا) صاحب نے لکھا ہے کہ جب تک کوئی روح حق پاکر کھڑا نہ ہو سب مل کر کام کرو، اس روح حق والے کیطرن ہو جاؤ، اور وہ صدیقی رنگ میں ہے، نطفہ اور علقہ کی طرح ہے، حقیقت نظر آئے گا دھوکہ نہ کھانا۔ غرض اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے وعدہ پورے ہو رہے ہیں۔“

(خادم خاتم النبیین ص ۱۵)



ٹھیک فرمایا آنجناب نے واقعی آپ احمدیوں (قادیانیوں) کے مامور موعود ہیں، جو شک کرے  
کا فرہوگا۔ اشہدا انک من القادیانیین ومنتبہہم لعنة الله علیک وعلی شیخک غلام احمد  
وعلی من حذاخذ وکم الی یوم التناد و اخذکم الله اخذ عزیز مقتدر ط۔

بڑا افسوس ہوا آپ کے خلیفہ وحید بن سعید کی قلمی کتاب ”ختم نبوت کا قرآنی مفہوم“ دیکھ کر  
اس نے صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے آپ کو اور آپ کی جماعت کو قادیانی جماعت سے الگ بلکہ  
بیزار ظاہر کیا ہے۔ بیشک آپ قادیانی نہ ہونے کے الزام سے بری ہیں، بلکہ آپ بکے قادیانی ہیں۔

چن بسویشور کی روح معذب کو میرا مشورہ ہے کہ اس ناخلف خلیفہ کو جو کونگی ۳۶ میں رہتے ہیں  
جلدی ریٹائر کر دیں ورنہ یہ تمہارے مذہب ہی کو مٹا دیتے کو تیار ہیں۔ ع۔

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر کر

چن بسویشور نے اپنے مامور وقت ہونے کے دعویٰ کے سلسلہ میں ہندوؤں کی کتابوں سے  
بھی بعض پیش گوئیاں درج کی ہیں :

”شیو خود دنیا کی ایک سو ایک ذاتوں کو ایک کرنے آئے گا..... دس اوتار کے رنگ  
میں خود گھوڑے پر سوار ہو کر ملک ملک پھرے گا..... بسو پر بھو اس کو انسان سمجھ کر انکار کر کے اس سے بات  
مت کرو..... دائم قائم رہنے والا پر مائتا خود اتر لے، معجزے دکھائے گا..... ایشور کے روپ  
والا..... دنیا میں ایشور آتا ہے کوئی دیر نہ ہوگی..... دنیا کا ایشور چن بسویشور دنیا کے کھیل اور  
فریب فاش کرے گا۔ شکر زمین پر اترے گا،“ (دعوة الی اللہ ص ۱۸)

دیکھ لیا، چن بسویشور قائم دائم رہنے والا ہے یعنی هو الحی القیوم ہے، بہت خوب  
یہ عجیب الحی القیوم ہے کہ مدت ہوئی جہنم رسید ہو گئے۔

شیو کو تو ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ وہ غلام احمد قادیانی ہے، ایشور کی حضرت نے تشریح کر دی کہ  
وہ چن بسویشور ہے، مگر یہ شکر اور پر مائتا سمجھ میں نہیں آیا، کیا بلا ہیں، ویسے جس نائن تو یہی رکھتے ہیں  
کہ وہ آنجنابی ہیں۔ اور دس اوتار جن کے رنگ میں ایشور صاحب کا ظہور ہو گا اور وہ ملک ملک پھرے گا،  
اس کی تشریح ابھی رہنے دیتے ہیں۔ اس کا عقدہ کوئی اور دوست انشا اللہ سمجھا دے گا۔

اچھا بھئی بسو پر بھو جن کا یہاں ذکر ہے کہ وہ آپ کو انسان سمجھیں گے، اس نے تو واقعی بہت  
بڑے جرم کا ارتکاب کیا، ننگ انسانیت کو انسان سمجھنا یہ تو واقعی ان کی ناسمجھی ہے، مگر یہ  
نہیں پتہ چلا کہ یہ مرد مجاہد بسو پر بھو ہے کون ؟



## حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت

نبوت اور مأمور ہونے کی تائید میں اگر غلام احمد قادیانی کے الہامات اور ہندو سادھوؤں کی پیش گوئیوں پر اکتفا کرتا تو تعجب نہ ہوتا کیوں کہ وہ اسی زمرے میں شمار ہیں، مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنی تائید کی جوتہمت لگائی اس میں جھوٹ اور دیدہ دلیری کی حد کر دی ہے، لکھتے ہیں، ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نازخ پیدائش میری بتائی ہے اور حالات بتائے

ہیں وہی اولیاءِ دکن (سادھوؤں) نے بتائے ہیں۔ اور انہوں نے جو نازخ پیدائش اور حالات بتائے ہیں وہی حضرت مرزا کی کتب میں منظر آتے ہیں“ (خادم خاتم النبیین صلا) جھوٹ، سفید جھوٹ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہاں فرمایا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اتنی بڑی تہمت ہے کہ اس پر جو بھی بڑی سے بڑی سزا تجویز کی جائے وہ اس جرم کی نسبت کم ہے۔ ۷

مگر خدا کہ عابد و زاہد کسے نگفت

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجاشنید

غلطی سے ان کو بادہ فروش کہا، ورنہ یہ میں بادہ نوش۔

## مثیل موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

مسیح موعود نے بھی میری نسبت فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ ایک موسیٰ ہے، میں اس کو ظاہر کروں گا، (دعوة الی اللہ ص ۲)

سچ فرماتے ہیں ہیں بھی تائید کرتا ہوں کہ آپ مثیل موسیٰ بلکہ عین موسیٰ ہیں، لیکن پتہ ہے کونسا موسیٰ؟ وہی موسیٰ جس کے بارے میں ارشاد ہے ع

فموسیٰ الذی ربّاه جدیل کافر

آپ کا کوئی قصور نہیں، مرزا کا الہام سمجھنے میں کچھ غلطی ہوئی ہے اور یہ اجتہادی غلطی ہے آپ کے شیخ الشیخ حضرت مرزا علیہ ما علیہ بھی ایسی ہی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، شیطان نے دل میں وہم ڈالا تو وہ سمجھے کہ یہ وحی نازل ہو رہی ہے۔



## بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

حدیہ کر دی کہ ہوس بوت جب بڑھی تو اپنے لئے مختلف نام تجویز فرماتے، اور ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ صرف چن بسویشور، یوسف موعود، مثیل موسیٰ، مصلح موعود، مأمور وقت، شکر اور پرہیزگاری وغیرہ کے دعووں سے کہاں اس کو تسلی ہوتی، چنانچہ اپنے الہامی ناموں کا اعلان کر دیا:

”لہذا آج پچیس سال سے مجھے مکالمہ الہیہ جاری ہے اور میرے اعزازی نام

یہ ہیں،

”اے پران پیر، محمد، امام الغیب، صدیق، کلیم اللہ، سپہ سالار، محبوب، تو محمد جلال ہے، مہدی آخر الزماں، دھن پتی، دیندار، محی الدین، صادق جنگ، سری پتی، اے تاج الاولیاء، فاتح ہندوستان، نور محمد، محمود صدیق، جبریل اللہ، اے نبی کے فرزند، سکندر اعظم، عبدالقادر، عبداللہ، موسیٰ، سلیمان، مولانا، نگہبان، اے عیسیٰ، اے پہلوان، عادل میراں صاحب، اے میرے آسمان کے تارے، بی بی فاطمہ کے لعل، اندرجیوتی، میرے صابر چرخ دہر، سلطان نصر الدولہ، کرونا تھ، یا منصور، اور بھی کسی نام ہیں، ان ناموں کے علاوہ مجھے بار بار یوسف پکارا گیا اور کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے کہا یوسف ہے بابا صدیق اور کہا تو ہی چن بسویشور، (دعوۃ الی اللہ ص ۳۵)

## ایک ہی شجر کے برگ و بار

خلیفہ قادیان کے بارے میں لکھا ہے:

”اے خلیفہ جماعت احمدیہ میں آپ کو ایک مانہ سے جانتا ہوں کہ آپ متقی ضرور ہیں۔“  
(خادم خاتم النبیین ص ۵)

اسی صفحہ پر مزید تقدیس بیان کرتا ہے:

”بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب دیر بخت اولوالعزم و کن تشریف لائیں گے، میں میاں محمد احمد صاحب کو دکن کی بشارتوں کی بنا پر خلیفہ جماعت احمدیہ ماننا ہوں، گو لاہور کی جماعت مخالف ہی کیوں نہ ہو۔“

حقیقت یہ ہے کہ صدیق دینار کی جماعت ہو یا قادیانی یا لاہوری سب ایک ہی درخت کے



برگ و بار ہیں، چن بسویشور اور اس کی کتابوں سے جہاں قادیانیت کو تقویت پہنچتی تھی وہاں انہی کے ذریعہ لاہوریت کا پرچار بھی رہا، چنانچہ محمد علی لاہوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ نے ایک خط میں مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ ہمارے جماعت کا ہر دستہ خوش ہے“ (حوالہ بالا)

ایک ایسا ہی خط قادیان سے آیا ہے، اسے بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:

”مکرمی اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ ہے کہ مجلس مشورت کے بعد آئندہ سال کے پروگرام میں دکن کی طرف وفد بھیجنے کی کوشش کی جائیگی..... بہر حال آپ کام کرتے رہئے، اللہ تعالیٰ کے وعدہ اپنے وقت پر پورے ہو جائیں گے، مزید براں یہ عرض ہے کہ بوجہ مالی تنگی اس علاقہ کی طرف توجہ نہ ہو سکی..... کام کی رپورٹ براہ کرم بھیج دیا کریں، اور مشکلات اور نتائج سے آگاہ کرتے رہیں۔ والتسلیم

دستخط عبدالرحیم نیر

نائب ناظر دعوة وتبلیغ

قادیان



(منقول از کتاب خادم فائز النبیین ص ۱۸)

جس کتاب سے یہ حوالے دئے جا رہے ہیں، وہ خود بانی انجمن چن بسویشور کی تصنیف ہے، ان اقتباسات بالخصوص مذکور خط سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار انجمن باقاعدہ ایک شاخ کی حیثیت سے اپنے مرکز قادیان میں کام کی رپورٹ اور نتائج بھیجایا کرتی تھی، اس لئے جماعت کے بعض افراد کا یہ کہنا کہ ہمارا قادیانیوں سے نہ نظریاتی کچھ تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کا، بدیہی البطلان ہے۔

## دیندار انجمن والوں کا امتحان

عوام کی دھوکہ دہی کے لئے دیندار انجمن کے مبلغین یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں والے عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہماری انجمن کے بانی چن بسویشور کے وہ عقائد نہ تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے تھے، اور یہ وہ نبوت کے مدعی نہ تھے وغیرہ۔ یہ سب فریب اور ملمع سازی ہے، جہاں تک ان کے مرزائیت کی دونوں جماعتوں قادیانی اور لاہوری سے تعلقات کا معاملہ ہے اس سے متعلق ہم پیچھے



خود بانی جماعت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی جماعت قادیانی جماعت کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے، قادیانیوں کے ساتھ جن بسولیشور کا اتفاق اور غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ ماننے کی تصریحات بھی پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں اور خود بانی کے دعوائی نبوت سے متعلق بھی بعض عبارتیں پیچھے آچکی ہیں اور بعض آئندہ آرہی ہیں۔ یہ ایسے حقائق ہیں کہ ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ اگر واقعہً ان مبلغین حضرات کو ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ خوشی کا مقام ہے، مگر صرف اتنا کہدینا کافی نہیں، بلکہ جن لوگوں نے بشمول جن بسولیشور نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان سب کو علی الاعلان تقریراً و تحریراً کافر کہیں اور ان کی کتابوں کو میدان میں رکھ کر جلائیں، ان کی جماعت سے اپنی برأت کا اظہار کریں، اگر اس کے لئے تیار نہیں بلکہ بانی انجمن کے نام لیواؤں میں اپنے کو شمار کرتے ہیں، ان کی تحریک کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل رہتے ہیں ان کی کتابوں کو چھاپتے اور ان کی اشاعت کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ صرف زبان سے یہ کہدینا معتبر نہیں کہ ہمارا ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ جس طرح بانی جنت جن بسولیشور اپنے عقائد کفریہ کی بنا پر دجال اور دائرہ اسلام سے خارج شمار کیا جاتا ہے یہی حکم ان کا بھی ہوگا۔

قارئین حضرات اس کا تجربہ کریں جب بھی بھڑکی صورت میں کسی بھیرے کو دیکھیں، لمبی ٹوٹ اور سبز پگڑی والے کسی خضر صورت منافق سے ملاقات ہو تو اولاً تو اس کے ملعون چہرہ ہی پر اس کے دل کی ظلمت نمایاں ہوگی، مزید تجربہ کے لئے اس سے غلام احمد قادیانی اور ختم نبوت سے متعلق دریافت کریں تو وہ مرزا قادیانی سے سخت بنیاری اور ختم نبوت پر ایمان کی تقریر کریگا، مگر آپ اس سے ملعون قادیانی اور جن بسولیشور کی تکفیر کے اعلان کا مطالبہ کریں تو وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوگا۔

آج سے تقریباً بیس برس قبل غالباً ۱۳۳ھ میں مجھے دارالعلوم کوثرنگی میں اطلاع ملی کہ لائڈھی ماچس فیکٹری کی مسجد میں دیندار انجمن کا ایک منافق امام ہے، میں نے دارالعلوم سے ایک طالب علم کو جن بسولیشور کی کتابوں کے حوالے مہیا کر کے جمعہ کے روز اس مسجد میں بھیجا انہوں نے بوقت نماز جمعہ عوام کے سامنے اس مردود نام کے نفاق کا پردہ چاک کیا لوگوں نے اس ملعون کو انتہائی ذلت کے ساتھ مسجد سے نکالا، وہ بھاگا ہوا میرے پاس پہنچا اور مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کا دیندار انجمن اور قادیانیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور وہ پگڑی مسلمان ہے بالآخر یہاں تک کہا کہ چلے آگے پہلے مسلمان نہیں تھا تو اب آپ کے سامنے اسلام قبول کرتا ہوں اور مرزا قادیانی اور جن بسولیشور کو کافر کہتا ہوں آپ میری امامت اسی مسجد میں بحال کرادیں، میں نے کہا کہ آپ جمعہ کے روز اسی مسجد میں یہ اعلان کریں



”میں پہلے مرتد تھا اب دوبارہ میں نے اسلام قبول کیا ہے میں غلام احمد قادیانی اور صدیق دیندار چن بسویشور اور اٹلی جٹا کو کافر اور مرتد سمجھتا ہوں یہ سب لکے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھوں گا“

نیز یہی اعلان اخبار جنگ اور انجرام میں بھی شائع کریں۔ اس کے بعد آپ کو مسلمان قرار دیا جائیگا باقی رہا امامت کا مسئلہ تو آج ہی کوئی سکھ اسلام قبول کرے اور فوراً اسے امامت کا منصب بھی دیدیا جائے یہ نہ عقلاً قابل تسلیم ہے نہ شرعاً۔ ایک سال تک آپ کے حالات کا جائزہ لیا جائے گا اور دیندار انجمن سے قطع تعلقات کا اطمینان ہونے کے بعد آپ کو امام بنایا جاسکتا ہے،

اس منافق نے جب دیکھا کہ یہاں اس کا کوئی دائرہ نہیں چلتا تو راہ فرار اختیار کی کسی دوسری مسجد میں جا کر امامت کی صورت میں عوام کے ایمان پر غارت گری شروع کر دی ہوگی ۷

دراہن، ڈاکو، لٹیرے، خود غرض حق ناشناس

بھیڑے پہنے ہوئے پھرتے ہیں بھیڑوں کا لباس

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی

اپنی کتاب مہربوت میں لکھتا ہے :

”الحمد للہ اعلان نبوت منجانب احمدیائ مسیح موعود کی شہرت کا باعث بنا

اور یہ شہرت قیامت کے قائم ہونے کی ایک عظیم الشان حجت تھی، یہی

ایقان قیامت ”بعثت ثانی“ کے ثبوت میں بینات بن کر ہالیہ کے پہاڑ کی

طرح سر بلند اور مستحکم کھڑا ہے“ (مہربوت ص ۵۶)

اس عبارت سے تشفی نہ ہو تو مزید تشریح سنئے :

”جب ”بعثت ثانی“ میں ان کے باپ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف

لائے ان کو چھوڑ کر احمدیوں نے ولد اللہ کی حقیقت کو قائم رکھنا چاہا جو ان کو

فتنوں میں مبتلا کر دیا“ (مہربوت ص ۵۷)

میرے خیال میں قارئین حضرات نہیں سمجھے ہوں گے، یہ دفع دخل مقدر ہے، مطلب یہ کہ کوئی کہہ

سکتا ہے کہ تو نبی برحق ہے تو یہ احمدی (قادیانی) تجھے کیوں نہیں مانتے؟ جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اکثر عیسائیوں نے نہیں مانا،

اسی طرح مسیح موعود کے بعد جب دوبارہ حضور کی بعثت ثانی بشکل چن بسویشور ہوتی تو ان احمدیوں نے بھی



عادت سابقہ کی طرح نہ مانا، اگلی عبارت اس کی مزید وضاحت کر رہی ہے ملاحظہ ہو  
 ”دوسرے الفاظ میں اس کی وجہ میں بزمانہ قیامت حضور منیع النوار خود تشریف لاتے  
 ہیں، اس حقیقت کی وجہ سے یہ بروز محمد کہلاتا ہے اسی وجود کی نشاندہی میں سچ  
 ظاہر ہوتا ہے جو ”اِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلْسَّاعَةِ“ کی حقیقت منکشف کرنے کے لئے بچہ  
 کی طرح کچھ نہ کچھ کہہ دے کہ عقائدی طوفان مچا رہے، قیامت کا علم دینے کے لئے  
 اس کی بدننامی مقدر ہوتی ہے“ (مہربنوت ص ۴)

قارئین حضرات اس عبارت میں آخری فقرہ ”بدنامی مقدر ہوتی ہے“ کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں  
 کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ خدا نخواستہ آپ کی بدننامی مقدر ہو، یقیناً نہیں، تو کیا جو خدا کا نبی یا رسول  
 نبی ہوگا اللہ کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی بدننامی ہی مقدر ہو، ظاہر ہے کہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ  
 اس ”رسوا سربازار“ کو امتحان و آزمائش اور بدننامی میں امتیاز نہیں، لیکن اچھا ہوا اپنے ہی قلم  
 سے تقسیم مناصب کر دی جو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نبی ہوتا ہے، بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ اسے  
 آزمائش میں ڈالتے ہیں۔

آزمائش ہے نشان بندگانِ محترم

جانچ ہوتی ہے انہی کی جن پہ ہوتا ہے کرم

اور جو نبی نہیں بلکہ مستنبی (جھوٹے نبوت کے دعویدار) ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لئے  
 بدننامی مقدر ہوتی ہے۔ چن لیو لیثور کو اپنی حقیقت کا علم تو تھا ہی اس لئے حقیقت ظاہر کر دی کہ وہ  
 ایسا بروز محمد ہے کہ بدننامی اس کے لئے مقدر ہے سو داللہ وجہہ یوم القیمۃ۔

## بروز محمد کی تشریح

پچھلی عبارت میں بروز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریح اگرچہ آچکی ہے کہ ”اس ولی کے وجود میں  
 حضور منیع النوار خود آتے ہیں“ لیکن اس کی مزید تشریح اشعار میں بھی کر دی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:  
 بروز محمد ہے نبیوں کا حاکم

ہے مظہر خدا کا مترآن کا ہے عالم ہے قاضی حشر، حوض کوثر کا قاسم  
 (مہربنوت ص ۴)

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قاضی حشر نہیں منمایا سید ولد آدم تو



فرمایا ہے لیکن حاکم الانبیاء نہیں مندرمایا، اس لئے یہاں بروز محمد کی جو تشریح کی ہے وہ ایسا برد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قدر و منزلت میں بڑھا ہوا ہے بلکہ قاضی حشر یا مالک حشر تو صفات خداوندی ہیں، اس لئے بلا مبالغہ بروز محمد کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا جو صفات محمدیہ کے ساتھ بشکل ہندوچن بسویشور آیا ہے، وہ یہ بندہ ناچیز ہے ۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خسر

جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

مذہب ”چن بسویشوری“ میں اس کے اندر کوئی استحالہ نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک مسلمان

کا درجہ نبی کے برابر ہے، اور جو جامع الانبیاء ہو وہ ظاہر ہے کہ کم از کم خدا تو ہوگا ہی، مسلمان

اور نبی کا درجہ برابر ہونیکے بارے میں خود چن بسویشور کے الفاظ سن لیجئے :

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

(مہر نبوت ص ۶)

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ورنہ عام مسلمانوں کے برابر ہوتا۔

العجب ثم العجب

## بسویشور کے دربار میں نبیوں کا اجتماع

ع ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو

حد ہوگئی ہوس جاہ کی، مآموں وقت سے لے کر مہدی آخر الزماں اور یوسف موعود و دیگر خیالی مراتب تک پہنچنے کے بعد اب بھی ہوس پوری نہیں ہوئی تو بکے لگا کہ تمام انبیاء میرے دربار میں حاضری دیتے ہیں، فرماتے ہیں :

”بروز محمد“ سے مطلب بعثت ثانی میں آخرین منہم کے مالک اور آقا ہیں...

یہی وقت اجتماع انبیاء کا ہوگا، جب کل انبیاء جمع رہیں گے ان پر حاکم

ایک امتی فانی الرسول ہوگا، جو بروز محمد کہلائے گا“ (مہر نبوت ص ۷)

جب خود بروز محمد ہو گئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی بشکل چن بسویشور ہوگئی، بیت المقدس

کی بجائے حیدر آباد دکن میں انبیاء کرام جمع ہو گئے، حاکم بسویشور صاحب مقرر ہو گئے اب آسمان سے نزول

قرآن کے خیالی تصور میں کیا دیر لگتی، اس لئے ارشاد ہے :

بھڑکی مورت میں بھڑیا



”علم قرآن جب خلیج عروج میں اولیاء کی بعثت کے زمانہ میں بتدریج ایک ہزار سال کے اندر آسمان پر چڑھ جائے تو دوبارہ وہ ذات بابرکت تشریف لائیں گے، ان پر ہی علم قرآن نازل ہوگا۔ (مہربنوت ص ۷۷)

عجیب، وہ قرآن جس کا نزول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ و مدینہ میں ہوتا تھا، آج ہندوؤں نے اوتار چن بسویشور پر اس کا نزول جید آباد دکن میں ہو۔ ع۔  
وائے رے قرآنِ مظلومی تری

بہائیوں کی کتاب اقدس دنیا میں مل کے لئے آئی تھی، فضا سازگار نہ ہونے کی وجہ سے ماگ کر چھپ گئی، فضا سازگار ہوگی تو پھر نزول کرے گی، اس دشمن خدا کے نزدیک قرآن بھی ایک ہزار سال تک بھاگ کر آسمان پر چھپا رہا، اب چن بسویشور کی موجودگی میں حیدر آباد کی فضا سازگار ہوتی تو یہ اتر آیا۔ ع۔

وائے ناکامی متاع عقل ہی غارت گئی  
اے دشمن خدا! ہوش کے ناخن لے، کہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب بھاگ کر آئی ہے، کتاب اللہ تو اس لئے آئی ہے کہ بے عملی کے زمانے میں لوگ اس سے عمل سیکھیں۔

## دریدہ دہنی کی انتہا کر دی

پہلے مسیلمہ کذاب کی بوجہ لیت سن کر داد دیں،  
”یہ فقیر فنا فی الرسول اپنے اندر سے حضور منیع انوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منیع انوار کے سامنے گُل انبیاء زانوائے ادب طے کئے بیٹھے ہیں“ (مہربنوت ص ۷۷)  
دیکھ لیا من تو شدم تو من شدی کا عجیب و غریب مظاہرہ کہ گُل انبیاء میرے سامنے زانوائے ادب طے کر کے بیٹھے ہیں، مگر میں چونکہ بروز محمدیوں اس لئے درحقیقت حضور کے سامنے انبیاء ادب سے بیٹھے ہیں، یہ عجیب منطقی جملہ ہے، نبوت بھی اپنی ایجاد اور منطق بھی،  
یہ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج نہیں تو اور کیا ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اسی توہین کہ وہ ایک ہندو کذاب کے سامنے زانوائے ادب طے کئے بیٹھے رہیں — اس انجمن کی کوئی تصنیف اس قسم کی لغویات سے خالی نہیں، ضرور ان حرکاتِ شنیعہ کے پس پردہ کوئی شقی ہاتھ  
بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۲۳



کام کر رہا ہے، مگر سہ

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں  
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

## جنت نہیں بے کار خانہ

تصویرِ آخر، جہنم کا خوف، جنت کی طلب یہ ایسی چیزیں ہیں جو مسلمان کو عمل کی طرف دعوت دیتی ہیں اس لئے اس دشمنِ خدا کے دل میں یہ شرارت پیدا ہوئی کہ پہلے اس تصویر ہی کا خون کر دیا جائے تاکہ آگے مختلف دعاوی کر کے اپنی ہوس پوری کی جاسکے اور تصویرِ آخرت دل سے مٹ جانے کے بعد مسلمان سحرِ نفس بن کر اس کی ہوسناکیوں کو برداشت کر لیں، ارشاد ہے :

”جب دنیا میں گناہوں کا زور ہوتا ہے تو جنتی ارواح کو غیبت ہوتی ہے، اللہ کے اذن سے بصورتِ اولیاء اللہ اگر کام کرتی ہیں، ورنہ یہ خیال کیا جائے کہ جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں پڑے رہتے ہیں، اس سے تو جنت نہ ہوتی بیکار خانہ ہوا، بیکاری انسان کی بیکاری کا باعث ہو کر رہتی ہے۔ بیزارانِ جنتی نہیں کہلا سکتا۔“  
(مفراج المؤمنین ص ۵)

برادرانِ اسلام! اس طرزِ فکر کو سمجھتے ہر نے کے بعد انسانِ کامل کہاں جاتے ہیں؟ دوبارہ لوٹ کر گناہوں کی دنیا میں آجاتے ہیں؟ لوٹنے سے قبل کہاں تھے؟ بیکار خانہ جنت میں، جن بسویشور کے عقیدے کے مطابق اب ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی ہوئی لیکن اس ساڑھے تیرہ سو سال میں حضور کہاں تھے؟ کیا نعوذ باللہ بیکار خانہ میں رہے؟ اگر نہیں تو فرمائیے اس درمیانی وقفہ میں کہاں رہے؟

مسلمانو! ہوش میں آؤ، کچھ سمجھے یہ کیا کہا جا رہا ہے؟ جن بسویشور بکتا ہے، تصویرِ آخرت غلط ہے، جنت بیکار خانہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیکار خانہ میں رہے نہیں سکتے، اس لئے آپ اسی دنیا میں بلباس دیگر تشریف لائے ہیں، جب تمہارا بی اس بیکار خانہ میں رہنے کو پسند نہیں کرتا تو تم جنت کی فکر میں لگ کر کیا حماقت کر رہے ہو؟

یہ چوہے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں کس قدر منہمک ہیں، اور تم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں سے چندہ کر کے اسلام کے خلاف یہ سازشیں ہو رہی ہیں، یہ حالت دیکھ کر دل و دماغ بے قابو ہوئے جاتے



ہیں، کاش کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننے والے مسلمانوں کے ملک میں مسلم حکومت نبوت اور خدائی کے مدعیوں، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں کی توہین کرنے والوں اور ان کے متبعین کو سر بازار موت کی عبرتناک سزا دیکر اپنے ایمان کا ثبوت دیتی اور عوام حکومت سے ایسا پر زور مطالبہ کرتے کہ ان مردودوں کے وجودنا مسعود سے پاکستان کو پاک کئے بغیر انھیں سکون نہ آتا، فگس سے

وائے ناکامی متاع کارواں جانا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جانا رہا

## راز کھل گیا

اسلام پر مر مٹنے والو! خوب سمجھ لو، چن بسویشور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں کہ آپ کا بروز اور غنائی الرسول کہلا رہا ہے بلکہ یہ سازش نگرین نے سوچ سمجھ کر تیار کی ہے، جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے عشق کے درجہ تک محبت ہے اور اس کو کم کرنے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو ان کی نظر انتخاب اس پر پڑی کہ لوگوں کو پہلے یہ باور کرایا جا کہ حضور کا بعینہ مع اپنی تمام صفات کے کسی دوسرے انسان میں حلول ہو جاتا ہے، اور پھر چن بد اخلاق غنڈوں کو اس دعویٰ پر تیار کر دیا۔ تاکہ مسلمان یہ دیکھ لیں کہ ہمارا نبی جس پر ہم مر مٹنے کو تیار ہیں وہ ان اخلاق و عادات کا مالک ہے۔

لیکن اس بد دماغ کو یہ نہیں معلوم کہ جو منافق ہیں وہ اس کا ساتھ دیتے ہیں اور اسلام کو ان کی ضرورت نہیں بلکہ اچھا ہوا کہ ان کے ذریعہ کھڑے کھوٹے الگ ہو گئے اور جو مسلمان ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ و اخلاق حمیدہ کا درس رب العزت نے اپنی آسمانی کتاب قرآن مجید میں دیدیا ہے

وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (حدیث) آپ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے۔

یہ سبق مسلمانوں کو اس قدر یاد ہو چکا ہے کہ بھلانے سے نہیں بھولتا، تمہاری اس سازش کا صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو منافق بشکل مسلمان اسلام کے دعویدار بنے تھے وہ الگ ہو گئے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ۔

## مجھ اوتار

چن بسویشور کے متعلق حقیقت حال خود اس کی زبانی معلوم ہو گئی کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ہندوؤں کا اقرار کرتا ہے، مہر نبوت کی عبارت ملاحظہ ہو :



”ہے کوئی دنیا میں نبی ایسا جس کے دربار میں انبیاء جمع ہوں، آدم سے لیکر  
نبی تک کل انبیاء..... اور مجھ اوتار سے لیکر گوتم بدھ اوتار تک کل انبیاء  
جمع ہوں“ (مہر نبوت ص ۱۱)

پھر وہ ایسا نبی کون ہے، اس کی خود تشریح فرماتے ہیں،  
”یہ فقیر فاقی الرسول اپنے اندر سے حضور منیع انوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر  
رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منیع انوار کے سامنے کل انبیاء  
زائونے ادب طے کئے بیٹھے ہیں (مہر نبوت ص ۱۲)

چھپے کئی عبارتوں میں یہ دکھایا جا چکا ہے کہ انہوں نے ہندو سادھوؤں کو اولیاء اللہ کہلایے، یہیں تو  
اس پر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوؤں کو اولیاء اللہ کیسے کہا، مگر جو خود کو ہندوؤں کا اوتار کہے ظاہر ہے وہ  
ہندوؤں کو اولیاء اللہ ہی کہے گا، ایسی تحریریں دیکھ کر بے ساختہ ان کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے  
مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے کو ہندوؤں کا اوتار ثابت کر رہے ہیں مگر سولے اس  
کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ۷

عجوبہ فقط آسماں ہی نہیں یہاں پر عجائب نظارے بہت  
فلک پر ہی دُمدار تارا نہیں زمیں پر بھی دُمدار تارے بہت

## نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

دل پر انتہائی جبر کر کے لکھ رہا ہوں ورنہ نہ قلم ایسی عبارتیں نقل کرنے کو تیار ہے، نہ ضمیر اس  
کی اجازت دیتا ہے کہ ایسی جواس کو نقل کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں  
ایسی توہین آمیز عبارتیں دیکھ کر جذبات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، جگر قاش قاش ہوا جاتا ہے، خدا  
کی قسم مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچانے کی خاطر یہ عبارتیں ان کے سامنے رکھ رہا ہوں ورنہ ان  
خرافات کا نقل کرنا تو درکنار میں ان کو دیکھنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں۔

چن بسویشور نے اپنے ساتھ اپنے مریدین کی بھی آخرت تباہ کر ڈالی، ان کو سبز باغ دکھا کر ان کا ضمیر مود  
لیا، یہ کیسے ممکن تھا کہ پیر صاحب تو ”محمد ثانی“ بن بیٹھیں اور مرید بیٹھے منہ تکتے رہیں، اس لئے اپنے  
مریدین کو انبیاء کا معزز لقب دے کر انہیں الو بنا دیا، قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ غلام احمد قادیانی نے  
اپنے چیلوں کو صحابی کا لقب دیا تھا لیکن یہاں تو این خانہ ہمدفا باست والا معاملہ ہے



ارشاد ہے،

بروز محمد فانی الرسول  
ہمہ انبیاء را فقیہامی بینم  
جہاں اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لئے انہیں نبی کا خطاب دیا، وہاں عامہ مسلمین کی  
دلجوئی کے لئے عام قانون بنا دیا ہے کہ ع

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم  
چلے گئے ہاتھوں، چن بسویشور کی اپنی عبارت ملاحظہ فرمائیں :

”جو مسلمان پیدا ہوتا ہے، یا مسلمان ہوتا ہے وہ پہلے ہی قدم میں کسی کسی  
نبی کا مثیل بننے کی بالقوۃ طاقت رکھتا ہے اور دوسرا تصرف حضرت منبع النوار کا  
مسلمانوں میں یہ چل رہا ہے کہ کسی مسلمان کو خیال تک نہیں ہوتا کہ وہ اپنے کسی  
بچہ کا نام کسی نبی کی غلامی میں رکھے۔ جیسے عام طور پر غلام محمد، غلام احمد، غلام  
علی، غلام دستگیر نام رکھتے ہیں، اس طرح غلام ابراہیم، غلام موسیٰ، غلام صلی،  
رکھنے کا کسی مسلمان کو خیال نہیں ہوتا کیونکہ ع

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم“ (مہربوت ضلۃ ۶۱، ۶۲)

اس خامہ فرسائی کو دیکھ کر ان کی عقل پر حتمنا تم کیا جائے کم ہے، یہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کا رد  
کرنے کے لئے کاغذ ضائع کیا جائے۔ لیکن اسی کی آڑ لے کر دیندار انجن کے موجودہ نگران اعلیٰ سعید بن محمد  
نے کشمیر میں سیرت النبی کے جلسہ میں کہا تھا کہ :

”جہاں سے نبوت ختم ہوتی ہے وہاں سے تو مومن کے کمال کا آغاز ہوتا  
ہے اور کوئی مومن اگر نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ سے نیچی بات  
کا دعویٰ کرتا ہے“

دریدہ دہنی کی انتہا ہو گئی کہ مومن نبی سے بڑے درجے کا ہوتا ہے، نبی اگر مومن سے کم درجے  
کا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام مومن نہیں اور جب انبیاء  
کے لئے مومن ہونا ضروری نہیں تو وہ کافر ہی ہوں گے جیسا کہ چن بسویشور صاحب، عجیب منطقی چال  
ہے، نبوت ایسی سستی کردی کہ ایمان کی شرط بھی اڑادی، اگر نبوت بے ایمانی اور بے غیرتی کا نام  
ہے تو وہ تمہیں ہی مبارک ہو ع



رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو سلیم

یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اولیٰ (اکبر)

حقیقت کچھ اور ہے، انہیں خود بھی پتہ نہیں کہ نبی کیا ہوتے ہیں، دراصل غلام احمد دہلوی کی بدولت مسیح موعود، مہدی آخر الزماں اور نبوت کے دعوے کو کھلی تھپی ملی، چنانچہ بیسیوں جھوٹے نبی اسی زمانے میں پیدا ہوئے، آپ کو بھی شوق ہوا کہ چلو ہم بھی انہی کے ساتھ

نہیں معلوم منزل ہے کہ کھرس سمت جاتے ہیں

مچا ہے قافلے میں شور ہم بھی غل مچاتے ہیں (اکبر)

چن بسولیشور نے اپنی تصانیف میں بار بار مقام مسلم کو مقام نبوت سے اعلیٰ و فضیل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اپنی تصنیف ”مہر نبوت“ کے شروع میں رقمطراز ہیں

نبوت کے اسرار بے انتہا ہیں بفضل خدا اس کے درمچہ پہ واہیں

کہوں راز داری کے اسباب کیا ہیں میں ان کی جگہ ہوں وہ میری جگہ ہیں

کہ عیسیٰ تلک جس قدر انبیاء ہیں وہ رفقاء کار رسول خدا ہیں !

فنا فی الرسول خدا جو ہوا ہے وہ لاریب حق میں فنا ہو گیا ہے

کہ نبیوں سے دربار اس کا بھرا ہے ہیں رفقا نبی یہ عجب ماجرا ہے

نیز اسی کتاب کے شروع میں یہ بھی ہے ط

ہے فاتح ہمارا دلی ہرنی پر

انتہا کر دی چن بسولیشور کے شاگرد مولوی غازی ابوالکلام عید الخنی نے، پرنے تو صرف اپنے رفقاء کی انبیاء پر فضیلت ثابت کی، مگر عب الغنی سود الشوہبہ نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ چن بسولیشور کا مبعوث ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آجانا، دوسرے انبیاء کے لئے باعث معراج ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون۔ لکھتے ہیں

محمد کی امت میں پھر ان کا آنا

نبیوں کا گویا ہے معراج پانا (شمس الضحیٰ ص ۶۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چن بسولیشور ”مہر نبوت“ لکھتے وقت یہ قسم کھا کر بیٹھا ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین جس قدر ہو سکے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گا۔ لکھتا ہے :

بھڑکی سورت میں بھڑیا ————— ۲۸



”ان کا ایک وجود کئی کئی انبیاء کو اپنے اندر رکھنا تھا، اسی وسیلہ سے انبیاء اقوام عالم جن پر صرف سلام تھا ”رحمۃ اللہ اور رضی اللہ“ کے حقدار ہوئے“  
(مہربانیت ص ۳۷)

## ستم بالائے ستم

توہین نبوت کا جو کردار جن بسویشور نے ادا کیا ہے، اس کو نوکِ تسلیم پر لاتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں، لیکن ان کے مرید ابوالکلام عبدالغنی نے توہین نبوت کا جو بیڑا اٹھایا ہے بلاشبہ جس کے دل میں ذرا بھی ایمان ہو وہ اس بدبخت کا سر کچلنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔  
لرزتے تھے دل نازک قدم مجبور جنبش تھے،  
اے کاش کہ میرے مسلمان بھائیوں کو ان کی خرافات کا پہلے سے علم ہوتا، تاکہ مجھے ”نقل کفر“ کی ضرورت پیش نہ آتی اور خدا شاہد ہے کہ ”نقل کفر کفر نیا شد“ کو سامنے رکھ کر یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ عبدالغنی مذکور کی عبارت ملاحظہ ہو :

”جماعت دینداران کو خطابات منجانب اللہ ملے ہیں، دوسو سے زیادہ مرد میدان اکثروں نے نبیوں کے منازل طے کئے ہیں وہ متعدد انبیاء کے ناموں سے پکارے گئے، وہ دربار بروز محمد (خانقاہ سرور عالم آصف نگر دکن) میں جمع ہیں، صرف رام اور کرشن اوتار ہی ایک درجن سے زیادہ ہیں“  
(شمس الفیض ص ۹۱)

غور فرمائیے! کیا یہ چیلہ اپنے گرو سے سبقت نہیں لے گیا؟ واقعی لائقِ انعام ہے چٹکیوں میں جماعت کے درجنوں افراد کو ہندوؤں کا رام اور کرشن اوتار بنا دیا، کئی حضرات کو آں واحد میں نبی بنا دیا، اور جو منتظر نبوت ہیں ان کو خطابات منجانب اللہ تقسیم کر ڈالے، یہاں تو قادیانیت بھی شرمناک ہے، وہاں تو چھان بین کے بعد نبوت ملا کرتی تھی، مگر یہاں تو منازل نبوت بہت جلدی طے ہو جاتے ہیں۔ — ادھر تو یہ ظالم عوام کا لانعام کو اپنا سامانِ طرب بنا کر رقص کر رہے ہیں، ادھر مجنوناں بڑے خرافات بھی جا رہی ہیں اور وہ لوگ جن کو نبوت کا سر ٹیفکٹ ملنے والا ہے انتظار میں بیٹھے بندروں کی طرح ان بدبختوں کی ڈنگی رقص میں مصروف ہیں



## صحابہ کی گروہ بندی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو اعزاز حاصل ہے اب جن بسویشور اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے القوؤں کا بھی وہی مرتبہ بتا رہے ہیں۔ اس طرح صحابہ کے دو گروہ ہو جاتے ہیں، اس خوش کن گروہ بندی کو ذکر کر کے دو قرونوں سے متعلق لکھتا ہے :

”اب تک یہ وعدہ دو دفعہ پورا ہو چکا ،

(۱) زجاجہ قمرن اولیٰ (۲) زجاجہ قمرن اخریٰ“

(مہر نبوت ص ۳۴)

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پیشور صاحب تو شور مچائیں اور باشور صاحب خاموش نہ تکتے رہیں اس لئے گروہ کی لے میں لے ملا کہ عبدالغنی باشور فرماتے ہیں یہ عیاں قرن اولیٰ میں تھی ان کی ثلث عیاں قرن اخریٰ میں ہے ان کی ثلث (شمس الضحیٰ ص ۵۷)

## شمس الضحیٰ

اس کتاب کا مصنف ابوالکلام عبدالغنی ہے جس کی کتاب کے متعدد حوالے پیچھے گزر چکے ہیں، اس کتاب پر دیندار انجمن کے بانی جن بسویشور کی تقریظ ہے، اس تقریظ کی وجہ سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ گئی، جن بسویشور اپنی تقریظ میں لکھتا ہے :

”مصنف کتاب انہذا مولوی غازی ابوالکلام عبدالغنی صاحب مصنف میثاق الانبیاء نے مضامین تبلیغ کو مسدس کی صورت میں منضبط کیا ہے، وہ کتاب میری نظر سے گزری، انتہائی معقولیت سے کام لیا ہے ہماری انجمن کے جذبات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، درحقیقت وہ جذبات کیا ہیں قرآن کریم عمل میں ہے یہ کتاب ہر مسلم کو ہدایت کا باعث ہوگی شفاعت کا باعث ہوگی پڑھنے والوں کو صراطِ مستقیم پر لائے گی“ فقط

دستخط دیندار جن بسویشور

المرقوم ۲۵ رجب ۱۳۶۵ھ

بھٹری صورت میں بھڑیا — ۳۰



بقول صاحب تقریظ یہ کتاب مسلمانوں کی ہدایت اور صراطِ مستقیم پر لانے کی غرض سے تصنیف کی گئی ہے، وہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کتاب کی محولہ عبارات اور چن بسویشور کی تفاسیر کی خرافات کو سامنے رکھ کر قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے، توہینِ انبیاء علیہم السلام، چن بسویشور کو یوسف موعود، مشیل موسیٰ، مصلح موعود، مأمورِ وقت، امام النکس، مالکِ قیامت، بروزِ محمد، اور اللہ کو بشکل چن بسویشور مان لینا، نعوذ باللہ من ذلک

## لِتُنذِرَ قَوْمًا لَّذٰ

کہتے ہیں شیطان کی آنت بہت لمبی ہوتی ہے، ان کی لغویات کا یہی عالم ہے کہ بیان کرنے والا تھک جاتا ہے مگر ان لغویات کا عشرِ عشر بھی نہیں کہہ پاتا لیکن لِتُنذِرَ قَوْمًا لَّذٰ کی جو تفسیر کی ہے وہ تو دریائے معرفت ہے، خاص کر اس پر جو عبارتِ فسط کر کے اس آیت کی وضاحت کی ہے وہ تو بے نظیر ہے، جلدی سے سن لیجئے ایسی بے بہا نعمت اور کہیں سے نہیں ملنے کی :

”وہ اس خاتقاہ میں کیسے آسکتے ہیں جن کے سینے میں قرآن پڑھنے کا جذبہ نہ ہو مبارک ہیں وہ جنہوں نے آسان زبان میں یعنی صدیق کی زبان سے قرآن کریم کے رموز سیکھے۔ صدیق کی زبان دراصل محمد کی زبان ہے کہ جس سے ہم پر قرآن نازل ہوا، قرآن کریم نے محمد کی زبان سے پڑھنے کی قید لگائی ہے، اِنَّمَا يَسْمُرُ سِرًّا بِلِسَانِكَ اور آگے ہے لِتُنذِرَ قَوْمًا لَّذٰ، یعنی آپ آخر زمانے میں قرآن آسان کرنے کے لئے تشریف لائیں گے“ (شمس الضحیٰ ص ۴۷)

مصنف کو اختلاط کا مرض ہے، صدیق کی زبان سے جو کتاب تم پر آسان کی گئی وہ قرآن نہیں، ہندوؤں کی وید ہے، جسے تو نادانی سے قرآن سمجھا ہے، ارے جس نے قرآن دیکھا ہو، وہی بیان کرے، اپنے گرو سے پڑھ کر تو آئے وید اور تفسیر کرنے بیٹھے قرآن کی

صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوانِ قیس شاعری ان کو نہ ہونے کی زبان داں ہو گئے



## تبلیغ و ہجرت حرام

کتاب شمس الضحیٰ کے دیباچہ میں غازی عیسیٰ لکھتے ہیں :  
 ”اب ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ماضی موعود اور بشارتوں کی بنا پر گزر گیا، مستقبل بھی موعود ہے، اور وہ بھی گزر جائے گا آئندہ اس قسم کی تبلیغ، ہجرت اور غزوات تیرہ سو سال تک نہیں ہوں گے“ (دیباچہ شمس الضحیٰ)  
 جہاد کی حرمت کا حکم تو ان کے گرو غلام احمد قادیانی پہلے سے کہ چکے تھے اب چیلے نے اگر تبلیغ اور ہجرت پر بھی بندش لگادی مگر ”برعکس نہند نام زنگی کا فورہ کے مطابق غازی کہلاتے ہیں حضرت بجا فرماتے ہیں، جس تبلیغ کے لئے دیندار صاحب تشریف نہ لائیں کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اگر تبلیغ شروع کرے، یہ میراث تو انہی کو اباعن جہد ملی ہوئی ہے اس پر دوسروں کی دست اندازی جائز نہیں۔“

## گھن چکر

مسلمانو! کلیجہ تمہام کر گھن چکر کے معنی سمجھ لو، اور پھر دیکھو کہ جن بسولیشور صاحب کس کو گھن چکر بتا کر خود طوفانی دورے پر جاتے ہیں۔

”حضور (جن بسولیشور) نے فرمایا، میرا کام ختم ہو گیا، میں ایک طوفانی دورے پر جانے والا ہوں، میں ہمیشہ آتا رہوں گا۔ اللہ بڑا گھن چکر ہے۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، اگر وہ کسی کی سمجھ میں آگیا تو وہ خدا ہی نہیں (شمس الضحیٰ ص ۱۷)

برادران اسلام یہ باتیں عالم خواب میں نہیں کہی جا رہی ہیں، کسی مجذوب کی بڑ نہیں ہیں، یہاں ہر بات سوچ سمجھ کر تصنیف کے لئے فارغ ہو کر مصنف قلم سنبھالے اپنے گرد کی باتیں تترک سمجھ کر لکھ رہا ہے، کسی نے آج تک کسی بد معاش، شرابی اور چرسی کو نشے میں بھی ایسی باتیں بکتے نہیں دیکھا ہوگا اس پر طرہ یہ کہ دیندار انجمن الہی بھول بھلیوں پر خوشی سے جھومے جاتے ہیں۔ اور بقول خود پکے مسلمان بلکہ بمنزلہ نبی ہیں، جن کو مسلمانوں میں یہ امتیاز ہے کہ دیندار کہلاتے ہیں۔

سوچ لو!

اے مسکے فریب خوردہ بھائیو! اب بھی ہوش سے کام لو، ہمارا تمہارا دین ایک، خدا ایک،



نبی ایک، قرآن بھی ایک، آؤ کلمہ شہادت پڑھ کر دوبارہ انہی کی آغوشِ رحمت میں آرام کرو، ان کو بازو کے گھن چکر میں آکر اپنا دین و ایمان، مال و آبرو و برباد نہ کرو، بات سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے پوچھ لو، خود بھی ذرا عقل سے کام لو، یہ عقل ایسے ہی مواقع پر کام میں لانے کے لئے دی گئی ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ۵

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ دیر نہ کر  
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

## تفسیری موشگافیاں

صاحب شمس الضحیٰ سورۃ بلد کی تفسیر میں لکھتا ہے :

”اس کے علاوہ اس سورت میں ایک متقیوں کی جماعت کا بھی ذکر ہے،

جو اسلام کے لئے مصائب بھیلنے والی ہے اور اپنے عمل سے صبر اور

زحمت کا ثبوت پیش کرتی ہے، انہی کو اصحابِ میمنہ یعنی غازیانِ اسلام

کے نام سے یاد کیا گیا، ان کی مخالفت میں آنے والی قوت کو اصحابِ مشئمہ

یعنی بد بخت مگر وہ بتایا گیا۔ ان کی انتہا یہ ہے کہ وہ ایک ایسی آگ میں

دھکیل دئے جائیں گے جس کو نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ کہا گیا ہے یعنی اس

آگ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو گا تمام دروازے بند کر دئے جائیں گے

سب سے پہلے اللہ پاک نے لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ کہہ کر اُمّ القریٰ

ولے بلدِ امین کی قسم کھائی ہے اَنْتَ جِلْدُ بَهَذَا الْبَلَدِ کہہ کر

حضور کے ایک دوسرے بلد میں مزید ترنے کی بشارت دی گئی ہے جو

اَنْتَ جِلْدٌ سے ظاہر ہے وَالدِّیْمَ وَ مَا وَلَدَ میں بلدِ امین کو باپ قرار

دے کر بعثتِ ثانی میں دوسرے بلدہ کو اس کا بیٹا قرار دیا گیا جو روئے

زمین میں حیدر آباد ہی بلدہ کے نام سے مشہور ہے، یہی اپنے بلدہ

کا بیٹا ہے جس میں بعثتِ ثانی کے لئے حضور سرورِ عالم نے بھی اس

آنے والے موعود کو رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِیٰ اور من ولدا بن ہی کہا ہے اور وہ وجود

حضرت مولانا سید قیوم الدین دینار چن بسویشور کا ہے، جنہوں نے جہانی ۵۶



اور اخلاقی ۹۶ نشانات کے ساتھ ایک دوسرے بلکہ میں نزول فرمایا ۔  
 لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ كَبِدٍ مِّنْ أَحَدٍ مِّنْ نَّحْنُ لَكِنَّا نَسْأَلُهُمْ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُكَ وَنَحْنُ الْمُسْلِمُونَ  
 ہے جو اپنے مقصد کے حصول میں انتہائی مشقت اٹھانے سے گریز نہیں کرتا  
 لیکن وہ لغت اللہ سے محروم ہے ، وہ دل گردہ رکھنے کے باوجود روحانیت  
 سے بے بہرہ ہے ۔ حضور سرور عالم کے یہ لباس دیگر دوسرے بلکہ میں نزول  
 کو نہیں مانتا اور وہ وجود قائم رضوی کا ہے اَلْإِنْسَانُ أَنْ لَّنْ  
 يَفْقَهُدَ عَلَيْهِ أَحَدٌ یعنی انسان پر یہ حجت پیش کی گئی ہے کہ وہ کیوں اپنے  
 اقتدار میں اس قدر نازاں ہے ۔ کیا اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ شاید کسی اور کو  
 اس پر قدرت حاصل ہو ؟ یہ وہ عالم بتایا گیا ہے جبکہ سید قائم رضوی  
 پوری حیدر آباد ریاست پر حکومت و اقتدار کے نشہ میں چور تھا اور یہ سمجھتا  
 تھا کہ اس کی سیاست اور قوت ہمیشہ رہے گی ۔ حضرت صدیق دیندار  
 اور ان کے فقرار کو نظر میں بھی نہ لاتا تھا ۔ لیکن آگے بتلایا گیا ہے يَقُولُ أَهْلَكَ  
 مَا لَكَ كِبِدًا یعنی بالآخر وہ شخص اپنے ہاتھوں اپنا بہت سامان برباد کر گیا  
 قوم کی ساری دولت کو اپنی غلط رہبری سے ہلاکت کے گڑھے میں اتار  
 دے گا ۔ (شمس الضحیٰ ص ۵۵)

قرآن کریم کی ایسی دلیرانہ تحریف کہ مطالب قرآنی کو سراسر مطالب نفسانی کے سانچے میں ڈھال دیا  
 گیا ہے ۔

قارئین حضرات یہ نہ بھولیں کہ قرآن چن لیسو تیسو صاحب پر دوبارہ نازل ہوا ہے ، ان پر علوم قرآنی وا  
 ہیں ، تب ہی تو قرآن کی ایسی تفسیر لکھی ہے کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جھوٹے ظالم نے ایسی  
 تفسیر نہیں کی جو الف تائیا ر نفانی خواہشات پر مبنی ہو ، مگر یاد رہے کہ یہ جھوٹ اور فریب آخر  
 تلکے ۵

جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے  
 بعد اس کے حسرت دل سوز ہے



## عدو شرے برانگیزند کہ خیر یاد رآن باشد

سورہ بلد کی تفسیر میں قاسم رضوی کی نسل کو انتہائی ذلت آمیز الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے دریدہ دہن عبد الغنی نے لکھا ہے :

” اولیاء اللہ کی مخالفت میں دو ہی قسم کے لوگ کھڑے ہوئے ہیں ایک وہ جن کی نسل صحیح نہ ہو یا پھر وہ جو نسل کا تو اچھا ہے لیکن گنہگار ہے۔ سید قاسم رضوی نے بحیثیت صدر اتحاد المسلمین ہمارے متعلق صدر ناظم کو توالی کو حکم دیا ہے کہ دین دار چور اور ڈاکو ہیں، گداگری کرتے پھرتے ہیں، اب کمیونسٹوں کے حملہ کے موقع پر لوٹ مار شروع کر دی ہے، یہ عیسائی ہیں نہ مسلمان نہ پارسی، یہ بے دین ہیں، ان کو بہادر یار جنگ مرحوم ختم کرنا چاہتے تھے، افسوس وہ ختم نہ کر سکے، میں ان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میں حکم دیتا ہوں کہ ان کو ختم کر ڈالو۔ جہاں پاؤ پکڑ لو، سخت سے سخت سزا دو، یہ دوسو کے قریب ہیں، یہ ختم ہو گئے تو دوسرے نہیں“ (شمس الضحیٰ ص ۱۷۱)

نیز آپ پر ایک شعر قاسم رضوی کے بارے میں نازل ہوا ہے ۔

کٹی بزم میں خود ہی خرطوم تیری

گئی جیف بیکار ہڑبوم تیری (حوالہ بالا)

مصنف نے جس مقصد کے تحت یہ عبارت نقل کی ہے جس میں بہادر یار جنگ کا ان دینداروں کے بارے میں نظریہ اور قاسم رضوی کا ان کو ختم کر دینے کا ذکر کیا ہے، وہ تو مصنف ہی بہتر جانتا ہے، مگر اس عبارت سے ہمیں بہت بڑا فائدہ ہوا اور وہ یہ کہ اس متنبی سے متعلق دو ایسے حضرات کی رائے معلوم ہو گئی جو ان کو قریب سے دیکھے ہوئے ہیں، ان کے دعووں اور دیگر نجی اور اخلاقی سب کیفیات پر واقف ہونے کے بعد انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔

## نزولِ مشرآن

قارئین حضرات کو یاد ہو گا کہ جن بسویشور صاحب پر نزولِ قرآن تو بعثت ثانی میں ہو گیا تھا، لیکن اس



دعویٰ میں ایک کسر باقی تھی کہ نزول اول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جمع قرآن بھی ہوا لیکن نزول ثانی میں اس کا ذکر ہی نہیں اس لئے جن بسولشور کے چیلے نے یہ کسر بھی پوری کر دی، ملاحظہ فرمائیں

”إِنَّا عَلَيْهِمْ جُمُعُهُ وَقُرْآنُ اللَّهِ لَإِنِّي قَرَأْتُهُ لَبِيبًا“

وقت پیر ہوتا ہے اور وہ وقت معین ہے یہ عمل حضور سرور عالم کے ظہور پہ ہوا یا پھر حضرت مولانا صدیق، یندار قدس سترہ العزیز کے وجود نے اس عمل کو پورا کیا؟ (شمس الضحیٰ ص ۱۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے صدیق کے ظہور نامسود تک قرآن پاک کا پہلا ظہور اور جمع و ترتیب باقی رہی یا ختم ہو گئی؟ اگر اس عرصہ میں وہی منزل قرآن مرتب موجود رہا تو نہ صدیق پر نزول کی ضرورت رہی اور نہ صدیق یندار کے جمع و ترتیب کی حاجت، اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن ختم ہو گیا العیاذ باللہ، تو فرمائیے کہ اس تیرہ سو برس میں مسلمانان عالم جس قرآن کو قرآن مانتے آئے وہ کیا تھا؟ اس عرصہ میں جب قرآن ہی نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو تھا وہ قرآن کے علاوہ تھا، اس کی تشریح یندار النجمن والوں سے مطلوب ہے۔

## دُشْتُ

اب حضرت والا سچ بولنے لگے ہیں، فرماتے ہیں:

”ہم میں تقریباً تمام ہندوستان کے اوتار ہیں۔ ہم سے ہندوستان کو امن ہوگا۔ دشٹوں کے نمبر میں مت آؤ“ (دیباچہ شمس الضحیٰ)

خیر کوئی بات نہیں دشٹوں کا نمبر بعد میں سہی مگر آنجناب نے بات بڑے پتے کی بتادی، ایک اوتار کی لغویات کا کھل بھی مشکل ہوتا ہے، جب آپ کے پیر جی ہیں یا خود آپ میں ہندوستان کے تمام اوتار جمع ہیں تو ایسی صورت میں نہ جانے ان خرافات و لغویات کا کتنا بڑا انبار لگا ہوگا اور بلاشبہ یہاں ایسا ہی ہے، آپ نے چند اقتباسات اس رسالہ میں بھی ملاحظہ فرمائے ہوں گے، قارئین حضرات! یہ نہ بھولئے کہ ”اوتار“ کی اصطلاح مسلمانوں میں نہیں ہے، یہ ہندو سادھوؤں کی اصطلاح ہے، ہندوؤں کا خدا کہئے یا موعود مذہبی رہنما، بہر حال اسلام کا دامن ان اوتاروں سے پاک ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصنف بیچارے کا میلان ہندوؤں کی طرف زیادہ ہے، جس کی وجہ شاید یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی نبوت اور دیگر دعاؤں کے دلائل انہی کی کتب سے ماخوذ ہیں، ایسی صورت میں اگر ان کی دلجوئی کی خاطر ان کی طرف کچھ بھی جھکاؤ



نہ رہے تو یہ نمک حرامی ہوگی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں شوق سے ہندوؤں کا حق نمک داکریں، مگر اسلام کا لیبل لگا کر نہیں۔

## مقامِ محمود پر ڈاکہ زنی

چن بسوئیٹور کے چیلے عبدالغنی نے اپنی کتاب شمس الغنی میں ایک شعر لکھا ہے ۷

زنا نے میں قرآن مشہود ہے اب

کہ ذات محمد محمود ہے اب

حاشیہ میں اس شعر کی طویل تشریح کی ہے، ایسی تاویل کی ہے کہ بلاشبہ لفظ تاویل

بلکہ لفظ شرم کو بھی شرم آتی ہے، لکھتا ہے :

”چونکہ سارے اولیاء حضور کی مدح میں گم تھے، لیکن کسی ولی کو مقامِ محمود

حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ دور آگے تھا، جیسے کہ اس آیت سے

روشن ہے عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا آیت کے اس تیسرے حصہ میں

حضور کی ذات کو مقامِ محمود پر لانے کی بشارت دی گئی ہے، یہ دور آخر ہے

جو موعود ہے، حضور نے اسی مقامِ محمود والی بعثت کے لئے مسلمانوں کو

بعد ازاں دعا سکھائی جس کی تعمیل میں ہر مسلمان وَابَعَثَهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا

کے الفاظ دہراتا ہے، ادھر نماز کے قعدہ میں شہادت کی انگلی اسی بعثت

ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے، جس کا انتظار مسلمانوں میں ہے

وہی بعثت مقامِ محمود والی بعثت ہے جس سے ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ

ہر تیرہ سو سال کے بعد ایک امتی کی قبا پہن کر جلوہ گر ہوں گے۔ اسی لئے

قعدہ میں السَّلَامُ عَلَيْكَ اَلَيْهَا السَّيِّئُ کہا جاتا ہے کہ جس سے

حضور سے مخاطبت ہوتی ہے اَلَيْهَا السَّيِّئُ کی مخاطبت غائب کی

نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے.....

بہر صورت یہ بعثت ثانی کس رنگ میں ہوگی، بعثتِ ثانی میں وہ اپنا نام کیا

پائے گی، اس کے لئے خود اللہ پاک نے قرآن میں حضور سے دعا کرنے کیلئے

کہا ہے وہ یہ ہے قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ.....



سُلْطَانًا ثَقِیْبًا حضور کے سارے کمالات روحانی کا اگر کوئی وجود متحمل ہو سکتا ہے تو وہ وجود صدیق اکبر کا ہے، بعثت اول میں بھی صدیق تھے بعثت ثانی میں بھی صدیق ہی ہیں..... پس اب ظاہر ہوا کہ حضور شاہد و مشہود بھی ہیں اور روز قیامت میں محمود بھی اور اس طرح جب آپ کا اعادہ ہوتا ہے تو موعود بھی ہیں..... حقیقت یہ ہے کہ یہ آخری بعثت ہے جس کو والبعث بعد الموت بھی کہا گیا ہے حضور کے سوا کوئی دوسرا وجود اس امت کی اصلاح کے لئے کھڑا نہ ہوگا یعنی اس امت میں ہی ایک کامل انسان بروز محمد کی شکل میں مبعوث ہوگا“ (اقتباسات از کتاب شمس الضحیٰ ص ۳۱، ۳۲)

اعادہ سے متعلق اشعار بھی سن لیجئے، فرماتے ہیں، ۷  
یہ خود عود کر آئے موعود ہو کر  
شہادت میں خود اپنی مشہور ہو کر (شمس الضحیٰ ص ۱۲)

نیز ارشاد ہے ۸  
ثمر بن کے قرآن کے مشہود آئے قیامت کی بعثت میں محمود آئے  
اعادہ میں اپنے وہ موعود آئے عرض دور آخر کے مقصود آئے  
(شمس الضحیٰ ص ۱۵)

مسلمان کے کسی بچے سے پوچھئے وہ یہی کہے گا کہ ہم چن بسویشور کی بعثت کے لئے یہ دعا نہیں کرتے، پھر یہ کہنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری بعثت کے لئے بعد اذان دعا سکھائی جس کی تمہیل میں ہر مسلمان وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا کے الفاظ دہراتا ہے۔ چن بسویشور کو شیطان نے دھوکہ دیا ہے کہ مسلمان تیری بعثت کے لئے دعا کر رہے ہیں۔

اں، غضب کر دیا بد بخت نے یہ کہہ کر کہ ”ادھر نماز کے قعرہ میں شہادت کی انگلی اسی بعثت ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے“ العیاذ باللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہندو کی شکل میں آنے کی شہادت کوئی مسلمان دے سکتا ہے؟

خدا غارت کرے، کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ سو سال کے بعد کسی کی شکل میں ظاہر



ہونے کا مسلمانوں میں انتظار ہے، مسلمان تو بیچارے خواب میں بھی ایسا گمان نہیں کر سکتے، بلکہ دیندارانہ جو بالا اتفاق کا فراور دنا ہے وہ بھی اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ضمیر سے تو یس کہ کیا واقعی تمہیں کسی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی کا انتظار تھا، یقیناً دل سے ہی فتویٰ ملے گا کہ نہیں یہ تو اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد سے تمہارے ذہنوں میں بٹھایا ہوا جھوٹ کا پلندہ ہے،

بعثت ثانی پر دلیل قاطع جو مصنف نے پیش کی ہے وہ یہ کہ قعدہ میں اَیُّہَا النَّبِیُّ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطبت ہے اور یہ مخاطبت کسی غائب کی طرف نہیں ہے، آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلے لکھے وقت بیچارے مصنف کی عقل کا جنازہ ٹھچکا تھا، ہوس نبوت کے نشے سے دماغ مفلوج ہو چکا تھا، ابھی تو ذہن مبارک ایسی بھول بھلیوں کا شکار ہے۔ حضور! فرمائیے کہ بعثت اول اور بعثت ثانی کے درمیان جو تیرہ سو سال آپ بھی مانتے ہیں اس میں کیا مسلمان نماز کے قعدہ میں اَیُّہَا النَّبِیُّ نہیں کہتے تھے؟ اب فرمائیے کہ اس زمانے میں مخاطبت نے آنکھوں سے دیکھنے کی کیا حجت پیش کی اور اب جن بسولشور کے جہنم رسید ہو کر طوفانی دورے پر جانے کے بعد تمہاری آنکھوں کے سامنے مخاطب کہاں موجود ہے؟ اور جس زمانے میں یہ خدا کے غضب کا مظہر جن بسولشور اپنی تمام نحوستوں سمیت آصف نگر حیدر آباد دکن میں موجود تھا اس وقت باقی دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے اَیُّہَا النَّبِیُّ نے کونسی حجت پیش کی، یہ سب سوچ کر اس سے استدلال کرتے، ایسے ابوالکلام کو اور کیا کہا جائے اس کے کہ

اب اگر کچھ شرم ہے تو ڈوب کر مرجائیں وہ

افتر پردازی دیہتان سے باز آئیں وہ

مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ یہ سادہ دل بندے ایسے بوسیدہ جال میں کس طرح پھنس گئے کہ اگر ذرا سی پھونک ماریں تو ان کے جال کے پر خچے اڑ جائیں۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو دل میں

پھنسے ہو کس طرح تم آب و گل میں

یہ میرے آقاؐ نے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ آپ کی دعا ربِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ میں صدق سے مراد صدیق دیندار جن بسولشور ہے۔ خدا را کم از کم اپنی ہی جان پر رحم کرتے، بہتان طرازی کی ایسی مثال ہیں تو کہیں نظر نہیں آئی، دیندارانہ جو

بھڑکی صورت میں بھیڑیا۔



کوئی بھی فرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت کو ثابت کر کے دکھا دے ورنہ اس دریدہ دہنی سے نوبہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میکہ آفا کے سامنے مجرم کی حیثیت سے کھڑا کر دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنا کر جہنم کے انگاروں میں تھلنے کے لئے بھیج دیا جائے۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوا  
مقعده من النار  
جس نے مجھ پر عمدہ جھوٹ بانڈھا وہ اپنا  
ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

## ہلاکت قیصر و کسری

قیصر و کسری کی ہلاکت سے متعلق لکھتا ہے :

”قرن اولیٰ میں ہلاکت کسری والی پیشگوئی حضرت عمر سے پوری ہوئی اور ہلاکت قیصر والی پیشگوئی ساڑھے تیرہ سو سال بعد حضرت صدیق کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔ وہ اس طرح کہ قوم انگریز جو قیصر ہند کہلاتی تھی، آپ کی محبت سے وہ اپنے مشرقی جزائر کھو بیٹھی، آج نہیں توکل آنے والی نسلیں ضرور اس بین حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکیں گی جیسے کہ یوم الجمعہ میں تمام انبیاء کا اجتماع حضور کے دربار میں ہوا تھا، وہی اعادہ اسلام کی صورت میں بوقت یوم الجمعہ وارث انبیاء کی جماعت کے ساتھ لوٹ آیا“

(شمس الضحیٰ ص ۴۱)

معاف کیجئے، ابوالکلام صاحب! آپ کی نظر تاریخ سے ناواقف ہے، قیصر ہند اور ہے قیصر روم اور، یہ قیصر ہند آپ کی اصطلاح ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں، وہ قیصر تو جن بسویشور کے جہنم رسید ہونے سے برسوں پہلے جہنم رسید ہو چکا ہے، ذرا کسی سے تاریخ کی الف بات پڑھ لیں تو اچھا ہے تاکہ شیطان کے الہامات صحیح سمجھ سکیں۔

## سخت نالصابانی

دیندارانِ حق کے مفتری کذاب (عبد الغنی) کو چاہئے تھا کہ وہ کچھ جھوٹ اور فریب کی باتیں باقی چھوڑ جاتا تاکہ اس کے بعد جو دوسرے مدعی نبوت آئیں ان کے کام آجائیں ورنہ وہ بڑے پریشان ہوں گے ایسی نالصابانی ٹھیک نہیں۔



## تصویر قیامت

قیامت سے متعلق بھی ان دینداروں کی رائے سن لیجئے :

”قیامت صغریٰ مسیح مہدی (مرزا غلام احمد) کا ظہور ہے جسے نفع اول کہا گیا ہے، نفع ثانی قیامت کبریٰ کو مختص ہے۔ جو حضور کی ذات کو مختص کرتی ہے، اسی کو نشاۃ آخری کہا گیا ہے فَإِنَّ عَلَيْكَ النَّشْأَةَ الْآخِرَىٰ دوسری بعثت لازمی قرار دی گئی، جس طرح اول میں ہوا، آخر میں ہوگا“ (شمس الغنی ص ۱۹)

قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کی اہمیت کو مسلمانوں کے دلوں سے مٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس بکے جا رہے ہیں تاکہ مسلمان سمجھیں کہ جس قیامت سے ہم ڈرتے ہیں، جس کے خوف سے کتنی معصیات سے ہم بچے رہتے ہیں وہ قیامت یہ ہے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں جنت ہے نہ دوزخ۔

## رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ

سارے خطابات پیر صاحب نے خود اپنے آپ کو دیدئے تھے لیکن وہ خود کو رحمۃ للعالمین کہلانے سے بھول گیا، اس لئے مرید نے یہ کسر بھی پوری کر دی فرماتے ہیں :

”پہلی دفعہ آپ مخلوق پر رحم فرما کر رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور مخلوق کو ہر بلا سے بچایا، اب دوبارہ آپ ہی تشریف لائے ہیں“ (شمس الغنی ص ۴۷)

آپ مخلوق کے لئے رحمت کیا لائے، ہاں کفر و ضلالت، الحاد و زندقہ اور بے دینی کے اڈتے ہوئے سیلاب لاکر مخلوق خدا کو گمراہ بنانے کا شیطانی کردار ادا کر دیا۔ یہ کشتِ نامراد بوجھلے گئے۔

## شفاعت اور قیامت کا مالک

ستم ظریفی کی انتہا کر دی کہ شفاعت کے ٹھیکہ دار بن گئے اور اس پر طرہ یہ کہ یہی دھن پتی مہاراج چن بسویشور قیامت کے مالک بھی بن گئے، لکھتا ہے :

بھڑکی صورت میں بھیڑیا — ۴۱



”قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ قاضی کی حیثیت سے آئے گا اور سزا و جزا کے فیصلے سنائے گا۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ بروز حشر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت فرمائیں گے، یہ بعثت ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ میٹم ہے، اسلئے کوئی شخص حضور کے بعد دعوائی نبوت نہیں کر سکتا۔ اس لئے امت کی شفاعت آپ ہی کریں گے، وہ بہ لباس دیگر ہوگی مگر وہی بعثت بروز محمد کہلائے گی وہ قیامت کے نشان مسیح موعود کے بعد ہوگی۔ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ وہ وجود حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب کا ہے (شمس الضعی ص ۷۶)

شفاعت کا مسئلہ تو الگ ہے، یہاں تو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ قیامت کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ اب اگر چن بسویشور قیامت کا مالک ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ خود خدا ہے اور اس کا چیلہ عبدالغنی مصنف شمس الضعی اس کو خدا ہونے کا سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ مسلم ہے، عجیب امر ہے کہ ختم نبوت مسلم ہے، اس لئے اب بروز نبی کی حیثیت سے آجایا کرو، یا خدا بن کر آیا کرو۔

## صلاح کی راہ

چن بسویشور اپنے اندر لوگوں کے فنا ہونے کو شرط لازم قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے :

”بعد حمد و نعت کے میں تمام سنی نوع انسان خصوصاً مسلمانوں کو جن کی گردن پر تبلیغ کا جوا ہے، وہ کسی صورت سے نکل نہیں سکتا اس کتاب (دعوۃ الی اللہ) کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں کہ کوئی گروہ اور کوئی فرد واحد موجود زمانے میں اللہ تک پہنچ نہیں سکتا، جب تک وہ مجھ میں فنا ہو، یہ میرے منہ کی بات نہیں ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ لاکھ لاکھ درد اس ذات احدیت مآب پر، سٹولہ سال پیشتر آپ نے اس فقیر کی رو یا میں تشریف لاکر اس فقیر کو یہ مرتبہ عطا فرمایا، سننے والوں



کو یہ بات شاق گذرتی ہوگی، خفگی اور برہمی کی کوئی بات نہیں، یہ حقیقت ہے کوئی تعلیٰ اور فخر نہیں، کوئی خود غرضی و خود نمائی نہیں، ایسے مقام والے وجود انسان ہی ہوتے ہیں، (دعوة الی اللہ ص ۲)

خدا تک رسائی کے لئے جن بسولثیور میں فتا ہونے کا نمبر بعد میں آئے گا، مگر ذرا یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک جو نقل فرمایا ہے وہ کہاں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اندر فتا ہونے کا کیا فرماتے آپ نے تو اپنے اندر فتا ہونے کا بھی حکم نہیں دیا۔ یہی فتا بیت ہے جس نے دیندارانِ محسن والوں کا ایمان فنا کر دیا۔ مگر اب دو دمان چل جا پر بھی ان بے حسوں کو ہوش نہیں آ رہا۔

### اللہ کا منظر اور خدائی اختیارات

اب تک جن بسولثیور نبوت اور اس کے آس پاس گھوم رہے تھے، مگر اب پوری خدائی پریقینہ جانے کے خوابوں میں مست ہیں، ارشاد ہے :

”یہ کل بے نوری اور خدا سے دوری، اس وجہ سے ہے کہ انفرادیت اور انتشار کی حالت والاقسیم نعمت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ وہ جامع الناس، دین کا مالک، قیامت قائم کرنے والا، حشر برپا کرنے والا، تیسری دفعہ (لَا تَرْيَبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ) کہنے کے لئے یوسف کے لباس میں جیل بھگتا ہوا، بیڑیاں پکڑا ہوا، ثور کے بطن سے صدیق اور عنموائیل نام پر زمین و آسمان کے ۹۶ نشانوں کی شہادت کے ساتھ جسمانی اور اخلاقی ۵۶ نشانوں کے ساتھ غیر کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یہ کامل متبع رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر کے اِنَّا الَّذِیْنَ یَبَايِعُونَكَ اِنَّمَا یَبَايِعُونَ اللّٰهَ بِیَدِ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ کی بشارت کے ساتھ دوبارہ شانِ اسلام کو دنیا کے کناروں تک چمکانے کے لئے کامل بشارتوں کے ساتھ اللہ کا منظر صدیق دیندار جن بسولثیور آیا ہے، اب اس کی صحبت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں“ (دعوة الی اللہ ص ۲)

جیل اور بیڑیوں سے اس طرف اشارہ ہے کہ بقول ان کے چونکہ بدنامی ان کے لئے



مقدر ہے، اس لئے جس طرح دنیا میں وہ سزا یافتہ ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی وہ سزا یافتہ رہیں گے۔  
چن بسویشور اللہ کا مظہر تو بنے ہیں، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے گرو غلام احمد قادیانی  
اس وصف میں ان سے آگے ہیں چنانچہ وہ اپنے خلیفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی شان میں  
لکھتا ہے:

”فرزند دل بند گرامی ارجمند مظہر الاول والاخر مظہر الحق والعلیٰ ان اللہ  
نزل من السماء“

(تبلیغ رسالت ص ۵۹ ج ۱)

چن بسویشور صاحب لاکھ اپنے پیرو مرشد کی نقل اتاریں ”مگر بات کہاں مولوی مدن کی سی“

## العیاذ باللہ

”حدیث روایت اللہ میں یہ ہے کہ اللہ شکر نے آئیگا وہ غیر کی صورت میں رہیگا۔ اس سے مراد یہ کہ  
اللہ غیر مسلم کے نام و لباس سے آئے گا یعنی چن بسویشور کے نام سے آئیگا مسلمان ”نعوذ باللہ منک“  
کہیں گے، واقعی میرے دعویٰ چن بسویشور پر مسلمانوں نے بدعتیہ اور گمراہ سمجھ کر،  
”نعوذ باللہ منک“ کہا۔ پندرہ سال کے بعد اب ان کے امام اور احمدیوں کے موعود یوسف  
کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوں، اس سے خوش ہیں، اب ضرور انت ربنا  
کہیں گے“ (دعوة الی اللہ ص ۱۱۱)

اس عبارت میں دو جگہ خود چن بسویشور نے اپنے غیر مسلم ہونے کا اعتراف کیا ہے، ایک یہ کہ  
انہوں نے مخالفین کو تقابل کی صورت میں مسلمان ذکر کیا ہے دوسرے یہ کہ اللہ غیر مسلم کی شکل میں  
آئے گا یعنی چن بسویشور کے نام سے آئے گا۔ اس میں اپنے غیر مسلم ہونے کی صراحت کر دی۔  
باقی رہا یہ مسئلہ کہ آپ قادیانیوں کے یوسف موعود ہیں یہ مسئلہ قادیانی صاحبان ہی بہتر  
سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا یوسف موعود کون ہے۔

## خدا بصورت چن بسویشور (علیہ ما علیہ)

یہ جملے آپ کو کتنے ہی ناگوار گزر رہے، مگر پڑھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ روز قیامت قاضی حشر  
کی مغفرت سے محروم رہ جائیں، ابوالکلام عبد الغنی اپنے پیر جی چن بسویشور کا ایک خواب نقل  
بھڑکی سورت میں بھڑیا ————— ۴۲



فرماتے ہیں :

”میں نے خواب میں دیکھا حشر بپا ہے، اللہ قاضی کی حیثیت سے آیا ہے، ایک بلند تخت پر بیٹھا ہے، جزا و سزا کے فیصلے دے رہا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ میری صورت میں ہے (شمس الضحیٰ ص ۷۶)

## ناپاک عزائم

زاہد صدیقی صاحب جو پہلے اس انجمن کے ایک سرگرم مبلغ تھے، بعد میں ان کی حقیقت منکشف ہونے پر تائب ہوئے لکھتے ہیں۔

”اے عظمت انبیاء اور ختم نبوت کے دعویدارو! سنو!! اگر تم نے اب بھی نہ سنا اور نہ مانا اور مخالفت کی تو وعید یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مخالفین کے بارے میں اس جماعت کے عزائم انتہائی خطرناک اور ظالمانہ ہیں، کیونکہ صدیق دین دار حین بسویشور کی وصیت ہے ”مخالفت کرنے والے مولویوں کو چار مینار پر کھڑا کر کے گولی مار دینا، مخالفت دب جائے گی“

(فاران کراچی۔ فروری ۱۹۵۷ء)

## خدا کا دیدار آصف نگر حیدر آباد دکن میں

یہ دشمن خدا خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو اپنے دیدار کے لئے بلاتا رہا ہے۔ چنانچہ صراطِ الذین اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے متعلق لکھتا ہے :

”صراطِ الذین اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا یہاں سنی جاتی ہے جن لوگوں نے نبیوں کو نہیں دیکھا ہے وہ آئے یہاں دیکھے۔ ہر بات کا آرام و اطمینان یہاں ہے، بہشت یہاں ہے، مقربان یہاں ہیں، گلشنِ اولیاء یہی ہے یہاں سب بڑی نعمت خدا کا دیدار ہے۔ اے طالبانِ حق! آؤ، اے عاشقانِ رسول! آؤ۔ اے محبانِ علی! آؤ، بڑے انتظار کے بعد یہ روحانی دربار کھلا ہے۔ اپنے وقت مقررہ پر کھلا ہے۔ نشانات دیکھ کر برکات دورِ آخرین سے

بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۳۵



فَبُضِيَابٌ مَّوْجًاو وَمَا عَلَيْنَا الْآلَاءَ الْبَلَاغُ

صدق دیندار۔ (دعوت الی اللہ ص ۹۴)

یوسف موعود جواب خدا بنے ہیں اور اپنے دیدار کو دیدارِ خداوندی قرار دیکر لوگوں کو بلا رہے ہیں، ان کے حسن کا یہ عالم تھا کہ دیکھکر ”بھنگی کو ہنتر“ کہنے کی اصطلاح یاد آجائے۔

## الشرین بسویشور کے روپ میں

چن بسویشور صاحب نے جب خدائی کا دعویٰ کر کے رسول بھیجنے اور قیامت برپا کرنے کا کاروبار شروع کیا تو خیال آیا کہ ان کتنا بے وقوف سہی مگر ایسے بدیہی البطلان دعویٰ کو کس طرح قبول کر سکتا ہے؟ اس لئے چن بسویشور من کل الوجہ اللہ نہ بنے بلکہ اپنے اندر خدائی صفات کے ضمن میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا اللہ جل شانہ کی ذات سے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام نے جس عقیدہ کی تبلیغ فرمائی ہے کہ وہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے اس سے متعلق عوام کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی جو تشریح کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

لَتُرِيَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ۱ ظاہر کرتا ہے کہ ایک وقت انسان کا ایسا بھی گذرا ہے کہ اس کا بیان انسانی طاقت سے باہر ہے، یعنی ذات واجب الوجود احدیت کے مقام پر تھا جب اس ذات مذکور نے اپنی ذات واجب الوجود سے مل کر شہادت میں آنے کا ارادہ کیا عقل کل میں آکر ٹھہری، عقل کل سے عالم ارواح کا روپ لیا۔ پھر وہی ذات عالم امثال میں آئی، پھر عالم اجسام یا شہادت کا جامہ پہنا۔ رحمۃ للعالمین کی صورت اختیار کی (معراج المؤمنین ص ۴)

یہ فلسفہ یونان کی نکتہ آفرینیاں ہیں جن کا اسلام کے ساتھ جوڑ ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے، گویا اللہ تعالیٰ جس طرح قدیم ہیں، عقل کل بھی ایسی ہی قدیم ہے، اور اللہ تعالیٰ عالم شہادت یعنی چن بسویشور کی صورت میں عقل کل کے محتاج ہوئے

## آخرین کاردار

مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری خلیفہ مانتے ہوئے لکھتا ہے۔  
بھڑک صورت میں بھڑیا۔ ۴۶



”اسلام کے آخری خلیفہ نے آخری فرقہ سینایا، اس طرح دینِ قیم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے..... چونکہ پھل اپنی شاخوں کا مصدق ہوتا ہے لہذا وہ آخرین کا سردار (چن بسویشور) جملہ فرقہ ہائے اسلام کی تصدیق کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ جس کو اولین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری کی تصدیق کرنے پر آپ کی قوم نے آپ پر تالیاں بجائی تھیں، اور کہا تھا کہ یہ عیسائی ہو گیا ہے۔ اسی طرح آخرین کے سردار کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ آخری فرقہ کے سردار مسیح موعود کی تصدیق کرنے پر اس کی قوم تالیاں بجائے اور کہے کہ یہ احمدی (قادیانی) ہو گیا ہے“ (دعوة الی اللہ ص ۶)

استدلال کا یہ بہترین گرشاید کسی اور کو معلوم نہیں ہوگا کہ خود واقعات بنا کر کسی کی طرف منسوب کریں، پھر وجہ نسبت کی تعیین کریں۔ اپنے خود ساختہ علمِ کلام سے خود ساختہ واقعات کی روشنی میں اپنے دعاوی پر استدلال کریں بس وہی بات ہے کہ ع خود کوزہ و خود کوزہ گرد خود گل کوزہ اس پر طرہ یہ کہ اس پر واہ واہ بھی خود کریں۔ آخر میں یہ نہ بھولے گا کہ آخرین کے سردار اور آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری میں جو جدت کا فرق نکالا ہے وہ قابلِ داد ہے، عجیب راہ نکال لی۔

### قادیانیوں سے قدیم تعلقات

آج کل کے دیندار انجمن والے اپنی ناک بنانے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات قابلِ التفات تو اس لئے نہیں کہ بانی انجمن نے بار بار غلام احمد قادیانی کا ادب و احترام سے ذکر کیا ہے بلکہ اپنے اساتذہ و شیوخ میں شمار کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس ملعون کو مسیح موعود ماننے کا بھی اعتراف کر لیا ہے، ان ناقابلِ تردید حقائق کے ہوتے ہوئے مزید ان کے آپس کے تعلقات کے لئے دلائل کی کوئی ضرورت نہیں، تاہم اس مقصد کے لئے ان کی ذیل کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے :

”غرض یہ کہ یوسف موعود (چن بسویشور) اس وقت موجود تھا، جس وقت جماعت قادیان اور جماعت لاہور کی مخالفت کا بازار گرم تھا، جس نے

بھڑکی صورت میں بیٹریا۔ ۴۱



متی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک یعنی تقریباً آٹھ سال بہترین مبلغ بن کر مرزا صاحب (قادیانی) کی محبت میں کام کیا۔ تقریباً تمام اضلاع پنجاب کی احمدی جماعتوں کا دورہ کیا اس زمانہ میں کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس قدر جوش صدیق میں کیوں ہے۔ اس راز کا علم خود صدیق کو بھی نہیں تھا۔ جب صدیق کی چالیس سال کو عمر پہنچی یعنی ۱۹۲۳ء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے بشارت دی کہ ”اے یوسف! تو ہی چن بسویشور ہے“ پھر الہام ہوا ”یوسف ہے بابا صدیق“ غرض بار بار یوسف اور صدیق کا نام الہامات میں آنے لگا۔  
(دعوۃ الی اللہ ص ۴۴)

سوچ لیں، وہ سادہ لوح مسلمان جن کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ دیندارانِ حق کا قادیانیوں اور ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں، کیا آپ کی نظر میں کسی کی محبت میں کام کرنے کے معنی مخافت کے ہو سکتے ہیں خشتانِ بینہما، حقیقت یہ ہے کہ ان دو شیطانوں کے باہم بہت قریبی مراسم اور تعلقات پائے جاتے ہیں، خاص کر صدیق دیندار تو اپنے ہر دعویٰ میں غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود وغیرہ ہونے کی تصدیق بھی ملا لیتا ہے پھر یہ بے ربطی کہاں رہی ہے  
ربط بے ربطی حسن و عشق کیا کیجے بیان  
بام بے زینہ ہی وہ، یہ زینہ بے بام ہے

## قادیانی اختلافات

قادیانی اور لاہوری دو جماعتوں کے اختلافات کے بارے میں اپنے کو فیصل مقرر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”جیسائیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ آسمانی محکمہ سے ہوا  
احمدیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ بھی آسمانی حکم یوسف موعود  
(چن بسویشور) سے ہی ہو گا۔ جسکی آمد کو قرآن کریم اور احادیث اور بشارت  
مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) اور بشارات اولیائے دکن  
بھیڑ کی صورت میں بھیڑا۔ — ۴۸



(ہندو سادھو) اور خود یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے ، مَا اخْتَلَفْتُمْ  
فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكِّمْتُمْ اِلَى اللّٰهِ (دعوتہ الی اللہ ص ۵۳)

کیا اصلاح کی؟ جس چیز پر آپس کی لڑائی ہو رہی تھی، اسی پر خود قبضہ جمایا۔ کیا آسمانی  
فیصلہ یہی ہوا کہ غلام احمدؑ دیانی کی نبوت کے بارے میں آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے اس لئے تم  
خود جاکر نبی بن جاؤ ان کا اختلاف ختم ہو جائے گا، نیز جن بسویشور کو جہنم رسید ہوئے بھی عرصہ ہو گیا مگر  
قادیانیوں اور لاہوریوں کا آپس کا اختلاف نواب تک باقی ہے پھر کیا فیصلہ کیا حضرت والا نے؟  
صرف اتنا کریم کیا کہ ان کی خباثت میں مزید خیانت ملا کہ فَرَادَ تَهُمُ رَجَسًا اِلٰی رَجِيْمٍ کے مصداق  
بن گئے۔

خود گرو کو تو جہنم رسید ہوئے عرصہ گزر گیا ہے، لیکن ان کے متبعین اور دیندارانجمن کے  
سربراہ اور وہ افراد بھی زندہ ہیں ان سب کو ہم یہ چیلنج دیتے ہیں کہ کسی ایک قرآنی آیت میں یوسف  
موعود کے آنے کی خبر دکھادیں ورنہ صاف کہہ دو کہ گرو نے جھوٹ بولا ہے، یہی معاملہ  
احادیث کا بھی ہے۔

نیز یاد رہے کہ اس میں جہاں اولیاء دکن کی بشارات کا مصداق ہونیکا دعویٰ کیا ہے  
ان اولیاء سے خود ان کی مراد دکن کے ہندو سادھو ہیں، اس سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا  
کہ ان کے نزدیک ہندو لوگ بچے دیندار ہیں بلکہ اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہے۔  
”یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے“ اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی بھی پیچھے ذکر کر  
چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک غیر مسلم یعنی جن بسویشور کی شکل میں آئیں گے۔

## خلیفہ قادیان کی اصلاح

خلیفہ قادیان میاں محمود کے عقائد کی اصلاح کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”اولیاء دکن (ہندو سادھوؤں) نے آج سے تقریباً آٹھ سو سال  
پیشتر فیصا کیا ہے کہ خلیفہ قادیان کے عقائد غلط رہیں گے، وہ اس طرح  
کہ میاں محمود احمد صاحب کو ”دیر بسنت“ کہا گیا ہے اور ”دیر بسنت“  
کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غلط عقائد پھیلانا رہے گا۔ اس کے عقائد کی اصلاح

کے لئے جن بسویشور آئے گا۔ (دعوتہ الی اللہ ص ۵۵)



عقائد کی یہ اصلاح کہ ان کے گرو غلام احمد کو آخری فرقہ کا سردار کہا اور اپنے آپ کو آخرین کا سربراہ اور کوئی اصلاح سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے کہ جن بسویشور تو خود اپنی اصلاح کے لئے خلیفہ قادیان میاں محمود سے بیعت ہوا تھا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے ہاں مرید پیر کی اصلاح کرتا ہو نہ کہ پیر مرید کی۔

## لنگائیت

یک نہ شد دوشد، پہلے تو صرف احمدیوں کے موعود تھے، اب لنگائیت کے بھی موعود ہونے کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ لکھتا ہے :

”اس وقت میں اپنے موعود کی جماعتوں یعنی ”لنگائیت“ اور ”احمدیوں“ میں پوری طاقت سے پیش ہو رہا ہوں۔ وہ بھی ایک بشارت کی بنا پر ہے۔ اس میں کامیابی دکھائی گئی ہے۔ اس میں یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ ”لنگائیت“ ہندوؤں میں اور ”احمدی“ مسلمانوں میں یہ دونوں ہر حیثیت سے زبردست جماعتیں ہیں۔ ان کی توجہ بڑے زوروں سے خصوصی ہندوستان کے مختلف مذہبوں کی طرف ہونی چاہیے۔ (دعوة الی اللہ ص ۴۴)

بہت خوب ! آپ لنگایتوں کے اوتار ہیں، یہ راز اب محقق ہو کر کھل گیا کہ آپ ہندوؤں میں سے ہیں اچھا ہے — مسلمان جس مغالطہ میں تھے جناب نے اُسے رفع کر دیا۔

## مسح گراور اس کی خانقاہ

حضرات قارئین ! پیچھے مذکور تفاسیل کو خوب ذہن نشین کرتے ہوئے آگے بڑھیں، اب سے کچھ مزید انکشافات ہونے والے ہیں۔ آجکل کے حافظے کمزور پڑ گئے ہیں اس لئے مختصراً پچھلا سبق دہرا کر آگے چلتے ہیں صدیق دیندار جن بسویشور پہلے عام انسان تھا، پھر قادیانی مغضوب کے پاس چلا گیا، پھر خلیفہ قادیان سے بیعت ہوا، پھر مہدی آخر الزماں، پھر یوسف موعود، پھر کئی انبیاء کے مثیل، بروز محمد اور عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تمام مدارج باسانی طے کرنے کے بعد مظہر خدا، مالکِ حشر، انبیاء کے حاکم، قاضی حشر، جیسی خدائی صفات کا مالک ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہ شیخ چلے خود خدا بن گیا۔

اچھا جناب عالی ! یہ سب عہدے مبارک ہوں، مگر کیا کسی ہوس کے بندے اور حُپ جاہ کے بھوکے کا پیٹ صرف ان دعاوی اور ان کے برابر کے دیگر دعوؤں سے بھر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جن بسویشور خدا تو بن ہی گیا تھا اب رسولوں کے بھیجنے میں کیا دیر لگتی، اور ویسے بھی یہ خدا کی ذمہ داری ہے۔ جن بسویشور



خدا بننے کے باوجود رسولوں کے بھیجنے کا بندوبست نہ کرے تو مخلوق کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے رسول بنانے کے لئے ایک "تربیتی کورس" شروع کر دیا۔ اس کا مرکز جہاں سے مکمل رسول بننے کا سرٹیفکیٹ عنایت ہوتا ہے، اس کا نام مسلمان نبی بننے والوں کے لئے "خانقاہ سرورِ عالم" اور ہندو نبی بننے والوں کے لئے "جگت گرد آشرم" رکھا، دینداروں کے بیک وقت پیغمبر اور خدا بننے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اب کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ پیغمبر اور رسول بھیجنے کی جسارت کرے۔

سُنیے! چن بسویشور کی عبارت ملاحظہ کیجئے :

"حسب بشارت گننام مقام سے امیوں میں ایک ایسی طاقت (چن بسویشور) کو کھڑا کیا گیا جو مسیح گر ہے (یسح بنیوالا) اور وہ وجود رسولوں کو جمع کرنے والا ہے، جسکی خانقاہ میں وارثِ انبیاء پیدا ہوتے ہیں، مریم بن کر آبیٹھتے ہیں، یسح بن کر نکلتے ہیں، چوتھے آسمان سے ساتویں آسمان تک سیر کرائی جاتی ہے، کوئی نوح علیہ السلام، کوئی ابراہیم علیہ السلام ہے، کوئی یحییٰ اور کوئی نارو ہے۔ کوئی موسیٰ علیہ السلام اور کوئی جامع جمیع کمالات کا خطاب پایا ہوا ہے، کوئی ہر لیا اور کوئی بسویشور اور کوئی نرسمیوں ہے، چونکہ اولین میں یہ روحانیت تھی، آخرین میں بھی وہی روحانیت ہے تاکہ ماثلت پوری ہو۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی خانقاہ کا یہ حال ہو (العیاذ باللہ خدا دوسروں کو اس سے محفوظ رکھے) کیا کوئی روحانیت کے دعویدار گدی نشین کو "مسیح گر" ہونیکا دعویٰ ہے، کیا ان کی خانقاہوں میں مثیلِ انبیاء پیدا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہر گدی اور خانقاہ کا رُخ زمین کی طرف ہے۔"

(دعوة الى الله ص ۳)

## نبی ساز یونیورسٹی

محترم قارئین! "مسیح گر" کی ترکیب پر غور فرمائیں۔ زرگر کے معنی ہیں سُنا، آہنگر کے معنی ہیں لوہے کا کاروبار کرنے والا، اور مسیح گر کے معنی ہیں مسیح بنانے والا، یہ نیا عہدہ مبارک ہو۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس مسیح گر (خدا) کے رسول ابھی تک دنیا میں زندہ ہیں اور خود خدا صاحبِ جہنم رسید ہو گئے، چودہویں صدی کے منکارانِ گمراہ کو کچھ ایسے خداؤں کی ضرورت بھی تھی جو رسول اور نبی کا کورس پڑھانے کے قابل ہوں تاکہ خود بیچارے انگریز کو کسی زحمت نہ اٹھانا پڑے، ایک عدد ایسا جامع جمیع کمالات پر وفیسر ملا مگر اول تو اتنی بُری نبی سا یونیورسٹی کو چلانے کے لئے ایسے کئی پروفیسروں کی ضرورت تھی، دوسری یہ اور مصیبت آگئی کہ وہ ایک نبی ساز پروفیسر بھی جلد ہی مر گیا، اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر انگریز کی اس ہندی نبی ساز یونیورسٹی پر پورا صادق آ رہا ہے

بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۵۱



دفتہ بہ دفتہ تو کھولا گیا ہے ہند میں  
فیصلہ قسمت کا اسے اکبر مگر لندن میں ہے

اس عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس انجن کے انبیاء کو چوتھے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان تک کی سیر کرائی جاتی ہے۔ پہلے تین آسمانوں کی سیر کیوں نہیں کرائی جاتی؟ شاید اس میں کوئی مصلحت ہوگی یا پھر ان میں کوئی سیر کی جگہ ہی نہیں۔

## بطور مثال مساوات

اس یونیورسٹی سے جو انبیاء تیار کئے جاتے ہیں ان کی چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور اپنی انصاف پسندی کا بھی خوب مظاہرہ کیا ہے، یہ نبی ساز یونیورسٹی جس میں بیک وقت ہندو اور مسلم انبیاء تیار کئے جاتے ہیں اس میں بننے والے انبیاء کی مثال میں چار مسلمان انبیاء کے نام ذکر کئے ہیں اور چار ہندوؤں کے نام پیش کئے ہیں اور ایک مشترک یعنی جامع جمیع کمالات یعنی مسلمان، عیسائی، یہودی بت پرست وغیرہ، اس طرح سے تمثیل انبیاء میں مساوات کر کے ہندو مسلم اتحاد کی داد حاصل کی ہے۔ یاد رہے کہ اس یونیورسٹی میں مہدی اور مانور سے لیکر بسویشور تک کے عہدے کے انبیاء اور رجال کارہوتے تھے، صرف ایک عہدہ جو چن بسویشور ہے اسکی تیاری یہاں نہیں ہوتی کیونکہ یہ منصب خود حضرت دالاکا ہے اور محولہ بالا عبارت میں اس دعویٰ پر صراحتاً قدغن لگا دی گئی ہے، الا عندنا شدة الضرورة، جس کا فیصلہ براہ راست لندن یونیورسٹی سے اس مقصد کے لئے رکھے ہوئے ماہرین امور شیطنت کر لیا کریں گے

## ۳۱۸ قلب انبیاء

دیندار انجن کے بانی کی مجموعہ چالبازیوں میں ایک ۳۱۸ کا چکر بھی ہے اسے غور سے پڑھئے۔ ”حدیثوں میں بشارت ہے کہ ہر دوہر نسل انسانی مسلم میں تین سواٹھارہ قلب انبیاء مابقی کے رہتے ہیں، قرن اولیٰ میں ان کا مجموعہ تھا، فیج اعوج کے زمانہ میں بوجہ فرقہ بازی قلوب منتشر تھے، قرن آخری چونکہ حشر کا زمانہ ہے اس وجہ سے وہ تمام قلوب انبیاء مابقی آخری امیین کی صورت میں خانقاہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حیدر آباد دکن میں جمع ہوئے ہیں، کیونکہ ان کے سردار صدیق (چن بسویشور) کی پیدائش کا مقام اس ریاست میں ہے، یہ شہر جامع جمیع کمالات ہے اور جلال جمال کا کافی سامان ہمیں ہے“ (دعوة الی اللہ ص ۷)



## مردوں کو زندہ کرنے والے

اپنی شانِ سیحانی کے بارے میں لکھتا ہے :  
 ”آخرین کے سردار صدیق دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور بن رہے ہیں،  
 خانقاہ میں جو زندگی وقف کر کے بیٹھتا ہے وہ مریم بن جاتا ہے، جب وہ میدان میں  
 نکلتا ہے تو مسیح بن جاتا ہے، اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے  
 نکل رہے ہیں، گونگے بول رہے ہیں، جن کو اللہ نے بچی، نوح اور موسیٰ پکارا وہ بھی سیرے  
 بیعت کردہ ہیں۔ اور قاسم صاحب جن کی ماثلت نوح کی ہے وہ بھی سیری بیعت میں ہیں الہ“  
 (دعوة الی اللہ ص ۹۱)

دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور کئی بن رہے ہیں، نبی گری کی یہ صنعت بڑی اچھی ہے  
 کسی طبّی کالج کے چانسلر صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ ہمارا کالج ماشاء اللہ بڑا اچھا چل  
 رہا ہے یہاں کئی لوگ اچھے اچھے ڈاکٹر بنے اور کئی ڈاکٹر بن رہے ہیں، کیا خیال ہے، دونوں باتوں میں  
 اچھا جوڑ ہے، ہم نے جو ”نبی ساز یونیورسٹی“ لکھا تھا اس کا اب یقین آ رہا ہوگا گویا نبی بننا ایک کھیل  
 تماشا ہے، یا بالفاظِ دیگر یوں کہیں کہ دنیا میں جس طرح صنعت و حرفت ایک پیشہ ہے جو آدمی اس میں  
 لگ کر محنت کرتا ہے، اس کی ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے اس کو اپنی لائن کا کوئی نہ کوئی منصب  
 مل جایا کرتا ہے جس سے وہ اپنا کسبِ معاش کرتا ہے۔ ایسے ہی نبی اور رسول کو سمجھئے کہ وہ کسبِ معاش  
 یا گزراوقات کے طریقے ہیں، قادیان کے تمام انبیاء نے نہ صرف اس مقصد کے تحت اپنی نبوت کو  
 استعمال کیا بلکہ اپنے اقوال و افعال سے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ نبوت بھی اس قسم کا کاروبار ہے۔

”اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے نکل رہے ہیں“

اس عبادت کو غور سے دیکھئے اور پھر دیندار انجمن والوں سے پوچھئے کہ اے مردوں کو زندہ کرنے والو!  
 اور نہ سہی اپنے نبی اور خدا کو تو دوبارہ زندہ کر کے لے آؤ تاکہ تمہاری اصلاح کردیں اور امت کی بھی اصلاح ہوگی

## بزمِ مشاورت

چن بسویشور نے ایک اہم راز کا انکشاف کیا ہے، لکھتا ہے :  
 ”یہ (اہل اللہ) اہم معاملات میں قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بعد خداوند کریم کے

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا — ۵۲



در بار میں مشورہ کرتے ہیں“

(معراج المؤمنین ص ۳۳)

یہ اصطلاح نہ بھولیں کہ جن بسویشور کے ہاں اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہندو سادھوؤں کو کہا جاتا ہے اور بالفرض مسلمان اولیاء اللہ ہی مراد ہوں تو قرآن و حدیث میں کہاں آیا ہے کہ اہل اللہ، اللہ کے ربار میں جا کر مجلس شوریٰ منعقد کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے دربار سے جن بسویشور کا دربار مراد ہے جہاں سے نبی اور رسول بنا کر بھیجے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے مگر یہ اہل اللہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان اہل اللہ سے اپنی حفاظت میں رکھیں، درحقیقت یہ ابلیس کی بزم مشاورت ہے اور یہ اولیاء اللہ کی صورت میں اولیاء الشیطان ہیں۔

## علوم شرع میں صفر

جن بسویشور مأمور وقت کے عہدے پر تو شرع ہی سے قابض ہو گئے اور علوم دینیہ سے مناسبت مس بھی نہیں ہوا، اس لئے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے لکھتا ہے:

”معلوم ہوتا ہے کہ مأمور وقت یعنی فنا فی الرسول ظاہری علوم میں مشہور و معروف نہیں ہوتا“

(معراج المؤمنین ص ۳۶)

## مأمور وقت کون؟

اوپر کی عبارت میں مأمور وقت کا ذکر تھا، مگر اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کون صاحب ہیں، اگلی عبارت میں اس کا کچھ اتا پتا بھی دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

”فقیر نے گاندھی جی اور محمد علی مرحوم سے کہا تھا کہ تم سب میری اطاعت کرو، انشاء اللہ

(معراج المؤمنین ص ۳۷)

دس سال کے اندر سوراخ دلاتا ہوں۔“

اُستی بنانے کے لئے ماشاء اللہ نظر انتخاب بڑی اچھی شخصیتوں پر پڑی ہے اچھا ہی ہوا کہ آپ کی تجویز کو ان لوگوں نے نہیں مانا، فرما رہے ہیں کہ تم میری اطاعت کرو، جیسے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں اطاعت خدا و رسول کا حکم ہے۔

## پردہ میں لہنے دو

مأمور وقت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

معلوم ہوتا ہے کہ مأمور وقت یعنی فنا فی الرسول انسان ظاہری علوم میں مشہور نہیں ہوتا اور

بھڑ کی صورت میں بھیڑ یا — ۵۴



وہ سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر مامور نہیں ہوتا وہ خدا کا مقرر کردہ انسان ہوتا ہے  
دربار سرکار میں اس کی عزت نہیں ہوتی، وہ ایک پردہ میں رہتا ہے تاکہ اللہ کے کام کے  
لوگ ہی اس کے قریب آ سکیں۔“ (معراج المؤمنین ص ۳۱)

اپنا مبلغ علم جو کچھ چاہیں بیان کریں مگر یہ جھوٹ نہ بولیں کہ اللہ کے مامور لوگ پردہ میں رہتے ہیں  
نہیں، پردہ نشین عورت ہوا کرتی ہے، خدا کے پیغمبر میدان میں آتے ہیں، جہاں اعلیٰ کلمۃ الحق اور آپ  
جیسے جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی کی ضرورت ہو وہیں پہنچ جاتے ہیں، البتہ نبی ساز یونیورسٹی آصف نگر  
سے جو نبی اور مامور بن کر نکلتے ہیں وہ ضرور پردہ نشین ہوتے ہیں، اس لئے کہ بقول آپ کے ”وہ مریم  
بن کر آ بیٹھتے ہیں۔“ (دعوة الی اللہ ص ۳)

یہ ایک ایسا انداز فکر اور افتاد طبع ہے جو ذہنوں کو ابہام اور الجھنوں بلکہ خطرناک نزاکتوں کی طرف  
لے جاتا ہے۔

## سہیلی بوجھ پھیلی

چن بسویشور کی طرف سے ایک گورکھ دھندا پیش خدمت ہے، اس پھیلی کو حل کریں، فرماتے ہیں:  
”یہ لوگ زندہ ہیں، یہ جسم کثیف بھی نہیں، لطیف بھی نہیں، ارادہ و عقل بھی نہیں۔  
اطمینان بھی نہیں، یہ کل ایک دوسرے کے ماتحت ہیں، یہ کسی کے ماتحت نہیں، یہ کل ضائع  
ہو نیوالے ہیں، یہ فنا سے خالی ہیں، خدا کو غائب کر کے منظر خدا بنے ہیں۔“ (معراج المؤمنین ص ۳۲)

## چھستان — مہلات — واہیات

چن بسویشور کی جس کتاب سے یہ حوالے دیئے گئے ہیں اس کا نام ہے ”معراج المؤمنین“ اس  
کتاب کا پیش لفظ ایک اور دیوانے مولوی ابوالاحمد دستگیر نے لکھا ہے، اس میں کئی عبارتیں ایسی معلیٰ  
کہ ہمیں یقین ہے کہ نہ وہ خود سمجھے ہیں کہ ان سے ان کا مقصد کیا ہے نہ ان کے گرد و کو ان کے مطالب  
معلوم ہیں، عام انسان تو کیا خاک سمجھیں گے ایک دو ایسی عبارتیں آپ کے سمجھنے کے لئے لکھتا ہوں۔  
”جس طرح جہاد مردوں پر فرض ہے اسی طرح قرآن کریم ذات وحدۃ الوجود رحمۃ للعالمین پر  
فرض ہے۔“

آگے ارشاد ہے :

”اسی حقیقت کے اظہار میں اللہ تعالیٰ جب کبھی روح کے نزول کا ذکر کرتا ہے تو وحدت کا اظہار کرتا ہے“

بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۵۵



اور جب روح کے اظہار کا ارادہ نہیں فرماتا تو کیا ”کثرت“ کا اظہار کرتا ہے؟ اس چیتاں کا حل مطلوب ہے۔ آگے فرماتے ہیں :

”ایسے زمانے میں حضور منبع النوار صلی اللہ علیہ وسلم کا رہنا ضروری ہے تاکہ اپنا دربار گرم کریں۔ اس دربار مبارک کی شان بھی فرضیت قرآن سے ظاہر ہے“  
فرضیت قرآن اور وحدت و کثرت کی یہ اصطلاحات ہماری سمجھ سے بالا ہیں کیونکہ یہ شیطانی الہام ہیں جن سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہم لا ملجأ ولا منجاء منك الا إليك

## تین کو چار کرنے والا نبی

(۱) ”میں بھائیوں کے لحاظ سے بھی چوتھا ہوں اور بہنوں کے لحاظ سے بھی چوتھا، چھوٹوں میں بھی چوتھا ہوں اور بڑوں میں بھی چوتھا ہوں“  
(۲) ”میری پیدائش کی گھڑی چوتھی ہے، دن چوتھا ہے تاریخ چوتھی ہے، صدی بعد ہزار کے چوتھی ہے، سال چوتھا ہے یعنی ۴ رمضان پیر کا دن ۳۰۳ھ میں پیدا ہوا“  
(خادم خاتم النبیین ص ۵۹)  
یہ دو دلیلیں واقعی بڑی اہمیت رکھتی ہیں، نبوت پر استدلال کے لئے اندھے کی لاشھی چلائی ہے۔

## قادیانی نشان

اپنی نبوت پر استدلال میں لکھتا ہے :

”۱۲۵ھ جولائی کے ماہ میں قادیان گیا ہوا تھا، وہاں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے بطور نشان بے موسم بارش بھیجی وہ اس طرح کہ ایک رات کے اندر اطراف قادیان کے تالاب ہو گیا، ٹمٹم اور ٹمانگے بند ہو گئے اور کم سے کم پانی راستے پر ران برابر ٹھہرا تھا، لوگوں کی زبانیں سنا گیا کہ شاید ہی کسی زمانے میں ایک رات میں اتنی بارش آئی ہو اور اس بارش میں مزید نشان یہ ہوا کہ قادیان کا مشہور کتب خانہ جس میں ہزار ہا روپے کی نایاب کتب ہیں، ایک حصہ دیوار مع چھت گر گیا اور رات کا وقت تھا، بارش زور کی تھی، کوئی شخص خبر نہ لے سکا، آخر صبح تک تمام الماریاں کچرہ میں لدی ہوئی تمام کتابیں بڑی طرح بھیگی ہوئی، صبح یہ نظارہ اپنی زبان حال سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ جو کتب خانہ قادیان



کی علمیت کے فخر کا باعث تھا، جن بسویشور کے تصرفات نے اس علم پر پانی پھیر دیا، لطف یہ کہ وہ کل کتب دوپہر کے وقت جب دھوپ میں کھول کر ڈال دی گئیں تو وہیں ڈالی گئیں جہاں فقیر نے تکیہ لگایا تھا، فقیر بیٹھا ہوا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور خدائے قدیر کے احسان کا مزہ اٹھا رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتب خانہ زبان سے پکار کر کہہ رہا ہے اے صدیق! قادیان والوں نے ہمارے الفاظ کے غلط معنی کر کے دنیا میں دھوم مچائی ہے ہم آپ کے پاس فریاد لائے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار! لہم البشری فی الحیوة الدنیا والآخرۃ (خادم خاتم النبیین ص ۳۵)

ایک سے ایک بات کو لیجئے، آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اس سے اپنی نبوت پر استدلال کرنے والا کس قدر پانی میں ہے، ہر دلیل سے جن بسویشور کی ایک نئی بے وقوفی کا علم ہو جاتا ہے۔ جن بسویشور قادیان کے کتب خانہ کے بھیگنے سے جس خوش فہمی میں مبتلا ہوئے یہ احکا قصور فہم ہے قادیان کی کتابوں کا بھیگنا، اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ جناب جن بسویشور وہاں رونق افروز ہوں، یہ بے معنی نہیں ہے، لیکن وہ اس کا مطلب غلط سمجھے ہیں، درحقیقت مطلب یہ تھا کہ:

”اے جن بسویشور! جن کتابوں کو تم اپنا مرکز و مأخذ خیال کرتے ہوئے آئے ہو، جن کے حوالے رات دن اپنی تقاریر اور کتابوں میں لکھتے ہو، جن سے اپنی نبوت، جن بسویشور یوسف موعود اور مامور وقت ہونے پر استدلال کرتے ہو وغیرہ وغیرہ، آج ان سب کتب و دلائل پر پانی پھر گیا، یہ سب دلائل و کتب ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں، کیا بے وقوف بنے ہوئے ہو کہ ان سے استدلال کر رہے ہو۔ یہ سب ان کتابوں کی آواز جو زبان حال سے نکل رہی تھی، فاعتبروا یا اولی الابصار! لہم البشری فی الحیوة الدنیا و العذاب الآخرۃ“

## جن بسویشور اور خلیفہ قادیان

قادیانیت کے ساتھ عشق کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

”خضر حال یہ ہے کہ یوں تو فقیر سلسلہ بھی قادیان گیا تھا، اس وقت اس سلسلہ کی طرف توجہ نہ ہوئی۔“ (دم خاتم النبیین ص ۵)

جی ہاں! اس وقت نبوت کے راز سر بستہ نہیں کھلے ہونگے۔ بیدار شاد ہے:

بھڑکی صورت میں بھڑیا — ۵۷



”میری نیک نیتی اور خلوص دیکھو، میں نے تلاشِ حق میں خود میاں محمود صاحب خلیفہ قادیان کی خلافت مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور قادیان پہنچا اور نیک نیتی سے تحقیقات کرتا رہا اور ان کا عقائد میں غلو کرنا پسند نہ آیا، دعائیں کیں، آخر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو پہچانا چاہتا تھا وہاں سے نکلا بیعت فسخ کر دی اور لگاتار اس عقیدے کی تردید میں ۱۲ سال کام کیا اور بڑے شد و مد سے کام کیا، آخر اللہ تعالیٰ نے فقیر کی دعا کو سنا اور انکی (قادیانیوں کی) جماعت کا منتظر موعود بنادیا (دریں چہ شک ۱۲ مؤلف) اس سے وہی کام محض اپنے رحمانی تقاضے کے ماتحت لے رہا ہے جو اس سے پیشتر بزرگانِ دین (غلام احمد قادیانی اور ہندو سادھو وغیرہ ۱۲ مؤلف) سے کام لیا تھا اور کثرت سے نشانات ظاہر کئے اور قدرت کو کمال درجہ پر ہمارے ساتھ کر دیا۔“

(خادم خاتم النبیین ص ۲۵)

واقعی نیک نیتی اور اخلاص کی یہ انتہا ہے کہ پہلے بیعت کر لی بعد میں عقائد کی صحت و بطلان کی تحقیق کرتے رہے، پھر نبوت کی گدی پر خود قبضہ جمالیا اور بالآخر خدا بن بیٹھے۔ مزید ارشاد ہے :

”میں اس فاضل اجل (جو درحقیقت فاضل اجل ہے ۱۲ مؤلف) کی ہر لعنت ملامت کو اطمینان سے سنتا رہا، جب وہ مجھے دُنیا دار سمجھ کر ریاست کا بُت سامنے لائے تو میں فوراً سیدھا ہو گیا (پہلے ٹیڑھے تھے ۱۲ مؤلف) اور کہا دو ات قلم لے آؤ میں ابھی لکھ دیتا ہوں، ہزار دفعہ لکھ دیتا ہوں کہ میں پکا قادیانی ہوں“ (بلا شک و شبہ ۱۲ مؤلف) اور کاغذ لیکر ذیل کی تحریر لکھ دی :

”صدیق دیندار پکا احمدی ہے، قادیانی سلسلہ قادیان سے جو میاں محمود نے جاری کیا ہے اس کا سخت دشمن ہوں، اور عقائد جو میاں محمود نے جاری کئے ہیں اُن کی بیخ کنی کرتا ہوں گا“

صدیق دیندار جن بسویشور (خادم خاتم النبیین ص ۲۹)

آج کے اور وضاحت کرتے ہوئے اپنے اور ان کے نشانات ذکر فرماتے ہیں :

”اس بات کی گواہ تقریباً تمام دکن کی اقوام ہیں، ان کی عبارتوں میں یہ بات چلی آرہی ہے کہ پہلے دیر بسنت (اولوالعزم محمود) ظاہر ہوگا اس کے خیالات سے عالم میں پریشانی ہوگی لوگ گمراہ ہو جائیں گے، اس کے دور کرنے کے لئے جن بسویشور ظاہر ہوگا، ان بزرگوں نے ان دونوں کے وجود کی تاریخ ظہور و نشانات بتائے ہیں اس کی کوئی تردید کر دے تو میں ہر شرط منظور کرنے کو تیار ہوں۔ گویا پیش گوئیوں نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ لئے



بتا دیا ہے کہ یہ چن بسویشور ہے اور یہ دیر بسنت، چن بسویشور کے حالات سے آپ کو ایک حد تک علم ہوا ہے، صرف اب دیر بسنت کے نشانات بطور حجت دوبارہ پیش کر کے چیلنج دیتا ہوں کہ اگر نشانات والا دیر بسنت میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کے سوا دوسرا کوئی ہے تو ثابت کر دے تو ایسی صورت میں ہر شرط منظور۔ دیر بسنت (اولوالعزم محمود) والی ایک علیحدہ کتاب تیار ہے اس میں تفصیل بیان ہے۔ ان نشانات کے علاوہ اور بھی بہت سے نشان ہیں۔ مگر اب میں جماعت قادیان اور تمام عالم سے سوال کرتا ہوں کہ ادھر قدیم کتب اولیاء میں یہ پیش گوئیاں موجود اور ادھر موعود انسان (یعنی میاں محمود خلیفہ قادیان) موجود ہے۔ پھر آپ کو شک میں ڈالنے والی وہ کونسی چیز ہے۔ ان پیش گوئیوں کے ساتھ ہی لکھا ہے یہ دیر بسنت مسلمانوں کو قرآن کریم کے الفاظ کے غلط معنی کر کے بتائے گا، اور ایشور اوتار جس کو رحمۃ للعالمین کہتے ہیں ان کی ہتک کرے گا۔ (خادم خاتم النبیین ص ۷)

مزید لکھتا ہے:

”اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا شخص عقائد میں غلطی پر ہے گا، اس کی اصلاح صدیق دیندار چن بسویشور سے ہوگی اور صاف لکھا ہے کہ دیر بسنت (اولوالعزم محمود) قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کر چکا۔ اور لکھا ہے کہ چن بسویشور کے عقائد درست رہیں اور چن بسویشور کے ذریعہ سے دیر بسنت کے عقائد کی اصلاح ہوگی (خادم خاتم النبیین)“

ہم خود بسویشور کی عبارتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ سے ان کی مراد ہندو سادھویاں اور اب یہ حضرت انہی کی کتب قدیمہ کے حوالے سے اپنی اور میاں محمود کی علامات پیش فرما رہے ہیں ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

چار مشہور وید یعنی رگوید، ساموید، یجروید، اتھروید، داش گپتا اور بیتا پوراں۔ ہندوؤں کی جدید کتب میں ہندوازم، ستیا رتھ پرکاش سوامی اور دیدار تھ پرکاش وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جن سے بسویشور کو اپنی نبوت کے لئے مزید نشانیاں مل سکتی تھیں۔ اگر یہ کتابیں ان کو مل جاتیں تو نہ جانے ان کی خباثتیں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتیں۔

منجملہ اور باتوں کے یہاں یہ بات بھی لکھی ہے کہ چن بسویشور کے ذریعہ میاں محمود کے غلط عقائد کی اصلاح ہوگی، دوسری باتیں کہاں تک سچی نکلیں ہمیں فی الحال ان سے بحث نہیں لیکن قارئین



رات بلکہ خود دیندارانِ انجمن کے افراد ایمان داری سے بتائیں کہ میاں محمود کے جو عقائد اس وقت تھے کیا ان کی اصلاح ہو گئی یا ویسے کے ویسے رہے بلکہ ان کے عقائد میں روز بروز مزید خباثتیں شامل ہوتی گئیں یہاں تک کہ جہنم رسید ہو گئے۔

## میاں محمود کی مزید تقدیس

میاں محمود کی مزید تقدیس بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”فقیر (چن بسویشور) جانتا ہے کہ وہ (میاں محمود دیربنت خلیفہ قادیان) ایک مرد متقی اور بڑی بشارتیں دینے والا ہے۔ ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے جن کی غفلت سے اصولی ہو جائیکا اندیشہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے مخالفت کی۔ اب مخالفت نہیں ہے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے کہ وہ قریب میں ہمارے عقیدے کے ساتھ ہو جائیں گے جس کے آثار گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔“

(خادم خاتم النبیین دیباچہ ص ۱۹۲ جون ۱۹۲۷ء)

مندرجہ بالا عبارت میں میاں محمود سے متعلق لکھا ہے کہ :

”ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے۔“

یاد رہے کہ یہ کتاب خادم خاتم النبیین چن بسویشور نے ۱۹۲۶ء میں لکھی ہے اور اس کی تصریح انہوں نے خود اپنی سب سے پہلی کتاب دعوت الی اللہ کے ص ۲۲ میں کی ہے اور دعوت الی اللہ ان کے دعوائے مامور وقت دیوسف موعود کے ابتدائی زمانہ یعنی ۱۹۲۴ء میں لکھی گئی ہے، یہاں تو یہ لکھتے ہیں کہ میاں محمود سے ہمارا اختلاف چند فروعات میں ہے لیکن اس سے قبل دعوت الی اللہ ص ۵ میں لکھا ہے کہ میاں محمود کے عقائد غلط ہونگے، نیز اسی کتاب خادم خاتم النبیین کے ص ۸، ۱۰، ۲۵ اور ص ۲۹ میں صراحت یہ لکھا ہے کہ ان کے عقائد ہی خراب ہونگے، وہ غلط عقائد پھیلانے لگا، لوگوں کو گمراہ کرے گا، قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کرے گا وغیرہ۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد، اور یہ تضاد بطور نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے ورنہ ع یہاں پر عجائب نظارے بہت

نیز دیندارانِ انجمن والوں کے پیغمبر نے محولہ بالا عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ نے علم



دیا ہے کہ وہ (قادیانی) قریب میں ہمارے عقائد کے ساتھ ہو جائیں گے جس کے آثار

گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔“

اس سے دیندار انجمن میں غلطی سے پھنسے ہوئے سادہ لوح حضرات خوب سمجھ لیں کہ ان کے موجودہ پیشوا اپنے کو بظاہر قادیانیوں سے الگ ظاہر کر کے ان کو کس طرح دھوکہ دے رہے ہیں۔

### ۴۲۵۷ جھوٹ

اپنی کتاب خادم خاتم النبیین کا ذکر کرتے ہوئے کذب بیانی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔  
”اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں میں نے ایک کتاب ”خادم خاتم النبیین“ لکھی جو اس کتاب کا مقدمہ تھا جس کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۵۹ پر ہے۔ اس زمانے سے اب تک ۴۲۵۷ الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام کیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے بھی اس دعوے کا تاریخی، قدرتی اور شہادت ثبوت ملا، یہ کتاب ”دعوة الی اللہ“ سنتِ انبیاء کے مطابق ”اتی مغلوباً فانتصر“ کے زمانے میں لکھی جا رہی ہے۔“ (دعوة الی اللہ ص ۳)

### جھوٹ کا ریکارڈ توڑ دیا

۴۲۵۷ جھوٹ بول کر خاموش نہیں ہوئے بلکہ مزید یہ ستم کیا کہ یہ تمام جھوٹ قرآن و احادیث میں تاریخی، قدرتی اور شہادت ثبوت پر ثابت ہیں، ان سب کو تلاش کرنے کی آپ کو کہاں فرصت ہے اور مزید جھوٹ بھی بولنے ہیں مگر کچھ فرصت نکال کر، ان میں ایک جھوٹ قرآن یا حدیث سے دکھادیں تو کرم ہو گا۔

جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے

بعد اس کے حسرتِ دل سوز ہے

### چن بسویشور کو ماننے والے دجالوں کی مختصر فہرست

اس سلسلہ میں اپنی کتاب دعوة الی اللہ ص ۵۶، ص ۵۷ میں کئی قادیانی دجالوں کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا یا بیعت ہو کر مان لیا ہے، ایک مختصر فہرست چند مشہور عالم دجالوں کے ناموں کی ان کی اپنی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

”اہل بصیرت کے لئے میرا دعویٰ سورج کی طرح روشن ہے۔ سعید ارواح کو جب میری خبر

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا — ۶۱



پہنچ جاتی ہے تو تسلیم کرتے ہیں۔ امتداد صدقنا کہتے ہیں۔ حسب ارشاد مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) سلسلہ احمدیہ کے بڑی عمر پانے والوں میں سے جن لوگوں نے میری تصدیق کی ہے ان میں سے مشہور اور ذی اثر اشخاص کے چند نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں (۱) زبدۃ الحکماء مرزا خدابخش صاحب مصنف عمل مصنف نے میری تصدیق کی۔ (دعۃ الی اللہ ص ۲) سلسلہ احمدیہ کے دوسرے مشہور ذی اثر ایثار میں مشہور انسان ڈاکٹر امین حسین شاہ صاحب جنرل سکریٹری جماعت احمدیہ لاہور۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا دعویٰ مصلح موعود کا ہے۔ میں نے کہا، ہاں! کہا، میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ میں آپ کے اصول و عقائد کو اُمت مرحومہ کے لئے باعث برکت سمجھتا ہوں۔ میں نے مولوی محمد علی صاحب (امیر قادیانی جماعت لاہور) کو بھی آپ کی نسبت میرے ہم عقیدہ پایا۔ (دعۃ الی اللہ ص ۵) اس پر کوئی تبصرہ کرے تو کیا کہے، بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

## یہ فتنہ پھر اٹھایا جا رہا ہے

ناظرین! آپ یہ نہ سمجھیں کہ دیندار انجمن کے بانی جن بسویشور اور دیگر بڑے افراد جہنم رسید ہو گئے، تو اب فتنہ نعم ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ فتنہ اسی زور شور سے پھر سر اٹھا رہا ہے جس طرح بانی انجمن نے شروع کیا تھا، بلکہ یہ فتنہ شروع میں تو کفر و ارتداد کی کھلی دعوت کے ساتھ پھیلا یا جا رہا تھا جس سے عام مسلمانوں کو بھی اکثر و بیشتر انکی حالت معلوم ہو جاتی تھی مگر اب تو یہ کفر و ارتداد کے ساتھ ساتھ نفاق، دھوکہ فریب اور نہایت خفیہ عزائم لئے میدان میں آیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے یہ نہیں ظاہر کیا جاتا کہ ہم ان عقائد کے حامل ہیں۔ جن بسویشور کے پیرو ہیں بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ ہم بچے دیندار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہیں۔ مسلمانوں کی بُری حالت دیکھ کر ہم ان کی اصلاح کو نیکلے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ سادہ مسلمانوں سے دین کے نام پر چندہ لیکر انسانیت سوز کتابوں کی نشر و اشاعت میں لگاتے ہیں۔

## شوگر کوئیڈ ٹیلیٹس

صورتِ زاہد سے اسکو خضر سمجھا تھا مگر : جب اٹھا پردہ تو ابلیس لعین آیا نظر  
دیندار انجمن والے عام طور پر مسلمانوں میں، اتحاد، جوشِ جہاد، اسکولوں اور کالجوں کی اصلاح وغیرہ سے



متعلق تبلیغ کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم مبلغین اسلام ہیں، ہمارے تبلیغی مشن کے یہ ابتدائی خاکے ہیں، اس طرح جاہل عوام خصوصاً نوجوان جہنیں دین کا صحیح علم نہیں ہے جلدی سے ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ انھوں نے نشر و اشاعت کا منظم کام شروع کر دیا ہے، عام طور پر کتابیں اس منافقانہ انداز میں لکھ کر چھاپتے ہیں کہ عوام ان سے بُرا تاثر نہ لیں۔ چنانچہ کوئی کتاب لکھتے ہیں تو ادھر ادھر کی ناصحانہ باتیں لکھتے دیکھتے بیچ میں ایک آدھ جگہ اپنے بانی انجمن کی کوئی بات کر کر دیتے ہیں یا ان کی جانب اشارہ کر جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہوگا کہ عوام اور نوجوان طبقہ ان دجالوں سے اس انداز سے متعارف ہوگا کہ ان کافروں دجالوں کے ساتھ ان کو خشن ظن پیدا ہوگا پھر رفتہ رفتہ جماعت میں داخل ہو گئے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایمان سوزی کے ساتھ جب غیرت سوزی کے بھی عادی ہو جاتے ہیں تب ان کو اصل کتابیں جو مقصود ہیں بالترتیب پڑھنے کیلئے دیدی جاتی ہیں اور خبیث ترین لٹریچر جو اصل بانی انجمن کا ہے سب سے آخر میں دیا جاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ جو دیندار انجمن کے فریب اور بے دینی سے مطلع ہو کر ان سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے ان کی انجمن میں بحیثیت مبلغ کام کیا ہے لیکن تین چار سال تک ان کی اصل کتابیں ہم کو نہ دی گئیں، اس کے بعد جب ہم پر پورا اعتماد ہو گیا کہ یہ ہر طرح سے ہماری بے غیرتی برداشت کر سکیں گے تب انجمن کے بانی کی کتابیں ہم کو دی گئیں جن کی خباثتوں کو دیکھ کر ہم اُن سے متنفر ہوئے اور ان سے برارت اور توبہ کا اعلان کیا۔

## نشر و اشاعت میں دیندار انجمن کی مکاریوں کی ایک مثال

سعید بن وحید جس کا ذکر اس کتاب میں پیچھے متعدد دفعہ آیا ہے، اس مہم میں پیش پیش ہی۔ کراچی میں دیندار انجمن کے نگران کی حیثیت سے یہ خباثتیں تصنیف و تالیف کی صورت میں پھیلا رہا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے اکثر اشراق حق کی نظر سے گزری ہیں۔ مثال کے طور پر اس کی کتاب "تلی مسائل کا قرآنی حل" کو لیجئے، اس میں اس نے بڑے درد انگیز اور دلیرانہ لہجے میں نظریہ پاکستان وغیرہ سے بحث کی اور کئی خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ کتاب ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے ۵۸ صفحات لکھنے کے بعد اب مقصد کی طرف لطیف اشارات شروع کر دیئے ہیں اور بڑی مکاری سے مقصود اصلی چن بسویشور کی طرف آیا ہے۔ چونکہ دیندار انجمن والے چن بسویشور کو نبی ماننے کے ساتھ ساتھ "مأمور وقت" بھی کہتے ہیں، اس لئے "تذییر امر" اور "تعیین شخصیت" کے دو مختصر عنوان قائم کر کے ان میں چند مثالیں دی ہیں، اس کے بعد مقصد کی طرف یوں لطیف اشارہ کیا ہے۔ "غرض قرآن پاک



میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو منجانب اللہ ”تدبیرام“ اور تعین شخصیت“ کا پتہ دیتی ہیں۔

(مٹی مسائل کا قرآنی حل ص ۶)

اس کے بعد ”مادرائے عقل“ کا عنوان قائم کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ لوگ اگرچہ ایسی شخصیتوں کو پاگل کہا کریں گے مگر یہ اللہ والے ہیں، پھر آگے چل کر انتہائی چالاکی سے اس مامور شخصیت کا نام اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ لوگ یہ نہ محسوس کریں کہ مصنف اس کا یقینی فیصلہ سناتا ہے چنانچہ ”بشری للمؤمنین“ کا عنوان لکھ کر یہ عبارت لکھی ہے۔

ہندوستان تمام مسلمان ہونے والا ہے ”الہام بانی دیندارانجمن“ (مٹی مسائل کا قرآنی حل ص ۶) بانی انجمن کا یہ الہام انہوں نے جلی اور خط کشیدہ اس طرح سے لکھا ہے کہ اگلی عبارات کے لئے عنوان کا بھی کام دے، مامور شخصیت کا یہ الہام ”بشری للمؤمنین“ ہے۔

چن بسویشور جس نے نبوت اور خدائی تک کے دعوے کئے ہیں اس کا نام کتاب ”مٹی مسائل کا قرآنی حل“ میں اس طرح اعزاز و اکرام اور تعظیم کے ساتھ ذکر کیا ہے، ”بانی دیندارانجمن حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور قدس اللہ سرہ العزیز“ (مٹی مسائل کا قرآنی حل مائیل ص ۶)

دنیا کے اس بدترین کافر کا نام اس اعزاز کیساتھ لیا جا رہا ہے جس نے یوسف موعود مہدی آخر الزماں، نبی، بروز محمد بلکہ خدائی تک کے دعوے کئے، اس کے باوجود دیندارانجمن والے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔

مسلمان تو ختم نبوت کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئیگا، خواہ وہ نبی مستقل ہو یا ظلی و بروزی، لیکن سعید بن وحید نے ختم نبوت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

”کیونکہ اعلان ختم نبوت کا منشاء ہی یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی دنیا کا واحد دین ہو۔“

(مٹی مسائل کا قرآنی حل ص ۶)

اس عبارت سے عوام الناس کو آسانی سے دھوکہ دیا جاسکتا ہے کہ بات تو بڑی اچھی لکھی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ختم نبوت کی تشریح جو بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اس کو چھوڑ کر اس تشریح کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وجہ یہ ہے کہ اس تشریح کی

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا — ۶۴



زد سے اگر کوئی مستقل نبوت کا دعویٰ نہ کرے بلکہ ظلی نبی یا بروزی نبی ہو نیکا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ اسکا مذہب اسلام ہی ہے تو وہ چونکہ اسلام کو دنیا کا واحد دین مان رہا ہے اس لئے اسکا عقیدہ ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

## حکومت سے اپیل

ہم سطور بالا میں دیئے گئے حوالجات کی طرف اپنی عوامی حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے تمام مسلمانوں کی طرف سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن بسویشور مدعی نبوت ہے، نیز یوسف موعود اور مامور وقت اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مثیل ہونے اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے اندر حلول خدا کا مدعی ہے اس لئے جن بسویشور کا فرد مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسکو نبی یا بزرگ بلکہ مسلمان سمجھنے والے بھی کافر ہیں، دیندار انجمن والے جو اپنے کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ بھی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

جس طرح حکومت پاکستان نے قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیکر غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے اور یہ موجودہ حکومت کا اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ وجود پاکستان سے آج تک حکومت پاکستان میں اتنا اہم کارنامہ انجام نہیں پایا، اسی طرح دیندار انجمن والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیکر ان کے غیر مسلم اقلیت ہونیکا اعلان کرے۔ دراصل یہ قادیانیوں ہی کی ایک شلخ ہے جس کو ہم پیچھے بارہا ثابت کر چکے ہیں مگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد یہ چالاکی سے اپنے کو قادیانیوں سے الگ ظاہر کر رہے ہیں تاکہ جو حکم قادیانیوں پر ہوا ہے یہ اس سے خارج رہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومت اس معاملے پر غور کرے اور ناموس خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کا یہ دوسرا اعزاز حاصل کرے گی۔

## عوام سے اپیل

جیسا کہ ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ دیندار انجمن والے اور ان کا پیشوا کافر و مرتد ہیں اور یہ اسلام کے لئے زہر قاتل ہیں اس لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کی حفاظت کی خاطر اس معاملہ میں ہر ممکن کوشش سے گریز نہ کریں، اس مسئلہ کو جتنا ہو سکے عام کریں، عوام کا کوئی مجمع بلکہ کوئی گھر ایسا نہ چھوڑیں جہاں یہ آواز نہ پہنچے، اس سلسلے میں ہر قسم کا تعاون کریں، اس کے منتظر نہ رہیں کہ آپ سے کوئی اس کی اپیل کرے، ان کے خلاف پمفلٹ اور رسالے وغیرہ چھپوا کر تقسیم کریں



تاکہ سرکارِ دو عالم مہلی اللہ علیہ آلم وسلم کے سامنے قیامت کے روز پیشتر مندی نہ اٹھانی پڑے۔ کہ  
 ”تمہارے سامنے میری نبوت بلکہ اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑایا  
 جاتا رہا تھا اس وقت تم کیوں خاموش رہے۔“

## زبردست شہادت

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندار انجمن کی کتاب ”ہندو اوتار“ کے آخر میں ایک زبردست شہادت نظر سے گزری جو درج ذیل ہے۔

۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء کی صبح کو مجھے ایک لفاظہ ملا ”بے نقاب“ اور ”یک نہ شد و شد“۔ پڑھ کر حیدر آباد دکن کے سابق پولیس افسر نے ”انجمن دینداران کا مسلک“ کے عنوان کے تحت چند نہایت اہم رازوں کا انکشاف کیا ہے۔

صاحب موصوف کے مراسلہ کے مندرجہ ذیل اشارے نہایت اہم اور قابل غور ہیں۔  
 (۱) صدیق دیندار چن بسویشور مدراس کے ایک سابق شیعہ خاندان کے فرد، میسور کے متوطن حیدر آباد کی ریاستی پولیس میں ملازم ہوئے، ہیڈ کانسٹبل ہونے کے بعد کسی جرم کی پاداش میں برطرف کر دیئے گئے۔ دوران ملازمت ان کا قیام گلبرگہ شریف (دکن) میں رہا، اسکے بعد گزراوقات کی خاطر پیری مریدی شروع کی اور محلہ آصف نگر حیدر آباد (دکن) میں سکونت پذیر ہوئے۔ لنگایت ہندو فرقہ کے اوتار کا ڈھونگ چلایا۔ بھگوت گیتا۔ رامائن اور مہا بھارت کو الہامی کتابیں ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا۔ مذاہب عالم کا نفرنس کے رنگ میں ہر سال اپنے مکان پر جلسے کیا کرتے، جہاں قادیانی عقائد کا پرچار ہوتا اور ہر مذہبی مسئلہ کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا۔

(۲) صدیق دیندار چن بسویشور صاحب نے کچھ دن بعد اپنے آپ کو ”خاتم النبیین“ کہنا شروع کر دیا، اور میں نے یہ بھی سنا کہ وہ اپنی پیٹھ پر کوئی نشان بتلا کر اسے ”مہر نبوت“ کہتے ہیں، ان کے فرقے سے تعلق نہ رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو انھوں نے قادیان کے ”ارباب نبوت“ کی اتباع میں کافر گردانا، ان میں تفرقے ڈالنے کی خطرناک سازشیں کیں، اپنے مریدین کے ذریعہ ان کو ٹوٹا۔

افزائش نسل اور نوٹڈیوں کے جواز کے تحت ہر کمزور مخالف کی عورتوں

اور لڑکیوں کی عصمت دری کی، نام نہاد دینداری اور فقیرانہ

لباس کی آڑ میں عیش پرستی کو جاری رکھا۔



مخالفین کے ساتھ اس قسم کی انسانیت سوز و خلافِ تہذیب حرکات کا نام غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ رکھا گیا۔

(۳) تقسیم ہند اور آزادی ریاست حیدرآباد کے بعد ان کی تباہ کاریاں و سیاہ کاریاں لا محدود ہو کر رہ گئیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ وہ ڈاکہ زنی ہے جس میں صدیق چن بسویشور کے مریدوں نے نواح حیدرآباد محلہ بیگم پیٹھ میں ایک ساہوکار کے گھر دن دھاڑے ٹوٹ مار مچائی اور ایک تجوری جس میں پانچ لاکھ کی نقدی زیورات و جواہرات تھے لیکر رنجو چکر ہو گئے۔

جب ان کی دیدہ دلیری حد سے تجاوز کر گئی تو انہوں نے ریاست کے ملحقہ علاقوں میں ٹوٹ مار شروع کر دی اس سے اس قدر دھوکہ ہوتا کہ غیر مسلم ان کو رضا کارانہ اتحاد مسلمین سمجھ کر اخبارات میں اسٹیٹ مسلم لیگ کے خلاف زہرا فاشانی کرتے۔

(۴) قاسم رضوی صاحب کے دور سے قبل ہی حکومت وقت نے ان کو نظر بند کر رکھا تھا کیونکہ ان کی فتنہ سامانی سب پر روز روشن کی طرح عیاں تھی، ان کی زبان بندی کے احکامات مذتوں سے جاری تھے، سقوط حیدرآباد کے بعد ان کے مریدین ردپوش ہو گئے انہوں نے لباس تک چھوڑ دیا اور آخر کار بھاگ بھاگ کر پاکستان آرہے ہیں۔

ایک ریاست کو تباہ کر کے اب انہوں نے دوسری

سلطنت کو تباہ کیا ہے

اللہ تعالیٰ سب کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

پولیس افسر کے خط کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد زاہد صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

صاحب موصوف کے مراسلہ کا آخری جملہ ارباب حکومت کے لئے زبردست آگاہی د

انتباہ ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ

حیدرآباد دکن کے ذمہ دار مہاجرین سے دیندار انجمن اور

اس کی ہلاکت آفرینیوں کا ریکارڈ حکومت ضرور طلب

کرے، ایسا نہ ہو کہ ہماری حکومت خارجی فتنوں کے کچلنے

میں لگی ہو اور یہ اندرون ملک شورش برپا کر دیں :

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ



بھڑکی صورت میں بھیڑیا — ۶۷



## دیندار انجمن والوں سے ہمدردانہ گزارش

ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس انجمن میں جہاں بعض بد نیت جان کر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، وہاں کچھ ایسے سادہ دل بندے بھی ہیں جو محض اسلام کے نام پر ان کی چرب بیانی سے متاثر ہو کر خدمتِ دین کے لئے اس انجمن میں داخل ہو گئے ہیں۔

ان سطور میں ہم اپنے ان بھائیوں کو ہمدردانہ نصیحت کرتے ہیں کہ خدا را ان کے عقائد اور مکر و فریب کو سمجھیں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ اپنی عاقبت برباد کر چکے ہیں تمہاری بھی عاقبت برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔

## میرے بھٹکے ہوئے دوستو!

کیا اسلام کا وہ طریقہ آپ کے لئے ناکافی ہے جسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر پیش فرمایا تھا، جس کو صحابہ کرام، محدثین اور ائمہ عظام نے بحفاظت ہم تک پہنچایا ہے اس کو چھوڑ کر آپ جن بسویشور اور دیندار انجمن کی گود میں آکر پناہ لے رہے ہیں۔ خدا را اپنی جانوں پر رحم کھائیں، اب بھی وقت ہے اسلام کی رحمت میں اب بھی آپ کو سایہ مل سکتا ہے اپنی گزری ہوئی خوش فہمیوں سے توبہ کر کے اسلام کے حلقے کو مضبوط پکڑ لو اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ارتداد کے اس جال سے نکلانے کی کوشش کرو۔ وَالْخُرُودُ نَعُوْنَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

رشید احمد

۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ یوم النہس



فَلْيَنْفَعُوا إِذَا ذُنُوبُهُمْ يَنْفَعُ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ



سَنَانُ الْقَنَا  
عَلَى  
مُحَمَّدٍ الرَّبِّ



## ربا سے متعلق متجددین کے نظریات کی تردید

سوال : جنوری ۱۹۵۵ء میں ”ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور“ نے ”کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تجارتی سود شرعاً حرام نہیں بلکہ اسکالین دین ضروری ہے۔ علماء کرام کا فرض ہے کہ اُمت کو اس اباحیت کے فتنہ سے بچائیں۔ لہذا آپ سے درخواست ہے کہ سود کی تعریف، اس کی اقسام اور ان کے شرعی احکام پر بالتفصیل مدلل روشنی ڈالیں اور رسالہ مذکورہ میں دلائل جواز کا تشفی بخش جواب تحریر فرما کر اس دورِ ظلمت میں اُمت کی رہبری فرمائیں۔ والا جر عند اللہ الکریم،

الجواب باسمِ قلمِ الصواب

ربا کی تعریف

ربا کے لغوی معنی مطلقاً زیادتی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مال کی ہر ایسی زیادتی ربا کہلاتی ہے جو مبادلۃ المال بالمال میں بدون عوض مشروط ٹھیرائی گئی ہو۔  
ربا کی اقسام :

ربا کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ربا الفضل (۲) ربا النسیئہ، ربا الفضل بیع بالجنس میں زیادتی کو کہتے ہیں، اس کی حرمت ثابت بالحدیث ہونیکی وجہ سے اسے ربا الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ ربا النسیئہ ”الزیادۃ المشروطۃ علی القرض“ کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں اسی قسم کے ربا کی حرمت منصوص ہے اس لئے اسے ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ متجددین کی بحث چونکہ صرف اسی ربا النسیئہ سے متعلق ہے لہذا یہاں صرف اسی کی تفصیل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔  
متجددین کے نظریات :

ربا النسیئہ سے متعلق متجددین کے دو گردہوں کے دو مختلف نظریات ہیں (۱) صرف وقتی اور شخصی ضرورت کے لئے سودی قرض کا لین دین حرام ہے اور کسی نفع بخش تجارت کے لئے سودی قرض کا معاملہ حرام نہیں، قسم اول کو صہنی سود اور قسم دوم کو تجارتی سود سے موسوم کرتے ہیں۔  
(۲) سود مرکب یعنی سود در سود حرام ہے اور سود مفرد جو رأس المال سے دو چند نہ ہو حلال ہے  
فریق اول کی دلیل :

فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں محض صہنی سود مروج



جواب

دلیل مذکور کا تجزیہ کرنے سے اس کے چار اجزاء سامنے آتے ہیں :

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود کار واج نہ تھا۔ (۲) جو معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروج نہ ہو وہ نصوص حرمت میں داخل نہیں ہوتا۔ (۳) حرمتِ ربا کی علت ظلم ہے (۴) یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی۔

یہ چاروں مقدمات گویا دیل کے عناصر اربعہ ہیں ان میں سے ایک مقدمہ بھی مخدوش ہو جائے تو دلیل باطل ہو جائے گی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں مقدمات میں سے ہر مقدمہ باطل ہے،

## ابطال مقدمه اولی

یہ دعوی بالکل غلط ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود رائج نہ تھا، دلائل ذیل سے اس دعوی کا بطلان واضح ہو جاتا ہے۔

① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا كَمَا تَحْتَ كُتُبِ تَفْسِيرٍ مِثْلِ ذِكْرِ هِيَ  
کہ قبیلہ بنو مغیرہ قبیلہ ثقیف سے سودی قرض لیا کرتا تھا (الباب النقول ص ۴۲، روح المعانی ص ۳۶۰)

۲) یٰٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبَاۤ اَکْثَرَ مِنْ حَیْثُ کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ ۚ سَبَّحْتَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَرَیِّسَ ۚ ۙ  
 ثقیف بنو نضیر سے قرض لیا کرتا تھا، جب قرض کی واپسی کا وقت آتا تو ثقیف بنو نضیر سے کہتا  
 کہ ہمیں اور مہلت دو ہم اس پر تمہیں مزید سود دیں گے (لباب النقول ص ۵۲)

ظاہر ہے کہ ان قبائل کے درمیان یہ معاملہ صرف فی سود نہ تھا بلکہ وسیع پیمانے پر تجارتی سود تھا۔ یہ قبائلی تجارتی کمپنیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ قبیلہ کے افراد سرمایہ جمع کر کے اس سے اجتماعی تجارت کرتے تھے چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قافلہ تجارت سے متعلق زرقانی شرح المواہب اور تفسیر منطہری میں ہے لَمِيقَ قَرْشِي وَلَا قَرْشِيَةَ لَهُ مَثَقَالُ فِصْمَاعِدَا الْاَبْعَثَ بِهِ فِي الْعِيرِ

(۳) صحیح بخاری باب برکتہ الغازی فی مالہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ مذکور ہے کہ لوگ آپ کے پاس امانت رکھنے کے لئے بھاری رقم لاتے مگر آپ فرماتے کہ امانت کی بجائے مجھے



قرض دید و پھر اس رقم کو آپ تجارت میں لگاتے جس سے ایک طرف خود فائدہ حاصل کرتے اور دوسری جانب مالک کا یہ فائدہ ملحوظ تھا کہ اس کی رقم محفوظ ہو جائے کیونکہ امانت کی صورت میں ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا، قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وکان غرضہ بذلک انہ کان یحشی علی المال ان یضیع فیظن بہ التقصیر فی حفظہ فرأی ان یجعله مضموناً فیکون اوثق لصاحب المال وایضی لمؤنہ تذاہب بطلان ویطیب لہ رجح ذلک المال (فتح الباری ص ۱۶۳)

(۴) موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراض میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ وعبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک لشکر میں عراق کی طرف تشریف لے گئے، واپسی پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے جو اس وقت امیر بصرہ تھے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال میں تمہارے نفع کی ایک صورت آئی ہے وہ یہ کہ مجھ سے بیت المال کی رقم قرض لے لو، اس سے بغرض تجارت کچھ مال خرید کر لے جاؤ، مدینہ طیبہ پہنچ کر اسے فروخت کر کے اس کی منفعت خود رکھ لینا اور اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا، اس معاملہ سے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل مقصد صاحبزادوں کو تجارتی منفعت پہنچانا تھا، اس کے ساتھ بیت المال کے مال کی حفاظت کا فائدہ از خود ہو گیا، اس لئے یہ سفتجہ کمزورہ میں داخل نہیں۔

(۵) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ خلیفہ ولید نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی ضرور وصول کرنا۔

اس میں ایک قبیلہ پر قرض کا قصہ ہے جو شخصی اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں ہو سکتا یہ قرض یقیناً تجارتی غرض سے تھا اور اس کی حیثیت بعینہ بینک کے قرضوں کی ہے۔

(۶) علامہ قرطبی ذلہ ما سلف کے تحت فرماتے ہیں، ہذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفلا

قریش وثقیف ومن کان یتجر ہذا (تفسیر قرطبی ص ۳۶۱)

(۷) علامہ طبری نے ۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے ان ہند ابنت عتبہ قامت الی عمر

ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاستقرضتہ من بیت المال اربعۃ الاف تتجر فیہا وتضمنہا فافتر فخرجت الی بلاد کلب فاشترت وباعت

(۸) امام بغوی رحمہ اللہ نے عکرمہ و عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک تاجر پر سودی رقم تھی جو حرمت ربانازل ہونے پر چھوڑ دی گئی۔ کتب تفسیر و حدیث میں تجارتی قرضوں اور ان پر سود کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔



تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نزولِ قرآن سے قبل عرب میں تجارتی سود کا یقیناً رواج تھا۔ عرب قبل از اسلام کی معاشی بنیاد تجارت کی گرم بازاری اور تجارتی قرضوں کے لین دین پر تھی، اس دور کے تجارتی مراکز مکہ اور طائف میں سودی ادارے موجود تھے، اسلام سے قبل عرب کے معاشی اور تجارتی تعلقات جن ممالک اور جن اقوام کے ساتھ تھے مثلاً بابل، یونان، روم، شام اور بازنطینی حکومت وغیرہ ان میں تجارتی سودی قرضوں کا رواج تھا اور ایسے ادارے موجود تھے، اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرب زمانہ نزولِ قرآن میں تجارتی سود سے ناواقف تھے، تاریخی حقائق کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب تجارتی سود سے صرف واقف ہی نہ تھے بلکہ تجارتی قرضے اور ان پر سود ان کے نظم معیشت کا بنیادی پتھر تھا، اس پر تاریخی شواہد کے لئے مولانا فضل الرحمن صاحب لیکچرار علیگرہ مسلم یونیورسٹی کے مضامین بہت قیمتی ہیں جو ماہنامہ ”برہان“ کی کئی اقساط میں شائع ہوئے تھے۔ اور ایک مقالہ ”اسلامک تھاٹ“ علیگرہ میں چھپا تھا، غرضیکہ عہد نزولِ قرآن میں سود کی دونوں قسمیں (صرفی و تجارتی) رائج تھیں اور دونوں کو نو ہی کہا جاتا تھا ان میں کوئی تقسیم و تفریق نہ تھی، سب سے پہلے سترہویں صدی عیسوی میں بینکاری نظام کے وجود کے ساتھ ساتھ دو نئی اصطلاحیں ابھریں اور سود کی دو قسمیں کی گئیں یوٹری (صرفی) اور انٹرسٹ (تجارتی) جو مغرب سے مرعوب ذہنیوں کے نظریہ حلتِ ربا کا سنگ بنیاد ہے۔

### ابطالِ مقلدہ ثانیہ

یہ دعویٰ بھی بالکل لغو اور بدیہی البطلان ہے کہ قرآن نے جس چیز کو حرام بتایا ہے اس کی وہ صورتیں حرام نہیں جو نزولِ قرآن کے وقت مروج نہ تھیں، جب کسی چیز کی حرمت منصوص ہے تو اس کے کل افسراد، سب صورتیں اور سب طریقے حرام ہی ہونگے خواہ وہ زمانہ نزولِ قرآن میں موجود ہوں یا بعد میں پیدا ہوں، مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے تو اس کی ترقی یافتہ صورتیں اور صنعتیں جو نزولِ قرآن کے وقت نہ تھیں حلال نہیں ہو سکتیں، اسی طرح قمار کے جدید طریقوں کو حلال نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح تصویر کشی کی ترقی یافتہ صورتوں کو حرمت کی نصو ص سے خارج نہیں کیا جاسکتا، اگر صورت اور طریقے کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی کی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس دورِ ترقی میں شریعت کا کوئی حکم بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ رشوت، شراب، مجوا، زنا، چوری، ڈکیتی اور قتل وغیرہ تمام جرائم اور محرمات کی صورتیں اور طریقے سب جدید ہیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں نہ تھے۔



قرآن کریم میں مطلق ربا کی حرمت منصوص ہے اسمیں شخصی اور تجارتی سود میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ سود کی تعریف اور اس کی حقیقت میں مذکورہ بالا دونوں قسمیں داخل ہیں، لہذا حرمت بھی دونوں کو شامل ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ بھی عام ہے، اس روایت کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور زیلعی نے بھی متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ السراج المنیر شرح الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔ قرآن و حدیث کی ان نصوص صریحہ کی وجہ سے جمیع امت مسلمہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ ”کل قرض جر منفعا فهو ربا“

اوجز المسالك میں ہے، قال الموفق كل قرض شرط فيه ان يزيدا فهو حرام بغیر خلاف (اوجز المسالك ص ۹۶) نص قرآنی کو صرفی سود کے ساتھ خاص کرنا اور تجارتی سود کو اس سے خارج کر دینا قرآن کی کھلی تحریف ہے، صرفی سود اور تجارتی سود میں صرف نیت و قصد کا فرق ہے اگر ذاتی و شخصی مقصد کے لئے قرض لیتا ہے تو یہ صرفی سود ہے اور مقصد استقرار تجارت ہے۔ تو یہ تجارتی سود کہلاتا ہے، دونوں کی حقیقت متحدہ ہے لہذا ایک قسم کو حرام اور دوسری کو حلال قرار دینے کا حاصل یہ نکلے گا کہ سود بذات خود حرام نہیں صرف مستقرض کی نیت سے اسمیں حرمت آجاتی ہے، صرف مقصد استقرار کو ربا کی حقیقت میں اتنا مؤثر قرار دینا قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے لیا تین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اكل الربا فان لم یأكله اصحابه من بخاره ویروی من غباره رواه احمد ابو داود والنسائی وابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۲۳۵) اس پیشگوئی کا مصداق صرف تجارتی سود ہی ہو سکتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع ہے کہ مضاربہ میں رب المال کا اپنے لئے منافع کی کچھ مقدار معین کرنا جائز نہیں حالانکہ بعینہ یہی تجارتی سود ہے۔

### ابطال مقدمہ ثالثہ

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ صرفی سود کی طرح تجارتی سود بھی نص قرآنی کا براہ راست مدلول اس کی حرمت ثابت بالقیاس نہیں لہذا اسمیں علت حرمت کے وجود و عدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ثانیاً ظلم کو حرمت ربا کی علت قرار دینا غلط ہے، یہ علت اور حکمت میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ان میں خلط کا نتیجہ ہے۔



علت پر حکم کا مدار ہوتا ہے یعنی حکم کا وجود و عدم علت کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے اسلئے علت حکم کی علامت ہوتی ہے اور حکمت اس فائدہ کو کہا جاتا ہے جو امتثال حکم پر مرتب ہوتا ہے، اس پر حکم کا مدار نہیں ہوتا، حکم کی علت ایک ہی ہوتی ہے اور حکمتیں متعدد بھی ہو سکتی ہیں، انسان احکام کی علل معلوم کر نیکاً مکلف ہے تاکہ علامات سے احکام کا علم حاصل کر سکے حکمت معلوم کرنے کا مکلف نہیں اور نہ ہی حکمت تک انسان کی رسائی ضروری ہے، اگر بعض احکام کی بعض حکمتیں معلوم بھی ہو گئیں تو ضروری نہیں کہ حکمتوں کا انہی میں انحصار ہو اور بھی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً حرمت جمع بین الاختین کی علت دو عورتوں کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ انہیں سے جس کو بھی مرد فرض کیا جائے انہیں تناکح حرام ہو اور اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ نکاح میں اختین کو جمع کرنا قطع رحم کا سبب ہے، اور ظاہر ہے کہ حکم کا مدار اس حکمت پر رکھا جائے تو بعض مخصوص حالات میں اگر قطع رحم کا کوئی خدشہ نہ ہو تو جمع بین الاختین حلال ہونا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ الا من اعی اللہ قلبہ، احکام دنیویہ میں اس کی مثال راستوں پر نصب کردہ سبز اور سرخ بتیاں ہیں جو ٹریفک کے رکنے یا چلنے کے حکم کی علت ہیں یعنی حکم کی منظر ہیں اور اسکے لئے علامت کا کام دیتی ہیں اور اس حکم کی حکمت تصادم سے حفاظت ہے۔ پس اگر کہیں تصادم کا قطعاً کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی سرخ بتی روشن ہونے کی حالت میں رکنے کا حکم موجود رہے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم شمار ہوگا۔

اگر ظلم کا علت حرمت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ ربا الفضل کی حلت بلکہ اس کی فرضیت کو مستلزم ہوگا اسلئے کہ مبادلۃً الجنس بالجنس کا معاملہ کسی خاص صفت مرغوبہ کی وجہ ہی سے کیا جاتا ہے۔ پس جید اور ردی میں وزن مساواة کی شرط لگانا ظلم ہوگا اور رفع ظلم کے لئے تفاضل فرض ہوگا،

### ابطال مقلعہ رابعہ

یہ کہنا کہ تجارتی سود ظلم سے پاک ہے بالکل غلط ہے اور یہ دعویٰ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ تجارتی سود میں تو صرف سود سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ ظلم ہے۔ صرف سود کا ظلم تو صرف چند افراد تک محدود ہوتا ہے مگر تجارتی سود کے موجود بینکاری نظام کے ظلم کی چکی میں پوری دنیا اس طرح پس رہی ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہڈی پسلی بھی میدہ ہو رہی ہے، سود خور جو درحقیقت انسان خور بلکہ انسانیت خور درندے ہیں انھوں نے بینکاری نظام کے ذریعہ انسانی



خون پھوڑنے کے ایسے شکنجے نصب کر رکھے ہیں کہ اُن میں آنے والی انسانیت کو چھینے کا بھی موقع نہیں ملتا، سخت حیرت اور تعجب کے ساتھ انتہائی افسوس بھی ہے نئی ظلمت کی بھاری مغسربی ذہنیت پر کہ انسانی خون پینے والے چند بھیڑیوں کی فرہی اور رونق کو دیکھ کر اُن کے منہ میں پانی بھرتا ہے اور ان کے دلوں میں یلبیت لانا مثل مادتی قارون جیسی اُمنگلیں اُبھرنے لگتی ہیں، یہ عقل دانش کے مدعی یہ نہیں سوچتے کہ ان چند بھیڑیوں کی پرورش اور فرہی پر کتنی انسانی روہیں بھینٹ چڑھائی گئی ہیں اور کتنے انسانی ڈھانچے اُن کے سامنے بسک رہے ہیں۔ ان خونخوار درندوں کی بدولت یہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود انسانیت کے لئے تنگ ہو چکی ہے۔

ان مہذب درندوں کے فن خونخوری کی تفصیل قدرے طویل ہے اسلئے اسے ہم رسالہ کے آخر میں ”بینکاری نظام کی تباہ کاریاں“ کے عنوان سے لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

### دوسری دلیل

قرض پر منفعت لینے کی مثال اجارہ کی سی ہے جس طرح اجارہ میں مستاجر چیز کی اُجرت لینا جائز ہے اسی طرح جو رقم بطور قرض دی گئی ہے اُس کی اُجرت بھی جائز ہوگی۔

### جواب

(۱) جب ہر قسم کے سود کی حرمت نص سے ثابت ہے تو اس کی حلت کے لئے قیاس و رائی کرنے کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی ”انا خیر منہ خلقتی من نار و خلقتی من طین“ اور ”انما البیع مثل الوسیا“ میں ابلیس اور کفار کی منطوق۔

(۲) بعینہ یہی قیاس صرف سود میں بھی جاری ہوتا ہے بلکہ اجارہ کے ساتھ صرف سود کی زیادہ مشابہت ہے اسلئے کہ بالعموم ذاتی اغراض و ضروریات ہی کے لئے اشیاء کو اجارہ پر لیا جاتا ہے۔

(۳) معاملات میں عرفاً و شرعاً نقد کی تعین کرنے سے بھی وہ متعین نہیں ہوتے، پس مقروض کے قبض کے بعد قرض کی اس متعین رقم سے قرضخواہ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو وہ اس کے منافع کی اُجرت لینے کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے؟ بالفرض نقد کی تعین صحیح بھی ہوتی یا استقرار کیل یا موزون کا ہو تو بھی بعد القبض یہ مال قرضخواہ کی ملک سے بحکم مقروض کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے پس مقروض اس سے جو کچھ منافع حاصل کرتا ہے وہ اس کی اپنی ملک سے ہے نہ کہ قرضخواہ کی ملک سے۔

(۴) جو چیز کرایہ پر دی جاتی ہے وہ بعینہ برقرار رہتی ہے مستاجر اس سے صرف منافع حاصل کرتا ہے اور اصل چیز بعینہ واپس کر دیتا ہے اس کے برعکس قرض میں بعینہ وہ رقم باقی رکھ کر اس سے



کوئی نفع حاصل کیا جاتا بلکہ اس رقم کو خرچ کر دیا جاتا ہے اور اس کے عوض مقروض اپنی ملک سے اتنی رقم واپس کرتا ہے لہذا قرض کی اجارہ کے ساتھ قطعاً کوئی مشابہت نہیں، بلکہ یہ ابتداءً تبرع اور انتہاءً بیع سے مشابہ ہے۔

### تیسری دلیل

بیع سلم میں خریدار کو اجل کی وجہ سے نفع ہوتا ہے اسی طرح اجل کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کو فقہاء نے جائز رکھا ہے، قرض پر سود کی بھی یہی نوعیت ہے۔

### جواب

یہ صحیح ہے کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے مگر قیمت کا فضل بیع بخلاف الجنس میں معتبر ہے بیع بالجنس میں اسکا اعتبار جائز نہیں جیسے کہ صفت جوۃ مبادلہ بغیر الجنس میں معتبر ہے مگر مبادلہ بالجنس میں معتبر نہیں، قرض میں چونکہ مبادلہ بالجنس ہے اس لئے تفاضل حرام ہے۔

### چوتھی دلیل

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض لیا اور اس سے زیادہ واپس کیا۔

### جواب

- ① یہ واقعہ تو صرف سود کا ہے جسے مغرب زدہ ذہنیت بھی حرام کہتی ہے۔
  - ② ربا اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو عقد میں مشروط ہو، اگر عقد میں زیادتی کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بوقت ادا زیادہ دینا ربا نہیں بلکہ یہ بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زیادہ مال دیا معاملہ کے وقت اسکی شرط لگائی گئی تھی۔
- مذکورہ بالا دلائل میں سے دلیل اول کے سوا باقی سب دلائل سود کی دونوں قسموں کو شامل ہیں مگر یہ لوگ ایک قسم کو حرام کہتے ہیں اور دوسری کو حلال، افتوٰی مہنوں ببعض لکھتے و تکفرون ببعض

### فریق ثانی کی دلیل

دوسرا فریق جو مفرد سود کو حلال اور مرکب کو حرام کہتا ہے، ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً“ سے یوں استدلال کرتا ہے کہ ربا کے ساتھ اضْعَافًا مضاعفہ کی قید ہے اور قاعدہ ہے کہ مقید پر بھی داخل ہو تو قید کی منی مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عہد رسالت کے سود اقسی قسم کے تھے، سود مفرد سے نہ قرآن میں ممانعت ہے اور نہ ہی عہد رسالت میں اسکا وجود تھا۔



## جواب

(۱) فقہ حنفی کے اصول کے مطابق مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا لہذا یہ آیت سود مفرد کے حکم سے ساکت ہے اس کی حرمت پر دوسرے دلائل موجود ہیں اور جن حضرات کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کے ہاں بھی یہ شرط ہے کہ اس مفہوم کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو، کتب اصول میں مفہوم مخالف کے اعتبار کے لئے چند شرائط مذکور ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ منطوق کا شان و ردد کوئی خاص واقعہ نہ ہو، الشرط الخامس ان لا یكون المنطوق لبيان حکم حادثہ کقولہ تعالیٰ لا تأکلوا الرِّبَا اضْعَافًا مضاعفًا فلا مفہوم للاضغاف (تسلیل الوصول طبع مصر ص ۱۱۱) معلوم ہوا کہ یہاں بالاجماع مفہوم مخالف مراد نہیں۔

(۲) سود خوردوں کی اصطلاح میں اگرچہ مفرد سود اضغافاً مضاعفہ نہیں کہلانا مگر حقیقت یہ ہے کہ جب مفرد سود کی رقم کو پھر سود پر دیجا تو لا محالہ یہ اضغافاً مضاعفہ ہی ہو جائے گا بلکہ اگر اصل سرمایہ ہی کو مفرد سود پر چلائے رکھے تو کچھ عرصہ کے بعد اسکا سود اصل رقم سے اضغافاً مضاعفہ ہو جائیگا،

## مغالطہ

نئی ظلمت والے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے ربا کا کوئی واضح مفہوم نہیں متعین کیا، آیت ربا بمل ہے اس لئے اس کے مفہوم کی تعیین میں رائے کی گنجائش ہے۔

لیکن یہ محض تلبیس اور دھوکہ ہے ہم اوپر تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ عرب بلکہ اس کے گرد و نواح کے مالک میں بھی عہد نزول قرآن اور اس سے قبل زمانہ جاہلیت میں سودی لین دین رائج تھا اور اسکا مفہوم عام معروف، واضح اور متعین تھا، قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد تورات میں بھی سود رائج تھا، جب حرمت ربا کی آیات نازل ہوئیں تو کسی کو بھی اسکے معنی اور مفہوم میں کوئی اشتباہ نہیں ہوا اور اس کی تفسیر تو ضیح کی قطعاً کوئی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی بلکہ نزول حرمت کے بعد سب نے فوراً پلاتا ممل رائج اور معروف سود کو چھوڑ دیا، اسوقت تک جو سود معروف تھا جس سے قرآن نے منع فرمایا وہ سودی قرض (ربا النسیئہ) کا معاملہ تھا، اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کی بعض صورتوں (ربا الفضل) کو بھی سود میں داخل قرار دیکر ان سے مانعت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سود کی اسی قسم سے متعلق ہے اور اسی کی علت کا کھوج لگانے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی اختلاف واقع ہوا ہے۔ مندرج بالا تفصیل کیلئے ملاحظہ



فرمائیں۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر کبیر للرازی، شرح معانی الآثار للطحاوی، بدایۃ المجتہد لابن رشد، حجتہ اللہ البالغہ للشاہ ولی اللہ۔

غرضیکہ اجمال حدیث کے ربا (ربا الفضل) میں ہے، قرآن کے ربا (ربا النسیئہ) میں کوئی اجمال نہیں بلکہ یہ اپنے متعین مفہوم پر قطعی الدلالتہ ہے۔  
ابن عربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

ان من نزعمان هذه الآية جملة فاصرفهم مقاطع الشرعية فان الله تعالى ارسل رسوله الى قوم هونهم بلغتهم وانزل عليه كتابه تيسيرا منه بلسانه ولسانهم والربا في اللغة الرباوة والمراد به في اللغة كل زيادة لا يقابلها عوض،

## بینکاری نظام کی تباہ کاریاں

① بینکاری نظام کے ذریعہ چند سرمایہ دار عوام کے منہ میں سود کے چند ٹکے دیکر قوم کے پورے سرمایہ پر اپنا تسلط قائم کر لیتے ہیں اور اسے زیادہ شرح سود پر دیکر یا تجارت پر لگا کر منافع حاصل کرتے رہتے ہیں یعنی پوری قوم کے سرمایہ کے منافع پوری قوم پر تقسیم ہونے کی بجائے صرف چند اشخاص کے ہاں مرکوز ہو جاتے ہیں، پھر اگر بینک دیوالیہ ہو جائے تو قوم کا سرمایہ غائب، اس ظلم کی کیا انتہا ہے کہ پوری قوم کے سرمایہ کے منافع تو خود لیتے رہیں اور نقصان اپنا بھی قوم پر ڈالیں، بینک میں روپیہ جمع کرنے والے افراد اگر اپنے سرمایہ سے خود تجارت کرتے تو اسکے منافع خود انکو ملتے، اور ارتکاز دولت سے حفاظت رہتی، پھر اسلامی نظام زکوٰۃ نے ہر مسلمان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی دولت کو دغینہ کی شکل میں رکھنے کی بجائے تجارت میں لگائے ورنہ یہ ساری کی ساری دولت چند سالوں میں صدقہ اور زکوٰۃ کی نذر ہو جائے گی۔

② کم سرمایہ والوں کو تجارت کے لئے بینک قرض نہیں دیتا، بڑے سرمایہ دار بینک سے قوم کے سرمایہ سے قرض لیکر تجارت یا صنعت میں لگاتے ہیں اور پوری قوم کے سرمایہ کے منافع چند افراد حاصل کرتے ہیں، پھر اگر کبھی اصل سرمایہ ہی ڈوب گیا اور بینک کا قرض وصول نہ ہو سکا تو وہ نقصان قوم کا ہوا۔

③ بڑے سرمایہ دار اپنے ذاتی سرمایہ کے ساتھ بینک سے بھاری قرض کا سرمایہ ملا کر تجارت کا ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ کم سرمایہ والے کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا اس کی موت



کے مترادف ہو جاتا ہے۔

(۴) جب بینک سے قرض لیکر درآمد برآمد کی پوری تجارت اور بھاری صنعتوں پر صرف چند سرمایہ دار قابض ہو جاتے ہیں تو قوم کی رہی سہی پونجی ٹوٹنے اور ان کا خون چوسنے کے لئے مارکیٹ کے نرخ بڑھا دیتے ہیں، ایک طرف قوم کو تجارت و صنعت سے محروم کر کے اُن کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور دوسری طرف اشیاء ضرورت کی قیمتیں بڑھا کر اُن کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

(۵) تجارت و صنعت صرف چند سرمایہ دار افراد میں منحصر ہو جانے کی وجہ سے قوم کیلئے ملازمت اور مزدوری کے ذریعہ کسب معاش کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔

(۶) بعض دفعہ خود سرمایہ دار ہی سود کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دنیا ہی میں اس کا مزاج کھل لیتا ہے۔ مثلاً تجارت یا صنعت میں اتنا بھاری نقصان ہوا کہ اپنے سرمایہ اور منافع کے ساتھ بینک سے لیا ہوا سرمایہ بھی تباہ ہو گیا، اب ذریعہ آمد کچھ نہیں اور بینک کا بھاری قرض سر پر ہے، غیر سودی تجارت میں اگر ساری رقم بھی ڈوب جائے تو کم از کم قرض کا گراں بار تو نہیں ہوتا، بینکاری کو آج کل معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے مگر اس کی مذکورہ بالا تباہ کاریوں کا مشاہدہ کر کے خود مغربی مفکرین اسے ریڑھ کی ہڈی کا کیرا قرار دینے لگے ہیں۔

### سرمایہ داری کی دوسری ضرب

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ سودی نظام تجارت میں ہر فائدہ سرمایہ دار کو ملتا ہے اور ہر نقصان قوم کو برداشت کرنا پڑتا ہے مگر قومی رقم کے ساتھ برائے نام کچھ رقم سرمایہ دار کی اپنی بھی ہوتی ہے بھلا یہ انسان خورد درندہ اپنا اتنا تھوڑا سا نقصان بھی کیسے برداشت کر لے؟ اسے بھی قوم ہی کے نچرے ہوئے ڈھانچے ہی سے نچوڑنے کی کوشش کرتا ہے اس عمل کے لئے اس نے بیمہ اور سٹے کے کولھو ایجاد کئے، کوئی قدرتی آفتا دہری تو بیمہ کی مشین چلا دی۔ اور قیمت فرید سے نرخ گر جانے کا خطرہ ہوا تو سٹے کی مشین کاٹن دبا دیا اور پوری منڈیوں پر قابض ہو کر حسب منشا نرخ بڑھا دیا یا مال کی درآمد سے قبل ہی فروخت کر کے اپنی آفت کسی پر ڈال دی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بیمہ جو درحقیقت قوم کی موت ہے اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ قوم کی معیاری زندگی کا ضامن ہے، حالانکہ بیمہ کمپنیوں کے منافع بڑے سرمایہ دار ہی حاصل کرتے ہیں اگر کوئی قدرتی آفت نہ آئی تو موقع پا کر خود ہی اپنے کارخانے کو آگ لگا کر بیمہ کمپنی سے قوم کا سرمایہ وصول کر لیا، بینک، بیمہ اور سٹے کے ذریعہ پوری قوم کی دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو گئی،



اور عدم توازن کا نقشہ یوں نظر آنے لگا ہے

اس طرف بھی آدمی اور اُس طرف بھی آدمی

اس کے بوٹوں پر چمک ہے اسکے چہرے پر نہیں

اس کے ردِ عمل میں اشتراکیت ابھری اور اُس نے اپنا شروع کیا ہے

گیا دور سرمایہ داری گیا : تماشا دکھا کر مداری گیا

### سرمایہ داری کا آخری مھلک وار

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقع پر بتائیں گے کہ اشتراکیت بھی سرمایہ داری ہی کی ایک قسم ہے جو معروف سرمایہ داری سے بہت اونچے معیار کی ہے، انسان خور بھیڑیوں میں سے ایک مکار بھیڑیا اپنے ہم جنس بھیڑیوں کی فریبی پر بھی رال ٹپکانے لگتا ہے وہ سرمایہ داری کے چنگل سے چھڑانے کا مدعی بن کر مزدوروں اور کسانوں کو اشتراکیت کے سہانے خواب دکھاتا ہے مزدور اسے اپنی قسمت کا مالک سمجھ کر آنکھیں بند کر کے اسکے پیچھے ہو لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ”تماشا دکھا کر مداری گیا“ نہیں بلکہ مداری انھیں بندر بنا کر نچا رہا ہے اور یہ مداری کی ادا اور ڈگڈگی کی آواز پر مست، اپنے نفع و نقصان سے بے نیاز اور عقل خرد سے بریگانہ ہو کر رقص کر رہے ہیں، جب اشتراکیت مزدور کے جسم میں نیچے گار لیتی ہے تو اسے ہوش آتا ہے اور اب وہ بیچارگی کے عالم میں چلانے لگتا ہے

کہ از چنگال گر گم در ربودی چو دیدم عاقبت گر گم تو بُودی

کبھی وہ اس خیر خواہ بھیڑیے کے مظالم سے تنگ آ کر یہ حسرت ظاہر کرتا ہے

مرا اے کاشکہ مادر نمے زاد اگر مے زاد کس شیرم نمے داد

مگر اب نہ تو اس میں کسی کوشش کی کوئی سکت باقی رہتی ہے اور نہ ہی کوئی حسرت سودمند ہوتی ہے۔

بہار اشتراکیت سے فریب خوردہ سبیل کی فریاد ہے

بلا سے قزاق آ کے ٹوٹیں یہ پاسبانوں کی ٹوٹ جائے

ستم بھی ہوگا تو دیکھ لیں گے کرم کا بھانڈا تو پھوٹ جائے

اُچک لے شاہیں تو غم نہیں یہ قفس تو کجخت ٹوٹ جائے

چمن کو ٹوٹا تو باغبان نے اب آگے گلچیں بھی لوٹ جائے



عوام کا لالہ انعام کا تو کیا کمنا، تعجب اور افسوس تو بعض مذہبی رہنماؤں پر ہے کہ وہ بھی اشتراکیت کی بانسری پر جھومنے لگے اور ایسے مست ہوئے کہ انھیں شریعت کا عادلانہ نظام معیشت ناقص نظر آنے لگا اور اس میں اشتراکیت کے پیوند لگانے کی کوشش کرنے لگے اشتراکیت کا عشق انھیں اشتراکی ممالک کے عوام کی زبوں حالی سے عبرت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دے رہا۔ ان رہبران قوم کا دماغ کبھی بھی یہ سوچنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتا کہ دولت میں توازن پیدا کرنے کے لئے سرمایہ داری کے دروازے بند کئے جائیں اور تقسیم دولت کے شرعی اصول رائج کئے جائیں ان کے ہاں ارتکاز دولت کا واحد علاج صرف یہی ہے کہ کارخانے چھین کر مزدوروں کو دیدیئے جائیں اور زمینیں چھین کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائیں، سوچتے ہیں تو صرف یہی اور بولتے ہیں تو صرف یہی۔

### شریعت کا عادلانہ نظام

شریعت کا عادلانہ نظام جو دنیا و آخرت میں فلاح و بہبود کا ضامن ہے یہ ہے کہ ایک طرف سرمایہ داری کے دروازے (بینک، بیمہ، سٹہ، تجارت و صنعت کی پابندیاں، ماہی گیری، شکار اور دوسرے قدرتی وسائل کے ٹھیکے) بند کئے جائیں اور دوسری جانب تقسیم دولت کے لئے زکوٰۃ، عشر اور تقسیم وراثت کا شرعی نظام جاری کیا جائے۔ صنعت، تجارت اور دیگر ذرائع کی آزادی سے ہر شخص کو کسب معاش کے مواقع فراہم ہونے کے علاوہ تسابقی کی وجہ سے اشیاء ضرورت میں سہولت اور ارزانی ہوگی، اور زکوٰۃ، عشر و تقسیم وراثت کی وجہ سے مرکز دولت قلیل مدت میں قوم میں پھیل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں باطل کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں، آمین

رشید احمد رشید  
۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَلَا تُقْرَبُوا بِأَرْبَابٍ إِلَّا بِاللَّهِ وَتُحْيَا بِحَبْلِ الْوَدْدِ



# مودودی صاحب دود تخریبِ اسلام



فقیر العصر حضرت علامہ مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ العالی

دارالافتاء والارشاد  
ناظم آباد، کراچی



# مودودی صاحب تخریب اسلام

سوالات :-

- ① کیا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا شمار اہل سنت میں ہے؟
- ② ان کے ساتھ تعاون جائز ہے؟
- ③ ان میں رشتہ کرنا جائز ہے؟
- ④ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

عنوانات :-

- |  |   |
|--|---|
| ○ کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟                        | ○ امیر کا مقام                          |
| ○ معیار حق                                     | ○ تقلید اور غلامی میں فرق               |
| ○ آیاتِ بینات                                  | ○ حکمتِ عملی                            |
| ○ احادیثِ مبارکہ                               | ○ مودودی صاحب اور ارکانِ اسلام          |
| ○ عقلِ سلیم                                    | ○ مودودی صاحب اور مرکزِ اسلام           |
| ○ افہامِ تفہیم کے لئے ضروری امور               | ○ مودودی صاحب اور ڈاڑھی                 |
| ○ اہل حق کی جماعت                              | ○ مودودی صاحب اور زکوٰۃ                 |
| ○ کوئی فنِ بدونِ استاذِ حاصل نہیں ہو سکتا،     | ○ مودودی صاحب اور جمعِ بین الاُختین     |
| ○ جماعتِ اسلامی کا دجل و فریب                  | ○ مودودی صاحب اور متعہ                  |
| ○ تخریبی کارروائی                              | ○ مودودی صاحب اور دجال                  |
| ○ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین     | ○ مودودی صاحب اور تقیہ                  |
| ○ انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین            | ○ غورِ طلب (مودودی صاحب میں)            |
| ○ قرآنِ غائب                                   | ○ شیعہ کے سب شعائر موجود ہیں،           |
| ○ اصولِ حدیث کو اس ہے                          | ○ مودودی صاحب شیعہ رہنماؤں کی نظر میں   |
| ○ "خُنُّ رِجَالٌ وَهُمْ رِجَالٌ"               | ○ مودودی صاحب اور اعتزال                |
| ○ جماعتِ اسلامی کے سوا سب طریقے غلط            | ○ مودودی صاحب کے خط کا عکس              |
| ○ جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے؟ — تخریب ہی تخریب | ○ کیا مودودی صاحب مذہبِ اہل سنت پر ہیں؟ |
| ○ مذہبِ مودودی                                 | ○ مودودی صاحب سے صرف دو سوال            |
| ○ تقلیدِ گناہ سے بدتر ہے                       | ○ جماعتِ اسلامی کے افراد                |
| ○ جدید اسلام کی تعمیر                          | ○ کے لئے لمحہٴ فیکریہ،                  |



## جماعت اسلامی

سوال : مودودی صاحب اور ان کی جماعت شفا خانوں اور دوسرے رفاہی کاموں اور منظم تحریک کے ذریعہ عوام میں جاذبیت پیدا کر رہی ہے اور اکثر نو تعلیم یافتہ لوگ صرف انہی خوبیوں کو دیکھ کر اسے صحیح اسلامی جماعت سمجھتے ہیں اور ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں لہذا مفصل بیان فرما کر اُمت مسلمہ کی رہبری فرمائیں کہ کیا جماعت اسلامی واقعہً وہی اسلام پیش کرتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور کیا صرف مذکورہ بالا خوبیوں کو حقائق کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر یہ جماعت صحیح راستہ پر نہیں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :

(۱) کیا ان کا شمار اہل سنت میں ہے؟ (۲) ان کے ساتھ تعاون جائز ہے؟ (۳) ان میں رشتے کرنا جائز ہے؟ (۴) ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم اهنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين، آمين

آجکل لوگوں نے حسنِ نظم، حسنِ اخلاق، ایثار و ہمدردی، اہتمامِ اعمال اور جرات و ہمت کو معیارِ حق سمجھ لیا ہے چنانچہ جن افراد یا جن جماعتوں میں یہ صفات پائی جائیں لوگ ان کو اہل حق سمجھ کر ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں لہذا خوب سمجھ لیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی معیارِ حق نہیں بن سکتی یہ امر اگرچہ ایسا بدیہی ہے کہ ہر انسان کی عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے مگر مختصر عرض کرتا ہوں معیارِ حق کی تعیین میں مغالطہ :

اگر حسنِ نظم کو معیارِ حق قرار دیا جائے تو برطانیہ اور امریکہ وغیرہ کے لوگ سب سے زیادہ اہل حق ہونگے اسی طرح عیسائی مشنریاں اور قادیانی جماعت جس حسنِ نظم سے کام کر رہی ہے کوئی مسلم جماعت ایسی منظم نہیں۔ اسی طرح حسنِ اخلاق اور ایثار و ہمدردی جس حد تک عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں میں ہے کسی مسلم جماعت میں نہیں، عیسائی مشنریاں شفا خانوں اور گھم اور دودھ کے ڈبوں اور مختلف چیزوں کی تقسیم، روپے اور ملازمت کے لالچ میں لوگوں



کو عیسائی بنا رہی ہیں اسی لئے اچھوت قومیں عیسائی مذہب اختیار کر چکی ہیں، یہی طریقہ عیسائیوں سے قادیانیوں نے سیکھا، بہت سے قادیانی ڈاکٹروں نے اپنی خدمات وقف کر رکھی ہیں۔ دوکانوں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ مریض کے گھر پر جا کر بلا فیس معائنہ کیا جاتا ہے۔ تقسیم کے ایام میں بعض قادیانیوں کو دیکھا کہ سنوں کی مقدار میں روزانہ مہاجرین میں تازہ دودھ تقسیم کرتے تھے۔ یہ ایک دودن کا واقعہ نہیں بلکہ کئی مہینوں تک ان کا یہ معمول دیکھا گیا۔ عیسائی مشنریاں ڈبے کا دودھ تقسیم کرتی ہیں مگر قادیانی اس سے بھی بڑھ کر تازہ دودھ تقسیم کرتے رہے، تو کیا یہ عیسائی اور قادیانی اہل حق ہو سکتے ہیں؟ انہی عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کے طریقہ تبلیغ کی تقلید بعض مسلم جہتیں بھی کرنے لگیں یہ لوگ شفا خانوں اور مختلف مواقع پر امدادی فنڈوں اور تعاون کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ شرعی نظر سے نہ صرف یہ کہ یہ چیز معیارِ حق نہیں بلکہ سرے سے یہ طریقہ تبلیغ غلط ہے۔ آپ نے کوئی احسان یا طمع دلا کر کسی کو اپنی طرف مائل کر لیا تو ایسے شخص کا کیا اعتبار؟ کل کوئی دوسری جماعت اسے کوئی بڑی طمع دیکر اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ ایسے ہی اہتمامِ اعمال بھی معیارِ حق نہیں۔ خوارج کے بارے میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی جس کی صداقت کو دُنیا نے دیکھا فرمایا کہ یہ لوگ ایسے عابد و زاہد ہونگے کہ تم انکی عبادت کے سامنے اپنی عبادت کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت تلاوتِ قرآن سے رطب اللسان رہیں گے مگر لَا یُجَادِرُ حَتَّاءَ جَرَهُ، یعنی قرآن کا اثر ان کے قلوب کی طرف تجاوز نہ کرے گا۔ یا یہ کہ ان کی تلاوت سمار قبول کی طرف بلند نہ ہوگی، انکے منہ ہی میں رہے گی۔

جار اللہ ز محشری کو جار اللہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے دُنیا و مافیہا سے الگ ہو کر بیت اللہ میں معتکف ہو گئے تھے تو کیا معتزلہ و خوارج کے اہتمامِ اعمال کی وجہ سے انکو کوئی اہل حق کہہ سکتا ہے؟ یونہی جرات و ہمت سے متعلق غور فرمائیے کہ کفار ہمیشہ کس جرات و ہمت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کا لونڈیاں بننا گوارا کیا، بچوں کو غلام بنایا اور خود غلامی کا طوق پہنا۔ سلطنتیں قربان کیں۔ املاک چھوڑیں اور اپنی جانیں دیں کوئی بڑی سے بڑی آفت ان کو ان کے نظریے سے نہ ہٹا سکی، ابوطالب کی جرات دیکھئے مرتے وقت بھی یوں کہتے ہیں کہ اخذت النار علی العلاء میں آبائی دین چھوڑنے کی عار پر نارِ جہنم کو ترجیح دیتا ہوں، غور کیجئے کہ کتنی بڑی جرات ہے۔ معلوم ہوا کہ جرات و ہمت اور استقلال کو معیارِ حق قرار دینا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایثار و ہمدردی، خدمتِ خلق، حُسنِ



اخلاق، حسنِ نظم اور ہمت و جرات اہل حق کی صفات ہیں جن کو غیر اہل حق نے اختیار کر لیا جیسے کہ غیر اہل حق کی کئی صفات کو اہل حق اختیار کئے ہوئے ہیں، صفات مذکورہ بلاشبہ صفات محمودہ ہیں اور اہل حق کی صفات ہیں مگر حق کا معیار نہیں کہ جس میں بھی یہ صفات ہوں اسے اہل حق سمجھ لیا جائے۔ کچھ لوگ اس لئے بھی ایسی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہاں دین بہت سستا ہے، جبکہ مولوی کا دین مشکل ہے۔ غیر شرعی لباس اور وضع قطع اور تشبیہ بالنصارٰی کے ہوتے ہوئے اور سنیما بینی جیسے جرائم میں مبتلا ہوتے ہوئے مولوی کسی کو دیندار نہیں کہہ سکتا۔ مگر بعض جماعتوں نے دین اتنا سہل کر دیا ہے کہ آپ داڑھی کٹاتے ہوں، سر پر انگریزی بال ہوں، انگریزی لباس پہنے ہوں، پانچ ماہہ ٹخنے سے نیچے رہتا ہو۔ سنیما بھی دیکھتے ہوں، یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی آپ دیندار مسلمان بلکہ پوری دنیا کے صالح ترین اور متقی مسلمان بن سکتے ہیں۔

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشناں بھی خوش رہے شیطان بھی، راضی رہے رحمن بھی جب تک کوئی شخص زکوٰۃ اور حرمِ قربانی و صدقۃ الفطر صحیح مصرف پر نہ لگائے اس وقت تک وہ مولوی کی نظر میں دیندار نہیں، مگر اس جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ آپ جماعت کو زکوٰۃ دیں آگے جماعت خواہ اس سے مکانات تعمیر کرے یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دے، شفا خانے چلائے یا الیکشن لڑے۔ دیکھئے کتنا آسان دین ہے کہ آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اور الیکشن وغیرہ کی ضروریات بھی پوری ہو گئیں۔

## کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟

صاحبو! ہوش میں آؤ۔ کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔ اگر آسانی اور سہولت ہی آپکے ہاں معیارِ حق ہے تو آپ اسلام ہی کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے تاکہ ہر قید سے آزاد ہو جاؤ اور اگر اسلام کا نام باقی رکھتے ہوئے آزاد ہونا ہے تو پر ویزی مذہب میں بھی بہت آسانی اور سہولت ہے نہ وہاں نماز روزہ کی پابندی اور نہ محرمات سے بچنے کی قید (اعاذنا اللہ منہ)

## معیارِ حق

بے سُننے کہ حقیقت میں معیارِ حق کیا چیز ہے؟ ارشاد ہے۔

مودودی صاحب اور تحریکِ اسلام — ۵



## آیات بینات

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی تفسیر صراطِ القرآن یا صراطِ اللہ یا صراطِ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں فرمائی اسلئے کہ لوگ اس کی تعین میں اختلاف کرتے، لہذا فرماتے ہیں صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ یہ منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے۔ یہ جماعت صراطِ مستقیم کی تعین کرے گی بلکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ بدل مقصود بالنسبہ ہوتا ہے اور مبدل منہ کو صرف اسمِ اشہر ہونکی وجہ سے ذکر کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ طلبِ ہدایت میں اصل مقصود منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے صراطِ مستقیم اسی کا دوسرا نام ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کتاب اللہ اپنی تفہیم میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے اسی طرح کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تفہیم میں رجال اللہ منعم علیہم جماعت کی محتاج ہے۔ ہم اس جماعت سے مستغنی ہو کر قرآن و حدیث سمجھنے کے مجاز نہیں غرضیکہ جماعتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اسوۂ حسنہ صراطِ مستقیم ہے۔ پھر ان سے بلا واسطہ اس طریق کو سمجھنے والی جماعتِ تابعین، پھر ان سے نقل کرنے والی جماعت، اسی طرح ایک دوسرے سے قیامت تک بالمشافہہ صحیح طریق کو حاصل کرنیوالی رجال اللہ کی جماعت کا طریق صراطِ مستقیم ہوگا، اور اس کے خلاف جملہ طرق ضلالت اور گمراہی کے راستہ ہونگے۔ رجال اللہ کی جماعت قرآن و حدیث کی زندہ تصویر اور چلتی پھرتی تفسیر ہوگی۔

(۲) بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝ (۲۹-۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے لئے قرآن کے صحائف کافی نہیں بلکہ اسکا مطلب اور اس کی تفسیر جو رجال اللہ کے صدور میں ہے وہ واجب القبول ہے۔

(۳) وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِينَ سُوِّلَهُ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصِّلَهُ جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (۴-۱۱۵)

”یشاقق الرسول“ پر ”یتبع غیر سبیل المؤمنین“ کا عطف تفسیری ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سبیل کی تعین مؤمنین کی ایک جماعت اپنے قول و عمل سے کرے گی۔ ان کے راستہ سے انحراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے انحراف ہوگا اور موجب جہنم ہوگا، (اعاذنا اللہ منها)



(۴) کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَشِئُوا مِئُونَ بِاللَّهِ (۳-۱۱۰) اس آیت میں ”اخرجت للناس“ فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب اور ان کے طریق کو لوگوں کے لئے حجت قرار دیدیا۔

(۵) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۲-۱۱۳) اس میں بھی یہ امر مصرح ہے کہ منعم علیہم جماعت کا راستہ معیارِ حق ہے۔

(۶) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (۲-۱۱۳)

(۷) فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ (۲-۱۱۴) ان دونوں آیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ ایمان وہ معتبر ہوگا جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان جیسا ہو۔ یعنی ایمان صحیح کی کسوٹی اور معیار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شخص براہِ راست قرآن یا حدیث پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے تو یہ ایمان قبول نہ ہوگا۔

## احادیث مبارکہ

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے بہت سے فرقے ہو جائیں گے۔ ان میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب جہنمی ہونگے۔ عرض کیا گیا وہ کونسی جماعت ہوگی؟ فرمایا، ”ما انا علیہ واصحابی“ بظاہر ”ما انا علیہ“ فرمادینا کافی تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ میرے اصحاب سے مستغنی ہو کر میرا راستہ تلاش کر چکے بلکہ مجھ سے بھی مستغنی ہو کر صراطِ قرآن کی تعین کریں گے اس لئے ”ما انا علیہ“ کے بعد ”و اصحابی“ کا اضافہ فرما کر اپنے طریق کی تفسیر فرمادی کہ میرا طریق وہی ہوگا جو کہ میرے اصحاب بیان فرمائیں گے۔ ماوردیہ القرآن یا ما انزل اللہ کی بجائے ”ما انا علیہ واصحابی“ فرمانا اور پھر صرف ”ما انا علیہ“ کو کافی نہ سمجھنا صریح دلیل ہے کہ ہمیں قرآن و حدیث کو براہِ راست سمجھنے کی اجازت نہیں۔

(۲) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ، اس حدیث میں ”سنتی“ کے بعد ”سنة الخلفاء“ کا عطف تفسیری لا کر وضاحت فرمادی کہ میری سنت صرف وہ ہوگی جس کی تعین خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کریں گے۔



(۳) یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين وتأويل الجاهلین (مشکوٰۃ ص ۳۶) یعنی اُمت میں سلف سے خلف علم صحیح کے حامل رہیں گے اور بلا واسطہ ایک دوسرے سے صحیح طریق کی تعلیم پانے والی جماعت ہر زمانے میں موجود رہیگی۔ جو رجال اللہ سے مستغنی ہو کر براہ راست قرآن و حدیث سے استنباط و اجتہاد کے شائقین کی من مانی تاویلات و تحریفات کا قلع قمع کرتی رہے گی۔

(۴) عن حذیفة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتي ما ادرى ما بقائى فيكم فافتدوا بالذين من بعدى ابي بكر وعمر وزاد الحافظ ابو نصر القصار فانهما حبل الله المتين فمن تمسك بهما تمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها (رواه الترمذی وحسنه وقال وفي الباب عن ابن مسعود والطبرانی عن ابی الدرداء منه، واحمد وابن ماجه وصححه ابن حبان والحاكم) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد قرآن و حدیث کے اتباع کی بجائے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کو فرض قرار دیکر ان کے معیار حق ہونے پر مہر ثبت فرمادی فبای حدیث بعدک یؤمنون ۵

(۵) التحیوم امنة للسماء واصحابی امنة لامتی (رواه مسلم)

اس میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کا حکم فرمایا ہے۔

## عقل سلیم

○ عقلی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو یہ امر ظاہر ہے کہ حق کا معیار ایک جماعت ہونی چاہیے جو ہر زمانے میں بلا واسطہ ایک دوسرے سے استفادہ و افادہ کرتی ہوئی آرہی ہو اس لئے کہ انہام و تفہیم میں چند امور کا ہونا ضروری ہے۔

## فہم و تفہیم کے لئے ضروری امور

- (۱) مخاطب متکلم ہمزبان ہوں۔ غیر اہل لسان کتنی ہی مہارت کیوں نہ پیدا کر لے مگر اہل لسان جس حد تک کلام کا مفہوم سمجھتا ہے غیر نہیں سمجھ سکتا۔
- (۲) متکلم کے لہجہ کو مستننا، چنانچہ استفہام و اخبار میں فرق صرف لہجہ ہی کے اعتبار سے ہو سکتا ہے الفاظ دونوں کے یکساں ہوتے ہیں۔



(۳) متکلم کے چہرے، اس کی رنگت، ہیئت، آثار، ہاتھوں اور آنکھوں کے اشارات کو دیکھنا، امر استعجاز یا تہدید کے لئے ہے، یا کہ طلب مأمور بہ کے لئے اور کلام غضب پر مبنی ہے یا حقیقت پر، یہ جملہ امور متکلم کے لہجہ اور اس کی رویت پر موقوف ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت غضب میں فرمایا، سلونی ما شئتم لوگوں نے فضول سوالات شروع کر دیے، کسی نے سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ کسی نے پوچھا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی وہ کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا، اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، تب جا کر آپ کا غصہ فرو ہوا۔

(۴) کلام کے محل وقوع کا مشاہدہ، حقیقت لغویہ، اصطلاحیہ، مجازی یا استعارہ، کنایہ یا توریہ، مفہوم کا عموم و خصوص وغیرہ کلام کے محل ورود ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) قرب ظاہری و باطنی (قرب باطنی سے مراد ہے تعلق و محبت) اور خیالات و نظریات میں اتحاد و یکجہتی، چنانچہ ہر شخص اپنے احباب اور ہم مجلس و ہم مشرب کی بات یہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھتا ہے۔

انہی معقول و مسلم اصول کی بنا پر جب کوئی صحابی کسی روایت کو بتائید بیان کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں، ابصرۃ عینای و سمعۃ اذنانی و وعاہ قلبی، یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرما رہے تھے اُس وقت میری دونوں آنکھیں آپ کے چہرہ النور اور اس کے الوان آثار و تغیرات اور چشم دابر و کے اشارات اور ہاتھوں کی تعبیر کو دیکھ رہی تھیں اور کلام کے محل ورود کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور میرے دونوں کان آپ کے لہجے اور آواز کے نشیب فراز کو سن رہے تھے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا بلکہ فرماتے ہیں کہ میں خود آنکھیں اور کان بن رہا تھا پھر ایک آنکھ اور کان نہیں بلکہ میں ہمہ تن دونوں آنکھیں اور دونوں کان بن کر متوجہ تھا، اس کے ساتھ ہی چونکہ اہل لسان ہونے اور قرب ظاہری و باطنی کا شرف بھی حاصل تھا ان سب خصوصیات کی بدولت آپ کے ارشادات کو میرے قلب نے خوب سمجھا اور الفاظ و معانی کو تغیر و تبدل سے خوب محفوظ کر لیا۔

اب غور فرمائیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اہل لسان بھی تھے براہ راست



آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کو سننے والے بوقت تکلم کیفیات و ارشادات کا مشاہدہ کرنے والے، آیات قرآنیہ کے شان نزول اور احادیث کے مواقع ورود کو خوب جاننے والے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرب ظاہری و باطنی کے اعلیٰ مقامات پر تھے کہ ان کے درجہ قرب تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ مقربین بارگاہ النبی ہونے کی وجہ سے درباری اشارات سمجھنے کی پوری استعداد رکھتے تھے۔ لہذا اس جماعت نے جو کچھ صراطِ مستقیم کی تعیین فرمائی اُس سے ہٹ کر صراطِ مستقیم کی ہدایت کا کوئی امکان نہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والی جماعت تابعین رحمہم اللہ کی ہے۔ انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کو بلا واسطہ سنا اور دیکھا اور مشافہتہ صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل کی، ان کے بعد تبع تابعین نے علیٰ ہذا القیاس بالمشافہتہ تعلیم و تعلم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی حفاظت کرنے والی جماعت چلی آئی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہے گی۔ یہ سلسلہ کبھی بھی کسی زمانے میں بھی منقطع نہیں ہوا۔

## اہل حق کی جماعت

اسلام میں ایسا وقت آ ہی نہیں سکتا کہ قرآن و حدیث صرف صحائف کی شکل میں رہ جائیں اور ان کے الفاظ و معانی کی حامل کوئی جماعت نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی اور دینِ تویم اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کرتی رہے گی۔ پس معلوم ہوا کہ معیار حق یہ رجال اللہ کی جماعت ہے، جو لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہونگے وہ اہل حق ہونگے۔ اور جس فرد یا جماعت نے ان کا دامن چھوڑا وہ خواہ کتنے ہی دعوے اتباع قرآن و حدیث کے کرتے رہیں اہل حق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اہل حق کا لقب اہل سنت الجماعت اس لئے پڑا کہ یہ لوگ قرآن کو سنت سے اور قرآن و سنت دونوں کو رجال اللہ کی جماعت سے سمجھتے ہیں۔

## کوئی فن بھی بدوں استاد کے حاصل نہیں ہو سکتا

دنیا میں کوئی فن بھی کسی ماہر استاد کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا، کوئی شخص دُنیا بھر کی طبِ قدیم و جدید کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر لے مگر جب تک وہ ماہرین فن سے تربیت حاصل نہ کرے اسے علاج کی اجازت نہیں دی جاتی، گھر بیٹھے وکالت کا نصاب



پڑھ لینے سے کوئی وکیل نہیں بن سکتا، صرف کتابوں کے مطالعہ سے کبھی کوئی انجینئر نہیں بنا، نہ ہی کوئی خوانِ نعمت پڑھ کر باورچی یا حلوائی بن سکا، ہر علم و فن کے لئے ماہر استاد کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے رجالِ الشریعہ کی اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان سے بالمشافہہ باقاعدہ تعلیم حاصل کئے بغیر قرآن و حدیث کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہہ علم حاصل کیا پھر ان سے تابعین نے بالمشافہہ تعلیم پائی اور ان سے تبع تابعین نے، اسی طرح بالمشافہہ تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی ماہر استاد سے بالمشافہہ تعلیم پائے بغیر قرآن و حدیث سمجھنے کا دعویٰ بالکل باطل ہے، اگر کتاب سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کو سمجھانے کے لئے رسولوں کو معلم کیوں بنایا؟ ویسے ہی کتاب نازل کر دی جاتی، لوگ خود ہی اسے سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ علم کسی سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین و الدنیا العلم بالتعلم (صحیح بخاری باب العلم قبلہ لقولہ والعمل) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ہو حدیث مرفوعہ ایضاً اور دہ ابن ابی عاصم والطبرانی من حدیث معاویۃ ایضاً بلفظ یا ایہا الناس تعلموا انما العلم بالتعلم الفقه بالتفقه ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین اسنادہ حسن لان فیہ مبہما اعتضد بمجیئہ من وجہ آخر وروی البزار نحوه من حدیث ابن مسعود موقوفا ورواہ ابو نعیم الاصبہانی مرفوعاً وفي الباب عن ابن الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس العلم بالمعتمد الا المأخوذ من الانبیاء وورثتہم علی سبیلہ لتعلم (فتح البلاء ص ۱۴ ج ۱)

## جماعتِ اسلامی کا دجل و فریب

اب ان لوگوں کو ذرا حق و باطل کی اس کسوٹی پر لائیے جنکے حسنِ نظم و غیرہ سے متاثر ہو کر آپ ان کو اہل حق سمجھنے لگے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی تمام تر مساعی سے مقصد ہی ان رجالِ الشریعہ کی جماعت سے انحراف اور ان کے متعین کردہ صراطِ مستقیم کی مکمل تخریب اس کے بعد اپنے جدید اسلام کی تعمیر ہے اور یہ میں ان کے اقوال اور طرزِ عمل سے صرف استنباط کی بنا پر نہیں



کہ رہا بلکہ اس پر اُن کی صریح عبارات موجود ہیں کہ ہم مکمل طور پر تخریب کے بعد جدید تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ حوالجات انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئیں گے۔

## تخریبی کارروائی

اب تخریبی کارروائی سنیئے، ان کے خیال میں دین کو سمجھنے کے لئے مسلسل چلے آئیوالے رجال اللہ اور ماہرین فن سے استفادہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں :

”میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا۔“ (رویداد عجاآ اسلامی حصہ سوم)

غور فرمائیں کہ جس شخص نے کسی دینی ادارے سے علم حاصل نہیں کیا، کسی معروف استاد سے کوئی سبق نہیں پڑھا، جس کو دوسرے علوم تو کجا صرف عربی زبان سے بھی پوری واقفیت نہ ہو اور اپنی تصنیف کے عربی ترجمے دوسروں سے کرانے پر مجبور ہو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ دین کو سمجھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے بعد ان سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والے بڑے بڑے ائمہ دین اور جلیل القدر محدثین و فقہاء اور مستند دینی اداروں میں مشہور ماہرین فن سے باقاعدہ علم دین حاصل کرنے والے اور خدمت دین میں اپنی عمریں صرف کر دینے والے علماء کے مقابلے میں کتنی جرأت کے ساتھ اپنی رائے اور قرآن دانی کو ترجیح دے رہا ہے۔

## صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین

ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیارِ حق نہیں۔ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے نہ صرف یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورت نہیں بلکہ (معاذ اللہ) اس کا جواز ہی نہیں، ہمنے قرآن و حدیث کو تو براہ راست اپنے علم و فہم سے سمجھا، اس کے بعد صحابہ



رضی اللہ عنہم کی سوانح کا مطالعہ کیا تو ان کو قرآن و حدیث کے مطابق پایا۔ غور فرمائیے کہ قرآن و حدیث کی نصیحتوں مذکورہ بالا اور دلائل عقلیہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تم اپنے علم اور نظریات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کی کسوٹی پر پرکھو، مگر یہ لوگ اس کے بالکل برعکس یوں کہتے ہیں کہ ہم صراطِ مستقیم کی تعیین تو خود براہِ راست قرآن و حدیث سے اپنے علم و فہم کے ذریعہ سے کریں گے۔ پھر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اور اسلوب کی صحت و سقم کو اپنے نظریہ کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ ہم اپنے نظریہ کا امتحان لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی بجائے ہم صراطِ مستقیم کی تعیین خود کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیں گے کہ وہ اس پر تھے یا نہیں (اعاذنا اللہ منہ) فرماتے ہیں :

”رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کے ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جسے درجہ میں ہو اُسے کو اُسی درجہ میں رکھے۔“ (دستورِ جماعتِ اسلامی پاکستان ص ۱۱)

مزید ارشاد ہے :

”معیارِ حق تو صرف اللہ کا کلام اور اس کے رسول کے سنت ہے، صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں بلکہ اس معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ اس کے مثال یہ ہے کہ کسوٹی سونا نہیں ہے لیکن سونے کا سونا ہونا کسوٹی پر کسے سے ثابت ہوتا ہے۔“ (ترجمان القرآن اگست سنہ ۱۹۷۶ء ص ۲۸)

مودودی صاحب نے قرآن و حدیث کو خود بلا واسطہ سمجھ کر جو معیارِ حق قائم فرمایا ہے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پورے اُترنے کا اعتراف حکمتِ عملی (تقیہ) کے تحت کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امتحان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (معاذ اللہ) مودودی صاحب کے علم و فہم کی کسوٹی اور نظرِ نقاد کے معیار پر پورے نہ اُتر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

”بسا اوقات صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا۔“

(تفہیمات طبع چہارم ص ۲۹۴)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ایک دوسرے کو جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اس میں لفظ بسا اوقات قابلِ توجہ ہے یعنی کوئی

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام ۱۳



شاذ و نادر نہیں بلکہ معاذ اللہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا  
 اولاً تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بشری کمزوریاں ثابت کرنے کے لئے ایک غیر معتبر کتاب  
 کی بے سند روایات پیش کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ صحیح بخاری کی صحیح و صریح حدیث کا دوسرے  
 سے انکار کرتے ہیں اور جن احادیث صحیحہ کو تسلیم بھی کرتے ہیں ان سے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں  
 کہ ان سے زیادہ سے زیادہ گمانِ صحت حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ علم یقین (اس کا حوالہ انشاء اللہ  
 عنقریب آئیگا) مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین اور ان کی بشری کمزوریوں کو اچھالنے  
 کے لئے قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ اور تمام امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف بے سند  
 روایات کا سہارا لے رہے ہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے وکلاً وعد اللہ الحسنی (سورۃ المائدہ ۱)  
 دوسری جگہ فرماتے ہیں وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا  
 يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي أَثَرِ السُّجُودِ (۲۹-۳۰)  
 معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب مذکور ہیں۔ تعدیل صحابہ  
 رضی اللہ عنہم سے متعلق نصوص اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ سب کا احصار مشکل ہے، امت  
 کا اجماعی عقیدہ ہے۔ ”الصحابۃ کلام عدول“ مگر ان سب کے مقابلے میں بے سند روایات  
 لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کمزوریاں محض تخریبی کارروائی کی غرض سے بیان کی جا رہی ہیں۔  
 ثانیاً یہ کہ لفظ کذب عربی زبان میں اور احادیث میں کسی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ  
 جھوٹ کے علاوہ خطا اور کسی کام سے تخلف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی صحابی نے  
 اگر کہیں کسی دوسرے صحابی کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا ہے تو اس کے معنی خطا اجتہادی  
 کے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ جو کام کرنا چاہتے تھے اس پر قدرت نہ پانے کی وجہ سے  
 متخلف رہے مگر ان کی تخریب مکمل نہیں ہوتی جب تک کذب بمعنی جھوٹ کی نسبت حضرات  
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نہیں کرتے {بندہ کی اس تحریر کے بعد مودودی صاحب  
 نے کتاب ”خلافت و ملوکیت“ لکھی ہے جس میں بغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زہر کو علانیہ اگل دیا ہے۔  
 اس کتاب کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کسی کو مودودی صاحب کے بنیہن صحابہ رضی اللہ عنہم پر یقین  
 نہیں آتا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ خود اس کے دل میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے  
 بغض اور عداوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہم کی عظمت شانے اور اس مقدس جماعت سے متعلق دلوں میں شکوک و شبہات اور بغض و



نفرت پیدا کرنے کا جو کارنامہ تنہا مودودی صاحب نے انجام دیا ہے شیعہ کی پوری جماعت اپنی پوری مدۃ العمر میں اس کا عشر عشر بھی نہیں کر سکی۔ (نظر ثانی)

مودودی صاحب سے قبل کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کسی صحابی سے بغض رکھتا ہو۔ مگر آج مودودی صاحب نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس مہلک زہر سے مکمل طور پر مسموم کر دیا ہے

## انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین

اس سے بھی بڑھ کر ان کی تخریبی کارروائی حضرات انبیاء کرام علیہم سے شروع ہوتی ہے فرماتے ہیں :

”عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے۔ اور ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں (تفہیم ۳۶ طبع ششم پاکستان)

کیا نبی کا کوئی حکم یا فیصلہ قابل اعتماد ہو سکتا ہے جبکہ ہر امر و نہی کے وقت یہ احتمال موجود ہو کہ شاید اس وقت عصمت اٹھالی گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بعض اجتہادی خطائیں ہوئیں جن پر بعد میں مطلع کر دیا گیا اور خطا اجتہادی پر بھی ثواب ملتا ہے کوئی گناہ نہیں کہ عصمت کے منافی ہو۔ مودودی صاحب کی عصمت انبیاء علیہم السلام پر دست دراز سے جب مسلمانوں میں ہیجان بپا ہوا تو اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے اس خاک بدہش نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے گناہوں کی ایک فہرست مرتب کر کے شائع کی، مجھے تو اس میں سے کوئی گستاخی نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں، کوئی صاحب بطور نمونہ دیکھنا چاہیں تو تفہیم القرآن میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت یونس، حضرت یوسف علیہم السلام کی شان میں اور ترجمان القرآن ج ۲۹ عدد ۴ ص ۵ اور رسائل و مسائل ص ۳ ج ۱، بیع دوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں دریدہ دہنی ملاحظہ فرمائیں، مگر مودودی کی اس عیاری سے ہوشیار رہیں کہ وہ ہر جدید ایڈیشن سے ایسی گستاخی کو چپکے سے اڑا دیتا ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل تحمل ہو مگر اس سے توبہ کا اعلان نہیں کرتا۔

## قرآن غائب

تحریف قرآن سے متعلق شیعہ کی روایات مختلف ہیں، پورے کا پورا قرآن غائب، ۲



غائب، ۳ غائب، شیعہ کے لئے یہ زہر مسلمانوں کے حلق میں اُتارنا بہت مشکل تھا مگر دیکھئے مودودی صاحب قرآن ۳ سے زیادہ بلکہ پورا غائب ہونے کے عقیدہ کو کس چابکدستی اور دجل، عیاری و تبیس کے ذریعہ شوگر کو ٹیڈ بنا کر مسلمانوں کی ایک جماعت کو نکلوانے میں کتنی آسانی سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں :

”بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ (الہ، رب، دین، عبادت) کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا..... پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اسکی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے۔“

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے الفاظ اور مفہوم دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد ہے۔  
 اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلِخَفُوظُونَ، دوسری جگہ فرمایا اِنَّا عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنُهُ فَاِذَا قُرْءَانُهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بَيَانُهُ، ان نصوص صریحہ کے خلاف مودودی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ روح تو پورے ہی قرآن کی غائب ہے۔  
 ذرا غور فرمائیں کہ تحریر مذکور پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوگا؟ وہ اس سے کیا نتائج اخذ کریں گے؟ اور قرآن و اسلام سے متعلق ان کے قلوب میں کیا کیا شکوک و شبہات پیدا ہونگے؟ کیا اس تحریر کو دیکھنے والا امور ذیل پر غور کرنے کے لئے مجبور نہیں ہوگا؟

- (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت قرآن کا وعدہ غلط اور جھوٹ ہے، نعوذ باللہ من ذلک،
- (۲) جب قرآن کی صحیح تعلیم اور حقیقی روح صدیوں سے غائب ہے تو اب چودہ سو سال کے بعد مودودی صاحب کو قرآن کا صحیح علم اور اس کی حقیقی روح کہاں سے مل گئی؟ جب چودہ سو سال تک کے بڑے بڑے مشہور مفسرین، محدثین اور ائمہ دین نے قرآن کو نہیں سمجھا تو آج مودودی صاحب یا کسی اور کی قرآن دانی پر کیسے اعتماد کیا جائے؟ نتیجہ یہ کہ قرآن اور اسلام کی صحیح ترجمانی میں کسی کی رائے بھی قابل اعتماد نہیں، لہذا ایسے قرآن اور اسلام ہی کو سلام، نعوذ باللہ من ذلک،
- (۳) جب آج تک پوری اُمت مسلمہ مفہوم قرآن کی حفاظت سے مجرمانہ غفلت میں مبتلا رہی یا



عہدِ مفہوم قرآن کی تحریف میں مصروف رہی تو ایسے مجرم، بددیانت اور دشمنانِ قرآن کے ذریعہ سے پہنچے ہوئے الفاظ قرآن کی صحت کیسے قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے؟ پس مفہوم قرآن سے متعلق مودودی صاحب کے عقیدہ عدم حفاظت پر لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ نہیں۔

اسی طرح انہی وسائل سے پہنچنے والی احادیث اور پورا اسلام مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ٹھہریگا، اللہ تعالیٰ شوقِ اجتہاد کے فتنوں سے امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں، آمین

### اصول حدیث بکواس ہے

اب حدیث کی تخریب ذرا کلیجہ تھام کر سنئے۔ فرماتے ہیں:

”اصولِ روایت کو تو چھوڑیے کہ اس دورِ تجدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا؟“

(ترجمان القرآن جلد ۱۴ عدد ۲ ص ۱۱۱)

اور سنئے:

”آپ کے نزدیک ہر اُس روایت کو حدیثِ رسول جان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔“

اور آگے فرماتے ہیں:

”دین کا فہم جو ہمیں حاصل ہوا ہے اسکا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت سے ثابت ہو ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جائے، علاوہ بڑی اور بھی متعدد پہلوئیاں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔“

(رسائل و مسائل ص ۲۹ ج ۱)

ذرا جذبہ تخریب کا اندازہ لگائیے کہ جلیل القدر محدثین اور ائمہ حدیث جنہوں نے قدس کی تنقیح و تنقید، صحیح و سقیم کی تمیز میں عمریں صرف کیں جن کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد تھے۔ ہر راوی کی ولادت سے لیکر وفات تک کے مفصل حالات نہ صرف ان کے پاس محفوظ تھے بلکہ زبانی یاد تھے۔ انہوں نے اصولِ روایت اور رواۃ حدیث پر بے شمار ضخیم کتابیں لکھیں اور ایک مستقل فن مدون کیا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ایک نومولود بچے کو دیکھا اور سالہا سال کے بعد اس کی جوانی یا بڑھاپے کے ایام میں صرف

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام - ۱۰



اُسکے پاؤں دیکھ کر پہچان لیا۔ امام ترمذی آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لیجا رہے ہیں، راستہ میں ایک جگہ پر سر جھکا دیا۔ خادم نے سر جھکانے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہاں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں ٹھیک ہی ہوئی ہیں اور اونٹ سوار کے سر پر لگتی ہیں، عرض کیا کہ یہاں تو کوئی ایسا درخت نہیں، فرمایا کہ اونٹ یہیں روک دو اور قرب وجوار سے تحقیق کرو۔ اگر کبھی ایسا درخت یہاں نہیں تھا تو ثابت ہو گا کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے لہذا میں آئندہ حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا، چنانچہ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعہ کسی زمانے میں یہاں ایسا درخت تھا تب آگے چلے۔ ان حضرات کے حافظہ کے محیر العقول واقعات کا احصار متعذر ہے۔ پھر حدیث کی معرفت میں ایک اہم امر یعنی فراست ایمانی و قرب بارگاہ الہی ان میں کس درجہ کا تھا؟ یہ حضرات تدین و تقویٰ کے محسوس تھے انکی عبادت ملائکہ کے لئے باعث رشک تھی۔ ان کی تمام تر مساعی اور جانفشانیوں کی ایک جنبش قلم سے تخریب کر دی اور انکے مقابلہ میں اپنے نفس کو لا کھڑا کیا۔ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک محدثین کی تصحیح کو قبول کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسکول میں پڑھ کر ہم نے جو دین کا فہم حاصل کیا ہے وہ حدیث کی صحت و سقم کا معیار ہو گا۔ اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا اظہار بروقت کرینگے یعنی جس حدیث کی زد انکے نظریات پر پڑے گی اسے رد کرنے کے لئے فوراً کوئی اصول وضع کر لیا جائے گا۔ اب فرمائیے کہ ان میں اور منکرین حدیث میں کیا فرق رہا؟ منکرین حدیث بھی ہر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے خود ساختہ اصولوں سے حدیث کو جانچتے ہیں اسکے مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ مودودی صاحب کی نظر میں جو حدیثیں صحیح ہیں ذرا ان کا مقام بھی سن لیں۔

## محسن رجال و ہم رجال

فرماتے ہیں :

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ کہ علم یقین۔“

(ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص ۲۶)

مطلب یہ کہ اولاً تو حدیث سے کوئی خاص بات ثابت نہیں ہوتی، حد سے حد اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو کچھ گمانِ صحت ہو سکتا ہے یعنی کچھ خیال ہونے لگتا ہے کہ شاید یہ حدیث صحیح



ہو وہ بھی جبکہ حدیث سے کچھ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کیجائے۔ الفاظ ”حد سے حد“ قابلِ توجہ ہیں، اگر کسی بے سند روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نصوص صریحہ اور اجماع اُمت کے خلاف الزام لگائے گئے ہوں اور ان کی توہین کی گئی ہو تو یہ روایت ضرور واجب القبول اور واجب التشریح ہے۔ ذرا آگے چلئے، صحیح بخاری کی ایک صحیح مرفوع متصل حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

”یہ مہمل افسانہ ہے“ (رسائل و مسائل ص ۳۶ طبع سوم)

حالانکہ اُمت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری، امام بخاری کی قوتِ حافظہ، تدبیر و تقویٰ اور فنِ حدیث میں مہارت کی تفصیل بیان کرنیکا نہ موقع ہے نہ ضرورت، اس لئے کہ اسے پوری دُنیا جانتی ہے کہ آپ نے قبولِ روایت کے لئے بہت سخت شرائط لگائی ہیں۔ راوی کا مروی عنہ سے جب تک لقار و سماع انکے ہاں ثابت نہ ہو جائے اُس وقت تک روایت قبول نہیں فرماتے اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور لقار و سماع کا امکان بھی ہو امام مسلم جیسے امام بخاری پر اس لئے ناراض ہیں کہ انھوں نے قبولِ روایت میں اتنی شدید قیود کیوں لگائیں؟ پھر قوتِ ضبط و عدالت کے اعلیٰ مقام اور تنقید و تنقیح کے اعلیٰ معیار کے ساتھ یہ معمول تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرما کر دو رکعت نماز استخارہ ادا فرماتے تھے۔ بہر کیف یہ تو امام بخاری ہی مودودی صاحب کی تخریبی منجنيق نے تو حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کو نہ بخشا

## جماعتِ اسلامی کے سوا باقی سب طریقے غلط ہیں

”حنفی، سُنی، دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی، شیعہ وغیرہ جمالت کی پیداوار ہیں“  
(خطباتِ مودودی ص ۱۲۸)

ایک جگہ پوری اُمت کی تخریب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریقِ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں

اور طریقہائے کار سراسر باطل ہیں“ (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص ۱۱)

یعنی جماعتِ اسلامی کے طریق کے سوا باقی سب طریقہائے کار باطل اور غلط ہیں۔

عہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت سارہ کو بہن کہنا اور اسکا پورا قصہ - ۱۲ منہ

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام - ۱۹



## جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے؟

### تخریب ہی تخریب

اپنے طریق کار کی خود وضاحت فرماتے ہیں :

”تخریبی تنقید کے بغیر وہ اُلفت و شیفتگی دُور نہیں کیجا سکتی جو لوگوں کو رائج الوقت تحریلات اور طریقہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے۔ لہذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے۔“

(ترجمان القرآن جلد ۱۲ عدد ۲ ص ۱۳۴)

کیا اتنی واضح اور صریح عبارت کے بعد کسی کو اس میں کوئی شبہہ باقی رہ سکتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے؟ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کی تمام تر مساعی اور تگ و دو کا مطلب صرف یہ ہے کہ پوری اُمت کی تخریب کے بعد اپنے جدید اسلام کی نئی تعمیر کریں۔

### مذہبِ مودودی

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

”میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعییت ہی کا پابند ہوں“ (رسائل و مسائل جلد ۱ ص ۲۳۵)

اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ پھر آپ کیا ہیں؟ تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلافِ انظار کے پیشِ نظر پانچ مکاتبِ فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہبِ اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔ مگر اب چودہ سو سال کے بعد یہ جدید حق معرضِ وجود میں آیا جو اُن پانچوں میں کسی کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ان پانچوں کی تخریب کرتا ہے۔ اپنے سوا تمام تر نظریات اور مسلمانوں کی جملہ جماعتوں کے خیالات اور طریقہائے کار کو باطل بتاتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس جدید اسلام کے اصول و فروع، قواعد و ضوابط، آئین اور دستور، کتب و مصنفین، تعلیم و تعلم کے مدارس و مکاتب اور اس اسلام کے حامل و محافظ رجال چودہ سو سال تک کہاں تھے؟ اس سے قبل دُنیا میں مکاتب و مدارس، تصانیف اور اصول و ضوابط اور پورا نظامِ اسلام تو ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو (معاذ اللہ) سراسر غلطی پر تھے، تو ایسے اسلام پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟



جسکا چودہ سو سال تک کوئی صحیح محافظ پیدا ہی نہیں ہوا اور اسکے اصول و ضوابط، مدارس و مکاتب، تصانیف و علماء وجود ہی میں نہیں آئے۔ اب جدید اسلام کی تدوین کے صرف دو ہی راستے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ جدید اسلام حقیقت میں تجدید ہے اس قدیم اسلام کی جو چودہ سو سال قبل اس دنیا میں آیا تھا تو اس پر یہ اشکال ہو گا کہ مودودی صاحب کو چودہ سو سال قبل کے اسلام کا علم کیسے ہوا؟ جبکہ اس کو سمجھنے والا کوئی دنیا میں گزرا ہی نہیں، دوسرا راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ بالکل ہی جدید اسلام مدون کیا جائے جو پہلے کبھی وجود میں نہ آیا ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں مگر یاد رہے کہ ایسے جدید اسلام کی کتنی عالیشان تعمیرات کو قدیم اسلام کے معمار نے کھنڈروں میں تبدیل کر دیا ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فرسوزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

تقلید گناہ سے بھی بدتر ہے

ایک اور تخریبی فتویٰ سنئے:

”میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے۔“  
(رسائل و مسائل جلد ۱ ص ۲۴۴)

اس سے قبل ص ۲۴ پر وضاحت کی ہے کہ اہل حدیث بھی مقلد ہیں، غور فرمائیے کہ پوری اُمت کے محدثین، ائمہ دین، مصنفین، فقہاء، علماء، صوفیاء اور بزرگان دین جنہیں اہل حدیث بھی داخل ہیں یہ سب کے سب گناہ سے بھی شدید تر چیز میں مبتلا رہے ہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی کم علم والے حضرات زیادہ علم والوں کی تقلید کیا کرتے تھے تو ان کے نزدیک (معاذ اللہ) وہ بھی مسلمان نہیں گناہ سے شدید تر تو صرف کفر ہی ہو سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں صراحت کفر کا فتویٰ لگانے کی جرأت کیوں نہ ہوئی؟ جبکہ کئی دوسرے موضوعات میں اس کی تصریح کر رہے ہیں کہ ان کے سوا دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔

جدید اسلام کی تعمیر

پوری اُمت مسلمہ کی تخریب کے بعد اب جدید اسلام کی تعمیر ملاحظہ ہو:

”اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں“ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع ص ۱۴)  
لہذا جب تک آپ جماعت اسلامی میں داخل نہیں ہو جاتے مسلمان نہیں ہو سکتے، اسلام بغیر جماعت کے نہیں، اور جماعت بغیر امیر کے نہیں، تیسرا مقدمہ مخدوف منوی ہے جسے بیرونی



لوگوں کی نسبت ارکان دولت زیادہ جانتے ہیں۔ اب آگے امیر کا مقام سنئیے۔

## امیر کا مقام

فرماتے ہیں :

”بعض مقامی جماعتوں کے ارکان مقامی امیر کو صدر انجمن سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اہل تر سمجھ کر صاحب امر منتخب کیا ہے تو ان پر واجب ہے کہ معروف میں اس کی اطاعت کریں اور اُس کی نافرمانی کو گناہ جانیں۔“

(ترجمان جلد ۲۶ عدد ۳ ص ۱۲۵)

جماعت اسلامی کے دستور میں بھی یہ دفعہ موجود ہے کہ اُمور شرعیہ میں امیر کی رائے واجب القبول ہے خیال فرمائیے کہ کسی صحابی یا امام کی تقلید تو گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے اور امیر جماعت اسلامی کی تقلید فرض ہے ان کے دستور میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ سوائے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو تنقید سے بالانہ سمجھے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ اوگلا تو توہین کی غرض سے تقلید کو ذہنی غلامی سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ غلامی اور تقلید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شانیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تنقید سے بلند سمجھنا اور ان کی تقلید جائز نہیں مگر امیر جماعت پر تنقید کی اجازت نہیں، اس کی اطاعت ضروری، تقلید فرض اور نافرمانی گناہ ہے اسکا جواب اور جواب الجواب اس تحریر کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

## تقلید اور غلامی میں فرق

غلامی میں اطاعت کا تعلق مالک کی ذات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے خواہ اس میں کوئی بھی صفت کمال نہ ہو بہر حال اسکا ہر حکم غلام کے لئے واجب العمل ہوتا ہے اس کے برعکس تقلید کمال علم و فضل کی بنا پر ہوتی ہے۔ نیز غلامی میں امر و نہی کا صدور مالک کی طرف سے سمجھا جاتا ہے بخلاف تقلید کے کہ اس میں حکم کا صدور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسکا ظہور مجتہدین سے ہوتا ہے یعنی مجتہد خود حکم نہیں دے رہا بلکہ حکم شریعت کا ناقل ہے

## حکمت عملی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مصلحت کی بنا پر محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے



بدلنے کے مجاز نہیں مگر امیر صاحب حکمتِ عملی کے عنوان سے دین میں مستقل باب کا اضافہ کر کے قرآن و حدیث کے جس حکم کو چاہیں بدل سکتے ہیں۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر سکتے ہیں چنانچہ سی مقدس شخصیت یا مقدس مکان سے ملا بست کی وجہ سے کسی چیز کو مقدس سمجھنا ان کے ہاں شرک ہے مگر پاکستان میں بننے والا غلافِ کعبہ جسے ابھی ملا بست کا شرف حاصل ہی نہیں ہوا تھا اسے حکمتِ عملی کے تحت جماعتِ اسلامی کے ذمہ داروں کی نگرانی میں لوگوں نے بجدے لئے۔ حکمتِ عملی نے شرک جیسے جرم کو بھی جائز بنا دیا، اس کی پاداش بھی دنیا ہی میں مل گئی کہ یہ غلاف ملا بستِ کعبہ سے محروم ہی رہا۔ حکومتِ سعودیہ کو دین کے ساتھ اس استہزار کا علم ہوا تو خانہ کعبہ پر یہ غلاف چڑھانے سے روک دیا۔ مودودی صاحب کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا اور فرح و سرور، رنج و غم سے بدل گیا۔ اسی طرح مودودی صاحب ”انتخابی جدوجہد“ ص ۳۲ پر فرماتے ہیں :

”صدر مملکت مرد ہونا چاہیے چونکہ قرآن کہتا ہے الرجال قوامون علی النساء“

اور ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں :

”از روئے احادیث نبوی، سیاست اور ملک داری عورت کے دائرہ عمل سے خارج ہے“

(ترجمان القرآن ص ۱۱ بابت ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء)

مودودی صاحب نے عورت کے صدر مملکت نہ ہو سکنے سے متعلق قرآن و حدیث کی خود صراحت نقل کر کے سنہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں فاطمہ جناح کی حمایت کی، اور حکمتِ عملی کے خانہ ساز قانون کے تحت قرآن و حدیث کے صریح قانون کی مخالفت کی۔

اوپر ہم پوری اُمت کی تخریب کے عزائم سے متعلق صریح عبارات پیش کر چکے ہیں، اب اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

## ① مودودی صاحب اور ارکانِ اسلام

پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات دین میں اصل مقصود ہیں اور حکومتِ اسلامیہ اس مقصود کی تحصیل کا ذریعہ ہے مگر مودودی صاحب اس اجماعی عقیدہ کے بالکل برعکس اسکے قائل ہیں کہ دین کا اصل مقصد حکومتِ اسلامی قائم کرنا ہے اور عبادات سب کی سب اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں (خطبات ص ۲۲) اس

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام ۲۳



انوکھی تحقیق کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد نماز روزہ وغیرہ عبادات کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب مقصد پورا ہو گیا تو ذرائع کی کیا حاجت؟

## ② مودودی صاحب اور مرکز اسلام

مودودی صاحب کعبۃ اللہ کے خدام کو بنارس اور ہردوار کے پنڈت سمجھتے ہیں۔  
(خطبات مودودی ص ۳۷)

## ③ مودودی صاحب اور ڈاڑھی

ڈاڑھی سے متعلق حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ”بڑھاؤ“ اور پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ ڈاڑھی ایک مشیت سے کم کرنا حرام ہے مگر مودودی صاحب نے ڈاڑھی کٹوانے کے جواز کا فتویٰ دیکر پوری اُمت کی تخریب کی اس سے بھی بڑھ کر یہ فرمانے کی جرأت کر رہے ہیں کہ حدیث میں صرف ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ جتنی بھی رکھ لی جائے حدیث پر عمل ہو جائے گا، یہ دیدہ و دانستہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر کھلا ہوا بہتان ہے۔ کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہ ڈاڑھی رکھو جتنی بھی ہو، بلکہ احادیث میں ڈاڑھی بڑھاؤ، چھوڑو، زیادہ کرو جیسے الفاظ ہیں۔ کتنی جرأت ہے کہ من کذب علی متعذراً فلیتوباً مقبلاً من النار جس نے مجھ پر عدا جھوٹ باندھا اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے“ کی بھی پرواہ نہ کی۔

## ④ مودودی صاحب اور زکوٰۃ

زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ہے کہ فقراء اور مساکین کو مالک بناؤ اور اس پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ بغیر تملیک فقیر کے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا نہیں ہونگے مگر مودودی صاحب پوری اُمت کے خلاف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور چرم قسربانی کی رقم ہمارے قبضہ میں آجانا کافی ہے۔ آگے خواہ اس سے ہم شفا خانے چلائیں یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دیں یا گاڑیاں خریدیں یا تعمیرات پر صرف کریں یا الیکشن لڑیں۔ مگر واضح رہے کہ اس طرح نہ صدقہ فطر ادا ہوگا، نہ کسی کی زکوٰۃ ادا ہوگی نہ چرم قسربانی کی رقم کا تصدق واجب ادا ہوگا۔

لے رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۸۵ - ۱۸۶



## ⑤ مودودی صاحب اور جمع بین الاختین

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت قرآن کریم میں مصرح ہے اور اس منصوص قرآنی پر پوری اُمت کا اجماع ہے مگر مودودی صاحب اور ان کے مقلدین جو تخریب اُمت کے بہانے تلاش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اس مسئلہ میں کوئی بہانہ ہاتھ نہ آیا تو ایک مفروضہ خود گھڑ کر بصورت استفتاء پیش کیا کہ بھاوپور میں دو لڑکیاں جرطواں ہیں ان کے نکاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اسکے جواب میں مودودی صاحب قرآن کریم کے صریح حکم اور اجماع اُمت کے خلاف ان دونوں بہنوں کے ایک ہی مرد سے نکاح کے جواز کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں (ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۱۲۶)، حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بھاوپور میں ایسی لڑکیاں نہیں ہیں۔

## ⑥ مودودی صاحب اور متعہ

متعہ کی حرمت پر قرآن حکیم کی نصوص صریحہ موجود ہیں اور اُمت کا اجماع ہے بلکہ محققین کا نظریہ تو یہ ہے کہ اسلام میں متعہ مروجہ ایک آن کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مکہ میں نازل شدہ صریح آیات کیخلاف مدینہ پہنچ کر اجازت کیسے مل گئی؟ جن احادیث سے عارضی طور چند ایام کے لئے جواز مفہوم ہوتا ہے ان سے متعہ مروجہ مراد نہیں بلکہ نکاح بہر قلیل باضمار نیت فرقت مراد ہے۔ یہ اجازت بھی بعد میں منسوخ ہو گئی۔ بہر کیف حقیقت کچھ بھی ہو اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے مگر پوری اُمت اور نصوص قرآنیہ کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت اگست سنہ ۱۹۵۵ء میں بوقت ضرورت جواز متعہ کا فتویٰ شائع فرمادیا، پھر جب اس پر چاروں طرف سے لے لے شروع ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے تو شیعہ کو یہ مشورہ دیا تھا، حالانکہ ہر شخص مودودی صاحب کا پہلا مضمون دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ انھوں نے یہ مضمون اہل سنت اور شیعہ کے درمیان محاکمہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔ راقم الحروف کے علم میں جماعت اسلامی کے ایسے لوگ ہیں جو مودودی صاحب کے پینتر ابدلے سے قبل بالاجماع حرام متعہ کا بعض ائمہ سے جواز ثابت کرنے میں مصروف تھے۔

## ⑦ مودودی صاحب اور دجال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے قبل خروج دجال کی پیشگوئی فرمائی ہے اس مودودی صاحب اور تخریب اسلام - ۲۵



پیشگوئی کے صدق پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ کسی مسلمان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق میں شبہہ تو کیا وہ اسکا دسوسہ لانے کو بھی کفر سمجھتا ہے مگر مودودی صاحب کی شوق تخریب میں دریدہ دہنی ملاحظہ فرمائیں۔

رسائل و مسائل صفحہ ۵۵ تا ۵۷ میں مزاحیہ انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تکذیب کی ہے، ذرا اس مجدد اسلام کی قوت استدلال کا بھی اندازہ لگائیں رسائل مسائل میں فرماتے ہیں کہ سارے تیرہ سو سال گزرنے پر بھی دجال ظاہر نہیں ہوا اس سے اسکی حقیقت واضح ہو گئی۔ سبحان اللہ! کیسی دلیل ہے، اگر شیطان نے یہی دلیل انکار قیامت سے متعلق بھی القاء کر دی تو مودودی صاحب فرمانے لگیں گے کہ دیکھا چودہ سو سال گزرنے پر بھی قیامت نہیں آئی اس سے ثابت ہوا کہ قیامت کا خیال محض افسانہ ہے اور آیت "اقتربت الساعة" انہی افسانہ نویسوں کا اختراع ہے۔

## ⑤ مودودی صاحب اور تقیہ

مودودی صاحب نے تقیہ میں حیرت انگیز کردار ادا کیا کہ لفظ تقیہ میں بھی تقیہ سے کام لیکر اس کے لئے "حکمتِ عملی" کی جدید اصطلاح وضع کی پھر جواز تقیہ پر استدلال کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ ترجمان القرآن بابت دسمبر سنہ ۱۹۵۶ء میں حکمتِ عملی (تقیہ) کا ثبوت یوں پیش کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمتِ عملی (تقیہ) کے تحت قرآنی مساوات کے خلاف "الائمۃ من القریش" کا فیصلہ فرمایا،

### غور طلب

مندرجہ ذیل عقائد مذہب شیعہ کا شعار اور مابہ الامتیاز ہیں :

- (۱) تحریفِ قرآن
- (۲) بغضِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- (۳) سلف صالحین کو گمراہ قرار دینا اور ان کو ہدفِ ملامت بنانا
- (۴) متعہ
- (۵) تقیہ



مودودی صاحب ان پانچوں عقائد میں شیعہ سے متفق ہیں۔ مودودی صاحب کی عبارت سے ان کا عقیدہ تحریف قرآن معنوی صراحۃً اور تحریف لفظی لزوماً ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، مسئلہ متعہ پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو تقیہ اسے گول کر دیا اور تقیہ میں بھی یوں تقیہ کیا کہ اسکا نام بد لکر حکمت عملی رکھ دیا۔ شیعہ مذہب میں تقیہ اسلام کا اتنا ضروری رکن ہے کہ بدون تقیہ اسلام قبول نہیں، اسی لئے مسلمان امام کے پیچھے صفِ اول میں شیعہ کا نماز پڑھنا ثواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے برابر ہے جب اسی قسم کے پکے تقیہ باز شیعہ ۲۰۱۳ ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے نکلیں گے۔

(حوالجات بندہ کے رسالہ حقیقتِ شیعہ میں ملاحظہ فرمائیں)

مودودی صاحب کے عقائد بالا کو دیکھ کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں آپ بھی ان ۳۱۳ میں سے تو نہیں، بعض قابلِ اعتماد ذرائع سے انکشاف ہوا ہے کہ مودودی صاحب کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ مشہور شیعہ مطہر علی کی عربی کتاب ”منہاج الکرامۃ معرفۃ الامامہ“ کا ترجمہ ہے۔

## مودودی صاحب شیعہ رہنماؤں کی نظر میں

① شیعہ ماہنامہ پیام عمل لاہور دسمبر ۱۹۶۳ء میں عنوان ”کیا صحابہ معیارِ حق ہیں“ کے تحت دستورِ جماعتِ اسلامی کی وہ دفعہ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معیارِ حق نہ ہونیکا بیان ہے پیش کر کے لکھا ہے :

”یہی تو ہم بھی کہتے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا ہے“ (پیام عمل ص ۱۱)  
پھر عنوان ”صحابہ مرجع نہیں“ کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق مودودی صاحب کی ایک عبارت ترجمان القرآن نومبر سنہ ۱۹۶۳ء سے نقل کر کے لکھا ہے :  
”پھر شیعہ کیوں قابلِ گردن زدنی سمجھے جاتے ہیں۔“ (پیام عمل)

② تہران میں شیعہ ادارے مودودی صاحب کی کتابوں کے فارسی تراجم چھاپ رہے ہیں۔

③ خمینی کا اعلانیہ کفر، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انتہائی بغض و عداوت اور انکی شان میں بہت سخت گستاخیاں کسی پر مخفی نہیں، وہ اپنی کفریات کو بذریعہ تقیہ چھپا نہیں ہا بلکہ اپنی کتابوں کے ذریعہ دنیا بھر میں شائع کر رہا ہے۔

ایسے زندیق کے ساتھ مودودی صاحب کی دلی محبت، گہری دوستی اور بہت مستحکم روابط و تعلقات



بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، خود ان کے صاحبزادے اور جماعت کے دوسرے رہنما انکی باہم گہری دوستی کو بہت فخر سے بیان کرتے ہیں، اخباروں اور مستقل کتابوں کے ذریعہ خوب اچھا لگتا ہے، یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور دنیا بھر میں ایسی مسلم و مشہور ہے کہ اس کے اثبات کے لئے شواہد پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں، تاہم عالم دنیا سے بے خبر حضرات کے لئے مودودی صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق کی شہادت نقل کی جاتی ہے :

”سب سے پہلے مجھے ایران کے سفیر کا فون موصول ہوا تھا، انھوں نے پیشکش کی تھی کہ وہ میت کو لاہور پہنچانے کے تمام انتظامات کرنے کو تیار ہیں، ہم علامہ خمینی، ایرانی سفیر اور ایرانی عوام کے شکر گزار ہیں، علامہ خمینی کے ساتھ مولانا مودودی کے دیرینہ تعلقات تھے، علامہ خمینی نے ۱۹۵۵ء میں مولانا مرحوم کی متعدد کتابوں کا فارسی ترجمہ کر کے انھیں اپنے مدرسہ کے نصاب میں شامل کیا تھا، ۱۹۶۳ء میں انھوں نے حج کے موقع پر مکہ میں مولانا مرحوم سے ملاقات کی، اگر ایرانی سفیر کا تعاون حاصل کر لیا جاتا تو تہران میں نماز جنازہ ہوتی جس میں علامہ خمینی بھی شرکت کرتے“ (روزنامہ جنگ، ۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء)

مزید سنسنی خیز انکشافات کتب ذیل میں دیکھئے :

- ① الشقیقان، المودودی والخمینی، المجلس العالمی لصیانة الاسلام کراتشی الباکستان۔
- ② دوبھائی، ابوالاعلیٰ مودودی اور امام خمینی، عالمی مجلس تحفظ اسلام کراچی پاکستان۔
- ③ سفرنامہ ایران، سید اسعد گیلانی مکتبہ اردو ڈائجسٹ۔
- ④ انقلاب ایران، سید اسعد گیلانی۔

## مودودی صاحب اور اعتزال

اہل سنت کے تمام مسالک اس پر متفق ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔ ہر انسان یا مسلمان ہو گا یا کافر۔ اہل سنت کے خلاف صرف معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ انسان ایمان اور کفر کے درمیان معلق بھی ہو سکتا ہے بعینہ یہی عقیدہ مودودی صاحب کا ہے، چنانچہ آپ نے لاہوری مرزائیوں کو بھی ایمان اور کفر کے درمیان لٹکا رکھا ہے جبکہ تمام اہل سنت کے علاوہ اہل بدعت اور شیعہ تک بھی ان کے کفر پر متفق ہیں۔

مودودی صاحب کی تحریر کا عکس آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں



مودودی صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر فیصلہ کیجئے  
کہ یہ اہل سنت ہیں یا معتزلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فون نمبر ۲۵۰۰

227

حوالہ

تاریخ

۱۲/۱۰/۶۸

جماعت اسلامی پاکستان

۵-۱۰۰۰ بلڈ روڈ پارک چیمبر لاہور

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ  
آپ کا خط ملا۔ مرزا بیون کی لاہوری جماعت  
کفر و اسلام کے درمیان معلق ہے۔ یہ نہ ایک مدعی  
نبوت سے بالکل برأت ہی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے افراد  
کو مسلمان قرار دیا جا سکے۔ نہ اس کی نبوت کا صحت  
انکار ہی کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جا سکے۔

طاہر اکبر

غفور علی

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے

برائے اعلیٰ



## کیا مودودی صاحب مذہب اہل سنت پر ہیں؟

اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں ہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر خیر کے بعد آئندہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ: ”وہ اپنے اسلاف کے لئے دعا، مغفرت اور اُن کے ساتھ بغض سے حفاظت کی دعا کرتے ہیں“ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد اُن پر طعن نہ کرو، کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے اُن کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی وہ اس کی گرفت سے بعید نہیں، (جمع الفوائد ص ۲۹۱ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جب تم میرے صحابہ کو بُرا کہنے والوں کو دیکھو تو تم یوں کہو کہ تمھارے بُرے پر اللہ کی لعنت، (ترمذی ص ۵۴۹) تفسیر قرطبی سورۃ الفتح میں یہ حدیث منقول ہے کہ جس نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہا اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ بروز قیامت نہ ہی اُن کی توبہ قبول فرمائیں گے اور نہ فدیہ اہ، ان ارشادات اور اسی مضمون کی اور بہت سی آیات و احادیث کی بنا پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ محبت فرض ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی بُرا کہنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے، چند تصریحات ملاحظہ ہوں:-

① شرح عقائد نسفی میں اسلام کا ایک عقیدہ یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر بجز خیر کے نہ کرے،

② علامہ سید جرجانی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم اور اُن پر اعتراض سے احتراز واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں اُن کی مدح و ثناء فرمائی ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے محبت فرماتے تھے، اور آپ نے بہت سی احادیث میں اُن کی تعریف فرمائی ہے، (شرح مواقف مقصد صالح)

③ علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ ”الدرۃ المفیئۃ“ اور اس کی شرح ”لوامح الانوار البہیۃ“ میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر شخص پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پاک صاف سمجھنا اور اُن پر اعتراض سے بچنا اور اُن کی تعریف کرنا فرض ہے، اور یہ پوری امت کا مذہب ہی، (شرح عقیدہ سفارینی ص ۳۳)



(۴) علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ایک اور مقام میں فرماتے ہیں، اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھنا اور ان کے آپس میں جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے پڑھنے، پڑھانے، سننے اور سناتے احتراز کرنا، اور ان کے محاسن کا ذکر، ان سے رضا مندی کا اظہار ان سے محبت رکھنا اور ان پر اعتراض سے بچنا فرض ہے، (شرح عقیدہ سفاریہ ص ۳۸۶)۔

(۵) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہل سنت کا عقیدہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو پاک صاف سمجھنا، ان پر اعتراض سے بچنا اور ان کی تعریف کرنا ہے (مسایرہ، ص ۱۳۲)۔

(۶) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ امام ابو زرعہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جب کسی کو کسی بھی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو یقین کر لو کہ یہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن، حدیث اور پورا دین ہم تک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے پہنچا ہے، پس جو صحابہ پر تنقید کرتا ہے وہ پورے دین کو باطل کرنا چاہتا ہے، لہذا اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا عین حق ہے (شرح عقیدہ سفاریہ، ص ۳۸۹ ج ۲)۔

(۷) امام ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قرآن، حدیث اور اجماع امت سے یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی صحابی کی پاکیزگی کے بارے میں سوال کی بھی گنجائش نہیں (علوم الحدیث ص ۲۶۴)۔

(۸) حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہل سنت کے بنیادی عقائد میں سے اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں صاف رکھنا ہی (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۴)۔

(۹) حافظ ابن تیمیہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں، کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوئی بُرائی بیان کرے، یا کسی ایک پر کسی عیب کا الزام لگائے، جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے، لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بُرائی کرتے ہیں، جو شخص صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بُرائی کرے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو، (الصارم المسلول)۔

(۱۰) امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض ہو وہ حکم الہی والذین معہ (الی قولہ) لِيَخِطُّ بِهٖمُ الْكُفَّارُ کی زد میں ہے، اور فرمایا کہ ان لوگوں کا اصل مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص تو ہیں ہی، مگر اس کی جرأت نہ ہوتی تو آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے صحابہ ایسے ویسے ہیں وہ خود بھی ایسے ہی ہوں گے، (الصارم المسلول)۔



⑪ ابراہیم بن میسرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو کبھی کسی کو خود مارتے نہیں دیکھا، مگر ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا کہا تو اس کو انھوں نے خود کوڑے لگائے،

(الصارم المسلول)

⑫ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے یا ان میں سے کسی ایک کی بُرائی کرے اس کے لئے عذاب الیم ہے، جو ان حضرات کو بُرا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہو ان کو قرآن پر ایمان سے کیا واسطہ؟ (تفسیر ابن کثیر)

⑬ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے کسی ایک صحابی کی بھی بُرائی کی خواہ وہ ابو بکر عمر، عثمان ہوں یا معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تو اگر وہ یہ کہے کہ یہ حضرات مگر اسی یا کفر پر تھے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کے سوا کوئی اور بُرائی کی تو اس کو بہت سخت سزا دی جائے گی (مکتوبات امام ربانی ص ۲۵۱ و ۲۵۲ و فتراول)

⑭ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یقین کیجئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بُرائی کرنا حرام ہے، اور بہت بڑا گناہ ہے، اور ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ سزا دی جائے، اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ قتل کیا جائے (نووی علی مسلم، ص ۳۱۰ ج ۲)

شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کسی ایک کی بُرائی کرنے والے کے لئے احناف بھی قتل کا حکم دیتے ہیں،

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد کسی بھی انصاف پسند کو اس فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہ سکتا کہ مودودی صاحب اہل سنت میں سے نہیں، نیز یہ بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شرعی عدالت میں اُن کی سزا کیا ہے؟

## مودودی صاحب کے صرف دو سوال

ہم آخر میں مودودی صاحب سے صرف دو سوالوں کا جواب چاہتے ہیں۔

① آپ کا طریق فکر، اصولِ روایت اور جدید اسلام کے قواعد و ضوابط اور اس طریق کے محافظ و حامل رجال کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب ثبات میں ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں کہ کون کونسی کتب، علماء، مدارس اور کونسی فقہ آپ کے خیالات کی ترجمانی کر رہی ہے؟ اگر یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے یہ نظریات کتابوں سے لئے ہیں تو یہ اصول مشاہد و مسلم اور



متفق علیہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن بھی ماہرین فن کی صحبت اور تربیت کے بغیر صرف مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہو سکتا تو دین کا فہم اس اصول سے کیوں مستثنیٰ ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو جس اسلام کے قواعد و ضوابط کی تدوین و تشریح چودہ سو سال تک نہ ہو سکی وہ کیسے قابل اعتماد ہو سکتا ہے؟

(۲) جب کسی صحابی کی تقلید بھی جائز نہیں بلکہ گناہ سے شدید تر ہے تو آپ اپنی اطاعت اور تقلید کیوں واجب قرار دے رہے ہیں؟

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ صرف امور انتظامیہ میں امیر کی اطاعت لازم ہے اس لئے کہ اس کے سوا نظم چل ہی نہیں سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی علت تقلید میں بھی موجود ہے اس ہوا پرستی کے دور میں ہر مدعی علم کو اگر اجتہاد کی اجازت دیدی جائے تو سارا دین منہدم ہو جائیگا اب نمبر وار سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں :

(۱) جماعت اسلامی اہل سنت سے خارج ہے اور اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے عام مسلمانوں سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے۔

(۲) ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔

(۳) ان میں رشتے کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔

(۴) ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کسی مسجد میں اس عقیدہ کا امام ہو تو با اثر حضرات پر اسے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے، اگر مسجد کی منتظمہ امام بدلنے پر تیار نہ ہو تو اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسی منتظمہ کو برطرف کر کے دوسری صحیح العقیدہ منتظمہ منتخب کریں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھیں  
اللہم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین

۲۸ صفر سنہ ۱۳۸۶ھ

## معدلت

میں نے اس مضمون پر نظر ثانی کے وقت چاہا کہ سودودی صاحب کی تصنیف کو کچھ مزید دیکھ لیا جائے، مگر جیسے دیکھنا شروع کیا تو خرافات کے اتنے بڑے انبار نظر آئے کہ ہر ایک میرے سے بطور نمونہ بھی کچھ تھوڑا سا حصہ نقل کیا جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت پڑے گی، اس لئے آگے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی :



## جماعت اسلامی

کے افراد کے لئے لمحہ فکریہ

- ① کیا جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی حضرات صحابہ کرام بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق آپ کو یہ بدظنی تھی جو اب ہے ————— ؟
  - ② علماء اُمت کے بارے میں جو بدگمانی آپ کو اب ہے کیا وہ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی تھی ————— ؟
  - ③ کیا آپ جماعت اسلامی کے سوا مسلمانوں کے سب مسالک کو پہلے بھی غلط سمجھتے تھے ————— ؟
- اگس جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا تو انصاف سے بتائیے کہ کیا جماعت اسلامی عام مسلمانوں سے الگ ایک نیا مستقل مذہب نہیں جسکا پہلے کوئی وجود نہ تھا؟ اور کیا آپ خود بھی اپنے کو عام مسلمانوں سے الگ نہیں سمجھ رہے ————— ؟
- اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر نئے مذہب کے فتنے سے محفوظ رکھیں اور اپنے قدیم دین پر قائم رکھیں۔ آمین

رشید احمد

۶ ذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

مکتبہ فاروقی

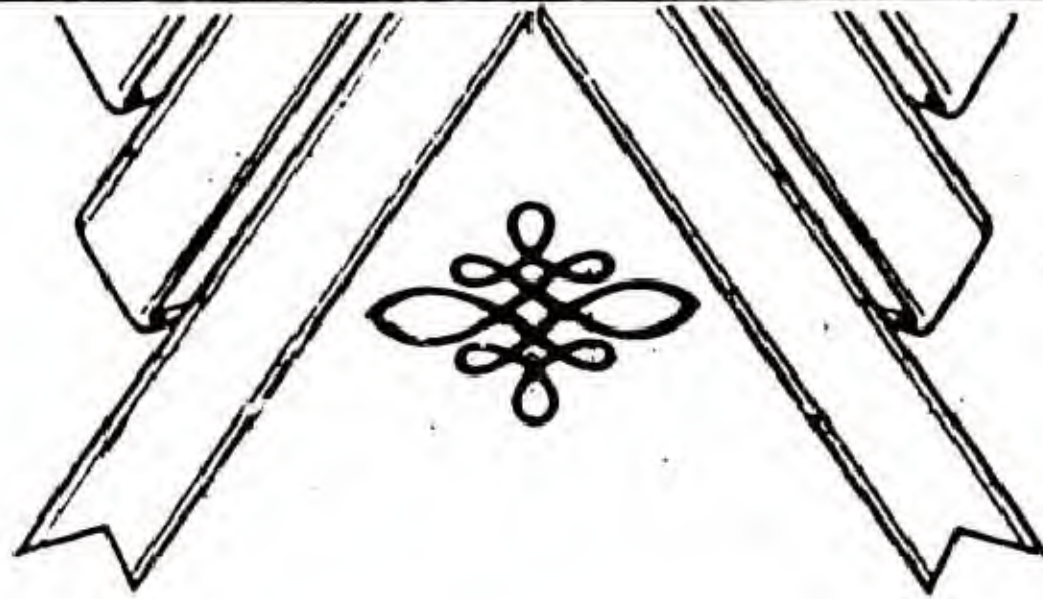




وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَدُ الْيُسْرَىٰ



# نيل الفضيلة بسؤال الوسيلة





## وسیلہ کا ثبوت

**سوال**، تو تسل بالانبیاء والا ولیاء جائز ہے یا نہیں؟ نیز تو تسل بالاحیاء والاموات اور تو تسل بالذوات والاعمال میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ مدلل بیان فرمائیں، والا جرح عند اللہ الکریم،

الجواب باسم ملہم الصواب

تو تسل خواہ احیاء سے ہو یا اموات سے، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے اعمال سے ہو یا غیر کے اعمال سے، بہر حال اسکی حقیقت اور ان سب صورتوں کا مرجع تو تسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اسکے تو تسل سے دُعا کرتا ہوں یا فلاں نیک عمل اپنایا غیر کا جو محض آپ کی عطا اور رحمت ہے اس سے تو تسل کرتا ہوں۔ چونکہ تو تسل بالرحمۃ کے جواز بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ سب صورتوں کو شامل ہے لہذا تو تسل کی مذکورہ فی السوال سب صورتیں جائز ہیں۔

ھنالک دعا ذکر پیارے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام پر رحمت سے تو تسل اور آپ کی دُعا کا قبول ہونا مذکور ہے، اصحاب غار نے اپنے اعمال کے تو تسل سے دُعا کی اور غار سے نجات پائی، اس کی حقیقت بھی وہی ہے کہ یا اللہ! آپ کی جس رحمت نے ہمیں فلاں فلاں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی اس رحمت کے تو تسل سے دُعا کرتے ہیں۔ تو تسل کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، مہذا چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہود آپ کے تو تسل سے مشرکین پر فتح و نصرت کی دُعا میں کیا کرتے تھے۔ ولما جاءہم کتب من عند اللہ مصدق لما معہم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نزلت فی بنی قریظۃ والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقتادة والمعنی یطلبون من اللہ تعالیٰ ان ینصرہم بہ علی المشرکین کما روی السدی انہم کانوا اذا اشتد الحرب بینہم و بین المشرکین اخرجوا التوراة ووضعوا ایدیہم علی موضع ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقالوا اللہم انا نسألك بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی اخر الزمان ان تنصر



اليوم على عدد ونافينصرون (روح المعاني ص ٢٨٩ ج ١)

ولخرجه السيوطي رحمه الله تعالى عن ابي نعيم والحاكم والبيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالى  
عنهما (الدر المنثور ص ١٧٦ ج ١)

(٢) عن عثمان بن حنيف ان رجلاً من البصريين صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله لي  
ان يعافيني فقال ان شئت اخرت لك وهو خير وان شئت دعوت فقال ادعه فامرته ان يتوضأ فيحسن  
وضوءه ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء اللهم اني اسالك واتوجه اليك بمحمد بنى الرحمة يا  
محمد اني قد توجهت بك الى ربي في حاجتي هذه لتقضى اللهم فشقه في قال ابواسحق هذا حديث  
صحيح (ابن ماجه ص ٩٩)

قال في انجم الحجة هذا الحديث أخرجه النسائي والترمذي في الدعوات مع اختلاف يسير  
قال الترمذي حسن صحيح وصححه البيهقي وزاد فقام وقد ابصر وفي رواية ففعل لرجل فيري ذكر  
شيخنا عابد السدي في رسالته والحدّث يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم في حيوته -  
(٣) واما بعد مائة فقد روى الطبراني في الكبير عن عثمان بن حنيف المقدم ان رجلاً كان  
يختلف الى عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه في حجة له فكان لا يلتفت اليه ولا ينظر  
في حجة فلقى ابن حنيف فشكى اليه ذلك فقال له ابن حنيف انت الميضاة فتوضأ ثم  
انت المسجد فصل ركعتين ثم قل اللهم اني اسالك واتوجه اليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم بنبي  
الرحمة يا محمد اني اتوجه اليك الى ربك فتقضى حاجتي وتذكر حاجتك فانطلق الرجل فصنع ما قال  
ثم اتي باب عثمان فجاء البواب حتى اخذه بيده فادخله على عثمان فاجلسه معه على الطنفسة فقال حاجتك؟  
فذكر حاجته فقضاها له ثم قال ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة وقال ما كانت لي من حجة فاذكروها  
ثم ان الرجل خرج من عنده فلقى ابن حنيف فقال له جزاك الله خيراً ما كان ينظر في حاجتي ولا  
يلتفت الي حتى كلمته في فقال ابن حنيف والله ما كلمته ولكني شهد رسول الله صلى الله عليه وسلم واتاه  
ضرب فشكى اليه ذهب بصره فقال له النبي صلى الله عليه وسلم او تصبر فقال يا رسول الله ليس لي قائد وقد  
شق علي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم انت الميضاة وتوضأ ثم فصل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات قال ابن  
حنيف فوالله ما تفرقتا ولا طال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كان لم يكن به رقط ورواه البيهقي من طريقين  
نحوه وخرج الطبراني في الكبير والمتوسط بسند فيه روح بن صلاح وثقة ابن حبان والحاكم وفيه ضعف  
وبقية رجاله رجال الصحيح (انجم الحجة على سنن ابن ماجه ص ٩٩)



(۴۱) وقد كتب شيخنا المذكور رسالة مستقلة فيها التفصيل من اراد فليرجع اليها وذكر فيها حديث البيهقي وابن ابي شيبة عن مالك الدارقاني قال اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فاجاء رجل الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم استسقى الله لامتك فاتهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم في منامه فقال انت عمر فاقرأه السلام واخبره و القصة المذكورة في الاستيعاب لابن عبد البر (انجم الحليحة حاشية ابن ماجة ص ۹۹)

(۵) عن مصعب بن سعد قال رأى سعد ان له فضلاً على من دونه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم رواه البخاري (مشكوة ص ۴۲) وعند النسائي انما نصر الله هذه الامة بضعفائهم ودعوتهم واخلاصهم -

(۶) عن ابي الدرداء رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ابغوني فضعفائكم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائكم رواه ابو داود (مشكوة ص ۴۳)

(۷) عن امية بن خالد بن عبد الله بن اسيد رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين رواه في شرح السنة (مشكوة ص ۴۴)

جب مواقع رحمت کی صرف مجاورہ ہی بدون دعا و توسل کے جالب رحمت ہے تو دعا اور توسل بالرحمة کیونکر جالب نہ ہوگا؟

(۸) عن انس رضي الله تعالى عنه ان عمر بن الخطاب كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبيتنا فستقينا وانا نتوسل اليك بعمر نبيتنا فاستقنا فاستقوا - رواه البخاري (مشكوة ص ۱۳۲)

## غیر مقلدین کے امام شوکانی

غیر مقلدین وسیلہ کے منکر ہیں مگر ان کے امام شوکانی نے اس حدیث مذکور پر باب الاستسقاء بذوی الصلاح قائم کیا ہے۔ اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں و يستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاء باهل الخير والصلاح واهل بيت النبوة (نیل الاوطار ص ۹ ج ۲) وكذا في رعدة القاري ص ۴۳ ج ۳ وفتح الباري ص ۳۹۹ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص بالامیاء کا دعویٰ کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہو گیا تو احیاء و اموات میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ



فرق تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیے کیونکہ زندہ انسان تغیر احوال سے مامون نہیں مئی  
لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتدار کرنا چاہو تو میت کی اقتدار کرو، عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ  
عنه من کان مستنّاً فلیستنّ بمن قد مات فان الحق لا یؤمن علیہ الفتنۃ الحدیث رواہ زرین (مشکوٰۃ)  
پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل بالحق کا استحباب ثابت ہوا تو توسل بالمیت بطریق  
اولیٰ مستحب ہوگا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت  
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ سو اس کی چند توجہات ہو سکتی ہیں۔

(۱) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

(۲) اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک توسل بذاتہ  
دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت و  
جالب رحمت ہے۔

(۴) طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وساطت کا  
اہتمام کیا جاتا ہے حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے  
نہ ادا کے امانت میں غفلت کا خطرہ نہ نسیان کا اندیشہ۔

وقفنا للہ الجہیم لما یحبّ ویرضی بنجی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم، امین

منتصف شعبان ۱۲۹۶ھ ہجری

## الحاق

اس مسئلہ میں جانبین اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تجہیل، اپنے دلائل کی  
تحریر اور دوسرے کے دلائل کی تردید میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں، میں نے جو دلائل لکھے ہیں  
ان کی تائید و تردید میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے جبکہ مختصر سی حقیقت یہ ہے کہ میری محررہ صورت کے مطابق  
توسل برحمتہ اللہ بالاتفاق جائز بلکہ مستحب ہے اور مشرکین کی طرح غیر اللہ سے استعانت کی صورت میں توسل لاتفاق  
شُرک ہے، غالباً اس حقیقت کے وضوح کے بعد اختلاف صرف لفظی ہی رہ جائے گا۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

۲۴ رجب ۱۲۹۶ھ



## باب رد البدعات

### دعا بعد نماز جنازہ

سوال : نماز جنازہ کے بعد دعائیں گنا کیسا ہے ؟ بیٹو! بالدلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز جنازہ کے بعد دعائیں گنا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں، اس لئے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو یوسف بن حامد فرماتے ہیں۔ اتی الدعاء بعد صلوة الجنائزہ مکروہ (فوائد ہندیہ ج ۱)

شمس الائمہ حلوانی متوفی سنہ ۷۵۴ھ اور شیخ الاسلام علامہ سعدی متوفی سنہ ۷۶۱ھ عجمی فرماتے ہیں، لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنائزہ (قنیہ ج ۱) و فی الفتاوی السراجیۃ، اذا فرغ من الصلوة لا يقوم داعیالہ

(فتاویٰ سراجیہ مع ضمیمہ ج ۱ ص ۱۴۱)

ولا يقوم داعیالہ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۴۲)

لا یدعو بعد التسليم (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳)

ولا یدعوا للمیت بعد الجنائزہ لانه یثبت الزیادۃ فی صلوة الجنائزہ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ولا یدعوا بالدعاء بعد صلوة الجنائزہ لانه دعاء مرثی لان اکثرہا دعاء (بزازیہ مع ہندیہ ج ۱ ص ۱۸۰، کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵، فتاویٰ برجندی ج ۱ ص ۱۸۰، فتاویٰ برہنہ ص ۳۶، مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۵۷، نفع المفتی والسائل ص ۱۴۳ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شوال سنہ ۱۳۷۱ھ

اذان جمعہ کے بعد الصلوة سنت رسول اللہ ﷺ پکارنا

سوال : یہاں عام دستور ہے کہ نماز جمعہ میں اذان کے بعد الصلوة سنت رسول اللہ ﷺ کا لفظ زور سے پکارا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے ؟ بیٹو! توجروا



## الجواب ومنه الصدق والصواب

فیعلم محض بے بنیاد اور بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، جب تشویب للفرض میں اختلاف ہے حالانکہ یہ ائمہ سے ثابت بھی ہے تو تشویب للسنۃ عدم ثبوت کی وجہ سے یقیناً ناجائز ہوگی۔ (روی ان علیاً رأی مؤذناً یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد وروی مجاہد قال دخلت مع ابن عمر مسجد ایصلى فيه الظهر فسمع مؤذناً یثوب فغضب وقال قرح حق نخرج من عند هذا المبتدع الخ) (فتح) وایووسف خصمهم بذلك لزیادة اشتغالهم بامور المسلمين کیلا تفوتهم الجماعة وعلى هذا القاضی والمفتی (قولہ وایووسف خصمهم) اخذ ذکر وجہ ابی یوسف لافادة اختیارة وکذا ینظر من کلام قاضی خان وغیرہ اختیار قول ابی یوسف فتح (قولہ للکل) ای کل احد وخصمہ ابویوسف بمن یشغل بمصالح العامة کالقاضی والمفتی والمدرس واختیار قاضی خان وغیرہ نھر (رد المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ اشوال سنہ ۱۳۷۱ھ

## اذان علی القبر

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنا (جیسا کہ ہمارے بلاد میں عام مروج ہے) شرعاً کیا حکم رکھتا ہے ؟

## الجواب ومنه الصدق والصواب

اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اس لئے بدعت ہے۔ قال فی الشامیۃ دفی الاقتصار علی ما ذکرہ من الوارد اشارۃ الی انہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما هو المعتاد الا ان وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعة (رد المحتار ج ۱) من البدع الی شاعت فی الہند لا اذان علی القبر (رد المحتار) تو شیخ شرح تنقیح المحو للبلخی میں بھی اذان علی القبر کو "لیس بشیء" لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ ہجری

## جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا

سوال : یہاں دستور ہے کہ میت کا جنازہ جبے جاتے ہیں تو ساتھ ساتھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد فرمادیا سمجھتے ہیں کیا شرع میں اس کی کوئی اصل ہے؟ بیٹنوا توجروا



## الجَوِبُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔ کما کرہ فیہا رفع صوت بذكر او قراءۃ فتح (الدر المختار) وفي الشامية (قوله کما کرہ) قيل تحريماً وقيل تنزيهاً كما في الجوع عن الغاية وفيه عنها وينبغي لمن تبع المجتازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره في نفسه لقوله تعالى انت لا يحسب المعتدين اى الجاهرين بالله وعن ابراهيم انت كان بكبره ان يقول الرجل وهو يمشى معها استغفروا له غفر الله لكم اه قلت واذا كان هذا في الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان (رد المحتار باب الجنائز ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۳ رذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

دعا میں جہراً درود شریف اور آیت ان الله وملكته الخ کو ضروری سمجھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز کے بعد درود شریف بالجہر پڑھنا اور آیت ان الله وملكته الخ کو لازم جاننا اور درود شریف پڑھنے کو ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

## الجَوِبُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

نماز کے بعد درود شریف یا آیت ان الله وملكته الخ کو ضروری سمجھنا گناہ ہے۔ درود شریف پڑھنے میں اگرچہ بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اسے ضروری سمجھنا ناجائز ہے کسی مباح یا مستحب کام کو ضروری اور واجب قرار دینا گناہ ہے۔ وکل مباح یؤدی الیہ (لی الوجوب) منکرہ (الدر المختار ج ۱ خرباب سجود التلاوة) واما اذا سجد بغیر سبب فلیس بقربة ولا مکروه وما یفعل عقبہ الصلوة مکروه فکذا فی الزہد (عالمگیری ج ۱ خرباب سجود التلاوة) وقال الطیب فی شرح مشکوٰۃ تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی التلاوة الا یقرأ عن الیمین بعد الصلوة ان من اصر علی امر مندوب جملہ عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان (مرقاۃ ص ۲۵۳ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۳ رذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

## سوال مثل بالا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعا ثانیہ جو کہ عام مساجد میں مروج ہے اس کے بارے میں فقہائے احناف کا کیا فتویٰ ہے۔ ایک فتویٰ میں جو اس سلسلہ میں اظہار خیال کیا گیا ہے اس کی عبارت بعینہ منسلک استفتار ہذا ہے، برائے



مہربانی اس کو پڑھ کر مبینہ دلائل کے متعلق ارشاد فرمایا جائے کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اور اگر صحیح نہیں ہیں تو کس بنا پر صحیح نہیں ہیں۔ وضاحت سے حکم شریعت اطلاع فرمایا جائے۔ بینوا تو جبر و سوال : نمازوں کے بعد جو دعائیں کی جاتی ہے جس کے آخر میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر آیت درود پڑھ کر درود پڑھتے ہیں آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں۔ اکثر لوگ اسے ناجائز اور بدعت کہہ کر لوگوں کو روکتے ہیں، مفصل تحریر فرمائیے۔

### الجواب

نمازیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) ایک وہ ہیں جن کے فرض کے بعد سنتیں نہیں جیسے فجر و عصر، مسئلہ یہ ہے کہ فرض سے بعد والی سنتوں کو بہت زیادہ مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ فرض کے بعد دعائیں گو بہت مختصر پھر فوراً سنتیں شروع کر دی جائیں۔ فقہ حنفی کی کتاب در مختار میں ہے۔ ویکرہ تأخیر السنۃ الا بقل، اللهم انت السلام الخ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وفي الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنۃ ولا يشتغل بادعية طويلة كذا في التارخانيہ۔ شیعہ لمصلیٰ اور اس کی شرح میں ہے فان كان بعد هاءى بعد مكتوبة تطوع يقوم الى التطوع بلا فصل الامقدار ما يقول اللهم انت السلام ومنه السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام الخ پھر سنتیں شروع کر دے۔ ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد دعا طویل مانگے۔ چنانچہ صاحب در مختار طویل دعا و ذکر سے فرض و سنت کے درمیان فرق نہ کرنے کے مسئلہ کے بعد فرماتے ہیں ويستحب ان يستغفر ثلاثا و يقرأ آية الكرسي والمعوذات ويسبِّح ويحمد ويكبر ثلاثا وثلاثين ويهلك تمام المائة ويدعو ويختم بسبحان ربك رب العزة عما يصفون الخ یعنی سنتوں کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ العلیٰ اعظم اور آیت الکرسی اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس الخ پڑھے پھر ۳۳، ۳۳ بار سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہے اور ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك لہ الحمد و ہو علیٰ کل شیء قدير کہے پھر دعائیں مانگے اور دعا کو سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العالمین سے ختم کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ذکر طویل اور دعائیں وہ سنتوں کے بعد ہونا چاہیے۔ فرضوں کے بعد تو دعا ہی نہیں صرف حمد و ثنا الہی کے مختصر کلمات ہیں اور وہ بھی فرض و سنت کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ حقیقہً دعا تو سنتوں کے بعد ہی ہے، تو یہ دعا دعائیں ہی نہیں بلکہ

اس سے یہ جواب کسی دوسرے صاحب کا ہے، حضرت مفتی صاحب کا جواب آگے آرہا ہے ۱۲ مرتب



یہ وہی دُعا ہے جس کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہیے کہ دعا عباد کا مغز ہے۔ رواہ الترمذی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الدعاء عم العبادۃ، لہذا امام اور مقتدی جو دعائنتوں کے پڑھنے کے بعد مانگتے ہیں یہ دعا بالکل جائز ہے احادیث سے ثابت ہے مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس قسم کی دعاؤں کا ذکر موجود ہے۔ اب چونکہ یہ مقام مقام دُعا کا ہے۔ جب اپنی دنیا و آخرت اور اپنی جان و مال و اولاد و دفع مصائب وغیرہ کی دعا مانگ رہا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی دعا مانگ لینا چاہیے اور اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ اپنے لئے دُعا مانگنے کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کا ثواب حضور کو بخشنے کے لئے دعا کی اس میں کیا قباحت پیدا ہو گئی جو اس سے انکار کیا جاتا ہے تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حنفی آیت ومن یشفع شفاعۃً حسنۃً الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ وغیرھا دعاء من العبد لمصلیٰ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم عن ظہر الغیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں اور نماز کے علاوہ درود بھیجنا یہ حضور کے لئے غائباً دُعا ہے۔ پھر فرماتے ہیں ولہذا جواز الحنفیۃ قراءۃ الفاتحۃ للروح المطہرۃ علیہا السلام اسی واسطے حنفیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔

یہ دُعا تلاوت سورت فاتحہ ہوئی اور اسکے لئے ایصال ثواب کی دُعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منها شیء حتیٰ تصلی علی نبیہ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) دُعا آسمان و زمین کے درمیان رہتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ لہذا درود پڑھا گیا اور مقام درود یاد دلانے کے لئے جس طرح اردو میں کہتے ہیں کہ درود شریف پڑھئے۔ قرآن کی آیت تلاوت کر دی ان اللہ وملتکۃ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً اور آخر میں سبحان ربک ربّ العزّۃ عما یصفون الآیۃ پڑھ کر ختم کر دی گئی جس کے متعلق اوپر فقہ حنفی سے بتایا گیا کہ دُعا اسی آیت پر ختم کرے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو یہاں رائج ہے۔ اس کا ایک ایک جز احادیث اور فقہ حنفی سے ثابت ہے اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث و فقہ حنفی سے لاعلمی کی دلیل ہے یہاں تک ان نمازوں کے متعلق بتایا گیا ہے جن کے بعد سنتیں ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں وہاں تو دعا رثانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلی ہی دُعا ہے۔ اگرچہ اور نمازوں میں وہ پہلی ہی دُعا ہے۔ فرضوں کے بعد ذکر الہی کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم



## الجوبہ ومنہ الصلوة والصواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل کے بعد دعائے مانگنا احادیث سے ثابت ہے اور کبھی اتفاقاً کسی نے امام کے ساتھ دعائے مانگ لی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کلام تو اس میں ہے کہ ساری جماعت امام کے فارغ ہونے تک منتظر بیٹھی رہتی ہے اور اس کا اس قدر التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے اٹھ جانے کو مہیوب سمجھا جاتا ہے اور اس پر انکار اور لعن طعن کیا جاتا ہے۔ اگر امام زیادہ دیر تک نوافل میں مشغول رہا تو بھی کافی دیر تک انتظار کی زحمت اٹھائی جاتی ہے۔ امام بھی اس قدر التزام کرتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک نوافل ادا بین وغیرہ پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے دعائے مانگ کر مقتدیوں کو فارغ کر کے مزید نوافل میں مشغول ہوتا ہے غرضیکہ امام اور مقتدین دونوں کی طرف سے مثل واجب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پھر دعا میں بھی مخصوص طریق (جو سوال میں مذکور ہے) کا التزام کیا جاتا ہے۔ امام کے ساتھ ہیئت اجتماعیہ دعائے مانگنا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں جس کا وجود ہی ثابت نہ ہو اسے وجوب کا درجہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو امر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون مشہود لہما بالخیر سے ثابت نہ ہو اسے ثواب تصور کرنا یہ سمجھنے کے مترادف ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دین کو سمجھا نہیں یا پوری طرح پہنچایا نہیں اسلئے دین ناقص رہا جس کی تکمیل آج ہم کر رہے ہیں۔ حالانکہ ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ یہ لوگ اپنے عمل سے اس آیت کریمہ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ چونکہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہو چکا تھا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”من أحدث فی امرنا ہذا فہو رد“ اور فرمایا ”علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدين المہدیین عضو علیہا بالنواجذ“ اور فرمایا ”کل محدثہ بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار“

دو امر ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے مباح بلکہ مندوب امور بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔  
 (۱) التزام خواہ نفس فعل کا ہو یا کسی خاص زمان یا مکان یا ہیئت و کیفیت کا۔ قال  
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلة الجمعة بالقیام ولا یوم الجمعة بالصیام و  
 قال فی شرح التنویر کل مباح یؤدی الیہ (الحی الوجوب) فمکروہ (الدار المختار آخر  
 باب سجود التلاوة) وقال الطیبی فی شرح المشکوۃ فی التزام الانصراف عن الیمین  
 بعد الصلوة ان من اصر علی امر من ذب وجعلہ عن ما ولہ یعمل بالرخصة فقد اصاب



منہ الشیطان (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲)

(۲) کوئی مباح یا مندوب فعل ایسی کیفیت سے کیا جائے کہ عبادت منصوصہ پر زیادتی کا موسم ہو مثلاً سجدہ عبادت ہے مگر نماز کے بعد موسم زیادہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے قال فی الہندیۃ واما اذا سجد بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ وما یفعل عقبہ الصلوۃ مکروہ لہذا فی الزاہدی (عالمگیریہ آخر باب سجود التلاوتہ)

اسی طرح میت کے لئے دعا مانگنا ثواب ہے مگر صلوۃ جنازہ کے بعد مکروہ ہے۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنائزۃ لانتہا یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنائزۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لعلی القاری)

دعا، سجود عنہا میں عدم جواز کے دونوں سبب موجود ہیں التزام بھی اور موسم زیادہ ہونا بھی۔ اگر یہ دعا ثابت ہوتی اور مندوب بھی ہوتی تب بھی ناجائز ہو جاتی چہ جائیکہ اسکا ثبوت اور وجود ہی نہیں۔

اس کے بعد مجوزین کی تحریر کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔

قولہ ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد طویل دُعا مانگے الخ

اقول اس سے کس کو انکار ہے؟ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دُعا مانگنا مسنون ہے اس پر کوئی دلیل لائیے۔ شرح التئور کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں بھی حالت اجتماع پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلائل ذیل سے ان ادعیہ طویلہ کا بحالت الفساد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) نوافل کے بعد اور ادو ادعیہ احادیث سے ثابت ہیں۔ اگر بحالت اجتماعیہ ان کا وجود کبھی بھی ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، عادات اور حلیہ تک کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو فصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باب عبادت میں کیا ہو اور پھر پانچ دفعہ روزانہ واقع ہوتا رہا ہو۔ رأس العبادات اور مجمع عام میں اسکا وقوع ہوتا رہا ہو۔ اس کو کسی متنفس نے بھی روایت نہ کیا؟

(۲) نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسی پر عمل تھا اس حالت میں ظاہر ہے کہ دُعا بعد نوافل افرادِ اہل ہو سکتی ہے۔ قال فی الشامیۃ ان الاحسن من ذلک کلہ تطوعہ فی منزلہ لما فی سنن ابی داود باسناد صحیح صلوۃ



المرو فی بیتہ افضل من صلوٰۃ فی مسجدی هذا الا المکتوبۃ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۶)  
جبکہ گھر میں نوافل پڑھنا مسجد نبوی بلکہ تبصریح فقہاء مسجد حرام میں پڑھنے سے بھی افضل ہے  
تو دیگر مساجد سے تو بطریق اولیٰ افضل ہوگا۔

(۳) اگر کوئی اسکا ثبوت ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ضرور اس کی تصریح فرماتے۔ مگر یہ فقہ  
کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر فقہاء کا ذکر نہ کرنا عدم ثبوت کی دلیل ہے  
جیسے کہ فقہاء کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے

قولہ لہذا امام اردو مقتدی الخ

اقول مطلقاً اس دعا کے جواز میں کلام نہیں۔ بحث بھیئت اجتماعیہ کے جواز میں ہے  
جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

قولہ اب چونکہ الخ

اقول اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا میں سورۃ الحمد اور درود شریف پڑھنا موجب خیر و  
برکت ہے مگر اس کا التزام بھیئت مخصوصہ بدعت ہے۔

قولہ اس کا ایک ایک جز احادیث اور فقہ حنفی سے ثابت ہے۔

اقول مطلق دعا بصورت افراد کے سوا کوئی چیز بھی کسی حدیث یا کسی جزئیہ فقہیہ سے  
ثابت نہیں ہو سکتی۔

قولہ اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث و فقہ حنفی سے  
لا علمی کی دلیل ہے۔

اقول مجوزین حضرات سے استدعا ہے کہ کوئی ضعیف سے ضعیف صریح حدیث یا کوئی مرجوح  
سے مرجوح جزئیہ فقہیہ تحریر فرمائیں جس میں بحالت اجتماعیہ دعا کی صراحت ہو۔ حدیث و  
فقہ کے ذخیرہ سے کوئی ایک صریح جزئیہ پیش فرما کر تحریر علمی کی داد حاصل کریں۔ ورنہ خطر اقتاد۔

فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

۱۶ ذی قعدۃ الحرام سنہ ۱۳۷۶ھ

تین دفعہ دعا مانگنے کا التزام

سوال: اس علاقہ میں دعا میں تین دفعہ ہاتھ اٹھانے کا التزام کیا جاتا ہے اور استدلال میں  
مسلم کتاب الجنائز کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع میں تین دفعہ ہاتھ



اٹھا کر دعا مانگی۔ اس حدیث کی توجیہ بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیٹنوا توجروا

الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقَةُ وَالصَّوْمُ

بقیع دالی حدیث کے مندرجہ ذیل جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

(۱) واقعہ واحدہ اتفاقیہ سے التزام پر استدلال درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جواز بلا التزام ثابت ہوگا۔ التزام بہر حال ناجائز ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ مختلف قبور پر متعدد دفعہ رفع ایدی ہوا ہو۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ایک دفعہ دعا ختم کر نیچے بعد جدید دعا کا کوئی خاص داعیہ (مثلاً مزید رقت قلب و شان رحمت) پیدا ہوا ہو، اسی طرح دوسری دعا ختم کر نیچے بعد تیسری دفعہ رفع ایدی خاص داعیہ کے تحت ہو۔

(۴) ممکن ہے کہ اس میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو یا اس طور کہ پہلے خصوصی شفاعت کے طور پر دعا فرمائی ہو ختم کرنے پر پھر مزید دعا کرنے کا امر الہی ہوتا گیا، ان توجیہات کی ضرورت اس لئے ہے کہ اصل میں حدیث کا مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے صحابہ تابعین اور ائمہ کے قول و عمل کا ملاحظہ ضروری ہے۔ جو کام عبادت سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں صحابہ کے روبرو کیا ہو۔ پھر دعا کا واقعہ کوئی عمر بھر میں ایک آدھ نہیں بلکہ دن میں کئی مرتبہ کا ہے۔ پس اگر تثلیث کا کوئی ثبوت ہوتا اور صحابہ اسے ثواب سمجھتے تو ضرور اسے نقل کرتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ امت میں سے کسی نے نہ اسے نقل کیا اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب المرجب سنہ ۱۴۵ھ

نوافل کے بعد اجتماعی دعا

سوالے : دوسری دعا بعد از نوافل مقتدیوں کو امام کے ساتھ ملکر کرنا۔ نور الایضاح کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے ویستحب للامام بعد سلام ان یتحول الی یسارہ للتطوع بعد الفرض وان یتقبل بعد الناس (الئے قولہ) ثم یدعون (انفسہم) الخ اسکا کیا جواب ہے؟

بیٹنوا توجروا

الجَوَابُ بِاسْمِ عَلَمِ الصَّوْمِ

نور الایضاح کی عبارت میں صرف دعا بعد النوافل کا ذکر ہے یہ نہیں لکھا کہ امام اور مقتدی ملکر



دعا کریں، یعنی سب لوگ دعا کریں مگر امام کے ساتھ مقتدیوں کا تعلق ہو اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ مثلاً نماز فجر کے بعد متعدد لوگ بیک وقت تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں بظاہر یہ تلاوت اجتماعی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر شخص اپنے طور پر اپنی تلاوت میں مشغول ہے کسی کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ ابتدا ایک ساتھ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ انتہا، بلکہ ہر شخص اپنی فرصت و ہمت کے مطابق تلاوت کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فرض کے بعد والی دعا بھی امام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں اگر اتفاقاً امام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ التزام کی وجہ سے یہ فعل بدعت ہو جائیگا قاعدہ فقہیہ ہے کہ کسی مباح یا مندوب فعل کا لوگ التزام کرنے لگیں تو وہ ناجائز ہو جاتا ہے فرض اور نوافل میں اتنا فرق ہے کہ نوافل کے بعد امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے میں التزام کا جو مظاہرہ اور دیگر قبائح پائے جاتے ہیں وہ فرائض کے بعد کی دعا میں نہیں مثلاً

(۱) فرائض کے بعد سنن و نوافل گھر میں جا کر پڑھنا افضل ہے مگر نوافل کے بعد اجتماعی دعا کے لئے اس فضیلت کو چھوڑ کر امام اور مقتدی مسجد ہی میں نوافل پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) نوافل کی تعداد رکعات اور ان میں مقدار تلاوت میں مختلف لوگ ہمت و فرصت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں مگر اجتماعی دعا کا التزام سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چنانچہ کوئی پہلے فارغ ہو جائے تو وہ دعا کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور اگر امام یا کوئی مقتدی زیادہ نوافل پڑھنا چاہے تو وہ اجتماعی دعا سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتا ہے اس لئے نوافل کے بعد کی دعا امام کے ساتھ ملکر کرنا خصوصاً اسکا مرجع التزام بالاتفاق بدعت ہے حتیٰ کہ اہل بدعت بھی اسکے قائل نہیں، احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرضوں کے بعد امام اور مقتدی جو دعائیں گتے ہیں یہ دعا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اطراف میں امام فرض کے سلام کے بعد صرف اللہم انت السلام پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر سنتوں سے فارغ ہو کر سب ملکر دعائیں گتے ہیں۔ مؤخر الذکر فریق والے پہلے فریق پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

(۱) فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں گنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۲) فقہاء نے فرض کے بعد اللہم انت السلام الخ سے زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا،



سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریق میں سے صحیح طریق کیا ہے؟ اور فقہ وحدیث کے موافق کون؟ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ کیا نوافل وسنن کے بعد جماعت کا دعائے مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

المستفتی خاکسار خلیفہ عبدالغنی کارخانہ دار دکنی محلہ سورتگرہاں دہلی

**الجواب** فرائض کے بعد دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور فقہ میں اسکا جواز مصرح، فقط فرق یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں انکے بعد دعائے طویل نہ چاہیے، اللہم انت السلام الخ اسکے مثل پر اقتصار مناسب ہے اور اتنی تطویل کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو کبھی بھی نہ چاہیے اور سنن ونوافل سب سے فارغ ہو کر امام کا جماعت کے ساتھ دعائے مانگنا کہیں منقول نہیں، اور اسمیں یہ بھی وقت ہے کہ کچھ لوگ صرف سنتیں پڑھیں گے اور کچھ نوافل بھی، اور پڑھنے والے بعض جلد فارغ ہو جائیں گے بعض دیر میں، تو جو پہلے فارغ ہو چکے ان سے بے سبب انتظار کرانا ہوگا لہذا یہ طریق لائق ترک ہے۔ ہاں اگر مقتدی سب راضی ہو اور کسی پر ثقیل نہ ہو تو حرج اسمیں بھی کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

محمد امجد علی اعظمی رضوی ۵۲

ابوالمنظر محمد اسماعیل

(نفائس مرغوبہ تالیف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی)

فتویٰ مذکورہ کے مطابق اہل بدعت کی اکثریت بعد نوافل اجتماعی دعا پر عامل نہیں صرف دیہاتوں وغیرہ میں کچھ بدعتی لوگ اسکا التزام کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

## نمازوں کے بعد بلند آواز سے طویل دعا

سوال: ائمہ مساجد کا اس طرح دعا کرنا کہ پہلے تو فرائض کے بعد بلند آواز سے الحمد للہ سبّ العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید المرسلین پڑھے اسکے بعد اللہم انت السلام الخ پھر قرآنی دعائیں پھر درود شریف تو کیا اس طرح دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

**الجواب** باسم ملہم الصواب

دعا کے پس طریقہ میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں :



۱) اجتماعیت اور اس کا التزام -

۲) اتمام بالامام اور اس کا التزام، جبکہ شرعاً یہ صرف نماز کے ساتھ مختص ہے۔

۳) جہر امام اور اس کا التزام، قالہ اللہ تعالیٰ: ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً انہ لا یحب

المعتدین ۵ وقال حکایۃ عن زکریا علیہ السلام: اذ نادى ربه نداءً خفياً ۵

۴) مسبوقین کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

۵) جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد طویل دعا و مکروہ ہے، قال فی العلائق: ویکو

تأخیر السنۃ الا بقدر اللہ ما انت السلام الخ (رد المحتار ص ۲۹۴ ج ۱)

۶) عوام بلکہ خواص بھی اس طریق مبتدع کو مسنون سمجھتے ہیں۔

۷) اس کا فرائض سے بھی زیادہ اہتمام و التزام کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸) بادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

## میلاد مروج کی تحقیق

سوال: میلاد شریف جیسا کہ آجکل ہوتا ہے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد کرنا کہ آپ میلاد کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں اور یہ سمجھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کیا کرنا چاہیے اور اگر میلاد وغیرہ کرے تو کس طریقے سے کرے۔ خلاصہ حال فرمائیے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے اور ساری تعلیمات اسلامیہ کا خلاصہ یہی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح منحصر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بڑے سرور اور فرحت کا باعث ہے اور یہ سرور کسی وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔ ابولہب کی نوٹدی ثویبہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ابولہب کو پہنچائی تو اُس نے خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ جب سے مرا ہوں عذاب میں گرفتار ہوں مگر دو شنبہ کی شب کو چونکہ میں نے میلاد نبی کی خوشی کی تھی اس لئے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کے لئے میلاد نبی کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو گئی تو جو کوئی اُمتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسب وسعت آپ کی محبت میں خرچ کرے تو کیونکر اعلیٰ مراتب



حاصل نہ کریگا۔ پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز وعظا و درس بغیر پابندی رسوم کے کرے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا مگر اس زمانہ میں محفل میلاد میں مندرجہ ذیل وجوہ باعث عدم جواز ہیں۔

(الف) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور یہ صریح کفر ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور فقہ کی عبارات سے بھی ثابت ہے۔ من قال ان ارواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر (بنزازہ) ذکر الحنفیہ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يعلم الغیب لمعلم ضمتہ قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (شرح فقہ اکبر) یہ مسئلہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نکاح کرتے وقت کہا کہ میرے گواہ خدا اور رسول ہیں تو یہ شخص کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔ (فتاویٰ قاضی خان البحر الرائق وغیرہ)

غرضیکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر سے قرآن، احادیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔  
(ب) محفل میلاد میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور خود محفل میلاد کو بھی واجب کا درجہ دیا جاتا ہے جب کسی جائز کام کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو یہ کام مکروہ ہو جاتا ہے کل مباح یؤدی الیہ (الی الوجوب) فمکروہ (الدر المختار ج ۱)

(ج) معین مہینے اور مقرر تاریخ پر میلاد کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے حالانکہ جب شریعت نے کوئی خاص مہینہ اور تاریخ معین نہیں کی تو اپنی طرف سے شریعت میں زیادتی کرنا ناجائز ہے صحیح مسلم میں روایت ہے لا تختصوا الیلة الجمعة بقیام من بین الیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام۔

غرضیکہ مذکورہ بالا مفسدات سے احتراز کرتے ہوئے اگر محفل میلاد قائم کی جائے تو موجب خیر و برکت اور کارِ ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

استقام مروج کا حکم

سوال: نماز جنازہ کے بعد ملا قرآن اٹھا کر مروج طریقے سے جو دعائیں وغیرہ پڑھتا ہے جسے سندھ کے عرف میں قرآن بخشنا کہتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟



## الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہود لها بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة جو فعل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو پوری طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم حضور سے دین کے مسائل کو زیادہ سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم ان بھی غلط ہے۔ غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعة ضلالة جیسا کہ رکعات فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی حرام ہے۔ نیز اس اسقاط کی قبیح رسم سے لوگوں کی جرأت معاصی پر بڑھتی ہے کمالا یخفی۔ قال فی رد المحتل ونص علیہ فی تبیین المحکم فقال لا یجب علی الولی فعله لدوروان اوصی بہ المیت والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بہما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل و امر بالدور و ترک بقية الثلث للورثة او تبرع بہ غیرہم فقد اثم بترك ما وجب علیہ - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۷۲ھ

## مثل سوال بالا

سوال: اسقاط مروج کا کیا حکم ہے؟ نور الایضاح میں جائز لکھا ہے۔ بتینواتوجروا

## الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

جائز نہیں۔ قال فی الشامیة ونص علیہ فی تبیین المحاکم فقال لا یجب علی الولی فعله الدوروان اوصی بہ المیت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بہما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل و امر بالدور و ترک بقية الثلث للورثة او تبرع بہ غیرہم فقد اثم بترك ما وجب علیہ اھ وبہ ظہر حال وصایا اھل زماننا فان الواحد منهم یكون فی ذمته صلوات كثيرة وغیرھا من زکوۃ وامنح وایمان ویوصل لک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته لقراءة الختمات والتهالیل التي نص علمائنا علی عدم صحۃ الوصیۃ بها الخ (رد المحتل ج ۱ باب قضاء الفوائت)

شامی یاد گیر فقہار نے جو اجازت دی ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اسوقت جائز ہے جبکہ



ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس حیلہ سے عوام کا عقیدہ فاسد نہ ہو، اس وقت جو اسقاط مروج ہے اس میں اولاً تو تملیک فقرا، اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی ثانیاً اس سے فساد عقیدہ لازم آتا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے بھی اعمال تکفین میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے۔ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے کما صرح بہ فی الشامیۃ وغیرہا۔ رابعاً ثلث مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا، حالانکہ اتمام ثلث تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ اتمام ثلث کے بعد بھی فدیہ باقی رہے تو اس حالت میں فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی مگر فی زمانہ فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۲ھ

اکٹھے ہو کر جہراً ذکر کرنا اور وجد میں آنا

سوال: آجکل عام پیروں میں مروج ہے کہ لوگوں کو جمع کر کے باواز بلند ذکر کرواتے ہیں اور بہت سے لوگ وجد میں آکر خوب اُچھلتے کودتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس کا شرع میں کوئی ثبوت نہیں۔ جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زمانہ مروج ہے یہ مکروہ ہے لما فی شرح التنویر ہل یکرہ رفع الصوت بالنکر والدعاء قبل نعم وقل فی الشامیۃ (قوله قبل نعم) یشعر بضعفه مع انہ مشی علیہ فہ لم یختار الملتقی فقال معن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کرہ رفع الصوت عند قراءة القرآن بالمخازاة والزحف والتذکیر فیما ظنک عند الغناء الذی یسمونه وجداً ومحبة فانتہ مکروہ لا اصل لہ فہ لم یکن اھ والیضاً فیہا قبیل فصل فی اللبس وما یفعلہ متصوفة زماننا حرام لا یجوز یقصد والجلوس الیہ الخ (شامیہ کتاب المخطر والاباحۃ ج ۵) بریقہ محمودیہ جلد ۲ میں مروج وجد پر بہت زیادہ رد کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رذی قعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ



## میّت کے سینہ پر کلمہ شہادت لکھنا

سوال: میّت کے سینہ یا پیشانی پر کلمہ شہادت لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز نہیں۔ اس لئے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ البتہ اگر بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی سے میت کے سینہ پر لکھا جائے اس طرح کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ فی نفسہ جائز ہے۔ مگر آجکل لوگوں کے عقیدہ کا فساد ظاہر ہے۔ اسے ضروری خیال کرتے ہیں اور ایسے امور سے معاصی پر جرات کرنے لگتے ہیں لہذا اس طریقے سے لکھنا بھی جائز نہیں۔ قال فی الشامیة وقد افق ابن الصلاح بانہ لا يجوز ان يكتب علی الکفن یسین والکھف ونحوهما خوفا من صلید المیت والقیاس المذکور (علی انہ کان مکتوبا علی اخاذ الا فراس فی اصطبل الفاروق جس فی سبیل اللہ وایضا یقاس علی کتابۃ اللہ فی اهل الزکوۃ) ممنوع لانہ لفظ قد ثمر التمییز وهذا التبرک فالاسماء المعظمة باقیۃ علی حالها فلا يجوز تعريضها للنجاسة والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یجوز بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک وقد مناقبیل باب المیاء عن الفتح انہ تکرر کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والمجدران وما یفرش وما ذلک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اہانة فامنع ہنا بالاولی ما لم یشتب عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت فتأمل نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرح انہ مما ینکب علی جہۃ المیت بغیر موداد بالاصبع المسبحة بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلی الصلوات لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبلہ لتکفینہ اھ واللہ اعلم (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۲ ہجری

## دفن کے بعد بالالتزام تین دفعہ دعائیں لکھنا

سوال: ہمارے ملک میں رواج ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر پر دعائیں لکھتے ہیں اور پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر دوبارہ دعائیں لکھتے ہیں۔ پھر چند قدم ہٹ کر تیسری دفعہ دعائیں لکھتے ہیں اسکا التزام کیا جاتا ہے۔ کیا یہ امر شرعاً جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

دفن کے بعد بدوں ہاتھ اٹھائے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے،



کما فی سنن ابی داود کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفرہم الاخیکم واسألوا اللہ له التثبیت فانہ الآن یسأل الہ (رد المحتار ج ۱) ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ دعا کرنا پھر اس کا التزام اور ہر دفعہ چند قدم پیچھے ہٹنا بدعت ہے اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۲ھ

دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے

سوال: دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق امداد الفتاویٰ حصہ اول میں جائز لکھا ہے تو کیا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ نے منفرد کے لئے لکھا ہے یا اجتماعی طور پر بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے بوقت زیارت قبور دعا میں رفع یدین سے متعلق یوں استدلال کیا، قال فی الفتح والسنة زیارتھا قائما والدعاء عندھا قائما۔ وبعد اسطر تحریر عواقباً طویلاً (شامیہ ص ۸۳۳) اس سے دعا ثابت ہوئی اور دعا میں رفع یدین احادیث سے ثابت ہے لہذا اس میں بھی رفع یدین ہوگا۔ نیز صحیح مسلم کی صریح حدیث ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

فقہ کی مذکورہ بالا عبارت اور حدیث مذکور اور امداد الفتاویٰ کا فتویٰ زیارۃ القبور سے متعلق ہے نہ کہ دفن سے متعلق۔ دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا نہ حدیث سے ثابت ہے نہ فقہ سے اور نہ ہی امداد الفتاویٰ میں اسکا ذکر ہے اور نہ ہی اکابر علماء کا اس پر عمل ہے لہذا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس جواب سے رجوع جلد ۴ باب الجنائز میں ملاحظہ ہو)

غرة ربيع الاول سنہ ۱۳۸۸ھ

سوال مثل بالا

سوال: قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر لوگوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے وعن عثمان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ وقال استغفرہم الاخیکم واسألوا اللہ له التثبیت فانہ الآن



یسأل رواہ ابوداؤد وغیرہ، تو کیا اس عالم کا مناسیح ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسناً

الجواب باسم ملہم الصواب

دفن کے بعد دعائے ثابت ہے، البتہ اس دعائیں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیئے، مولوی صاحب نے دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا

سوال: عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروج ہے جائز ہے یا ناجائز؟

مخطاوی مصری صفحہ ۳۰۸ میں ذیل کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے وکن التطلب

المصافحۃ فی سنۃ عقبیہ الصلوات کلہا وعند کل لقی۔ بیوا بالبرہان توجروا

من الرحمن۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ میں بعض دیگر کتب سے بھی جواز نقل کر کے اس پر رد فرمایا ہے، مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ مصافحہ بعد الصلوٰۃ بھی چونکہ مطلق مصافحہ مسنونہ میں داخل ہے لہذا جائز ہے اگرچہ خصوصیت سے منقول من القرون المشہود لہا بالخیر نہیں۔ یہ استدلال بین البطلان ہے کیونکہ اوقات کی تخصیص زیادت فی الدین ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین عبارات جواز نقل کرنے کے بعد ان کے رد میں فرماتے ہیں۔ نقل فی تبیین المحارم عن الملقطانہ، تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولا نہا من سنن الروافضیہ — ثم نقل عن ابن حجر من الشوافع انہا بدعت مکرہۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ بینہ فاعلہا اولاً وبعثراً ثانیاً ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ہی عند لقاء المسلم لاختیہ لا فی اداء الصلوٰۃ فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما فی بہ من خلاف السنۃ انہ ثم اطلال فی ذلک فراجعۃ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۴۴۲ھ



## نماز عید کے بعد مصافحہ و معانقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروج ہے جائز ہے یا کہ ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو عوام النسا کو اس سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

- (۱) اس میں مانعت کیسی ہے اور کس درجہ کی ہے؟  
 (۲) یہ مانعت آیا نماز ادا کر نیکی فوراً بعد کے لئے ہے یا عید کا پورا دن سہیں دخل ہے؟  
 (۳) کیا معانقہ تو اس میں شامل نہیں؟ اس مسئلہ میں لوگوں میں اختلاف ہے براہ کرم جواب سے نوازیں، بیتنوا توجروا

الجبوب باسم ملہم الصوب

- (۱) یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔  
 (۲) یہ مانعت فوراً بعد نماز کے لئے ہے، کیونکہ یہ فعل شائع علیہ السلام سے ثابت نہیں  
 (۳) معانقہ بھی اس میں شامل ہے یعنی نماز کے بعد فوراً معانقہ بھی جائز نہیں، ویسے عید کے دن بوقت ملاقات مصافحہ و معانقہ درست ہے وموضع المصافحۃ فی الشراع انماھی عند لقاء المسلم لاختیہ لاف اذ بار الصلوات (شامیہ منک ۲ ج ۵)  
 بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیش نظر ہرگز جائز نہیں البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ قبول کی امید ہو ورنہ نہی عن المنکر ضروری نہیں، غرضیکہ خود نماز عید کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے۔ ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبہ بالبدعت اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رذی الحجہ سنہ ۱۳۸۸ھ

## نمازوں کے بعد مصافحہ

سوال: فجر کی نماز کے بعد چند لڑکے اور بڑے حضرات صف بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد سے نکلنے والے مصلیٰ ان سے سلسلہ وار مصافحہ کرتے ہیں یہ عمل کچھ عرصے سے ہر روز بعد نماز فجر بالالتزام کیا جا رہا ہے۔ کیا اس عمل کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین نے کیا ہے اس عمل کو نیکی اور باعث ثواب سمجھنا کیسا ہے؟ منع کرنے کے باوجود اس عمل



کو جاری رکھیں تو منع کرنے والے پر مزید کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اول ملاقات ہے۔ نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے اس لئے اس سے احتراز واجب ہے بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحت لکھا ہے کہ اس بدعت کے مرتکب کو بذریعہ زجر و توبیخ روکنے کی کوشش کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بشرط قدرت اسے سزا دی جائے۔ البتہ جہاں روکنے کی قدرت نہ ہو وہاں روکنا ضروری نہیں، نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکلی حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولا ہا من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر من الشوافع انہا بدعة مکروہۃ لا اصل لہا فی الشیع وانما ینبہ فاعلہا اولاً وبعث ثانیاً ثم قال وقال ابن الحلیج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ہی عند لقاء المسلم لاختیہ لافی اذ بار الصلوۃ فحیت وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ ثم اطلال فی ذلک فراجعۃ (رد المحتار ج ۵ ص ۲) فقط والشرع لای اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۳۳ھ

اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس طعام کے بارے میں جسے اہل میت تیار کر کے لوگوں کی دعوت کرتے ہیں۔ شادی کی طرح اس موقع پر بھی خویش و اقارب اور احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور اس رسم کو ضروری سمجھا جاتا ہے بیٹنوا بیانا شافیا۔ توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ دعوت مرنے والا جائز اور بدعت ہے بچند وجوہ۔

(۱) یہ حقیقت میں ہنود کی رسم ہے پس اس میں تشبہ بالہنود ہے۔

(۲) شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں۔ کتب فقہ میں تصریح ہے۔ ان

الدعوة شرعت فی السرور لا فی الشرور۔



(۳) اس دعوت کو لازم سمجھا جاتا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے۔

(۴) دعوت پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس میں عموماً نابالغ یتامی کا حصہ بھی ہوتا ہے۔

والذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً انما یا کلون فی بطونہم ناراً وسیصلون سعیراً  
نابالغ کا مال صدقہ و خیرات دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔

(۵) اس دعوت سے مقصود ایصالِ ثواب نہیں ہوتا بلکہ ریا و نمود مطلوب ہوتی ہے۔ یا

لوگوں کے طعن و تشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے جو کہ شرک صغر ہے۔ ایصالِ ثواب مقصود  
نہ ہونے پر چند قرائن ہیں۔

(الف) اخفار صدقہ افضل ہے۔ اس کے باوجود اگر اخفار کی ترغیب ان لوگوں کو دی جائے

تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(ب) صدقہ بصورت نقد زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخفار بھی سہل ہے اور فقراء کے

لئے نافع بھی زیادہ ہے کہ جیسی ضرورت ہوگی اس نقد رقم سے پوری ہو سکے گی۔ اور اگر حالاً

کوئی ضرورت نہیں تو نقد رقم وقت ضرورت کے لئے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ فوائد دعوت

میں نہیں بلکہ بعض دفعہ کھانا مضر بھی ہوتا ہے معہذا نقد صدقہ سے ایصالِ ثواب پر کوئی

راضی نہیں۔

دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیش نظر اسے

صدقہ دیا جائے، یعنی مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ، ٹکٹ، زاد وغیرہ۔ بھوکے کو طعام اور برہنہ کو

لباس، جوتا، موسم سرما میں بے سرو سامان کو کبیل، رزائی وغیرہ۔ غرضیکہ دفع ضرورت کا خیال کھا

جائے۔ مگر یہاں تو بہر کیف کھانا ہی کھلانا ہے۔ خواہ مریض بلا دوا کے کراہ رہا ہو۔ برہنہ جسم سردی

سے ٹھٹھرا رہا ہو یا شدت گرمی سے جلا جا رہا ہو۔ مسافر منزل مقصود تک پہنچنے سے لاچار و مجبور ہونے

کی وجہ سے پریشان ہو۔ اگر ان لوگوں کو دعوت کی بجائے صحیح طریق صدقہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، جو

فقرار کے لئے بھی نافع ہو اور میت کے لئے بھی اور خود صدقہ کرنے والوں کے لئے بھی تو جواب ملے گا،

کہ دعوت نہ کرنے کی صورت میں برادری ناراض ہو جائے گی۔ ہماری ناک کٹ جائے گی، لوگ

کہیں گے ”مُر گیا مردود نہ ختم نہ درود“

(ج) مگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقرار و مساکین کو مقدم سمجھا جاتا، حالانکہ ہوتا یہ ہے

کہ اقربار و احباب کا اجتماع ہوتا ہے یا پھر اصحابِ اقتدار اور اہل ثروت لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے



فقرا تو صرف برائے نام ہوتے ہیں بلکہ کئی مواضع پر تو برائے نام بھی کوئی فقیر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اس دعوت کو کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ ایصال ثواب کے لئے ہے۔

قال فی الشامیۃ معزیۃ الی الفتح وبکرة اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیحة اھ وفي البزاریہ وبکرة اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن (الی قولہ) واطال فی ذلک فی المعراج و قال هذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بها وجه اللہ تعالیٰ اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶)

اس موقع پر "فتاویٰ رشیدیہ" سے ایک تحقیق کا نقل کر دینا مفید ہوگا۔ وہ ہذا تقریر مولانا حیدر علی صاحب مرحوم ٹونکی، تلمیذ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ طعام مہمانی کہ از پس موتی پرند اول ایں خود نارد و او مکروہ تحریمی ست بچند وجہ یکے آنکہ در بحر الرأق و دیگر کتب تصریح کردہ اند کہ ضیافت و مہمانی در سرور و شادی مشروع ست نہ در شرور و مصائب غمی، فرستادن طعام روز اول بخانہ کیسکہ موت شدہ باشد مسنون ست نہ آنکہ ازاں کس طعام طلب کنند صریحاً یا آنکہ اگر او نیز دطعن برو کنند کہ ہم طلب است پس بخوف ایں طلب او طعام پختہ میکند۔ دوم آنکہ در حدیث جریر بن عبد اللہ بجلی است کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیحة، یعنی ما ہمہ اصحاب جمع شدن مردم را نزد اهل میت سوای خدمت تجمیز و تحفین و ایں کہ طیار کنند اهل میت طعام را از نوحہ می شمردیم و نوحہ خود حرام است، پس ایں اجتماع مردم و ساختن طعام ہم نارد و ادرام خواهد بود سوم آنکہ در کتب شرع مصرح ست کہ ایں صنع طعام از اهل میت از رسوم و عادات جاہلیت عرب بود و چون اسلام آمد ایں رسم جاہلیت موقوف گردند لہذا در عہد صحابہ و تابعین ایں رسم منقول نیست، پس آنچه در میان کلمہ گویان عوام رسم سوم و دوم و بتم و چہلم و ششماہی و سال رواج یافتہ ہمہ نارد و است و اجتناب از اں ضروری ست، مادور سال صغیر و جز بکیرہ دو از دہ جز، در عدم جواز ایں بحث طعام نوشتہ ایم و بعد از آنکہ ایں طعام خبیث پختہ شد بجز فقیر و محتاج دیگرے نخورد۔ زیر آنکہ حکم مال خبیث ہمیں تصدق بر فقرا ست، باید دانست کہ صدقات برائے اموات بسیار مفید ست در مذہب حق اہل سنت و جماعت، لیکن



مفید بشرطے است کہ اس صدقات موافق حکم شرع باشند چنانکہ بنا چاہ و مسجد و نقد و لباس و غلات و غیرہ از مال حلال بفقراء و دادن کہ اس امور بالاتفاق جائز است و مفید بہوتی و اگر طعام بختہ بفقراء حوالہ سازند یا بمسجد و خانقاہ بفقراء بفرستند نزد بعضے جائز و نزد بعضے اس ہم غیر جائز بالجملہ اس صورت مختلف فیہا است۔ اما در خانہ بطور مہمانی خورائیدن خوردندگان خواہ فقراء باشند خواہ اغنیاء نزد ہیچ کس جائز نیست کہ اس رسم جاہلیت عرب و رسم تمام ہنود ہندوستان است دریں تشبیہ بکفار است و سابق حدیث نوشتہ ایم کہ من تشبہ بقوم فهو منهم الحدیث۔ یہ فتویٰ صحیح ہے یا غیر صحیح اسکا جواب ارشاد فرمائیے۔

### جواب

رشید  
احسن

بندہ کے نزدیک صحیح ہے اور تشبہ اس میں حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو، فقط

(فتاویٰ رشید یہ ص ۴۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ ارشوال سنہ ۱۴۱۱ھ

### طعام میت متعلق ایک حدیث کا جواب

سوال: مشکوٰۃ کتاب الفتن باب المعجزات فصل ثالث میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو میت کی بیوی نے آپ کی دعوت کی، اس سے جواز دعوت برائے ایصال ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وفيہ نظر فائدہ واقفہ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی منقول فی مذہبنا و مذہب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلہ استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراہۃ ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغیراً او غائباً مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کالقیاد الشموع والقنادیل لئلا لا توجد فی الافراح الم (مرح المحتار ج ۱ ص ۶۶۴)

بہتر جواب یہ ہے کہ کاتب کی غلطی سے بجائے لفظ امراۃ بلا اضافت کے امرأتہ بلا اضافت لکھا گیا ہے چنانچہ ابوداؤد جلد دوم کتاب البیوع ص ۱۱ اور طحاوی جلد دوم باب الحوم الحمراہیۃ کتاب الصيد والذبائح میں امرأۃ بلا اضافت ہے۔ صاحب مشکوٰۃ ناقل ہیں ابوداؤد سے



لہذا بوقت تعارض ابوداؤد ہی کی روایت کا اعتبار ہوگا۔ پس استدلال کی بنا ہی منہدم ہوگئی  
نیز اگر ایصال ثواب کے اس طریق مخصوص کی کوئی اصل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور  
اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ صحابہ و تابعین و من بعدہم کسی سے بھی اس رسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،  
اس کے برعکس حضرت جریر فرماتے ہیں۔ کنا بعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام  
من النبلحة۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربيع الاول ۱۳۴۹ھ

### طعام میت سے متعلق بعض عبارات کا جواب

سوال: میت کے گھرتین ایام تک اتخاذ طعام وغیرہ کے ممنوع ہونے پر فقہار نے حضرت  
جریر رضی اللہ عنہ کی روایت کنا بعد الاجتماع عند اهل الميت وصنعهم الطعام من النبلحة  
اور دوسری روایت لا حق فی لا سلاہ، تیسری دلیل لانه شرع فی السور ولا فی الشرور چوتھی  
دلیل، یہ زمانہ جہالت کی رسم تھی اسلام نے اس سے منع فرمادیا۔ پانچویں دلیل یہ کہ مذاہب  
اربعہ میں اس طعام کو ناجائز قرار دیا گیا ہے لہذا کسی مقلد کو اس میں بحث کرنے کا حق حاصل  
نہیں وغیرہ پیش کی ہیں۔

ان دلائل کی عمومیت کا تقاضا یہ ہے کہ اتخاذ الطعام چاہے فقرا کے لئے ہو یا غیر فقرا  
کے لئے، جائز نہیں۔ جیسا کہ فقہار نے اسی پر زور دیا ہے لیکن صاحب بزاز نے کتاب الاستحسان  
میں لکھا ہے وان اتخذ للفقراء کانت حسنا، اسی طرح قاضیخان کا بھی ایک قول ہے، صاحب  
برقیہ نے قاضیخان کے اس قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فقرا کو ان کے گھر پہنچادیں، اس  
تاویل کی ضرورت یہ بتائی ہے کہ یہ قول روایات بالا کے مخالف ہے جیسا کہ ظاہر ہے اب  
پوچھنا یہ ہے کہ بزاز یہ اور قاضیخان نے کس بنا پر فقرا کے لئے جواز کا قول نقل کیا ہے اور اسکا  
کیا جواب ہے۔ نیز اس دور کے بعض مفتی صاحبان عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں تو ساتھ  
ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اگر فقرا کے لئے کھانے کا انتظام کیا تو موجب اجر ہے یہ فرمانا کس  
بنا پر ہے اور کہاں تک صحیح ہے۔ حالانکہ اگر فقرا کے لئے جواز کا فتویٰ دیا تو عام حرمت  
کی صورتیں عمل میں لائی جائیں گی۔ نیز اصل مسئلہ میں علامہ حلبی شارح منیہ جواز کے  
قابل ہیں۔ اور علامہ طحطاوی نے بھی جواز کے اس قول کو نقل فرمایا ہے اسکا کیا جواب ہوگا  
امیکہ کہ مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں گے۔ بیتواتوجروا



## الجواب باسم ملہم الصواب

بزار یہ میں ویکو اتخاذ الضیاقۃ فی ایام المصیبة کے بعد وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً کو ذکر کرنا واضح دلیل ہے کہ اس سے مراد فقرار کے گھر پہنچانا ہے۔ جلی نے ابو داؤد کی جس حدیث سے جواز پر استدلال کیا ہے اس میں امرأۃ "ناسخ کی غلطی ہے۔ ابو داؤد میں امرأۃ ہے لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں، اگر دعوت فقرار کا جواز فی نفسہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی مروج رسم کے التزام اور دوسرے فسادات و قبائح کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

## صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا

سوال : ماہ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفا ہوئی تھی اس خوشی میں کھانا پکانا چاہیے، یہ درست ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجرو

## الجواب باسم ملہم الصواب

یہ غلط اور منگھڑت عقیدہ ہے اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۷ھ

## بغرض رقیہ اجتماعی ختم

سوال : پچھلے دنوں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا، اس سے بچاؤ کے لئے اور بھارت کی مغلوبی اور پاکستان کی فتح و نصرت کے لئے لوگوں نے اجتماعی طور پر قرآن پاک پڑھا، اکائیس مرتبہ سورہ یسین پڑھی اور سو الاکھ مرتبہ آیہ کریمہ پڑھی۔ اس طرح پڑھنے پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اجتماعی طور پر پڑھنا ثابت نہیں ہے اور تعداد کی تعیین بھی غلط ہے لہذا ان بدعات کو ختم کرنا چاہیے۔ اس مسئلہ اور اس اعتراض پر شریعت کے مطابق روشنی ڈال کر رہنمائی فرمائیے۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

اس رسم میں کئی مفاسد ہیں، اصل نسخہ تو ترک سیات ہے (مفاسد کی تفصیل جلد ہفتم کتاب الاجارہ میں ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ذی تعدہ سنہ ۱۴۱۱ھ



## مرّوج قرآن خوانی

سوال: قرآن خوانی کے بعد لوگوں کو کھانا کھلا دیا جائے تو کیا یہ بھی اُجرت میں داخل ہو کر ممنوع قرار دیا جائے گا؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصّوہب

اولاً تو مرّوج قرآن خوانی ہی ایک رسم محض بن کر رہ گئی ہے۔ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو اس کے لئے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر تلاوت کر سکتا ہے اجتماع کی کیا ضرورت ہے۔ ثانیاً اگر یہ قرآن خوانی ایصالِ ثواب کے لئے ہو تو اس کی اُجرت ممنوع ہے اور کھانا کھلانے کا جہاں دستور ہو وہ بھی اُجرت میں شمار ہوگا۔ نیز ایصالِ ثواب کے لئے دعوت بذات خود بدعت ادا ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۳۳ھ

## بیماری سے شفا کے بعد قرآن خوانی

سوال: بیماری سے صحت پانے کے بعد اس خوشی میں کہ اللہ نے مجھے شفا دی ہے کچھ آدمیوں کو بلا کر قرآن خوانی کرانا جائز ہے یا نہیں اور قرآن کے ختم پر کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا اور پھر دعا خیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیٹواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصّوہب

شریعت میں اداائے شکر کے صرف دو طریقے ہیں:

(۱) خود عبادت کرنا، اور سب سے بڑی عبادت ترکِ گناہ ہے۔ دوسرے درجہ پر نفل عبادت مثلاً تلاوت، نوافل، صدقہ وغیرہ

(۲) اظہارِ مسرت کے لئے دعوت کرنا یا بچوں میں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا۔ ایسے موقع پر قرآن خوانی کرنا بدعت ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵، ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۶ھ

## افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی کی رسم

سوال: کسی دوکان یا مکان کے افتتاح یا میت کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اس میں محلہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو جمع کیا جاتا ہے اور جب تک مٹھائی یا دعوت نہ کھالیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے اسکا کیا حکم ہے؟ بیٹواتوجروا



### الجواب باسم علامہ الصَّوِّب

فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت ایصالِ ثواب کے لئے یا خیر و برکت کے لئے بلاشبہ بہت اہمیت رکھتی ہے مگر آج کل لوگوں نے اسے رسم بنالیا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اسے ضروری سمجھنا اسی طرح دعوت وغیرہ کا التزام یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۵، بحری

### ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام

سوال: ہماری طرف میت کے تیسرے دن چنوں پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر ثواب میت کو پہنچانا مروج تھا اب کچھ دنوں سے اس مروج طریقہ کو ترک کر کے میت کے دوسرے دن کسی درخت کے بیجوں پر مثلاً گھجور کی گٹھلی یا ازبک کے بیج پر پڑھ کر ثواب پہنچانا اور پھر اختتام پر شیرینی مثلاً بتاشے یا ریوڑی وغیرہ تقسیم کرنا شرعی بھی درست ہے؟ یا یہ بھی چنوں کی طرح بدعت واجب الاحترار ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

### الجواب باسم علامہ الصَّوِّب

اپنے طور پر صدقات ناقلہ یا تلاوت یا تسبیح و تہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے البتہ ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اسمیں قیود و رسوم نیز اہل میت کی طرف سے دعوت کرنا یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں و بکیرۃ اتخاذا الضیافۃ من الطعام مزاحل المیت لانہ شرع فی السرور ولا فی الشرور وھی بدعة مستفیحة و فی البلازیۃ و بکیرۃ اتخاذا الطعام فی الیوم الاول والثانی بعد الاربعۃ ونقل الطعام الى القبر فی المواسم اتخاذا لبدع تعلق القراءۃ القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم اول قراءۃ سورۃ الانعام والاحقلا ص ۱۲۷ (رد المحتار ص ۸۲ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رذی الحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ

### مروج صلوٰۃ و سلام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسوقت پاکستان کے اکثر علاقوں میں بعد نماز جمعہ اور دیگر اوقات میں بھی کھڑے ہو کر سلام پڑھنا مروج ہے جسکی



وجہ سے اکثر مقامات پر جھگڑا اور فساد بھی ہوتا ہے اور اس سے مسلمانوں کے اتحاد کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے لہذا ازراہ کرم اس مسئلہ کی قرآن و حدیث اور اجماع امت و قیاس سے تشریح فرمائیں۔ مفصلاً بحوالہ جات لکھیں اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین وغیرہ بزرگان دین کے زمانے میں یہ فعل مروج تھا یا نہیں۔ دلائل اور حوالوں سے اس مسئلہ کو پوری طرح واضح فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ بیّنوا توجروا۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

عبد الرحمن بن ابی یعلیٰ قال لقیونی کعب بن عجرة فقال الا اهدیٰ لک ہدیتا سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت بلی فاهدھا لی فقال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا یا رسول اللہ کیف الصلوة علیکم اهل البیت فانہ اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک قال قولوا اللہم صل علی محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید (متفق علیہ) الا ان مسلما لیدکر علی ابراہیم فی الموضعین۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سلام علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم تھا یعنی التحیات للہ مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا سو انھوں نے دریافت کیا اور قولاً سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں، اگر یہی مروجہ طریقہ سلام و صلوة کا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پر تعلیم دیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ مروجہ طریقہ من گڑھت ہے اور من گڑھت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے۔ اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین اور نہ تبع تابعین اور نہ بزرگان سلف صالحین سے پایا جاتا ہے۔ مہندار سعدی کہ راہ صفا: تو اں یافت جز در پیے مصطفیٰ۔ مسجد میں جمع ہو کر صلوة و سلام پڑھنے والوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعتی قرار دیا۔ فی البزازیة وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جہراً فراح الیہم فقال ما عهدنا ذلک علی عہدنا علیہ السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یدکر ذلک حتی اخرجہم عن المسجد (بزازیۃ علی ہاشم العالمگیریۃ ۳۶۴) ونقلہ عن البزازیۃ ابن عابدین ایضاً تحت (قولہ وتمامہ قبیل جنایا البزازیۃ) ونصہ عن ابن مسعود انه اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہراً وقال الیہم ما اراکم الا مبتدعین رسد المختار ص ۲۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



## سوال مثل بالا

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ اکثر مسلمان جھنور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اظہار عقیدت کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی صورت میں کرتے ہیں جو کہ بعض علماء کے نزدیک بدعت ہے۔ بیٹنوا توجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

یہ غلط ہے کہ اظہار محبت و عقیدت قیام عند التسليم سے ہوتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہونے سے ہوتا ہے۔ اظہار محبت و عقیدت تو اتباع و اطاعت سے ہوتا ہے

كما قال الله تعالى قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله وما احسن ما قيل ۵

تعصى الرسول وانت تظہر حبه

هكذا لعري في لفعال بديع

لو كان حبه صادقا لاطعته

ان المحب لمن يحب مطيع

اگر اظہار عقیدت ہی مقصود ہے تو آپ کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہو جانا چاہیے حالانکہ ہزار بار آپ کا نام سنتے ہیں مگر کھڑے نہیں ہوتے جب تک وقت مخصوص نہ آئے اور مقام مخصوص تک نہ پہنچے۔ نیز اگر اظہار محبت و عقیدت اس صورت میں ہوتا تو جب کبھی بھی آپ کا نام سنیں یا آپ کا تذکرہ ہو یا جب بھی خلوت میں درود شریف پڑھیں تو کھڑے ہو جانا چاہیے مگر کوئی بھی اس وقت کھڑا نہیں ہوتا صرف جلوت میں اجتماعی طور پر قیام کا التزام کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اظہار محبت نہیں بلکہ ریاد نمود اور خواہش پرستی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۸۸ ہجری

## سوال مثل بالا

سوال: بعض اوقات نماز کے بعد لوگ مساجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں عقیدۃ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اس کو بدعت اور دین میں اضافہ سمجھتے ہیں اس کی شرعی کیا حیثیت ہے اور کیا ایسے لوگوں کو روکا جائے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

یہ فعل بلا شبہ منکر اور بدعت ہے بلکہ کئی بدعات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً

(۱) درود شریف کے لئے وقت کی تخصیص۔

(۲) مکان کی تخصیص۔



- (۳) اجتماعی ہیئت کی تخصیص -  
 (۴) صورتِ امامت کی تخصیص -  
 (۵) کھڑے ہو کر پڑھنے کی تخصیص -  
 (۶) باواز بلند پڑھنے کی تخصیص -  
 (۷) ان سب امور کا التزام -

ان میں سے ہر فعل مستقل ایک بدعت ہے اس لئے کہ شریعتِ مطہرہ میں درود شریف کے لئے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں۔ جس کام کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس الزام اور افتراء کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، فرمایا، کَلِّمَ عِدَّةَ ضَلَالَةٍ وَكَلِّمَ ضَلَالَةَ فِي النَّارِ یعنی دین میں ہر نئی پیدا کردہ چیز گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لیجا نیوالی ہے۔ اس قسم کے منکرات اور بدعات سے مساجد کی حفاظت کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے۔  
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ شوال سنہ ۹۴، ہجری

### کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا

ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر ساری مجلس دعا کرتی ہے۔ اور نہ کرنے والوں کو بُرا بھی سمجھتے ہیں تو شرعی رد سے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے ہیں آیا ان مواقع پر ہاتھ اٹھانا قرآن و حدیث اور فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو دلائل تحریر فرمائیں، بیٹنوا توجروا۔

### الْجَوَابُ بِاسْمِ مَلِكِ الصَّوَابِ

اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مطلق دُعا کے لئے رفع یدین مستحب ہے مگر جہاں شریعت نے خاص مواقع میں خاص الفاظ کے ساتھ دعا کی تعلیم دی ہے مثلاً مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ہونے کے وقت اور سونے سے اٹھ کر بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، سوار ہوتے وقت اور بوقتِ جماع وغیرہ۔ ان مواضع میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں کھانے



کے بعد اور اذان کے بعد دعا بھی اسی قسم میں داخل ہے، مذکورہ مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے، پھر نہ کرنے والوں کو برا جاننا اور زیادہ قبیح ہے، التزام سے تو امر مستحب کا بھی ترک لازم ہو جاتا ہے۔ کما فی صحیح البخاری و مسلم و سنن ابی داؤد و النسائی و ابن ماجہ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یروی عن حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یمینہ - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

### سوال مثل بالا

سوال: کسی دعوت میں کھانا کھانے کے بعد اجتماعی طور پر اہل خانہ کے لئے دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ نیز اس بارے میں اگر کسی امام سے کوئی دلیل ثابت ہے تو تحریر فرمائیے اور اگر اس دعا کو ضروری خیال کیا جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل طعام کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بی (الئی ان قال) فقال ابی واخذ بلجام دابۃ ادع اللہ لنا فقال اللہم بک فیملئ قہم فاعفولہم فارجمہم رواہ مسلم، مگر اس میں ہاتھ اٹھانا اور اجتماعی صورت ثابت نہیں لہذا اس رسم سے اجتناب ضروری ہے اور اسے ثواب سمجھنا یا ضروری قرار دینا بدعت اور ناجائز ہے ایسے وقت مستحب فعل کا ترک کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کما فی الحدیث لا یجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ الخ وقال لقاری فی المرقاة من اصر علی امر مندوب وجعلہ عن ما ولیہ یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة ومنکر انتہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۰ھ

### چیلوں کو گوشت پھینکنا

سوال: کسی بیمار کی طرف سے بکر اصدقہ کرنا اور اسکا گوشت چیلوں کو پھینکنا کہ جلد آسانی سے روح نکل جائے یا خدا اصدقہ کی برکت سے شفا عطا فرمائے جائز ہے یا نہیں بیٹنوا توجروا



الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جہال کی خرافات میں سے ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے ہندوؤں سے لئے گئے ہیں اس کا بہت سخت گناہ ہے۔ البتہ مطلق صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ بصورت نقد زیادہ افضل ہے۔ یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دیدی جائے یا کسی کار خیر میں لگادی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۱۲۹۳ھ

بیماری سے شفا کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سخت بیمار ہے اگر اس کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس بیمار پر رحم کرے یا آسانی سے جلد روح نکل جائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو جانور کی عمر اور رنگ کی بھی کوئی تخصیص ہے یا جیسا ہو ویسا ہی جائز ہوگا؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آفات اور بیماری سے حفاظت کے لئے صدقہ و خیرات کی ترغیب آئی ہے مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہو گیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے۔ اگر کوئی عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اس میں چونکہ اس عقیدے اور بدعت کی تائید ہے لہذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ و خیرات کر دے۔ شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر غما توجہ دیں اور مدارس دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دیئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کر لینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۶ھ

کوٹڈوں کی حقیقت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۲ رجب کو کوٹڈا کرنے کی رسم کا کیا حکم ہے؟ اور شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟ بیٹنوا توجروا۔



## الجواب باسم ملاہم الصواب

کوئٹہ کی مروج رسم دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲ رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔ (طبری - استیعاب) ۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات، حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸ رمضان سنہ ۳۵ یا ۳۶ھ کی ہے اور وفات شوال ۳۸ھ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جسوقت یہ رسم ایجاد ہوئی شیعہ مسلمانوں سے مغلوب خائف تھے، اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنان حضرت معاویہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ جب اسکا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انہوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب منکھرت ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر کے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ الہادی علی سبیل الرشاد

۲۰ رجب سنہ ۸۷ ہجری

## اذان سے قبل درود شریف پڑھنا

سوال: ہماری مسجد میں سبیل سال سے نماز ہوتی ہے الحمد للہ کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا لیکن کچھ دن سے کچھ آدمی اس مسئلے پر بحث میں مبتلا ہیں کہ جس سے اس محلے اور قرب و جوار میں آپس میں کافی کشیدگی اس بات پر پھیلی ہوئی ہے کہ آیا اذان سے پہلے مؤذن باواز بلند درود شریف پڑھ کر اذان شروع کرے یا کہ مؤذن درود شریف خاموشی سے پڑھ کر اذان شروع کر دے جس سے یہ کشیدگی اور آپس کی شکر بخشی ختم ہو، کیا یہ ٹھیک ہے؟ ایسا کیا جاسکتا ہے یا درود شریف اذان کیساتھ باواز بلند پڑھ کر اذان دینا ضروری ہے؟

بیٹنوا توجروا۔



الجَوَابُ بِاسْمِ مَلَهُمُ الصَّوَابُ

درود شریف کا موقع شریعت مطہرہ نے اذان کے بعد بتایا ہے نہ کہ اذان سے پہلے، لہذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ بہر کیف ناجائز اور بدعت ہے اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز کے آخر کی بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانک اللہم الخ کی بجائے درود پڑھنے لگے اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۸ھ

اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام

سوال: الدر المختار باب الاذان میں یہ لفظ آیا ہے التسليم بعد الاذان الخ اس سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ سلام جو بریلوی پڑھتے ہیں یا کہ کچھ اور؟ بیٹنوا توجروا

الجَوَابُ بِاسْمِ مَلَهُمُ الصَّوَابُ

الدر المختار کی پوری عبارت یہ ہے (فائدة) التسليم بعد الاذان حدث في ربيع الآخر سنة سبع مائة واحدی وثمانین في عشاء ليلة الاثنين ثرميوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث في الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة قال ابن عابدين (قوله وهو بدعة حسنة) قال في النهر عن البديع والصواب من القول انهما بدعة حسنة وحكى بعض المالكية الخلاف ايضا في تسبيح المؤذنين في الثلث الاخير من اليلة وان بعضهم منع من ذلك وفيه نظرا ملخصاً (در المختار ص ۳۶۲ ج ۱) اس تسليم سے مراد وہ درود شریف ہے جس کا حکم حدیث میں وارد ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا على فاته من صلى على صلوٰۃ صلى الله عليه وسلم بها عشرًا ثم سلوا الله لي الوسيلة فانها منزلة في الجنة لا ينبغي الا لعباد الله وارحوا ان اكون انا هو فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة رواه مسلم (مشکوٰۃ المصابيح ص ۶۵ ج ۱) وفي الصحيح لمسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم الخ (الصحيح لمسلم ص ۱۶۶ ج ۱) في شرح معاني الآثار بهذا اللفاظ الا انه رآه مكان منزلة منزل زمكان حلت عليه الشفاعة، حلت له الشفاعة (شرح معاني الآثار ص ۱)



اس حدیث میں ”ثم صلوا علی“ کا امر سامعین کیساتھ مؤذن کو بھی شامل ہے۔ پس درود شریف کا ثبوت تو حدیث سے ہے البتہ اسکی کیفیت مستحدث ہے اس کیفیت کے بدعت ہونے میں عبارت مختلف ہیں صورت تطبیق یہ ہے کہ اگر اس خاص کیفیت میں مزید ثواب سمجھا جائے اور اسکا التزام نہ ہو تو جائز ہے ورنہ بلاشبہ بدعت ہے۔ قال سلطان العلماء الملا علی القاری فما یفعله المؤذنون الاذین عقب الاذان من الاعلان بالصلاة والسلام مراراً اصله سنة والکیفیه بدعة لان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر فیه کراهۃ سیما فی المسجد الحرام لتشویبہ علی لطائف المصلین المعتکفین (مرقات ص ۱۶۱)

ہمارے زمانے کے اہل بدعت نے اسکو ضروری قرار دے لیا ہے اگر کوئی نہ پڑھے تو اسے برا بھلا کہا جاتا ہے جو التزام مالا یلزم ہے۔ امام طحاوی نے اذان کے بعد مطلقاً دعا پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اسے مستحب سے زیادہ درجہ دیتے ہیں۔ نیز اکثر اہل بدعت صلوٰۃ و سلام کو اذان پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، نیز مروجہ صلوٰۃ و سلام خواہ اذان سے پہلے ہو یا بعد میں اسے بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا جاتا ہے، قطع نظر اسکے کہ ذکر میں اخفاء اولیٰ بلکہ مطلوب ہے۔ مسجد کے اندر یا اسکے قریب زور سے آواز د شور خواہ ذکر بلکہ تلاوت قرآن ہی سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ ملا علی قاری کی عبارت بطور نمونہ سمجھے گزر چکی ہے ان تمام تفصیلات سے قطع نظر چونکہ ہمارے زمانے میں بالخصوص برصغیر ہندوپاک بشمول ایران و افغانستان و بلوچستان کے مروجہ صلوٰۃ و سلام بالجہر طائفہ زائغہ بریلویہ کا شعار ہے جو اس مستحب کو فرض واجب کا مقام دیتے ہیں، اسلئے اس سے بچنا شرعاً ضروری ہے، چنانچہ فقہار نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ جب کسی مستحب کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو ایسے وقت میں اسکا ترک واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

### روزہ کشائی کی رسم

سوال: ہماری طرف یہ رواج ہے کہ جب بچے کو پہلا روزہ رکھواتے ہیں تو افطار کے وقت اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں اور ایک یا دو دیگ کھانا پکا کر دوست و احباب اور رشتہ داروں کو کھاتے ہیں اور مسجد میں، افطار کے لئے کھانا بھیجا جاتا ہے تو کیا ایسے کھانے کا ثبوت کسی حدیث سے ملے یا نہیں؟ اور طریقہ مذکورہ جائز درستی ہے یا نہیں؟ کھانا بھی درست ہو گا یا نہیں؟ بیٹو! تو حوا۔



## الجواب باسم ملہم الصواب

اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر نادین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہل عقل پر ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان سنہ ۱۲۸۸ھ

## قبر میں کیوڑھ چھڑکنا

سوال: میت کو دفن کرتے وقت قبر کے اندر کیوڑھ کی بوتل چھڑکنا درست ہے یا نہیں؟  
کہتے ہیں کہ خوشبو کی چیز ہے اور خوشبو سے میت کو سرور ہوتا ہے اسی طرح اگر بتی قبر پر یا قبر سے جُدا سگنا کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

قبر کے اندر خوشبو چھڑکنا مستحب ہے، باہر اگر بتی وغیرہ جلانا بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۴ رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ

## رمضان کے آخری جمعہ میں وداعی خطبہ پڑھنا

سوال: ماہ رمضان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں الوداع اور الفراق کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

## الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۱۲۹۵ ہجری

## مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ عیدین، نصف شعبان، رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ اور دیگر لیلی مبارکہ میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بعض مساجد میں تقریر کا بھی اہتمام ہوتا ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:



(۱) مسجد میں آکر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوت و ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے لیکن یہ نوافل اور ذکر اگر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا، بلکہ مسجد حرام و مسجد نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة المعروفیہ بیتہ افضل من صلوة فی مسجدی ہذا الا المکتوبۃ (رواہ ابوداؤد) و ایضاً عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصلوة صلوة المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ: رواہ الجماعة الا ابن ماجہ (نیل الاوطار)

(۲) مسجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو یہ بدعت ہے اس لئے کہ نوافل کے لئے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب سمجھتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے اس لئے کہ احادیث میں اسکی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے کما سر۔

(۳) لیالی مبارکہ میں مسجد میں عبادت کا اہتمام ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقاریر کا اہتمام کیا جائے، یہ صورت بھی بدعت ہے، صورت دوم سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس میں ایک تو وہ خرابی ہے جو عظیم مذکور ہوئی۔ دوسری یہ خرابی بھی ہے کہ نفلی عبادت کے لئے ہیئت اجتماعیہ پیدا کر لی جو شرعاً ممنوع ہے قال ابن عابدین وفی الامداد ویحصل لقیام بالصلوة نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص وبقراءة القرآن والاحادیث وسماعھا والتسبیح والثناء والصلوة والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضاً بعد اسطر (تتمہ) اشار بقولہ فرادی المرء ما ذکرہ بعد فی متنہ من قولہ ویکرة الاجتماع علی احیاء لیلة من ہذا اللیالی فی المسجد وتماہ فی شرحہ وصرح بکراہۃ ذلک فی لخرای القدسی (الشامیہ ص ۶ ج ۱)

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے بچے روتے ہیں جس کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے سنت کے مطابق عبادت کرنا۔ اگر سنت کے مطابق عبادت کر لی تو خشوع و خضوع بھی حاصل ہے، اور اگر خلاف سنت لاکھ آہ و بکا اور ہیئت خشوع اختیار کریں نظر شرع میں اسے خشوع نہیں کہا جاتا۔ سوچنے کی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد زیر



کے نوافل گھر میں پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرہ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے تو ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں۔ رات اندھیری، چراغ کا انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کر سکے اور مسجد نبوی اس قدر قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہنچ گئے۔ پھر مسجد بھی مسجد نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے اس کے باوجود محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے مسجد میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔

نیز بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے جلدی نیند آجاتی ہے اور اگر مسجد میں ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ذکر و نوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ تو نیند ختم ہو جاتی ہے، اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے اگر اکیلے گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اسکا آدھا بھی نہ کر پاتے۔

خوب سمجھ لیں کہ تکثیر عبادت یا اس کی کمیّت مقصود ہی نہیں بلکہ عبادت کی کیفیت پر سارے ثواب کا دار و مدار ہے۔ اگر تھوڑی دیر عبادت کر لی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو طبیعت اُکتا جائے تو آرام کر لے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وجعل يمد يديه ساريتين فقال ما هذا قالوا الزينب تصلي فاذا اكلت او فترت امسكت به فقال حلوه ليصل احدكم نشاطه فاذا اكل او فترت وفي حديث زهير فليقعد (رواه مسلم) وفيه ايضا عن عائشة قالت دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندي امرأة فقال من هذه فقلت امرأة لا تنام تصلي قال عليكم من العمل ما تطيقون فوالله لا يمل الله حتى تملوا وكان احب الدين اليه ما دام عليه صاحبه وفي حديث عنها (رضي الله عنها) خذوا من العمل ما تطيقون فوالله لا يسأم الله حتى تسأموا (رواه الشيخان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۶ھ



## دعا کے اختتام پر کلمہ پڑھنا

سوال: ہمارے علاقہ میں دستور ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں اس وقت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں کیا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

دعا کے آخر میں درود شریف اور آمین کے سوا اور کچھ پڑھنا ثابت نہیں، لہذا منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کا دستور بدعت ہے جیسے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یا تلاوت کے بعد کوئی شخص دعا مانورہ کی بجائے یا اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھے تو اسے ہر شخص دین میں زیادتی اور بدعت سمجھے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

## قبر پر ہری شاخ یا پھول رکھنا

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کیا قبر پر ہری شاخ گاڑنا یا پھول ڈالنا مستحب ہے؟ ایک ہی دفعہ یا جب تیسرے چوتھے دن قبر پر جائے تو ہر بار مستحب و جائز ہو گا یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے رکھ کر فرمایا کہ عبتک یہ خشک نہ ہونگے عذاب میں تخفیف رہے گی، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت تھی، اگر یہ قاعدہ عام ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اس کا اہتمام فرماتے کیونکہ یہ حضرات حریص علی الخیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو سمجھنے کے لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کو دیکھنا لازم ہے۔ ان کا تعامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کی تفسیر ہے۔ نیز آج کل جس قدر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو لازم سمجھا جاتا ہے اس کے بدعت ہونے میں کچھ شبہ نہیں، مزید بریں ایسی چیزوں سے لوگوں کی گناہوں پر جرأت بڑھتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔ پھول ڈالنے کی رسم بدعت ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ————— یکم ذی الحجہ سنہ ۱۴۸۶ھ



## ایصالِ ثواب پر اجرت جائز نہیں

سوال: زید نے بکر کو کہا کہ آپ میرے اعزاء و اقرباء کے قبرستان میں روزانہ جایا کریں، قرآن مجید، الحمد شریف اور قلّ پڑھا کریں اور میرے اقربا کو بخش دیا کریں اور مجھ سے ماہوار مقرر تنخواہ وصول کر لیا کریں۔ بکر کو یہ عمل کرنا کیسا ہے؟ تنخواہ کی رقم اس کھیلے کیسی ہے اگر اس کو جائز نہیں تو زید سے وصول کر کے کسی مسکین کو دینا جائز ہے یا بالکل زید سے وصول ہی نہ کرے؟ اور زید کے اعزاء کو ایسی فاتحہ خوانی سے ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

بیٹو اتوجروا۔

## الجَوَابُ بِاسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قال في رد المحتار ان القاري اذا قرأ لاجل المال فلا شواب له فاقى شىء يهدي الى الميية وانما يصل الى الميية العمل لصالح (رد المحتار ج ۳) وفي شرح التنوير في بيان الاجارة الفاسدة (و) لاجل لطلعات وقال في رد المحتار تحت (قوله ونيفق اليوم) قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القراءة بالاجرة لا يستحق ثواب لا للميية ولا للقاري وقال لعيني في شرح الهداية ويمنع القاري للدنيا والاخذ والمعطى اثمان فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجراء بالاجرة لا يجوز لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثوب للامر والقراءة لاجل المال فاذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فابن يصل الثواب الى المستجر ولو لا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القراءة العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انما الله وانما اليه راجعون ام (رد المحتار ج ۳) عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ بکر کا یہ عمل جائز نہیں، تلاوت قرآن پر اجرت مقرر کر کے تلاوت کرنے سے میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری ہی کو ثواب نہیں ملتا۔ پس جبکہ خود قاری مستحق ثواب نہیں تو میت کو کیا ثواب پہنچے گا؟ رقم مذکور اس کے لئے جائز نہیں اور نہ وصول کر کے کسی کو دینا جائز ہے، اگر کبھی کسی وقت وصول کر لی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۶ھ

## شدید بارش یا وبا کے وقت اذان دینا

سوال: موشیوں میں وبا پھیلی ہوئی ہے، اس وبا کو ٹالنے کے لئے تلاوت قرآن کی



بکثرت کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رحم کرے اور روزانہ جب تک و بابا قی رہے چاروں کونوں میں اذان دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح شدید بارش یا آندھی میں اذان دینا کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجَوَدُ بِبِاسْمِ مُلْهِمِ الصَّوَدِ

علی سبیل التداعی نہوا اپنے طور پر تلاوت کرتے رہیں تو جائز ہے تداعی کی صورت جائز نہیں، فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے غیر صلاۃ میں اذان کے جتنے مواقع بیان فرمائے ہیں ان میں مواقع مسئلہ نہیں ہیں، اور مفہوم مخالف یعنی عدم ذکر عدم جواز پر وال ہے۔ قال فی لشامیۃ رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسرّ الاذان لغير الصلاۃ کما فی اذن المولود والمہوم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بیہیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحرقۃ (الحی قولہ) وعند تغول الغیلان (الحی قولہ) وزاد ابن المحجر فی التحفۃ الاذان والاقامۃ خلف المسافر قال المدنی اقول وزاد فی شریعۃ الاسلام لمن ضلّ للطریق فی ارض قفر ای خالیۃ من الناس الخ (رد المحتار ص ۳۵ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۷ھ

### قبروں پر چادر چڑھانا

سوال: قبروں پر چادر چڑھانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو قبروں پر چڑھانے میں کیا حرج ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجَوَدُ بِبِاسْمِ مُلْهِمِ الصَّوَدِ

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اتی اللہ لم یأمرنا فیما رزقنا ان نکسو الحجلة واللبن والطین (مسلم و ابوداؤد) اس حدیث میں دیوار پر چادر چڑھانے کی مانعت آئی ہے باوجودیکہ اسمیں بظاہر کوئی قباحت اور ایہام شرک وغیرہ نہیں، لہذا قبروں پر چادر چڑھانا ایہام شرک تعظیم غیر اللہ کی وجہ سے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ بکرة السور علی القبور (رد المحتار ص ۸۲ ج ۱) بخلاف غلاف کعبہ کے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا ہے کیونکہ اس کی تعظیم مفضی الی الشکر نہیں اسی لئے اس کی طرف نمازوں میں استقبال ضروری ہے اور قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۹۲، بحیری



## تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا

سوال: آجکل سب مساجد میں اسکا اہتمام کیا جاتا ہے کہ رمضان شریف میں تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر بالالتزام مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اس بارے میں وضاحت فرمائیے کہ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مسجد کے وقف کی آمدنی سے مٹھائی تقسیم کرنا یا اس کے لئے علیحدہ چندہ کرنا کیا دونوں کا حکم برابر ہے یا کہ کچھ فرق ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب: باسبابہم الصواب

مٹھائی تقسیم کرنے کی مروج رسم میں کئی قبائح ہیں مثلاً:

- (۱) اسے مستقل ثواب سمجھا جاتا ہے جو دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔
- (۲) اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ کسی حال میں بھی اس رسم کو ترک نہیں کھاتا، التزام کی وجہ سے تو مستحکام بھی واجب الشرک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کہ جسکا استحباب ہی ثابت نہ ہو۔
- (۳) وقف کی رقم سے اس پر صرف کرنا ناجائز ہے، اسلئے کہ یہ فرج مصارف مسجد میں سے نہیں ہے۔ لہذا منظمہ کمیٹی پر شرعاً اس رقم کا ضمان واجب ہوگا۔

(۴) بلا ضرورت شرعیہ چندہ کرنا ناجائز ہے اس میں دین اور قرآن کریم کی تحقیر تذبذیل ہے

(۵) چندہ میں اگر خطاب خاص کیا گیا یا ایسی مجلس میں خطاب عام کیا گیا کہ جس میں کچھ خاص لوگ شریک ہوں تو ان دونوں صورتوں میں چندہ دہندگان کی رضا اور طیب خاطر متیقن نہیں، بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ مرآت اور غلبہ حیار کی وجہ سے رقم دی ہوگی، لہذا اس رقم سے خرید کردہ مٹھائی حلال نہ ہوگی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مالہ مرئی مسلم الا بطیب نفسہ (مسند الامام احمد)

- (۶) عموماً ایسی تقریبات کے چندہ میں حرام آمدنی والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں
- (۷) قبائح مذکورہ نہ بھی ہوں تو بھی اس میں ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ اس سے ناجائز رسم اور بدعت شنیعہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے بہر حال ناجائز اور واجب الترمک ہے واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

اذان کے جواب میں کلمہ توحید کے بعد محمد رسول اللہ کہنا

سوال: اذان کے جواب میں آخر میں لا الہ الا اللہ کا جواب دیکر محمد رسول اللہ بھی کہہ دے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔



## الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِكِ الصَّوْبِ

اذان کے جواب میں لا الہ الا اللہ کا جواب بعینہ وہی ہونا چاہیے، محمد رسول اللہ کا اضافہ کرنا زیادۃ فی الدین اور بدعت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فاتہ من صلی علی صلوۃ صلی اللہ علیہ بها عشر اشترکتہم سلوا اللہ فی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فیہ لجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ واجوان اکون ہو فمن سأل فی الوسیلۃ حلّت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم) وقال فی التنبیہ عجیب من سمع الاذان بان یقولوا کمقالتہ (رد المحتار ص ۳۶۸ ج ۱) اگر مؤذن لا الہ الا اللہ کے بعد اسی طرح بلند آواز سے محمد رسول اللہ کہے تو اسے ہر شخص اذان پر زیادتی سمجھ کر ناجائز کہے گا، اسی طرح اذان سننے والے کا محمد رسول اللہ کہنا اذان کے جواب پر اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

## جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ذریں مسئلہ کہ میت پر پھولوں کی چادر پہنانا درست ہے یا نہیں۔ نیز ایسی میت کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو

## الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِكِ الصَّوْبِ

جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت ہے لہذا اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ ۸۹ ہجری

## اذان میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رگنا

سوال: اذان میں اشدھان محمد رسول اللہ پر جو لڑک انگوٹھے چوستے ہیں وہ ثبوت میں منسلک عبارت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرما کر تمہرے یقین یا تردید فرمائی جائے، عبارت یہ ہے حضرت علامہ نہانی نے ”حجۃ اللہ علی العالمین“ میں یہ روایت درج فرمائی ہے بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک نہا کی نافرمانی کی، مرنے کے بعد لوگوں نے اسکو گندی جگہ پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسے اٹھا کر باعزت دفنانے کا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ اس کے



نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں ارشاد ہوا ٹھیک ہے کہ وہ گنہگار تھا مگر وہ جب رات کو آنکھ کھولتا تھا اور میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا تو وہ اس کا نام چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا اس لئے وہ مجھے پیارا لگتا ہے میں نے اس کے دو سو سال کے گناہ بخش دیے۔ بیٹنوا توجروا

### الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِكِ الصَّوَدِ

فی الشامیۃ ویستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشہادۃ - صلی اللہ علیہ یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منها قرأت عینی بکے یا رسول اللہ ثم یقول اللہم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الایہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائداً الی اللہ لجنۃ کذا فی کتب العبادۃ قہسافی وغیرہ فی الفتاوی الصوفیۃ (الی ان قال) و ذکر ذلک الجرجی و اطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کلت ہذا شیء الخ علامہ شامی نے قہستانی وغیرہ کے حوالہ سے اس تقبیل کا استنباب نقل کرنے کے بعد جراحی سے نقل کیا ہے کہ کسی حدیث سے اسکا ثبوت نہیں لہذا اس کی سنیت پر کوئی دلیل نہیں۔ اور چونکہ عوام اس کو سنت سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھ کر تارک تقبیل کو ملامت کرتے ہیں لہذا اسکا ترک ضروری ہو گیا۔ عبارت منسلکہ سے متعلق جس کتاب کا حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ غیر معروف ہے۔ اگر صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو گا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کہیں لکھا ہوا ہو تو اسے چومنا اور آنکھوں پر لگانا باعث برکت و ثواب ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں، یہ کیسے ثابت ہوا کہ ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے خصوصاً اذان کے وقت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۱۹۱ ہجری

### کفن سے بچا کر امام کے لئے مصیٹے بنانا

سوال: جنازہ پڑھانے والے امام کے نیچے مصیٹے جو کہ کفن سے بچا کر رکھتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

### الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِكِ الصَّوَدِ

کفن سے کپڑا بچا کر امام کے لئے مصیٹے بنانا غلط رسم اور ناجائز ہے یہ کفن کے مصارف میں داخل

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۹۲ھ



## اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال: بعد نماز جمعہ اجتماعی طور پر کچھ لوگ بیٹھ کر کسی درخت کے نیچوں پر ہر جمعہ آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگرچہ جائز ہے مگر آئندہ چل کر ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام اور التزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے۔ جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ اسلئے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے۔ اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے۔ باعث برکت ہے۔ نقد ہواللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رذی قعدہ سنہ ۱۲۸۶ھ

## تعزیت کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا

سوال: میت کو دفنانے کے بعد قریبی رشتہ دار اور رشتہ دار مہمان، دارشین میت کو اپنے ہمراہ کھانا کھلانے کے لئے میت کے گھر آتے ہیں، یہ بات تو مستحسن ہے، لیکن اس کے ہمراہ دور کے رشتہ دار، جن کے ہاں اس روز گھر والوں کے لئے چولہا جلتا ہے اور برادری کے معزز حضرات بھی اہل میت کی دلجوئی کے لئے اچھی خاصی تعداد میں گورنہ سے واپس اہل میت کے گھر پر آتے ہیں اور کھانے میں شریک ہوتے ہیں جس کے باعث کبھی تو اعزہ کے ہاں سے آیا ہوا کھانا کفایت کر جاتا ہے اور کبھی اہل میت کو یا ان کے قریبی اعزہ کو بازار سے لانا پڑتا ہے یہ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ آیا جو دلجوئی کے لئے کھانے کے انتظار میں رہے اور شریک طعام ہو، یا اہل میت اور ان کے قریبی رشتہ دار، جنہوں نے سب آنے والوں کو کھانا کھلانا اپنا مذہبی، اخلاقی فرض خیال کیا ہو۔ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم یقیناً ناجائز ہے اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے۔ اس گناہ میں کھانے والے اور کھلانے والے سب شریک ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار بھی اگر اس رسم کو لازم سمجھتے ہیں اور اس میں شریک نہ ہونے کو برامانتے ہیں یا یہ طعام اہل میت کی طرف سے ہو تو ان کے لئے بھی



یہ فعل ناجائز ہو جائے گا، اہل میت کا تعزیت کے لئے جگہ مخصوص کر کے بیٹھنا اور دوسرے لوگوں کا وہاں جمع رہنا یہ بھی ناجائز ہے قال ابن عابدیہ وفي الامداد قال کثیر من متاخری ائمتنا یکره الاجتماع عند صاحب البيت بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورهم وصاحب البيت بامره (رد المحتار ج ۸ ص ۱۶۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۶ ربیع الآخر سنہ ۱۲۹۶ھ

### روزانہ اکٹھے ہو کر قبرستان جانا

سوال: میت کی وفات کے دوسرے اور تیسرے روز خصوصی طور پر بعد نماز فجر اسکے ایصالِ ثواب کے لئے اعزہ و اقارب اور مہمانوں کا جو جنازہ میں شریک تھے گورستان میں جا کر اور پھر ٹوٹ کر آنا اور کچھ دیر اہل میت کے مکان پر ٹھہرنا اور پھر چائے وغیرہ پی کر وہاں سے رخصت ہونا، پھر دوپہر کو پھر شام کو یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ سب خرافات ہیں شرعاً ان کا کوئی جواز نہیں، یہ شریعت مقدسہ کاملہ پر زیادتی ہے، اور واجب الحذر والا اعتراض ہے بموقعہ غم میں دعوتیں اڑانا انتہائی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۶ ربیع الآخر سنہ ۱۲۹۶ھ

### حالت خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال: جب خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے یا خطیب یہ آیت پڑھے یا تمھالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً تو سننے والوں کے لئے درود شریف پڑھنا جائز یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے اس لئے اس حالت میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں دل میں پڑھ سکتے ہیں قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام وفي الشامیۃ (قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس وكذلك اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یتلو علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتویٰ (رد المحتار ج ۸ ص ۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۶ شوال ۱۳۸۶ھ



لوگوں کے ڈر سے اتے اللہ وملتئکتہ الخ پڑھنا

سوال: امام لوگوں کے ڈر سے اتے اللہ وملتئکتہ الخ پڑھتا ہے کہ اگر نہ پڑھونگا تو مقتدی امامت سے نکال دیں گے شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ اگر امام پڑھتا رہے تو اسکی گنجائش ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث لا يحتسب - ومن يتوكل على الله يجعل له من امرة يسراً - ومن يتوكل على الله فهو حسبه - ومن يهاجر في سبيل الله يجد في الارض مخرجاً وكثيراً واسعاً - الا ان نفسا لن تموت حتى تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا في الطلب وتوكلوا عليه ، ان نصوص کے ہوتے ہوئے یہ خطرہ کہ اگر بدعت کا ارتکاب نہ کر چکا تو اس کی امامت جاتی رہے گی اور پھر بھوکا مرے گا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے ، اور کسب معاش کا یہ ذیل ترین طریق ہے ، حکم شرعی کے علاوہ غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی امامت سے فوراً استعفاء دیدے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربيع الآخر سنہ ۸۸ھ

گیارہویں کا کھانا

سوال: اگر دوست احباب یا رشتہ داروں کے یہاں سے گیارہویں کا کھانا یا محرم کا کچھڑا یا شب براءت کا حلویہ یہ لوگ گھر بھیج دیں تو لینا جائز ہوگا یا نہیں ، اگر نہ لیں اور واپس کر دیں تو رنجش ہونیکا خطرہ ہے ، یا ان سے لیکر بچوں کو کھلا دیا جائے یا کسی غریب کو دیدیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے ، اس کا قبول کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ، اور اگر نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں مگر یہ فعل بدعت ہے ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے تاکہ بدعت کی اس نزاع اور تائید کا گناہ نہ ہو -

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربيع الآخر سنہ ۹۶ھ



## میلاد میں قیام کرنا

سوال: مروجہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کرنا کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

محفل میلاد میں قیام بدعت ہے، حدیث میں اس کی صاف ممانعت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حیات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا کہ تم کھڑے ہو کر میری تعظیم نہ کیا کرو جیسا کہ عجم کا دستور ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے ہیں محفل میلاد کسی خاص دن میں کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کرنا، قیام کرنا یہ امور شرعاً ناجائز ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں حاضر ہونیکا اعتقاد رکھنا شرک ہے ان امور سے اگر مجلس منزه ہو تو باعث برکت و ہدایت ہے ورنہ ضلالت و گمراہی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب سنہ ۹۱ ہجری

## عید مبارک کہنا

سوال: آجکل جو عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد ”عید مبارک“ کہنے کا عام رواج ہے کیا شریعت میں اسکی کوئی اصل ہے؟ اور اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام ہونے لگا ہے اسلئے مکروہ ہے اور اگر اسے ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے قال ابن الحکم فی المدخل قد اختلف علماء ونازحہم اللہ تعالیٰ فی قول الرجل لاخیرہ یوم العید تقبل اللہ منا ومنک وغفر لنا ولک علی اربعۃ اقوال جائز بانہ قول حسن، مکروہ لانہ من فعل الیہود مندوب الیہ لانہ دعاء ودعاء المؤمن لاخیرہ مستحب، الرابع لا یبتدئ بہ وان قال لہ احدہ علیہ مثله، اذا کان اختلافہم فی ہذا الدعاء الحسن مع تقدّم حدیثہ فما بالک بقولہ العائل عید مبارک ہجر ذاعن تلک الالفاظ مع انہ متأخر الحدیث فمن باب ادلتی انہ یکرہوہ وہو مثل قولہم یوم مبارک ولیلۃ مبارک وصباحہ اللہ بالخیر ومساک اللہ بالخیر وقد کثر العلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کل ذلک (المدخل ص ۲۹۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رزی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری



## سوال مثل بالا

سوال : عید کے دن ”عید مبارک“ کہنے کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا متوجروا

الجواب باسمہم الصواب

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ والتھنئة بتقبل اللہ منا ومنکم لا تنکر۔  
وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وإنما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيء  
عن أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالى وذكر في القنية انه لم ينقل عن أصحابنا كراهة  
وعن مالك رحمه الله تعالى انه كرهها وعن الأوزاعي انها بدعة وقال المحقق  
ابن امير حاج بك الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق أشارا باسانيد  
صحيحة عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم في فعل ذلك ثم قال والمتعامل في  
البلاد الشامية والمصرية عید مبارک عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك  
في المشرقية والاستحباب لما بينهما من التلازم فان من قبلت طاعته  
في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور  
شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ايضاً اهـ (رد المحتار ص ۷۷ ج ۱)

وقال الحافظ رحمه الله تعالى معزياً لا ابن شيد وقد روى ابن عدي من حديث  
واثلة انه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فقال تقبل الله منا ومنك  
فقال نعم تقبل الله منا ومنك وفي اسناد محمد بن ابراهيم الشافعي وهو ضعيف  
وقد تفرد به مرفوعاً وخولف فيه فمرى البيهقي من حديث عبادة بن الصامت  
رضي الله تعالى عنه انه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال ذلك  
فعل اهل الكتابين واسناده ضعيف ايضاً وكأنه اراد انه لم يصح فيه شيء وروى  
روينا في المعاملية باسناد حسن عن جابر بن نفير قال كان اصحاب رسول الله صلى الله  
عليه وسلم اذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنك (فتح الباري ج ۳)  
حاصل یہ کہ دعاء تقبل الله منا ومنك کے ثبوت وجواز میں اختلاف ہے، ثبوت  
راجع ہے، اس پر قیاس کر کے عید مبارک کے جواز کا قول کیا گیا ہے، اس لئے ان الفاظ  
مخصوصہ کی تعیین اور ایسا التزام کہ حکم شرع ہونے کا اشتباہ ہو مکر وہ ہے، اسی لئے علماء و  
صلحا کا تعامل نہیں، مطلق دعاء جائز و مستحسن ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۸ شعبان ۱۴۱۱ھ



## بوقت وداع خدا حافظ کہنا

سوال: اس دورِ ترقی میں رخصت کے وقت السلام علیکم کی بجائے "خدا حافظ" کہنے کا عام دستور ہو گیا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم ناجائز ہے۔ اگر السلام علیکم کی بجائے خدا حافظ کہا تو شریعت کی تحریف ہے اور اگر السلام علیکم کے ساتھ کہا تو شریعت پر زیادتی ہے۔ البتہ اگر سلام وداع سے الگ خدا حافظ اور کبھی کبھی اور دعائیہ کلمات کہہ دیتے جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر انہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ موقع وداع کے لئے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کئے جا رہے ہیں جسکا زیادہ فی الدین ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر یہ اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

## عید شبِ برات

سوال: شبِ برات میں عید منانا اور حلوہ پکانا کیسا ہے؟ اگر بغیر ثواب کی نیت کے یونہی پکایا جائے تو کیا اس میں بھی حرج ہے۔ نیز کہیں سے آیا ہوا حلوہ کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شبِ برات میں عید منانے اور حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہذا یہ امر ناجائز اور بدعت ہیں۔ اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید و ترویج ہوتی ہے لہذا اس سے احتراز لازم ہے، اسی بنا پر حلوہ قبول کرنے سے بھی بچنا چاہیے، معذایہ حرام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شعبان ۱۳۹۷ھ

## سیاسی فتنہ میں اذانیں دینا:

سوال: آجکل حکومت اور اسکے خلاف متحدہ محاذ کے درمیان سیاسی بحران کی وجہ سے جو فتنہ بپا ہے اس کے لئے رات کے اوقات میں اذانیں دینے کا عام سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

کیا یہ اذانیں دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا



## الْجَوَکَلُ بِاسْمِ مَلٰہِمِ الصَّوَلِ

اس موقع پر اذانیں دینا شرعاً ثابت نہیں۔ لہذا یہ بدعت ہے، اسکے علاوہ اسمیں دو گناہ مزید ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں اشتباہ ہو رہا ہے۔ میرے پاس کئی مردوں نے شکایت کی کہ انہوں نے مغالطہ میں فجر کی سنتیں رات ہی میں پڑھ لیں بعض خواتین نے بتایا کہ انہوں نے صبح ہو جانے کے گمان میں فجر کی نماز ادا کر لی۔

دوسرا گناہ یہ کہ رات میں لوگوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے، تندرست انسان کے بھی آرام میں خلل ڈالنا اور اسے رات میں سونے نہ دینا گناہ ہے۔ یہاں تو مریض، ضعیف اور دن بھر کے کام سے تھکے ماندے مزدور وغیرہ بھی ہیں۔ مجھے ایسے مریضوں کی طرف سے بھی شکایات موصول ہوئی ہیں جو اذانوں کے شور کی وجہ سے سو نہیں سکتے اس لئے انہی اعصابی تکالیف میں اضافہ ہو گیا ہے۔

از تکاپ بدعت، لوگوں کی نمازیں برباد کرنے اور مریضوں و ضعیفوں کو پریشان کرنے اور عام مسلمانوں کو ایذا پہنچانے جیسے موجب عذابِ عل سے نزدیک رحمت کی امید رکھنا انتہائی حماقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ معاصی کو چھوڑا جائے، مالک کی نافرمانی سے توبہ استغفار کر کے اسے راضی کیا جائے مگر آجکل گناہ چھوڑنے کی بجائے رات دن علانیہ فسق و فجور کی مجالس قائم ہیں اور محافل گرم ہیں۔ غیبت، افتراء، بہتان، بدگمانی، بدزبانی اور آپس میں لوٹ مار، قتل و غارت، اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی جان، عزت اور مال سے کھیلنے کا مشغلہ رات دن جاری ہے ان گناہوں میں سب سے ادنیٰ گناہ غیبت کا ہے جس سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے آجکل جتنے شدید اور کثیر گناہوں اور موجب عذاب و وبال بد اعمالیوں کا کھلی مجالس میں رات دن مشغلہ جاری ہے اسکا اندازہ کیا جائے تو آجکل کے ایک دن کی سیاہ کاریاں عام زمانہ میں کئی سالوں کی بد اعمالیوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں، پھر اسکے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کر کے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کھلانے والی اور اسلام کے نام پر انتخابات لڑنے والی قوم کو فہم اور صحیح اسلام کی نعمت سے نوازیں۔ ترک سیئات اور نافرمانی سے توبہ استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔ اپنی رحمت اور اپنے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل رحم و کرم کا معاملہ فرمائیں اور اس عذاب سے نجات عطا فرمائیں، آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ  
فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (رواه مسلم)  
تم میں سے جو شخص بھی کوئی بُرائی دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کرے، اگر اس کی طاقت  
نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو دل میں (بوقت قدرت) اس طرح کا عزم مضمحل کرے  
اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

# مُنْكَرَاتُ مُحَرَّم

اس میں ایسے گناہوں پر تنبیہ کی گئی ہے جن میں شیعہ سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان بھی مبتلا ہیں

ازافادات

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم





اقتباس من تقریر بروز جمعہ ۲۶ محرم ۱۴۱۹ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۹۸ء  
 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

## اما بعد

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

آج کی مجلس میں ماہِ محرم سے متعلق اہم باتیں کرکجاتی ہیں جنہیں سے نمبر اول کے سوا باقی سب منکرات اور بدعات ہیں

## (۱) روزہ رکھنا

سب سے پہلے روزہ کا بیان کرنا ہوں، اس لئے کہ جو چیز سنت ہے اسے پہلے ہی بیان کرنا چاہیے۔ اگرچہ لذیذ دوسری چیزیں ہیں۔ شیطان کی عبادت میں لذت زیادہ آتی ہے مگر اللہ والوں کو اللہ کی عبادت میں اس سے کہیں زیادہ لطف اور مزہ آتا ہے۔ اور بعض لوگ دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ گویا یوں سمجھتے ہیں کہ ۵

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا استنان بھی : خوش رہے رحمن بھی راضی رہے شیطان بھی مگر یہ اُن کی کم فہمی ہے۔ دونوں کو راضی کرنے سے شیطان تو راضی ہوگا مگر رحمن راضی نہ ہوگا، وہ تو جب راضی ہوگا کہ آپ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہہ کر اس کے مقتضیات پر عمل کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں، اور شیطان اللہ کی عبادت ٹھہرانا نہیں چاہتا، وہ تو صرف اتنا چاہتا ہے کہ کچھ اسکی بھی عبادت کی جائے۔ بہر حال ان دنوں میں سنت سے ثابت تو صرف ایک عبادت ہے، اور وہ روزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دسویں محرم کا روزہ رکھنا اتنا بڑا ثواب ہے کہ اس سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صغائر گناہ مراد ہیں، کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ایک روزہ اور ملا لوں گا، اسلئے دسویں کیساتھ ایک اور روزہ ملا لینا چاہیے، نویں یا گیارہویں

## (۲) محرم کی حقیقت

اصلاح منکرات میں بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم و محترم ہے یا منحوس ہے؟



شیعہ لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انکے نزدیک شہادت بہت بُری اور منحوس چیز ہے۔ اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لئے اسمیں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی، نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم، معظم اور فضیلت والا ہے۔ محرم کے معنی ہی محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اسمیں ہوئی یہ غلط ہے۔ اس مہینے کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اس دن میں نجات ہوئی، اس نعمت پر ادائے شکر کے طور پر اس دن میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لئے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں واقع ہوئی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اسمیں زیادہ کرنی چاہئیں، اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی۔ لیکن ہے یہ بڑی بات، اس لئے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں۔ سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا وہ نکلتے ہی نکلتے نکلتا ہے۔

### (۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے، عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جما دی گئی ہے کہ دُنیا میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ بدیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا، حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھئے، مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلم عظیم پر کس قدر صبر و استقامت کے ساتھ جان دیدیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دُنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اس قدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش و عرش کو لرزادینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا، کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے



ہوئے، کسی کان کا اس طرف التفات، کسی قلم کو یہ جانفکار حادثہ لکھتے ہوئے، اوراق تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ، اس مطلوبیت پر کسی دل میں احساس درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشکبار دیکھا ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، چہرہ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نہ رکنے والا خون جاری ہونا، انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کا شہید ہونا، دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرہ خون کے برابر نہیں، مگر یہاں تو زبان، کان، قلم، نگاہ، دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں، نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں، نہ کسی نبی کی، غور فرمائیں کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

### (۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے

”امام“ کا لفظ اہل حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی، اہل حق کے ہاں اس کے معنی پیشوا، رہبر اور مقتدا کے ہیں، اور اہل تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہل حق کے ہاں ہیں۔ اس اعتبار سے تمام صحابہ، تابعین، اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں، اس لئے امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ، امام عثمان رضی اللہ عنہ، امام علی رضی اللہ عنہ، امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کہنا چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النجوم امنة للسماء واصحابی امنة لامتی (سواۃ مسلم) میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، سب کے سب امام ہیں، جس کی چاہو اقتدا کرو، ہر ستارے میں روشنی ہے، جس سے چاہو روشنی حاصل کرو۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امام بتایا، اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور علماء کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ لوگ امام ابو بکر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے، امام عمر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے، امام حسن اور امام حسین کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے، یہ تشیع کا اثر ہے جو مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے، اگر اہل حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہ دیا ہے تو انھوں نے اس کے صحیح معنی میں ان کو امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیع کا اثر ہے۔



## (۵) علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی ان کو علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں، اس سے بھی احتراز لازم ہے جس طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہیے، جس طرح حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہے جائیں۔

## (۶) مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں پر بھی اہل تشیع کا اثر پایا جاتا ہے، مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرک کے لئے محمد اور احمد ملا نیر کا دستور ہے اسی طرح علی، حسن، حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق فاروق، عثمان یا اور کسی صحابی کا نام بطور تبرک اصل نام کے ساتھ ملا نیر کا دستور نہیں، نسبت غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر اور کسی صحابی کی غلامی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں میں لطاف حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

## (۷) محرم میں ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ایصالِ ثواب کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کار خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دیدے یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین ہر حاجت پوری کر سکے گا، اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ صورت ریا اور نمود سے پاک ہے۔ حدیث میں معفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہونگے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی



حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے، یعنی اسکی ضرورت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے یہ ایصالِ ثواب کی صحیح صورتیں ہیں اب مروجہ طریقے کی قباحتیں سنئے۔

(۱) جن ادواح کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اگر ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ ﷻ میں داخل ہونگی وجہ سے قطعی حرام ہے۔

(۲) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقے میں دی جاتی ہے میت کو بعینہ وہی ملتی ہے یہ خیال بالکل باطل اور لغو ہے میت کو وہ چیز نہیں پہنچتی بلکہ اسکا ثواب پہنچتا ہے لَنْ يَنْتَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنْتَالُهُ الشَّقَوِيُّ مِنْكُمْ میں سراح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کے جانور کا گوشت پوست نہیں پہنچتا بلکہ اسکا ثواب پہنچتا ہے۔

(۳) ایصالِ ثواب میں اپنی طرف سے یہ قیود لگائی گئی ہیں، صدقے کی متعین صورت یعنی طعامِ مہینہ متعین، دن متعین، حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی آپ جب چاہیں جو چاہیں صدقہ کر سکتے ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا سخت گناہ اور بدعت ہے بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے۔

## (۸) شہادت کے قصے سننا اور سنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنائے جاتے ہیں، اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے چنانچہ جب دسویں محرم کے روزے کے باسے میں بارگاہِ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملاو، نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصے سن کر سدومہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں، ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوتِ قلب پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتے نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کر سکے گا؟



اسلامی سال کی ابتدا کہاں سے ہو؟ سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتدا کی جائے، اسمیں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سن کر مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہوگی اور دین کی خاطر محنت و مشقت برداشت کرنیکا جذبہ پیدا ہوگا، اس کے برعکس میلاد سے ابتدا کرنے میں لہو و لعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی۔ جنگ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جا کر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

نیز یہ روئے رُلا نیکی واقعات جو ان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔ تاریخ پر اہل تشیع کا تسلط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس گھس منگھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت و عقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا یہ ایسے امور ہیں کہ انکی وجہ سے واقعہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے حتیٰ کہ بظاہر معتبر مستند کتابوں میں مندرجہ تفصیل بھی قابل اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل و اصول شرع کینحلاف ہو چکی وجہ سے یقیناً غلط ہیں، بلکہ نفس شہادت کے سوا اسکی تفصیل کا شاید ہی کوئی جزئیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جاسکے جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنیوالوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

## (۹) تعزیه کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیه کے جلوس کا نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتی ہے، اسمیں کئی گناہ ہیں، ایک یہ کہ اسمیں دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم اور دشمنان قرآن کے ساتھ تشبہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”من تشبہ بقوم دھو منھم“ جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں شمار ہوگا۔ ہولی کے دنوں میں ایک بزرگ جا رہے تھے انھوں نے مزاح کے طور پر ایک گدھے پر پان کی پیک ڈال کر فرمایا کہ تجھ پر کوئی رنگ نہیں پھینکے گا، لو تجھے میں رنگ دیتا ہوں۔ مرنیکے بعد اس پر گرفت ہوئی کہ تم ہولی کھیلے تھے اور عذاب میں گرفتار ہوئے۔ دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا



بہت بڑا گناہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”من کثر سواد قوم فہو مہم“ جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے ایک دفعہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکی اس عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ پر دے کی غرض سے خود کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے پرے میں کھڑے ہو کر آپ کے کندھے پر سے دیکھتی رہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عبادت کے نظارے سے سیر ہو کر جب خود ٹھہریں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہٹے، غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسی غضب والی جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے، جب سید الاولین و الآخرین رحمۃ اللعالمین حبیب اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا، سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ کے دشمنوں نے کر تو توں سے اسوقت کوئی عذاب آگیا تو کیا صرف نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ عذاب آخرت میں بھی یہ لوگ انکے ساتھ ہونگے، اللہ تعالیٰ مستحق عذاب بنانیوالی بد اعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح ان دنوں میں معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔

## (۱۰) دسویں محرم کی چھٹی کرنا

اس دن چھٹی کرنے میں کمی قباحتیں ہیں؛ ایک یہ کہ اس میں اہل تشیع کے ساتھ تشبہ ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر ان کی تائید و تقویت ہے،

دوسری قباحت یہ کہ اس دن شیعوں اپنے مذہب کے لڑے پناہ مشقت اور سخت محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں اسکے برعکس مسلمان تمام دینی و دنیوی کاموں کی چھٹی کر کے اپنی بیکاری اور بے ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہیں،

تیسری قباحت یہ کہ چھٹی کی وجہ سے اکثر مسلمان تعزیہ کے جلوسوں اور ماتم کی مجلسوں میں چلے جاتے ہیں، جس پر کئی گناہوں کا بیان اور پرچہ ۹ میں گزر چکا ہے،



## (۱۱) دسویں محرم میں اہل و عیال پر وسعتِ رزق

حدیث بتائی جاتی ہے کہ اس روز اہل و عیال پر وسعتِ رزق کرے تو پورا سال وسعتِ رزق ہوگی، من و سم علی عیالہ یوم عاشوراء و سمع اللہ علیہ السنۃ کلہا، اس کو مشہور محدثین نے غیر ثابت قرار دیا ہے، بفرس ثبوت اس سے اس لئے احتراز لازم ہے کہ لوگ اسکو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ شریفیت نے اس میں ثواب نہیں بتایا، اسے ثواب سمجھنے سے یہ کام بدعت بن جائے گا کل بدعتہ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار، اگر کوئی یہ کہے کہ میں تو یہ کام صرف وسعتِ رزق کے لئے کرتا ہوں، میں اسے ثواب کی نیت سے نہیں کرتا تو اس سے کہا بایسگاہ آپ کے اس فعل سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں ایسے دت میں فقہ کے قاعدے کے مطابق اسکا ترک واجب ہے، چنانچہ حکم ہے اذا تردد المحکم بین سنة و بدعة فترکہ واجب، جب معاملہ سنت اور بدعت میں دائر ہو تو ترک واجب ہے اور یہاں تو معاملہ سنت و بدعت کا نہیں بلکہ جائز اور بدعت کا ہے یہاں تو بطریق اولیٰ ترک واجب ہوگا۔

دوسری قباحت یہ کہ اس روز شیعہ نیاز حسین کی دیگیں چڑھاتے ہیں جو شرک ہے اور اس کا کھانا حرام، اس لئے اس موقع پر بہتر کھانے پکانے میں شیعہ کے عقیدہ و عمل کی تائید ہوتی ہے۔ نیز وسعتِ رزق کے اور بھی تو کئی نسخے ہیں جن میں سب سے بڑا نسخہ گناہوں سے بچنا اور توبہ و استغفار ہے۔ یہ نسخہ اکسیر قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔ اسے چھوڑ کر کھلے پیئے والا نسخہ استعمال کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ میٹھا ہے اور وہ کڑوا، مگر یاد رکھئے جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کر کے اپنے مالک کو راضی نہیں کرتے کوئی نسخہ کارگر نہ ہوگا۔

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا      کسی کو فکر گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا !  
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا      بس اک مجذوب کو اس غمگدہ میں شادماں پایا  
غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں آمین۔  
چونکہ مذکورہ منکرات میں سے اکثر کا تعلق محرم کے مہینے سے ہے اور عذاب بھی انہی پر زیادہ ہے اس لئے اس مجموعہ کا نام تغلیباً ”منکراتِ محرم“ تجویز کرتا ہوں۔  
شکراتِ محرم ۹



## کتاب العلم والعلماء

کسی عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا

سوال: تقبیل ید ورجل کا جواز احادیث سے ثابت ہے اور انخار ناجائز ہے سو تقبیل انخار کے بغیر فاضل اور عالم اور ولی کے لئے کس کیفیت اور طریقہ سے کی جائے جس میں فتنۃ الناس کا خوف بھی نہ ہو۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ مع عبارات کتب عربیہ تحریر فرمائیں، بینوا تو جروا الجوبی ومنہ الصدق والصوب

پہلے مختلف عبارات فقہ و حدیث نقل کی جاتی ہیں پھر ان پر احکام مرتب کئے جائیں گے (القسم الاول) (۱) وکرہ تحریماً قہراً تقبیل الرجل فم الرجل اویده (الی قوله) عند لقاء او وداع وهذا الوعد شهوة واما على وجه البر فجاز عند الكل وفي الاختيار عن بعضهم لا بأس به اذا قصد البر وامن الشهوة كتقبيل وجه (در) (۲) وفي الحقائق لو القبله على وجه المبرة دون الشهوة جاز بالاجماع (در) (۳) قال الامام العيني بعد كلام فعلم اباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح كما علم من الاحاديث المقتضية اباحتها على وجهه وبين العيين على الشفتين على وجه المبرة والاكرام (۴) قدم عن الخانية والحقائق ان التقبيل على سبيل البر لا شهوة جاز بالاجماع (رد) (۵) وفي المحيط ان لتعظيم اسلامه واکرامه جازوان لنيل الدنيا كره (در) (۶) وسألت ان قبله ید المؤمن تحية توفيقا بين كلامهم ولا يقال حالة اللقاء مستثناة لانا نقول حيث ندب فيها الشارع عليه السلام الى المصافحة علم انها تزيد على غيرها في التعظيم فكيف لا تساويها - سألني (رد) (۷) وقبلة التحية للمؤمن على اليد (رد)

القسم الثاني (۱) وفي حديث رواه البزار مسند عن بريدة سألت اعرابي النبي صلى الله عليه وسلم اية فقال له قل لتلك الشجرة رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعوك قال فمالت الشجرة عن يمينها وشمالها وبين يديها وخلفها فتقطعت عروقها ثم جاءت تحت الارض فخرجت عروقها مغبرة حتى وقفت بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت السلام عليك يا رسول الله فقال الاعرابي مرها فلترجع الى منبتها



فدلت عروقها فاستوت فقال الاعرابی اذن لی اسجد لک قال لو امرت احدا ان یسجد لاحد لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها قال فاذن لی اقبل یدیک ورجلیک فاذن له ای فی تقبیل یدیه ورجلیه فقبلهما وفیه دلیل علی جواز تقبیل ید الی الرجل من الفاضل للمفضول اذا کان لزهده وصلاحه او علمه وشرفه وليس بمکروه بل یتحب اذا کان تعظیما لامر دینی کما قال النووی فی الاذکار فان کان لامر دنیوی فهو مکروه وقد ورد فی احادیث کثیرة صحیحة تقبیل ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبهذا رد علی المتولی من ائمة الشافعية حیث اطلق القول بعدم جوازہ (نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض لشہاب الدین الخفاجی ج ۳ ص ۵)  
 (۲) عن زادم وکان فی وفد عبد القیس قال فجعلنا نبتا در من رواحلنا فنقبل ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورجله الخ (ابو داود باب فی قبلة الجسد ج ۲ ص ۲۱۸)  
 (۳) ولا بأس بتقبیل ید الرجل للعالم والمتورع علی سبیل التبرک (الی قولہ) وقیل سنة (رد)  
 (۴) (قولہ وقیل سنة) ای تقبیل ید العالم والسلطان العادل قالہ لشرنبلالی وعلت ان مفاد الاحادیث سنیتہ او ندبہ کما اشار الیہ العیسی (رد)

القسم الثالث (۱) المکروه محبة القیام لمن یقام له (رد ناقلا عن مشکلیہ لا یشار)  
 (۲) وما ورد من التوعد علیہ فی حق من یجب القیام کما یفعله التبرک والاعاجم (رد ناقلا عن ابن وهب بن)

القسم الرابع (۱) کذا لک ای مثل السجدة الانحناء علی هيئة الركوع فہیناعنہ (الشفاء للقاضی عیاض ج ۳ ص ۵)

(۲) کاد الانحناء ان یشکک کفرا (حاشیہ مکتوباتہ امام ربانی دفتراول ص ۷)  
 (۳) وفي الزاهدی الایماء فی السلام الی قریب الركوع کالسجود (رد)  
 (۴) وفي المحيطانہ بکرة الانحناء للسلطان وغیرہ (رد المحتار)  
 عبارات قسم اول سے معلوم ہوا کہ عوام مسلمین کے ہاتھوں کی تقبیل جائز ہے۔  
 قسم دوم سے ثابت ہوا کہ علما اور متورعین کے ہاتھوں کی تقبیل مسنون یا مندوب ہے  
 قسم سوم میں ہے کہ قیام غیر کو پسند کرنا مکروه ہے۔ قیاسا علیہ تقبیل الید من الغیر



کو پسند کرنا بھی مکروہ ہوا، موجودہ دور میں عموماً محبتِ تقبیل و قیام بدرجہ اتم پائی جاتی ہے لہذا تعظیمِ نفس کو محبوبِ کھنے والے وعید کے مستوجب ہیں۔

قسم چہارم سے ثابت ہوا کہ انخار مکروہ ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ تقبیل بلا انخار ممکن ہی نہیں سو جواب یہ ہے۔

(۱) تقبیل میں انخار مقصود نہیں۔ قصداً انخار للتعظیم ناجائز ہے مطلقاً انخار ممنوع نہیں اور نہ ہی اس سے تحرز ممکن ہے۔ کئی ایک ضروریات کی وجہ سے انخار کرنا پڑتا ہے مثلاً کوئی چیز اٹھانے کے لئے رکھنے کے لئے، کچھ دیکھنے کے لئے وغیرہ۔ اس کے عدم جواز کا کسی کو وہم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ انخار مقصود نہیں۔

(۲) انخار قریب الی الرکوع ناجائز ہے۔ معمولی سا انخار ممنوع نہیں جیسے کہ قسم رابع کی عبارت ۷ اور ۳ میں مصرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ  
بیوی اور والدین کی اجازت کے بغیر طلبِ علم کے لئے سفر کرنا

سوال ۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کے والدین اور اس کی زوجہ طلبِ علم کے لئے اسے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو کیا اس صورت میں یہ شخص طلبِ علم کے لئے سفر کرے یا نہ کرے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب ومنه الصلوة والصواب

علم شرعی کی تین قسمیں ہیں :

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ (۳) مندوب

نماز روزہ وغیرہ کے مسائل کا علم فرض عین ہے اور ضروری فرائض و روزمرہ کے معاملات کے علم سے زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور تتمق فی العلم مندوب ہے۔ پس اگر سفر کی وجہ سے والدین یا اولاد کے ضیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود غنی نہوں اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں طلبِ علم کے لئے مطلقاً (خواہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ) سفر نہ کرے۔ اور اگر ضیاع کا خوف نہیں تو فرض عین و فرض کفایہ کی تحصیل میں والدین و زوجہ کی اطاعت نہ کرے البتہ اگر طالبِ العلم مرد ہے اور باپ خوفِ فتنہ کی وجہ سے منع کر رہا ہے تو بہر حال اطاعت ضروری ہے ایسے ہی اگر ایسا سفر ہو کہ اس میں ہلاکت کا خوف ہے تو بھی والدین کی اطاعت لازم ہے۔

علم مندوب میں بہر حال والدین کی اطاعت اولیٰ ہے اور زوجہ کی اطاعت میں مختار ہے



قال فی شرح التنویر واعلم ان تعلم العلم یكون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لادینه وفرض کفایة وهو ما زاد علیه لنفع غیره ومنه وبما هو التبحر فی الفقه وعلوم القلب الخ (شامیه ج ۱)

وفی حظه شرح التنویر له الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیه لوملتحیا وتمامه فی الدرر وفی الشامیه (قوله وله الخروج الخ) ای ان لم یخف علی والدیه الضیقة بان کانا موسرین ولم تکن نفقتهم علیه وفی الخانیة ولو اراد الخروج الی الحج وکرها ذلك قالوا ان استغنی الاب عن خدمته فلا بأس والا فلا یسعه الخروج وان احتاجا الی النفقة ولا یقدر ان یخلف لهما نفقة كاملة او امکنه الا ان الغالب علی الطريقی الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامة یمخرج وفی بعض الروایات لا یمخرج الی الجهاد الا باذنها ولو اذن احدھا فقط لا ینبغی له الخروج (ان مراعاة حقها فرض عین والجهاد فرض کفایة (الی ان قال) هذا فی سفر الجهاد فلو فی سفر تجارة او حج لا بأس به بلا اذن الابوين ان استغنی عن خدمته اذ لیس فیہ ابطال حقها الا اذا کان الطريقی غوفا کالبحر فلا یمخرج بلا اذنها وان استغنی عن خدمته ولو خرج المتعلم وضیع عیاله یراعی حق العیال اه (شامیه ج ۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ محرم سنہ ۱۴۳۳ھ

جوان بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر کرنا

سوال : ایک شخص کی بیوی جوان ہے اور وہ بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر اختیار کرتا ہے اور سال بھر گھر نہیں آتا۔ کیا اس کیلئے یہ امر جائز ہے یا کہ بیوی کے پاس رہنا واجب ہے۔

بیٹو اتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

عورت کا نفقہ اور ہر چار ماہ میں ایک دفعہ جماع کرنا شوہر پر واجب ہے۔ پس اگر شوہر ان حقوق کی تکمیل میں کوتاہی نہ کرے تو طلب علم کے لئے سفر پر جانا جائز ہے۔ البتہ اگر اس کے باوجود عورت کے لئے فتنہ کا مظنہ ہو تو سفر میں رہنا جائز نہیں۔ قال فی شرح التنویر ویسقط حقها بمدة ویجب دیانة حیاتیاً ولا یبلغ مداة الا بلاء الابرضاهما۔ وفی الشامیه تحت قوله ویسقط حقها بمدة) واذا طالت به یجب علیہ ویجبر علیہ فی الحکمرة والزیادة تجب دیانة لافى الحکم عند بعض اصحابنا وعند بعضهم تجب علیہ فی الحکم اه وبہ علم انه کان



على الشارح ان يقول ويسقط حقها بمرة في القضاء اى لانه لو لم يصيبها مرة يؤجله القاضي سنة ثم يفسخ العقد اما لو اصابها مرة لم يتعرض له لانه علوانه غير عنين وقت العقد بل يأمره بالزيادة احيانا لوجوبها عليه الا لعذر مرض او عنة عارضة او نحو ذلك وسيأتى في باب الظهار ان على القاضي الزام المظاهر بالتكفير دفعا للضرر عنها بحبس او ضرب الى ان يكفر ويطلق وهذا ربما يؤيد القول الماربانه تجب الزيادة عليه في الحكم فتأمل وايضا فيها تحت (قوله ولا يبلغ مدة الايلاء) ان عمر رضى الله تعالى عنه لما سمع في الليل امرأة تقول ۵

فوالله لولا الله تخشى عواقبه لنحزج من هذا السرير جوانبه

فسأل عنها فانها زوجها في الجهاد فسأل بنته حفصة كم تصبر المرأة عن الرجل فقالت اربعة اشهر فامر امراء الاجناد ان لا يتخلف المتزوج عن اهله اكثر منها ولو لم يكن في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بالايلاء فيها (رد المحتار باب القسم ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۲۹ جمادى الاولى سنة ۱۲۴۲ھ

### متقدمین متاخرین میں حد فاصل

سوال : حضرات متقدمین و متاخرین جو ایک مشہور و معروف اصطلاح ہے انکی حد فاصل کیا ہے، کہاں تک متقدمین کہلاتے ہیں اور کہاں سے متاخرین؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

المراد بالمشايخ في قولهم هذا قول المشايخ من لم يدرك الامام كذا في وقف النهر والمراد بالمتقدمين من فقهاءنا هم الذين ادركوا الائمة الثلاثة ومن لم يدركهم فهو من المتأخرين هذا هو الظاهر من اطلاقاتهم في كثير من المواضع (الحائى قال) وذكر الذهبي في مفهم كتابه ميزان الاعتدال في نقد اسماء الرجال الحد الفاصل بين المتقدمين والمتأخرين هو رأس ثلاث مائة الخ (مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية ص ۱۵)

بظاہر ”ادركوا الائمة الثلاثة“ سے ”احد الائمة الثلاثة“ مراد ہے، اس صورت میں ذہبی کے قول سے مطابقت ہو جائے گی کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی وفات دوسری صدی کے آخر میں ہوئی ہے، پس اس دوسری صدی کے اختتام تک جن حضرات کی ولادت



ہوئی ہو وہ متقدمین ہونگے اور تیسری صدی کے شروع سے متاخرین کا دور شروع ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الآخر سنہ ۱۲۸۵ھ

لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے علم پڑھنا

سوال: اگر کوئی شخص علم محض لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے پڑھے اسکا کیا حکم ہے؟

بتینواتوجروا۔

الجواب: باسمہم والہم الصواب

حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من طلب العلم لیجاری بہ العلماء اولیاء بہ السفہاء اویصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار (مشکوۃ ص ۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ

تعلیم چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نکلنا

سوال: ایک قاری صاحب قرآن پاک پڑھاتے ہیں کئی لڑکے حفظ کرتے ہیں اور اکثر ناظرہ پڑھتے ہیں۔ چالیس دن کے لئے تبلیغی جماعت میں جانا چاہتے ہیں زیادہ ثواب اور ضروری سمجھ کر، یہ فرمائی کہ پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے یا تبلیغی جماعت میں جانا زیادہ ثواب، بتینواتوجروا۔

الجواب: باسمہم والہم الصواب

مدرسہ کا مہتمم و مدرسین اجرت پر کام کرتے ہیں لہذا معروف تعطیل سے زیادہ وقت کے لئے مدرسہ سے غائب رہنا اور کام نہ کرنا ناجائز ہے۔ غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ انکے لئے حلال نہیں، یہ عام ملازم کا حکم ہے۔ مدارس عربیہ کے ملازمین کو تو شرعی گنجائش بھی ہو تو بھی انکے لئے تعلیم کا کام چھوڑ کر تبلیغ میں نکلنا بہتر نہیں کیونکہ تعلیمی مراکز اسلام کے قلعے ہیں اگر یہ قلعے کمزور ہو جائیں گے تو آگے تبلیغ کا کام کیسے چلے گا۔ تبلیغ کا کام اگرچہ انتہائی ضروری ہے لیکن اسلامی تعلیم کا سلسلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے بلکہ یہ بھی تبلیغ ہی کا ایک بنیادی شعبہ ہے۔ جماعت تبلیغی کے سربراہ تبلیغ کے لئے تدریس و تعلیم چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



غیر عالم کے لئے طلب دلیل جائز نہیں :  
سوال :

کسی نے قرآن وحدیث سے غلط استنباط اور قیاسات فاسدہ پر مشتمل طویل مضمون برائے تصویب ارسال کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا۔

”میں بی اے ہوں آج تک کسی استاذ سے ناظرہ قرآن بھی نہیں پڑھا“ دینی حالت تو ناگفتہ بہ ہے

اس کا جواب درج ذیل ہے۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

دنیا میں یہ اصول مسلم اور متفق علیہ ہے کہ ہر فن کی تحصیل کے لئے اہل فن کے پاس معتد بہ وقت رہ کر استفادہ کرنا شرط ہے مثلاً آپ ڈاکٹر سے علاج تو بہر صورت کر دیا سکتے ہیں مگر اس کی تشخیص و تجویز کے دلائل معلوم کرنے کے مجاز نہیں، اگر ڈاکٹر سے معلوم کریں گے تو وہ علاج سے ہی جواب دیدے گا البتہ اگر اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہیں مگر اس کے لئے کسی شرائط ہیں مثلاً فلاں فلاں امتحان میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوئے ہوں پھر کسی مستند میڈیکل کالج میں داخلہ لیا ہو، ماہرین کی نگرانی میں تمرین کی ہو اور نقلاً کی تکمیل کے بعد امتحان میں کامیاب ہوئے ہوں، اسی طرح آپ ہر وکیل سے قانون تو دریافت کر سکتے ہیں مگر اس کے دلائل دریافت کرنے کی اجازت نہیں ہاں وکالت کا نصاب باقاعدہ پڑھیں تب دلائل سمجھیں آ سکتے ہیں، بعینہ اسی طرح علم دین کو سمجھ لیا جائے کہ عوام مفتیان کرام سے قانون شریعت دریافت کر سکتے ہیں طلب دلائل کے مجاز نہیں ہاں اگر کسی کو علم دلائل کا شوق ہو تو پہلے پندرہ سال کسی مستند دینی درس گاہ میں لگا کر نصاب عام کی تکمیل کر کے اعلیٰ نمبروں پر کامیابی حاصل کرے پھر افتاء کے درجہ تخصص میں دو سال کے لئے داخلہ لے اس میں محنت کر کے امتیازی کامیابی حاصل کرے پھر ماہرین فن کی سرپرستی میں کچھ مدت کام کرے اس کے بعد امید ہے کہ دلائل سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
غرۃ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ





فَاتَّبِعُوا أَهْلَ الْكِتَابِ كَمَا كُنْتُمْ لَا تَقْلَمُونَهُ

گر از بیسپار نیی عقل منعدم گردد  
بجود گمان نزد پیچ کس که نادانم

همچنین اجتناب از خواری کرد  
تا به ملت نام خوابد شد

# السَّبْكُ الْفَرِيدُ لسلك التقلید

○ — ضرورت تقلید شخصی

○ — بضرورت عمل بمنزله سب غیر

پس ایستاده که ز فتنی قوی پیچ  
پس مرد تنه از دهر کسر پیچ

پایر باید راه را تنه  
از سب خود اندرین صحرایم



## ضرورت تقلید شخصی

سوال : آجکل بعض نو تعلیم یافتہ نوجوان یہ کہتے ہیں کہ تقلید شخصی کی کیا ضرورت ہے؟ جب ائمہ اربعہ برحق ہیں اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دو کاموں میں سے جو کام آسان ہوتا تھا اس کو اختیار فرماتے تھے تو ہم بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کا مذہب زیادہ آسان اور سہل ہو اسکے مطابق عمل کر لیا کریں، اسکی کیا ضرورت ہے کہ مثلاً حنفی اس مسئلہ میں بھی جس پر عمل کرنے میں دشواری ہے امام عظیم رحمہ اللہ ہی کے مذہب پر عمل کرے اور دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرے، جس کے یہاں اس مسئلہ میں آسانی اور سہولت ہو، اس سلسلے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر مفقود الخیر کے مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اور دوسرے حنفی علماء نے حضرت امام مالک کے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت دے ہی دی ہے۔ علاوہ ازیں وہ حضرت حکیم الامت کا حسب ذیل ملفوظ بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

”فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ ایسا لکھوں کہ عوام جہیں مبتلا ہیں، اگر وہ کسی مذہب میں بھی جائز ہو تو اسکی اجازت دیدوں، تاکہ مسلمان کا قول کسی طرح جائز ہو سکے، مولانا گنگوہی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اجازت دیدی، مولانا حنفی بہت سخت تھے مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی مگر میں نے ایسا رسالہ تو نہیں لکھا مگر بعض مسائل حوادث الفتاویٰ میں ایسے آگئے ہیں“ (ماثر حکیم الامت<sup>۲۲۹</sup> ملفوظات ص ۲۶)

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

- (۱) کسی ایک امام کے مقلد کو بغرض سہولت دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں کیا مفسد ہیں؟
- (۲) کیا مفقود الخیر کے مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت دے دینے سے (حالانکہ یہ جواز کا فتویٰ غالباً کئی سال تک علماء مالکیہ سے طویل مراسلت و مکاتبت کے بعد علماء احناف کے باہمی صلاح مشورہ اور غور و خوض کے بعد دیا گیا تھا) عام آدمی کو ہر مسئلہ میں یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ جس امام کے مذہب پر عمل کرنے میں آسانی سمجھے اس پر عمل کر لے؟
- (۳) عدم جواز کی صورت میں حضرت تھانوی کے ملفوظ کا کیا جواب ہوگا؟
- (۴) کیا اردو زبان میں کوئی ایسی مستند کتاب ہے جس میں تقلید اور تقلید شخصی کے مسئلہ کے سلسلے میں

مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہو؟ بینوا تجروا فقط

محمد حسن عفا اللہ عنہ دہلوی

۱۴ / ۱۲ / ۹۵ھ

۲۱ / ۱۲ / ۹۵ھ



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي انزل الكتاب، وارسل لتبيين رسوله الذي اوتي جوامع الكلم  
وفصل الخطاب، وجعل لشرحه تفقه العلماء الذين هموا بالصدق والقبول  
والصلوة والسلام على سيد الانبياء وعلى آله واصحابه الاصفياء وورثته من  
الائمة الفقهاء واتباعهم الاتقياء الى يوم الحساب

**اما بعد**، اس دور پر فتن میں جہاں ہر قسم کے فتنوں کو اٹھایا جا رہا ہے، وہاں ایک یہ  
فتنہ جانکاہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح مذہبی چٹھی مل جائے جس کے بعد وہ جس طرح چاہیں  
آزادانہ زندگی بسر کریں، لیکن چونکہ ربقہ اسلام کو جو کاتھوں اپنے گلے کا ہار بناتے ہوئے یہ مذہبی  
آزادی حاصل نہیں ہو سکتی تھی اور علی الاعلان اگر مذہب کو خیر باد کہہ کر آزادی کا کوئی منصوبہ  
بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ کامیاب نہ ہو سکی اس لئے برغم خویش خیر خواہان اسلام نے خدمت  
دین کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے شروع کئے۔

کسی نے اسلام کے تمام اصول و مبادی کا زبانی اقرار کرتے ہوئے درپردہ اسلاف سے حُسن ظن  
کا خون کیا تو کسی نے نئے سرے سے نئی نبوت ایجاد کر کے زمانے کی ضرورت پوری کرنیکی کوشش  
کی، ایک طرف اسلام کے اصل ثانی سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرے سے غیر ضروری قرار  
دیکر مفسر قرآن بننے کی کوشش کی گئی تو دوسری طرف حدیث دانی و قرآن فہمی کے لئے ہر کس و  
ناکس کی فہم کو کافی کہہ کر اسلاف کی تعبیرات کو شرک و بدعت کے لقب سے نوازا گیا، صرف اسی  
پر بس نہیں بلکہ جب ایک فتنے کی سرکوبی کی جاتی ہے تو اس کے انڈے بچے دوسرے کسی فتنے کی صورت  
میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

لیکن ان فتنوں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے سادہ لوح مسلمان بہت جلدی غلط فہمی کا  
شکار ہو جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بھی ایک مختلف فنیہ مسئلہ ہے اسلئے ادھر ادھر  
ہو جانے میں کوئی اہم فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ سب قرآن و حدیث کو ماننے والے اپنے ہی لوگ ہیں،  
لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۵



من از بیگانگان ہرگز نہ نالم

کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

اگر ان فتنوں کے صحیح خدوخال کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سب اندر ہی سے اُٹھ کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر چکی فکر میں لگے رہتے ہیں اور انکو پتہ نہیں کہ دیا بی اللہ الا ان یتم نوره ولو کسره الکفرون، جس دین کو دوسری صدی ہجری تک تابعین و تبع تابعین نہ سمجھ سکے اور اسکے صحیح خدوخال متعین نہ کر سکے اب چودہ سو سال گزرنے کے بعد اسکے محافظ و مجدد پیدا ہو رہے ہیں۔ اسلاف کی بیان کردہ قرآن و حدیث کی تشریحات ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہوں، ان پر چلنے والا اعلیٰ دین العجائز شمار ہونے لگے، اور آج چودہویں صدی کا مجتہد قرآن و حدیث کی تشریح کرے تو وہ سر آنکھوں پر، حالانکہ ان کو نہ قرآن کی ہوالگی ہے نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی منہ ہے۔

انقلاب چین دھڑ کی دیکھی تکمیل آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بجیل

بو حنیفہ کو کہے طفل دبستاں جاہل شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجبیل

سامری موسیٰ عمران کو کہے جادوگر نوح محفوظ کو کہتی ہے محسوف انجیل

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ حال ہی میں جب ایک جریدہ نے مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث کا قول اُن کی کتاب اشاعۃ السنۃ سے نقل کیا کہ ”پچیس سالہ تجربے سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد ہی بحدیث کا دروازہ ہے“ تو ایک غیر مقلد صاحب بہت برہم ہوئے، اصل واقعہ کو تو جھٹلانے سے رہے اسلئے چار دنا چار جب اس پر تبصرہ کرنے بیٹھے تو ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر وہ کچھ اُچھالی کہ خود اہل حدیث بھی سن کر شرم سے آنکھیں نیچے کر لیں، حدیہ کردی کہ ائمہ کرام کے مدون مذاہب کو الحاد و زندقہ ثابت کرنے کی ناکام سعی میں لگ گئے چنانچہ اس موضوع پر جو کتاب لکھی اسکا نام رکھا ”حقیقۃ الاحاد“ اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

”فقہ حنفی کے اندر جو احادیث فقہاء نے درج کی ہیں وہ یا تو موضوع دُخانہ ساز ہیں یا

پھر ان کے رواۃ ضعیف و متکلم فیہا ہیں یا منکر و مختلف فیہا ہیں یا پھر شاذ و غیر معج بہا

ہیں، یہ فقہاء احادیث میں کوہِ پرین کی وجہ سے صحیح و غیر صحیح کے درمیان امتیاز نہ کر سکے....

کتب حنفیہ میں موضوعات و ادہام و بے ثبوت روایات کا پلندا ہوتا ہے، نیز اکثر وہ

فرضی اور زنادقہ کی وضع کردہ ہیں۔ ان اسباب کی وجہ سے فقہاء نے خیال کیا کہ اگر کوئی

۱۵ بٹالوی کی پوری عبارت مع حوالہ انشاء اللہ آگے آئے گی۔ ۱۲



احادیث صحیحہ سے واقف ہو گیا تو ہمازی پول کھل جائے گی لہذا شروع ہی سے سد باب کے لئے لوگوں کے کانوں میں یہ بات ڈالو کہ بغیر مجتہد کے سمجھانے کے حدیث نہیں سمجھ سکتے ہیں اور براہ راست قرآن و حدیث پر عمل کرنا بے دینی ہے ..... اور ان پر عمل کرنے والے اپنی ناک بنانے کے لئے کچھ تو بتاتے ہیں، ان کے اس بتانے سے وہ بیچارہ جس نے پہلے ہی قرآن و حدیث پر عمل کرنا بقول ایشاں حرام سمجھا ہو مطمئن ہو جاتا ہے۔ (حقیقۃ الامداد ص ۲)

براہ کرم خط کشیدہ الفاظ پر ایک نظر دوبارہ ڈال کر دیکھ لیں، یہ عبارت کتاب مذکور کے صفحہ آدھے صفحہ سے لی گئی ہے، اس سے آپ خود اندازہ لگالیں کہ مصنف علام نے ائمہ کرام و اکابر اُمت پر بہتان طرازی کا جوشن شروع کر رکھا ہے اس میں وہ کس تندہی سے مصروف کار ہیں۔ ع قیاس کن ز گلستان من ہمار مرا

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے جس چیز کا نام اجتہاد رکھ چھوڑا ہے وہ اجتہاد نہیں بلکہ ان کے ائمہ اربعہ میں سے کسی کا فرمودہ ہوگا۔

غیر مقلدین کے ائمہ اربعہ ابن تیمیہ، شوکانی، ابن حزم اور نواب صدیق حسن خاں ہیں آپ اندازہ لگا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ غیر مقلدین کا کوئی قول ان چاروں حضرات کے دائرہ سے خارج نہیں جس پر حدیث کا ایبل لگا کر یہ لوگ پیش کرتے ہیں، جس طرح یہ حضرات حدیث سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح دوسرے ائمہ بھی تو کسی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کو بس ہی حدیث صحیح سمجھ میں آتی ہے جسے ان حضرات نے صحیح کہا ہو یا اختیار کیا ہو۔

## عجیب بات

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جو اپنے کو غیر مقلد کہتے ہیں یہ سب سے زیادہ مقلد ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے اقوال کی تشریح میں اختلاف ہوا، آپ کے وصال کے بعد آپس میں اختلاف ہوا، پھر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کا آپس میں لاتعداد مسائل میں اختلاف رائے رہا، بلکہ ایک استاد کے شاگردوں اور ایک مذہب کے پیروؤں میں اختلاف آرا رہا ہے اور اب بھی ہے، عقلاً بھی اختلاف رائے لازم ہے اس لئے کہ ہر شخص کا ذہن اور اسلوب فکر مختلف ہے، مگر دنیا میں صرف غیر مقلدین ہی کا فرق ایسا ہے جس کے



افراد میں اختلاف رائے نہیں پایا جاتا، ان کے کسی بڑے نے ایک بات کہی اور دوسرے تمام غیر مقلدین نے اسے پلاچون و چرا تسلیم کر لیا۔

## تقلید کی تعریف

در اصل تقلید نام ہے اس چیز کا کہ اپنے کسی بزرگ پیشوائے دین کے کسی قول و فعل کو اس حُسن ظن کی بنا پر قبول کر کے اس پر عمل کرنا کہ اس نے قرآن و حدیث کے مطابق یہ بات کہی ہے۔ اس تسلیم و عمل کو اس مسئلہ کی دلیل معلوم ہونے پر معلق نہ کرنا، لیکن وہ دلیل اگر اس وقت معلوم ہو یا بعد میں معلوم ہو جائے تو یہ تقلید کے منافی نہیں، غرضیکہ تقلید میں مطالبہ دلیل شامل نہیں اور علم بالدلیل اسکے معارض نہیں۔ کثافت اصطلاحات الفنون میں تقلید کی تعریف یوں مذکور ہے ”التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقولہ ویفعل معتقداً للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کانت ہذا المبتع جعل قول الغیر افعلاً قلادۃ فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل، علامہ ابن ملک شرح منار مصری ص ۱۲۵ میں فرماتے ہیں، وهو رای التقلید، عبارة عن اتباع فی قوله افعله معتقداً للحقیۃ من غیر تأمل فی الدلیل، نامی شرح حسامی مطبوع مجتبیٰ ص ۱۹۱ میں ہے، التقلید اتباع الغیر علی ظن انہ محق بلا نظر فی الدلیل۔

ان تینوں عبارات کو سامنے رکھ کر خود فیصلہ فرمائیے کہ تقلید کے معنی کیا ہیں۔ اب اگر کوئی اپنی الگ تعریف مقرر کر کے حجت بازی کرے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہوئی جو ہم پر حجت نہیں (مناقشہ فی الاصطلاح)، اس سے مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو انھوں نے اپنی کتاب ”تقلید شخصی و سلفی“ ص ۵۲، ۵۱ میں کیا ہے کہ مفہوم تقلید علم بالدلیل کے منافی ہے، لہذا تقلید لازم جہالت ہے۔

## اعتماد و انقیاد

در حقیقت دین نام ہے اعتماد و انقیاد کا، اگر دنیا سے اعتماد و انقیاد یہ دو صفات معدوم ہو جائیں تو دین کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔ یہ اعتماد و انقیاد عہد رسالت سے بدستور جاری ہے اور اسی پر ساری شریعت کا مدار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك علی الصحابة و تبع التابعین



اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلہم والعقل یدل علی حسن ذلك لان الشریعة لا یعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا یتقیم الا بان یاخذ کل طبقة عن قبلہا بالاتصال (عقد المجید ص ۳) اور یہ غیر مقلدین شرع ہی سے اس اعتماد و انقیاد کا خون کرتے ہیں

## تقلید کی خوبیان

اس دورِ پُرفتن میں جبکہ ہر طرف الحاد و بے دینی پھیلی ہوئی ہے جس طرح ائمہ کی تقلید میں دلجمعی اور دینِ مبین کی حفاظت ہے ترکِ تقلید میں اسکا عشرِ عشر بھی نہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ تقلید کا مقصد دینِ مبین کی بحسن و خوبی حفاظت ہے اور جس چیز میں دین کی حفاظت ہوتی ہو اس کی خوبی میں کس کو کلام ہے، لیکن پھر بھی تبرعاً تقلید کی خوبی اور ترکِ تقلید کی بُرائیوں کے بیان کے لئے ہم پانچ حضرات کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں جنہیں سے تین حضرات کو خود اہل حدیث اپنے سرخیل شمار کرتے ہیں اسلئے ”وَشَہِدْ شَہِدٌ مِّنْ اَہْلِہَا“ کا مصداق بھی ہو گیا۔

عبدالوہابِ شرعانی کی شہادت :

قطبِ ربّانی شیخ عبدالوہاب شرعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فقد بان لك يا اخي مما نقلناه عن الائمة الاربعة وغيرهم ان جميع الائمة المجتهدين واثرون مع ادلة الشريعة حيث دارت و انهم كلهم منزهون عن القول بالرأى في دين الله وان مذاہبہم کلہا محرقة علی الکتاب والسنّة کتحریر الذہب والجوہر ان اقوالہم کلہا و مذاہبہم کالتوب المنشوج من الکتاب والسنّة سداہ ولحمتہ منہما وما بقی لك عذر فی التقلید لاتی مذہب شئت من مذاہبہم فانہا کلہا طریق الی الجنة کما سبق بیانہ او اخر الفصل قبلہ وانہم کلہم علی ہدی من ربہم وانہ ما طعن احد فی قول من اقوالہم الا بمجملہ بہ اما من حیث دلیلہ واما من حیث دقة مدارکہ علیہ لا سیمّا الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ الذی اجمہ السلف والخلف علی كثرة علمہ وورعہ وعبادتہ ودقة مدارکہ واستنباطاتہ کما سیأتی بسطہ فی ہذہ الفصول ان شاء اللہ تعالیٰ وحاشاہ رضی اللہ عنہ من القول فی دین اللہ بالرأى لا یشہد لہ ظاہر الکتاب ولا سنّة دیزان کبری ص ۵۵ ج ۱

شاہ ولی اللہ کی شہادت :

دوسری شہادت سید الطائفہ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آپ



فرماتے ہیں وہی ذلک (التقلید) من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الايام التي قصرت الهمم  
جدا واشربت النفوس الهوى واعجب کل ذی رأى برأیه (حجة الله البالغة مطبوع مصر ص ۱۲۳ ج ۱)  
اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها مفسدة كبيرة  
(عقد الجمد ص ۳) واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ما كان عندي (الى قوله) وثانيها  
الوصاة بالتقيد بهذه المذاهب الاربعة لا يخرج منها (فيوض الحرمين ص ۶۵)

نواب صدیق حسن خاں کی شہادت :

تیسری شہادت فرقہ اہل حدیث کے امام رابع نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی ہے  
آپ لکھتے ہیں فقد ثبتت فی هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعى لا نفسها علم الحديث  
والقرآن والعمل بها على العلامت في كل شان مع انها ليست في شئ من اهل العلم والعلو  
العمل والعرفان (الحظ في ذكر الصالح الستة از نواب صدیق حسن) اسی کتاب میں لکھتے ہیں  
فيا لله العجب من اين يسمون انفسهم الموحدين المخلصين وغيرهم بالمشركين وهم  
اشد الناس تعصبا وغلوا في الدين ..... اسی مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں فما هذا دين ان  
هذا الافتنة في الارض وفساد كبير (حوالہ بالا)

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت :

چوتھی شہادت مشہور اہلحدیث مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی ہے۔ آپ اپنے رسالہ  
میں لکھتے ہیں۔ ”پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ  
مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و  
فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دیندار کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی  
کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق  
تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جا رہے ہیں۔“  
(رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۲ جلد ۱ طبع ۱۸۸۶ء)

قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی شہادت :

پانچویں شہادت ایک غیر مقلد بزرگ قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں  
”پس اس زمانے کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء  
الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے بھی جس طرح



شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام ی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل الحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے، بعینہ مثل تشیع کے (الی ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کا ذب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے، اور سلف کو ہتک کرے، مثل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بدعتی اور الحاد اور زندقہ ان میں پھیلاوے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چین بچیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہار اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے، سبحان اللہ ما اشدہ اللیلۃ بالبلحۃ، اور سراسر کا یہ ہے کہ وہ مذہب عقائد اہل السنۃ والجماعت سے ٹکراتباع سلف سے مستکبر و مستکبر ہو گئے ہیں فانہم وتذبرانہ (التوحید والسنۃ فی رد اہل الحاد والبدعۃ الملقب بہ) اظہار کفر ثناء اللہ جمیع اصول اُمنت باللہ ص ۲۶۲

آپ نے مندرجہ بالا پانچ شہادتیں ملاحظہ فرمائیں جن میں ایک شافعی المسلک بزرگ، ایک حنفی المسلک پیشوا اور تین حضرات اہل حدیث کے مانے ہوئے علماء میں سے ہیں بلکہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تو غیر متقلدین کے چوتھے امام ہیں، اس لئے ان حضرات سے ہماری استدعا ہے کہ تقلید میں کیا نعمت خداوندی پنہاں ہے اور ترک تقلید میں کیا عذاب بار آستین بن کر چھپا ہوا ہے، اسے ذرا خود غور سے سوچیں۔

## تقلیدِ شخصی

تقلیدِ شخصی یہ ہے کہ کسی خاص مجتہد کی طرف جو مذہب منسوب ہے اسکے مفتی بہ مسائل کو لیکر ان پر بلا طلب دلیل عمل کیا جائے، عام ہے کہ وہ مسائل خود اس امام کے ہوں یا اسکے شاگردوں کے مگر اس طرح ہوں کہ ان پر ایک مذہب معین کا نام صادق آئے۔

اور تقلید غیر شخصی یہ ہے کہ متعدد مجتہدین کے مفتی بہ مسائل کو بدون طلب دلیل اپنا معمول ٹھہرائے، لیکن ایک مسئلہ ایک امام کا لے اور ایک کسی اور امام کا یعنی کسی مجتہد معین کے مسائل کا التزام نہ کرے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دوسری صدی ہجری کے آخر تک تقلید غیر شخصی



کارواج تھا اور چونکہ اسوقت تک مجتہدین کے اصول و ضوابط منضبط بھی نہ تھے، اس لئے کسی مذہب معین کی تقلید میں دشواری بھی تھی، نیز اس زمانے میں غیر مجتہد حضرات میں تقویٰ اور اخلاص کا جفا بھی بدرجہ اتم موجود تھا اسلئے متعدد مجتہدین کے اقوال لینے میں کیدِ نفس کا شائبہ بھی نہ تھا،

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر تکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان باطلا لا نکروه (عقد الجید ص ۳) یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں علماء ربانی نے اصول و فروع کی تدوین شروع کی اور ان کے قابل شاگردوں نے اس سلسلہ کی اور تدوین و تہذیب کی، توتیسری صدی کے اکثر لوگوں نے بطور تقلید شخصی انکو اختیار کر لیا، اصول و فروع کو قرآن و سنت کی روشنی میں سدوّن کیا گیا اور ان کو جانچنے والے ایسے علماء ربانی اور مجتہدین تھے جن کا علم و دانش اور ثقاہت مسلم تھی، ان کے یہ مجموعے آسانی سے دستیاب ہونے لگے اس لئے اسیں لوگوں کے لئے بہت ہی آسانی پیدا ہو گئی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت میں یہی تقلید واجب تھی، وبعد الماتین ظہر فیہم التمدن ہب للمجتہدین بالعیۃ و قل من کان لا یعتمد علی مذہب مجتہد بعینہ و کان لہذا ہوا الواجب فی ذالک الزمان (الانصاف ص ۵۹) چوتھی صدی ہجری تک مذاہب اربعہ کے علاوہ اور مجتہدین کی بھی تقلید کی جاتی تھی، لیکن دوسرے حضرات مجتہدین کے مذاہب کی ایسی حفاظت نہ ہو سکی کہ وہ زیادہ دیرمداموجود رہتے چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے بعد چاروں مذاہب کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا اور ان کی رحمت سے ان چاروں مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہو گیا، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ولما اندرست المذاهب الحقۃ الہذہ الاربعة کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجاً عن السواد الاعظم (عقد الجید ص ۳)

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں فرماتے ہیں ووقف التقليد فی الامصل عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواہم وشد الناس باب الخلاف وطرقہ لما کثر تشعب الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الی رتبة الاجتہاد ولما خشی من اسناد ذلك الی غیر اہلہ ومن لا یوثق برأیہ ولا ید بینہ فصترحوا بالعجز والاعواز ورددوا الناس الی تقلید هؤلاء کل بمن اختص بہ من المقلدین وحظروا ان یتداول تقلیدہم لما فیہ من التلاعب ولم یبق الا نقل مذاہبہم وعمل کل مقلد بما ذہب من قلدہ منهم بعد تصحیح الاصول



اتصال سند ہا بالروایۃ لا محصول الیوم للفقہ غیر ہذا و مدعی الاجتہاد لہذا العہد  
سردود علی عقبہ مہجور تقلیدہ و قد صدق اہل الاسلام الیوم علی تقلید ہؤلاء الائمة  
الاربعة (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۰۱)

ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بڑی ہی اچھی بات لکھی ہے والانصاف ان انحصار  
المن اھب فی الاربعة و اتباعہم فضل الہی و قبولیۃ عند اللہ تعالیٰ لا مجال فیہ للتوجیہات  
والادلة (تفسیر احمدی ص ۲۹)

## تقلید شخصی کا وجوب

واجب کی دو قسمیں ہیں۔ لعینہ و لغیرہ، واجب لغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کام کی  
ناکید شریعت نے نہ کی ہو مگر شریعت نے جن امور کو واجب قرار دیا ہو ان کی تعمیل بدون اس کے  
عادتہ ناممکن ہو اس لئے یہ امر بھی واجب ہوگا "لان مقدمة الواجب واجب" جیسے قرآن وحدیث  
کے جمع و کتابت کی شریعت میں کہیں تاکید وارد نہیں، مہذا اسے واجب کہا جاتا ہے، اسی طرح تقلید  
شخصی واجب لغیرہ ہے کیونکہ تقلید شخصی کے ترک میں ایسے مناسد ہیں کہ ان سے احتراز واجب ہے

## ترک تقلید کے مناسد

(۱) تقلید شخصی نہ کرنے سے دین میں جو خلل پڑتا ہے وہ تجربہ اور مشاہدہ سے متعلق ہے، اس زمانہ  
میں طبائع میں آزادی اور نفس پرستی کا غلبہ بالکل ظاہر ہے، جس کی احادیث فتن میں  
پیش گوئی کی گئی ہے، یہ حقیقت اہل علم حضرات پر مخفی نہیں اس دور میں اجتہاد کی اجازت  
دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی نے قرآن کریم اور مشکوٰۃ کا ترجمہ دیکھا ہو تو وہ بھی یہی کہے گا  
کہ دوسروں کا اجتہاد معتبر ہے تو میرا کیوں معتبر نہیں؟ جب اجتہاد ایسا عام ہوگا تو حکام  
میں جو تحریف و تصرف پیش آئے گی اسکا غیر مقلدین بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بعض نوموہود  
مجتہدین یہ کہنے لگیں گے کہ جب مجتہدین سابقین نے اپنی قوت اجتہاد یہ سے بعض نصوص کو محفل  
سمجھا ہے اور ان کا قول معتبر و مقبول ہوا تو ہم بھی اگر ایسا کریں تو کیا فرابی ہے، حالانکہ اس  
طرح سے اگر نصوص پر ہر کسی کو دست اندازی کی اجازت دی جائے تو وہ باز بچہ اطفال بکر  
رہ جائیگی، ترک تقلید سے کیا کیا فتنے ظاہر ہوئے اور الحاد کس حد تک پھیلا یہ نظر من شمس ہے



کسی نے ترک تقلید کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا، کسی نے نبوت کا، کسی نے مہدویت کا، کسی کا انکار تقلید انکار حدیث تک مفسی ہوا اور کسی نے مجددیت کے روپ میں پوری امت مسلمہ کو گمراہ قرار دیکر اسلام کی بنیادیں متزلزل کرنے کی کوشش کی، بحمد اللہ تعالیٰ آج تک کوئی مقلد ان ضلالتوں میں مبتلا نہیں ہوا۔

یہ سب فتنے عدم تقلید کے ہیں ! کہ جن میں بوالہوس اوندھے گھرے ہیں  
(۲) اگر تقلید غیر شخصی کی اجازت دی جائے تو ہوائے نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے نفس کو جو مسئلہ جس امام کا آسان اور موافق مقصد مل جائے گا اس پر عمل کرتا جائے گا، مثلاً مسرۃ کیا تو یہ کہے کہ میں حنفی ہوں، اور پھر خون بیل آیا تو یہ کہے کہ میں شافعی المسلک ہوں، اگر یہ دونوں امر پیش آئیں اور وہ مندرج بالا تاویل کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باتفاق ائمہ نہ ہوئی، مگر وہ غلبہ غرض پرستی کی وجہ سے اس حالت میں بھی بے وضو نماز پڑھتا رہیگا اور یہ خالصتہ دین کو نفس کے تابع بنانا ہے۔

(۳) تقلید شخصی کے ترک سے مزام میں لا ابالی پن اور آپس میں نا اتفاقی اور منافرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا کہ ترک تقلید شخصی سے یہ امور خمسہ بلاشبہ خلل پذیر ہو جاتے ہیں۔

(۱) علم و عمل میں نیت کا خالص ہونا (۲) خواہش نفسانی پر دین کا غالب رکھنا یعنی خواہش نفسانی کو دین کے تابع بنانا، دین کو اس کے تابع نہ بنانا (۳) ایسے امر سے بچنا جس میں اندیشہ قوی اپنے ضرر دین کا ہو (۴) اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا (۵) دائرہ اسلام سے نہ بیکلنا، اور تقلید شخصی میں اس خلل کا معتد بہ انسداد اور علاج ہے (الامقصاد ص ۳۹)

## مقدمۃ الواجب واجب

حکیم الامتہ قدس سرہ کے حوالہ سے اوپر جو امور خمسہ ذکر ہوئے وہ بالاتفاق ضروری اور واجب ہیں اور تقلید شخصی کو چھوڑنے سے ان میں خلل واقع ہوتا ہے، چونکہ تقلید شخصی ان امور خمسہ کی حفاظت کے لئے مقدمہ ہے۔ اور یہ امور واجب ہیں، اسلئے تقلید شخصی بھی بقاعدہ ”مقدمۃ الواجب واجب“ واجب ہو جائے گی اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ سب ملل میں مسلم ہے اس لئے اس پر



کسی دلیل کی ضرورت تو نہ تھی تاہم تبرعاً ایک حدیث پیش خدمت ہے، عن عقبۃ بن عامر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا وقد عصی رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

ظاہر ہے کہ تیر اندازی دین میں کوئی عبادت مقصودہ نہیں لیکن چونکہ اعلیٰ کلمۃ اللہ واجب ہے اور بوقت ضرورت تیر اندازی اس کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے اسے بھی واجب قرار دیا اور اسے سیکھ کر بھلانے والے کو عاصی فرمایا گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ترک تقلید میں دینی خطرات کا علم ہو جانے کے باوجود اس سے رکنا عصیان میں داخل ہے جو مفسی الی اشدہ بھی ہو سکتا ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ)

## عقل شاہد ہے

عقل شاہد ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید کرنے میں سب سے بڑی اور واضح خرابی یہ ہے کہ کبھی بے علمی کی وجہ سے غیر مجتہد کی تقلید کا طوق گلے میں پڑ جاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے، بلکہ زمانہ کی روش یہ بتلا رہی ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید طبعیت میں ایسی آزادی اور سہولت پسندی پیدا کر دیتی ہے کہ بسا اوقات اس سے بہت تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جب آزادی حاصل کرنے کا شوق ہوا تو بعض طبائع اس قدر سہولت پسند ہو گئیں اور انہوں نے اس میدان کو اس قدر وسعت دینا شروع کی کہ بالآخر وہ اضلال و اغوار کی انتہا کو پہنچ گئے۔

## تقلید شخصی پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ”ازالۃ الخفاء“ میں فرماتے ہیں۔ ”وفی الجملہ طریق مشاورت در مسائل اجتہادیہ و تتبع احادیث از مظان آن کشادہ شد معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمے ساختند لهذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشدد آراء واقع نہ شد ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع وآں مذہب خلیفہ و رائے آں بود، روایت حدیث و فتویٰ و قضا و مواظب مقصور بود در خلیفہ“ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم)

اسی سلسلہ میں ہم دو ثبوت اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر کا مقرر فرمودہ قانون اور خیر القرون میں ہل مدینہ کا تعامل، اس قانون اور تعامل پر کسی صحابی کا بھی کوئی اعتراض نہ کرنا اجماع صحابہ کا بین ثبوت ہے۔



## حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلام الموقعین للحافظ ابن قیم اور سنن دارمی میں منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہ ملے اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، اگر آپ کا فتویٰ نہ ملے تو علماء کے مشورہ سے جو امر ملے پائے اسکی تعمیل کی جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے تقلید شخصی کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگائیے۔ خود محدث، فقیہ، مجتہد اور تمام کمالات کے جامع ہونے کے باوجود حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کا التزام فرمایا اور عمر بھر آپ کے فتاویٰ کے مطابق حکم دیتے رہے۔

## اہل مدینہ اور تقلید شخصی

روی البخاری فی (باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت) عن ایوب عن عکرمۃ ان اهل المدينة سألوا ابن عباس رضی اللہ عنہما عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفروا (لا تأخذ بقولك وندع قول زید) (الی قولہ) رواہ خالد وقتادة عن عکرمۃ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ زاد الثقی فقالوا لا نبالی افتیتنا اولم تفتنا، زید بن ثابت یقول لا تنفرو، و فی روایۃ قتادة فقالت الانصاء لا نتابعك یا ابن عباس وانت تخالف زیداً (فتح الباری ص ۶۶) اس روایت سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید شخصی کرتے تھے اور ان کے مقابلے میں کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا کسی دوسرے صحابی نے ان مقلدین پر شرک یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا فتویٰ نہیں دیا۔

## امام العصر حضرت گنگوہی اور تقلید شخصی

حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز نے تقلید شخصی سے متعلق مختلف سوالات کے جواب میں مفید بحثیں تحریر فرمائی ہیں۔ ذیل میں فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸۰، ۱۸۱ سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے تقلید مطلق فرض ہے لقولہ تعالیٰ فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون، الآیۃ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مطلق تقلید کو فرض فرما دیا ہے، اور تقلید کے دو فرد ہیں، ایک شخصی کہ سب



مسائل ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے، دوسرے غیر شخصی کہ جس عالم سے چاہے دریافت کر ليوے، اور آیت بسبب اپنے اطلاق کے دونوں قسم تقلید کو متضمن ہے، لہذا دونوں قسم تقلید کی مأمور من اللہ تعالیٰ اور مفروض حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جس فرد تقلید پر کوئی عمل کر گیا حق تعالیٰ کے حکم فرض کا عامل ہوگا، لہذا جو شخص تقلید شخصی کو جو مأمور و مفروض من اللہ تعالیٰ ہے شرک یا بدعت کہتا ہے وہ جاہل و گمراہ ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے مفروض کو شرک کہتا ہے اور نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ نے جہاں مطلق حکم دیا ہے مکلف کو مختار فرمایا ہے کہ جس فرد مقید پر چاہے عمل کرے، کیونکہ مطلق کا من حیث الاطلاق کہیں خارج میں وجود نہیں ہوتا بلکہ اپنے افراد کی ضمن میں خارج میں موجود ہوتا ہے، مثلاً انسان کا وجود من حیث الاطلاق کہیں جدا نہیں پایا جاتا بلکہ اپنے افراد کے ضمن میں ہی خارج میں ہوتا ہے، ایسا ہی تقلید کا وجود جدا ہو اور شخصی و غیر شخصی کا جدا ہو یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، بلکہ تقلید جہاں کہیں ہو دیگی یا شخصی کے ضمن میں یا غیر شخصی کے ضمن میں ہو دیگی لہذا دونوں قسم میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور عمدہ امر سے فارغ ہو دے، پس مأمور من اللہ کو بدعت یا شرک کہنا خود محضیت ہے بلکہ دراصل دونوں نوع تقلید کے جواز میں یکساں ہیں مگر اس وقت میں کہ عوام الناس بلکہ خواص پر بھی ہوائے نفسانی کا غلبہ اور اعجاب کل ذی رأی برآیہ ہے اور تقلید غیر شخصی ان کی ہوا اور اعجاب کو عمدہ ذریعہ جواز و اجراء کا ہو جاتا ہے، اور موجب لا ابالی پن کا دین کی طرف سے اور سبب زبان درازی و تشنیع کا شان مسلمین و ائمہ مجتہدین میں ان کے واسطے بن جاتا ہے اور باعث تفرقہ و فساد کا باہم مسلمین میں ہوتا ہے، چنانچہ یہ سب مشاہدہ ہے لہذا ایسے وقت میں تقلید غیر شخصی کا اختیار کرنا اس وجہ سے کہ جہان میں مفسد برپا ہوتے ہوں درست نہیں رہا، اور نقطہ شخصی امتثال امر فاسد و اسئلوا کے واسطے معین و شخص بحکم شرع ہو گیا ہے، کیونکہ اتفاق اور اتحاد رکن عظم دین اسلام کا ہے تو اس کی محافظت بھی فرض عظم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واعتصموا بعجل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا الآیۃ ان اللہ لا یحب الفساد الآیۃ اور اکثر احادیث اس باب میں وارد ہیں لہذا محافظت اس فرض عظم کے واسطے اور رفع ان مفسد و شناع کی ضرورت سے ایک شق مأمور علی التخییر سوال کو ترک کرنا اور دوسری شق کو جو معین و مقوی اس فرض عظم کو اور دافع شناع مذکورہ کو ہے، اختیار کرنا عین حکیم صحابہ و ختم شایع علیہ السلام ہو گیا ہے، چنانچہ قرارت قرآن شریف کی سب سے ۴۷ احرف میں بخیر تھی اور باجماع صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کر کے ایک لغت قریش



میں مقصود کر دیا اور یہ محض رفع فساد و تفرقہ کی وجہ سے ہوا تھا، صحیح بخاری اس کی شاہد ہے اور خود فخر عالم علیہ السلام نے قتل ذوالخویرہ کے باب میں جو واجب القتل بسبب کلمات کفر و گستاخی فخر عالم علیہ السلام کے تھا فرمایا تھا دعہ فان الناس يقولون ان محمداً يقتل اصحابہ اور یہ حکم بسبب فتنہ کے ہوا تھا، لا غیر الحاصل ایسے وقت نازک میں تقلید شخصی واجب شخص ہے اور غیر شخصی ان فتن مشاہدہ کے سبب ممنوع ہے، البتہ اگر کہیں یہ فساد غیر شخصی میں نہ پایا جائے تو وہ بھی مأمور علی التخییر ہے مثل شخصی کے، پس واضح ہو گیا کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کو بدعت یا شرک کہنا جہل محض ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی ۶ رذی الحجہ ۱۳۱۱ ہجری  
جس طرح جسمانی علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف رجوع اور دنیوی حکومت کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی وکیل کی طرف رجوع ضروری ہے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مختلف اوقات میں مختلف ڈاکٹروں اور مختلف وکیلوں کی طرف رجوع کیا جائے دوسری یہ کہ ہمیشہ ایک ہی ڈاکٹر اور ایک ہی وکیل سے تعلق رکھا جائے دونوں صورتوں میں سے جس پر بھی عمل کر لیا جائے مقصود حاصل ہے، بعینہ اسی طرح علاج روحانی و حکومت ربانی کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی حاذق کی تقلید بنص قرآنی فرض ہے جو شخصی و غیر شخصی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ان دونوں میں سے جس صورت پر بھی عمل کر لیا اسے فرض ہی کہا جائے گا، پھر اگر کسی عارض سے دوسرے ڈاکٹر یا وکیل کی طرف رجوع متعذر ہو تو عمل کے لئے صرف دوسری ہی صورت متعین ہو جائیگی۔ اسی طرح تقلید غیر شخصی قبائح مذکورہ کی وجہ سے متعذر شرعی ہو گئی تو نص قرآنی کی تعمیل کے لئے تقلید شخصی ہی متعین ہو گئی، چنانچہ اسی بنا پر ایک ہی واقعہ میں ایک ہی شخص کی تقلید بالاتفاق فرض ہے، کیونکہ واقعہ واحد میں متعدد علماء کی تقلید متعذر عقلی و شرعی ہے جیسے کہ ایک وقت میں ایک ہی ڈاکٹر کا علاج ضروری ہے، یہ ادار فرض کی دو صورتوں میں سے ایک کی تعیین کی واضح مثال ہے اسی طرح صدقہ الفطر، قربانی اور کفارات کے حکم کی تعمیل کی مختلف صورتوں میں سے اگر صرف ایک ہی صورت میسر ہو تو ادار واجب صرف اسی صورت میں منحصر ہو جائیگا، اس تقریر سے واضح ہوا کہ تقلید شخصی کو فرض لغیرہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فرض کی دو صورتوں میں سے ایک پر انحصار عوارض کی وجہ سے ہوا ورنہ فی نفسہ تقلید شخصی مطلق تقلید کا ایک فرد ہو چکی وجہ سے فرض لعینہ ہے، جس طرح کفارہ میں صوم فرض لعینہ ہے اور اس کی تعیین لغیرہ ہے۔ گوش حقیقت نبوش ہو تو اتنی مختصری بات بھی کافی ہے ورنہ دلائل کی بھرمار بھی لا حاصل ہے



طوفانِ نوح لانے سے اسے چشمِ فائدہ؟  
دوا شک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں !

## مختصر

مذکور تفصیل کے ضمن میں مطلوبہ سوالات کے جوابات بھی بخوبی ذہن نشین ہو گئے ہونگے۔  
تاہم مختصراً مکرر تحریر ہیں۔

(۲۱) کسی امام کے مقلد کو دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اس کے مفسد اور اس سہولت پسندی میں دین کے نقصان کا مفصل بیان ماقبل میں ترک تقلید شخصی کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۳) ”ماثر حکیم الامت“ میں حضرت حکیم الامت کے ملفوظ کا حوالہ نہیں دیا گیا، حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ جب تک میرے ملفوظات کی تصدیق فلاں، فلاں چند مخصوص لوگوں سے نہ کرائی جائے انہیں شائع کرنے کی اجازت نہیں۔ مآثر حکیم الامت کے اس ملفوظ کو یہ تصدیق حاصل نہیں، بالفرض اگر یہ ملفوظ حضرت تھانوی قدس سرہ کا انہی الفاظ سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں اہل فتویٰ و تقویٰ اجتماعی عورت و خوض کے بعد مذہب کے اصول و قواعد کی رو سے دوسرے مذہب پر عمل کی گنجائش پائیں تو اس کی اجازت دیدیں نہ یہ کہ کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جو چاہے جس طرح چاہے عمل کرے، فافہم و تدبر

(۴) تقلید مطلق اور تقلید شخصی پر لاتعداد کتب لکھی گئی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں

- |  |                                    |
|--|------------------------------------|
| ① عقد الجمدی فی احکام الاجتہاد والتقلید  | از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ   |
| ② الانصاف فی بیان سبب الاختلاف           | ” ” ”                              |
| ③ ”حجۃ الشربالغہ“ میں بھی مفید مباحث ہیں | ” ” ”                              |
| ④ فتاویٰ رشیدیہ کتاب التقلید والاجتہاد   | از حضرت گنگوہی قدس سرہ             |
| ⑤ ایضاح الادلہ                           | از حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ |
| ⑥ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد          | از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ    |
| ⑦ الکلام الفریدی فی التزام التقلید       | ” ” ”                              |



- ① فصل الخطاب فی مسأله ام الكتاب  
 ② خیر التنقید فی سیر التقليد  
 ③ مقدمہ اردو ترجمہ المیزان الکبریٰ للشعرانی  
 ④ فلسفہ تقلید واجتہاد  
 از مولانا نور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ  
 از مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ  
 از مولانا محمد حیات سنبھلی  
 از قاری محمد طیب صاحب مدظلہم

فقط واللہ العاصم من جمیع الفتن الظاہرۃ والباطنۃ

رشید احمد

۴ محرم ۱۳۹۶ھ ہجری

## بضرورت عمل بمذہب غیر

سوال : ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ، ۱۲ میری و دروڈ کراچی ۱۹۶۰ء) میں صفحہ ۹ پر حسب ذیل ملفوظ دیکھنے میں آیا :

”ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی، شافعی کے قول پر عمل کر سہے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لے کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا، اس وقت اس کو ہی اختیار کر لیا۔ یہ بُری بات ہے، میں نے اسکی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔“

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں :

(۱) شرعی ضرورت سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کی چند مثالیں تحریر فرمادی جائیں تو فہم مطلب میں سہولت ہوگی۔

(۲) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ ”بُری بات ہے“ تو اس بُرائی کا شرعاً کیا درجہ ہے، ناجائز، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

(۳) کیا ہر عامی کو یہ اجازت دیدی جائے گی کہ وہ ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے یا یہ ضروری ہے کہ مستند علماء مشورہ اور خوب غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ فرمائیں



کہ وہ ضرورت شرعی ہے اور اس صورت میں دوسرے امام کے قول پر عمل کر نیکی اجازت ہے؟  
بینوا توجروا۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علما راسخین فی العلم جو تقویٰ و طہارت کی صفات عالیہ سے متصف ہوں ضرورت قرار دیں۔ اگر وہ واقعی یہ ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی اور اس وقت مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا، ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہیں، عام علما کو بھی اس کی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علما ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں۔ اس کی واضح مثال مفقود کا مسئلہ ہے کہ علما نے جب مذہب مالکیہ پر فتویٰ دینے کی ضرورت محسوس کی تو اسکا فتویٰ صادر فرمایا، لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو متد نظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔ ”اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علما راہل البصیر ضرورت سمجھیں۔ و نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن کو حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں کما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتہاد و هذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیہ معرفۃ المسائل بشرطها و قیودھا التي کثیرا ما یسقطونها ولا یصرحون بھا اعتمادا علی فہم المتفقہ و کذا لا بد من معرفۃ عرفیۃ ملۃ و احوال اہلہ و التخریج فی ذلک علی استاد ما ہر الخ ص ۵۶۵، اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا، یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل و مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانے میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علما دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدون اسکے اس میں اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔ کمالا یخفی (الحیلۃ الناجزۃ ص ۶۴)

(۲) نفسانی حیلہ کے کسی مسئلہ کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اسلئے اس سے متعلق جو شاہ صاحب نے ”برہی بات ہے“ فرمایا ہے اسکا مطلب بھی حرام و ناجائز ہی ہے مکروہ وغیرہ نہیں، (۳) عوام کا تو کیا پوچھنا ہر عالم کو بھی ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل کی اجازت نہیں۔



قال حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز

” ضرورت شدیدہ اور ابتلا بر عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے  
ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے  
لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلے میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت  
نہیں بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے وذلك لما صرح به العلامة  
الشامی فی رسالتہ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی، اور اس  
زمانے میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق و متدین  
علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا  
تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس  
وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب  
غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتبارع ہوئی کی بنا پر نہ ہو بلکہ ضرورت  
داعیہ کی وجہ سے ہو۔“ (الحیلۃ الساجزہ ص ۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَالِمِينَ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا  
إِيمَانَهُم بِالسُّلُوفِ فَهُمْ



الهدايات المفيدة  
لتنزيه  
المدارس من العلوم الجذبة





# الهدایا المفیدۃ

تاریخ تالیف ————— ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ  
سن اشاعت ————— ۱۳۹۸ھ

حصہ  
دہم  
سے

مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا  
جاتا ہے کہ مدارس دینیہ کے نصابِ تعلیم  
دنیوی تعلیم بھی شامل کی جائے یا نہ۔  
مدارس دینیہ میں مبتلا ہو بھی چکے ہیں۔

اس رسالہ میں عقل و سلیم اور ذاتی  
مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ثابت  
کیا گیا ہے کہ یہ اقدام مدارس دینیہ کے  
لئے تباہ کن ہے، اور اس کے صحیح طریق کار  
کی نشاندہی کی گئی ہے۔





## مدارس دینیہ میں دنیوی تعلیم دینا

سوال : کسی دارالعلوم کے طلبہ کو علوم مقصودہ کے ساتھ مولوی فاضل اور ایم اے کرانا اور ضمناً و تبعاً ان کو دینی ماحول میں دیندار اساتذہ کے ذریعہ انگریزی زبان پڑھانا اور بعض علوم جدیدہ جیسے عالمی جغرافیہ، سائنس، فلسفہ و جدید نفسیات اور شہریت و عمران پڑھانا جائز خدمت خلق و رضا حق کا ذریعہ ہے یا نہیں؟ بتیخوا متوجروا۔

### الجواب باسم ملہم الصواب

دیندار ماحول میں اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں علوم جدیدہ کی تحصیل بنیت خدمت خلق و رضا حق بلاشبہ موجب اجر ثواب ہے مگر مدارس دینیہ میں ان علوم کا اجرا تجربہ سے مضرت ثابت ہوا ہے۔ اولاً اس لئے کہ بعض مدارس دینیہ میں علوم جدیدہ کو تبعاً و ضمناً جاری کیا گیا مگر چند روز ہی میں وہ مدرسہ سوائے علم دین کے باقی سب فنون کا مرکز بن گیا اور علم دین برائے نام رہ گیا، اور پھر چند ایام کے بعد علم دین کا نام بھی ختم ہو گیا اس کی بہت سی نظائر ہمارے سامنے موجود ہیں اس صورت میں مدرسہ کی زمین، عمارت اور متعلقہ سامان جو تعلیم دین کے لئے وقف تھا قیامت تک تعلیم دنیا اور بالواسطہ یا بلاواسطہ ہدم دین کے لئے استعمال ہوگا جس کا سارا وبال خشت اول رکھنے والے پر ہوگا، بالفرض ہدم دین کا باعث نہ بھی بنے تو بھی جو وقف علم دین کے لئے مخصوص تھا اسے علم دنیا کے لئے مخصوص کر دینے اور ہمیشہ کے لئے جہت وقف کے بدل دینے کا عذاب تو بہر کیف ہوگا، ثانیاً اگر بالفرض کسی مدرسہ دینیہ میں علم دین ہی غالب رہے تو اس استعداد کے طلبہ کہاں سے لائے جائیں گے جو علوم دینیہ و دنیویہ دونوں میں مہارت حاصل کر سکیں۔ جب ان علوم دینیہ میں استعداد حاصل کرنے والوں کی تعداد ایک فیصد سے زیادہ نہیں، اور علوم جدیدہ کے طلبہ کا معیار تو اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے، ثالثاً اگر بفرض محال لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ فرد دونوں علوم کا ماہر ہو بھی جائے تو کیا وہ علم دین کی کوئی خدمت کرے گا؟ حاشا وکلاً اسے تو دنیوی ہوس اور حب مال و جاہ نہ صرف یہ کہ خدمت علم دین کا موقع نہیں دیتی بلکہ اس سے متنفر کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کیجا سکتی کہ دونوں قسم کے علوم میں کوئی ماہر فرد دین کی کوئی بنیادی معتد بہ خدمت کر رہا ہو یہ صحیح ہے کہ ایسا آدمی اگر اخلاص سے دنیوی خدمت کرے تو وہ بھی باعث اجر ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر اسے علوم دنیویہ کی تعلیم نہ



دی جاتی تو وہ دین کی خدمت کرتا علوم دنیویہ کی تعلیم نے اسے خدمت دین سے محروم کر دیا پھر اس کے دعوائے اخلاص میں بھی شبہ ہوتا ہے کہ حقیقت کا کچھ ذرہ بھی ہے یا کہ محض نفسانی کید ہے اگر واقعی رضائے الہی مقصود ہوتی تو قدرت خدمت دین ہوتے ہوئے خدمت علوم دنیویہ کو کیوں اختیار کیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب مال و جاہ کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ مشاہدہ ہے کہ عموماً ایسے حضرات کے قلبی عمل کا اہتمام مٹ جاتا ہے بلکہ بیشتر کے تو نظریات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں غرضیکہ مدارس دینیہ میں اگر ان علوم جدیدہ کو ذرا سی بھی جگہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ چند سال کے بعد ایک فرد بھی خدمت دین کو نوا لانہ ملیگا اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں آمین۔

لہذا مدارس دینیہ کو برباد کرنے کی بجائے کالجوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہیے، وہاں اساتذہ دیندار متعین کئے جائیں اور ماحول کو دیندار بنانے کی کوشش کی جائے، نصاب میں علم دین کا معتد بہ حصہ رکھا جائے، مدارس دینیہ میں اگر قدیم نصاب محنت سے پڑھا پڑھایا جائے تو سوائے انگریزی زبان کے باقی تمام فنون دنیویہ میں بھی کالجوں کے طلبہ سے زیادہ مستعد پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ فنون قدیمہ میں کچھ سوجھ بوجھ رکھنے والے بعض ایسے افراد اب تک بھی موجود ہیں کہ علوم جدیدہ میں مہارت کے مدعی ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حساب، اقلیدس (جیومیٹری) اور ہیئت وغیرہ ضروری علوم کو مدارس دینیہ سے اس طرح خارج کر دیا گیا ہے کہ گویا یہ ان کے نصاب میں کبھی داخل ہی نہ تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان علوم کے سوا علم دین کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو علوم جدیدہ کوئی چیز ہی نہیں یہ سب علوم قدیمہ ہی کا چربہ ہے وہ بھی ناقص اور نامکمل، انہی علوم قدیمہ کے نام جدید تجویز کر دیئے گئے ہیں یا پھر متجددین مصنفین نے کتب جدیدہ لکھ ڈالی ہیں جن میں علوم وہی قدیم ہیں اس جدید نام اور متجدد یا کافر محمد مصنف کی جدید تصنیف کا طبائع پر برا اثر پڑتا ہے۔

غور فرمائیے کہ ہدایہ کے پڑھنے والے اور ہدایہ کا انگریزی ترجمہ ”مُحَدَّن لار“ پڑھنے والے عمل اور سلامت طبع و نظر و فکر میں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ فرق ”مُحَدَّن لار“ کو ہدایہ کا ترجمہ سمجھتے ہوئے ہے تو جہاں تصانیف کو مستقل بلکہ تحقیق جدید اور مصنف کو ترقی یافتہ قوم کا ہنر و سمجھا جائے اور ذہن اس سے اتنا مرعوب ہو کہ اس کی کسی تحقیق کو بنظر تنقید دیکھنا جرم عظیم ہو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں تو معاذ اللہ شبہات پیدا ہوں، مگر مغربی مصنف کی کسی بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے علوم حاصل کرنیوالوں کا انجام کیا ہوگا۔



بیان مذکور سے بعض حضرات کے اس قیاس کا جواب بھی ہو گیا جو فرماتے ہیں کہ متقدمین بھی تو سرکاری زبان اور علوم دنیویہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور ان میں مہارت رکھتے تھے، سو واضح ہو کہ متقدمین کی سرکاری زبان ایک مسلم قوم کی زبان تھی اور فنون کی کتب کے مصنفین بھی مسلمان تھے اور اساتذہ بھی اور وہ خود داری و خود اعتمادی اور جمیع علوم و فنون میں سبقت و امتیاز کے اتنے اونچے مقام پر تھے کہ انہیں پوری دنیا کی اقوام ہیچ نظر آتی تھیں اس لئے ان پر سرکاری زبان سیکھنے یا دنیوی علوم فنون حاصل کرنے میں کوئی خراب اثر پڑنے کا کوئی امکان نہ تھا وہ سرکاری زبان اور دنیوی علوم کو اپنے گھر کی چیز سمجھتے تھے۔ آج کے مسلمان کی طرح اغیار بلکہ ارباب کی دیوڑھ گری اور جبین سائی کا تصور نہ رکھتے تھے بلکہ اسکے برعکس وہ پوری دنیا کے لئے چشمہ فیض تھے دنیا بھر کی اقوام ان کے آستانوں سے بھیک مانگ کر آج ترقی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں۔ غرضیکہ متقدمین کے لئے سرکاری زبان اور علوم دنیویہ میں مہارت خود داری و خود اعتمادی اور تفوق و استغناء کا باعث تھی، اسکے برعکس سوئے قسمت سے آج کل انہی علوم کی بطریق جدید تعلیم ذہنی پستی اور اغیار کی غلامی و احتیاج کو قلب میں مکمل طور پر راسخ کر رہی ہے اور مسلمانوں کی گردن کو احسان اغیار کے بارِ عظیم سے اس طرح دبائے ہوئے ہے کہ ان کو اس سے نجات دلانیکے لئے کوئی نسخہ بھی کارگر نہیں ہو رہا۔ اسی غلامانہ ذہنیت اور احساس کتری کا یہ کرشمہ ہے کہ پانچویں صدی کے مسلمان ابوریحان بیرونی سے استفادہ کر کے تو اغیار چاند اور زہرہ پر پہنچ رہے ہیں جبکہ روس نے اعتراف کیا ہے مگر آج کے مسلمان ماہرین فلکیات دوسروں کی نقل میں بھی فحش غلطیاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ گریٹنج کی شاہی رصد گاہ نے روشنی کی ابتداء کا جو وقت بتایا ہے اُسے پاکستان و ہندوستان کے ماہرین فلکیات صبح صادق قرار دیکر اسکے مطابق جنتریاں مرتب کر کے ملک بھر میں شائع کر چکے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ متقدمین علوم دنیویہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد بھی تقویٰ اور زہد کی بدولت نہ خدمتِ علم دین سے غافل ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کوئی عملی کوتاہی واقع ہوتی تھی، نظریاتی تبدیلی تو درکنار انہیں سے اکثر ہر قسم کی مہارت رکھنے کے باوجود فقر و فاقہ کے عالم میں بھی خدمتِ دین میں مشغول رہتے تھے اور اسی کو سعادت سمجھتے تھے۔ اور بعض نے دنیوی ترقی کی بھی تو بڑے بڑے مناصب جلیلہ پر فائز ہونے اور مقربین سلاطین ہونیکے بعد بھی انکے اعتقاد و عمل اور خدمتِ دین میں کوئی نقص نہ واقع ہوا بلکہ اس جاہ و مال کو مزید خدمتِ دین کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا دیا گیا اسکے برعکس آج کل ہوس اور حب مال جاہ کا اس قدر غلبہ ہے کہ علوم دنیویہ بطریق جدید حاصل کرنے کے بعد خدمتِ علم دین کا تصور بھی



ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارس دینیہ میں علوم دنیویہ خصوصاً حساب ہیت اور اقلیدس کی تعلیم اشد ضروری ہے مگر کتب قدیمہ کے ذریعہ صرف اساتذہ کتب جدیدہ کا مطالعہ کریں کوئی کام کی بات پائیں تو طلبہ کو اس طریق سے سمجھائیں کہ کتب جدیدہ اور ان کے مصنفین کا تفوق ان کے ذہن میں نہ آنے پائے، اگر کتب قدیمہ ناکافی ہوں تو علماء دین جدیدہ تصنیف کریں، اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ طریق تعلیم کی اصلاح کریں زیادہ کتابیں پڑھانے کی بجائے تمرین (عملی مشق) زیادہ کرائی جائے کسی کالج کے تعلیم یافتہ کی تصنیف خواہ وہ کتنا ہی صالح اور متقی کیوں نہ ہو طلبہ کے اذہان پر یہ اثر ضرور ڈالے گی کہ انھیں یہ علوم مغرب سے ملے ہیں، ان علوم کو اگر بذریعہ کتب جدیدہ مدارس دینیہ میں لایا گیا تو ایک طرف تو انہی اور ان کے مصنفین کی خباثت کا بہت برا اثر پڑیگا اور اسکے ساتھ ساتھ نصرانیت سے ذہن مرعوب ہوگا اور دوسری طرف یہ نقصان ہوگا کہ غلبہ ہوس کی وجہ سے یہ لوگ عصری امتحانات دیکر خدمت دین کی بجائے حکومت کی ملازمت اختیار کریں گے جس میں خدمت دین سے حرمان کے علاوہ عملی اعتقادی خرابیاں بھی عموماً پیدا ہو جاتی ہیں، اگر خدا نخواستہ سب مدارس دینیہ نے یہ کار خیر شروع کر دیا اور اپنا نیم پختہ مال سرکاری دفاتر اور دنیوی منڈیوں میں بھیجنا شروع کر دیا تو آئندہ علم دین کا کوئی مدرس پیدا ہو سکی کوئی توقع نہ رکھنا چاہیے اور علم دین کو صرف چند روزہ مہمان ہی سمجھنا چاہیے، ممکن ہے کہ قرب قیامت میں نفع علم دین کا سبب یہی نظر بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ وقت نہ دکھائیں، آمین۔ انگریزی زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسکے سیکھنے سے علماء دین کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جس کا حل انگریزی زبان پر موقوف ہے جبکہ مخالف و موافق ہر قسم کی کتب کے دفاتر اردو میں موجود ہیں، اگر اس کا خدمت دین میں معین ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کا کوئی مصداق بھی دنیا میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس کا جائزہ لیں کہ کیا کوئی انگریزی خواندہ عالم دین کی کوئی بنیادی خدمت کر رہا ہے تو یقیناً اسے کالعدم ہی پائیں گے، اس سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان سیکھنا ناجائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دین کی کوئی خدمت اس پر موقوف نہیں، لہذا علماء دین کے لئے انگریزی زبان سیکھنا بے ضرورت اور غیر مفید ہے بلکہ اکثر طبائع کے لئے تو مضر ہے، آخر میں پھر گزارش ہے کہ مدارس دینیہ کو مسموم اور مولویوں کو مسٹر بنانیکے بجائے کالجوں کی اصلاح اور مسٹروں کو صحیح مسلمان بنانے پر پوری قوت صرف کرنا چاہیے۔ فقط واللہ العالی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَعْلِيَّهَا



الْكَلامُ الْبَدِيعُ  
فِي  
أَحْكَامِ التَّوَارِثِ





# الکلام البید

تاریخ تالیف \_\_\_\_\_ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

سن اشاعت \_\_\_\_\_ ۱۳۹۸ھ

عنوان :

- چندہ کی رقم کے احکام
  - کیا چندہ کی رقم صرف ہونے تک معطی ہی کی ملک رہتی ہے؟
  - چندہ کی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟
  - کیا معطی کے انتقال کی صورت میں اس رقم میں وراثت جاری ہوگی؟
  - کیا معطی کو اپنی رقم واپس لینے کا اختیار ہے؟
  - مد زکوٰۃ کو دوسرے مصارف میں لگانے کے لئے
- مذہب حیلوں کی حقیقت



## چندہ کی رقوم کے احکام

سوال : مدارس دینیہ میں صدقات واجبہ اور عطیات کی جو رقوم جمع ہوتی ہے اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ مینواتوجروا

الجواب باسم مہدم الصواب

بعض علماء کا خیال ہے کہ چندہ کی رقوم جب تک صرف نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ معطلی ہی کی بلک میں رہتی ہے اس بنا پر ان رقوم سے متعلق اشکالات ذیل حل طلب ہیں۔

(۱) ان رقوم پر حولان حول کے بعد زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زکوٰۃ فرض ہے تو اسے ادا کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جبکہ ان کے مالکوں کا کچھ علم نہیں، اس لئے کہ اذلا تو چندہ دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے جن میں سے بیشتر کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے پھر چندہ کی سب رقوم ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اور حسب موقع خرچ ہوتی رہتی ہیں، اس صورت میں یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ اس میں کس شخص کی کتنی رقم ہے۔ کسی نے پچاس برس پہلے رقم دی تو اب تک اسکی بھی شرکت چلی آتی ہے اور آئندہ بھی یہ شرکت جاری رہے گی۔

(۳) چندہ دینے والوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکے چندہ کی رقم اس کے ترکہ میں داخل ہوگی۔ لہذا ادارہ وصیت و قرض اور وارثوں کے حقوق اس سے متعلق ہونگے، وارثوں میں نابالغ اور مجنون بھی ہو سکتے ہیں جو برابر و تبرع کے اہل نہیں۔ پس اس رقم کو واپس کرنا فرض ہوا اور یہ ۲ میں مذکورہ وجوہ سے ناممکن ہے۔

(۴) ہر چندہ دہندہ کو ہر وقت اپنی رقم کے استرداد کا حق ہوگا اور اس پر وہی اشکالات ہونگے جو ۲ میں بیان ہوئے۔

اب ان اشکالات کا حل تحریر کیا جاتا ہے۔

صدقات واجبہ کی مد میں جمع شدہ رقم پر تو حولان حول کے بعد عدم وجوب زکوٰۃ ظاہر ہے اس لئے کہ اگر یہ رقم اصل مالک ہی کے پاس رہتی اور وہ کسی کو چندہ میں نہ دیتا تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کئی سال کی زکوٰۃ باقی ہو تو سال اول میں واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار کل مال سے وضع کر کے دوسرے سال باقی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

قال فی التویر وسببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد و فی الشرح



سواء كان لله زكوة وخراج، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله زكوة) فلو كان له نصيب جال عليه حولان فلم يذكره فيها لان زكوة عليه في الحول الثاني (رد المحتار ص ۲ ج ۲)

مد عطیہ کی رقم مہتمم کی تحویل میں دیدینے کے بعد معطی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں،

قال في الهندية رجل اعطى درهما في عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه وان كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد فاشبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذا في الواقعات الحسامية (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۲ من ۲ ج ۲) وفيها ايضا متولى المسجد اذا اشترى بمال المسجد حانوتاً او داراً ثمر باعها جازاً اذا كانت له ولاية الشراء هذه المسألة بناء على مسألة اخرى ان متولى المسجد اذا اشترى من غلة المسجد داراً او حانوتاً فهذه الدار وهذه الحانوت هل تلتحق بالخوانيت الموقوفة على المسجد ومعناه انه هل تصير متقفاً يختلف المشايخ رحمهم الله تعالى قال الصمد والشهيد المختاران لا تلتحق ولكن تصير مستغلاً للمسجد كذا في المضمهرات (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۵ من ۲ ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ عطیہ کی رقم معطی کی ملک سے خارج ہو کر مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے یہاں ملک بمعنی منحصر ہے ورنہ حقیقت ملک غیر زوی العقول کے لئے غیر معقول ہے، ان رقم کی نظیر غلۃ الوقف ہے۔ پس رقم عطیہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا، جب معطی کی ملک ختم ہو گئی تو نہ وجوب زکوٰۃ کا سوال رہا نہ استرداد کا اور نہ ہی موت معطی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے جس طرح معطی پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح مہتمم مدرسہ پر بھی اس سے زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں لما مرانہا بمنزلة غلة الوقف،

اب صرف رقم صدقہ میں استرداد اور موت متصدق پر وارد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم بھی مہتمم مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ صدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں، البتہ اس رقم کے مستحقین کو مالک بنانے سے قبل زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، خروج عن الملك ادا زکوٰۃ کو مستلزم نہیں، مثلاً کسی نے دوسرے کو قرض دیکر یہ کہا کہ یہ رقم مجھے واپس کرنے کی بجائے میری طرف سے کسی مسکین کو زکوٰۃ میں دیدیں اس صورت میں قرض دینے سے مقرض کی ملک ختم ہو گئی مگر ابھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ غرضیکہ جس طرح مد عطیہ منحصر للمدرسہ ہو جانے کی وجہ سے معطی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے

مہ وفی بعض النسخ وان كان لا يمكن تصحيحه وفقاً يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد واشبات الخ ۱۲ منہ



اسی طرح بد صدقہ بھی مختص لکھ رہا ہے اگرچہ اسکے ایک خاص شعبہ کے لئے ہے۔

غرضیکہ بد صدقہ بھی مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے اسلئے بد عطیہ کی طرح رقم صدقہ کے استرداد کا بھی حق نہ ہے گا اور موت متصدق ناداس پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا، معذرا مزید احتیاط کے لئے بد صدقہ کی رقم کو بذریعہ تملیک بد عطیہ میں شامل کر لیا جائے تو بہتر ہے، تملیک کی صحیح صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم کی ضمانت پر قرض لیکر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم بد زکوٰۃ سے اسکا قرض ادا کر دے، عام طور پر جو حیلہ مروج ہے وہ صحیح نہیں۔

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ مہتمم طلبہ کا دیکھل ہے لہذا مہتمم کے قبضہ میں آنی والی رقم خواہ عطیہ ہوں یا صدقات معطی کی ملک سے نکل کر طلبہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، یہ خیال بوجہ ذیل باطل ہے (۱) معطی کی نیت طلبہ کو مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ مجموعی طور پر دینی ادارہ پر خرچ کرنیکی نیت ہوتی ہے طلبہ کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ مدرسہ کے پورے خزانے کے مالک ہیں۔

(۲) جب اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مجموعہ طلبہ پر تقسیم کرنے سے ہر شخص کا حصہ بقدر نصیب ہو جائے تو اسکے بعد مہتمم کے لئے کسی سے مزید رقم مدرسہ کے لئے لینا جائز نہ رہے گا بلکہ حوالان حول کے بعد ہر طالب علم پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور معطی کو اسکا علم ہونیکے باوجود اسنے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قال فی العلائقہ ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن مکان متبرعاً الا اذا وکلہ الفقراء، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله اذا وکلہ الفقراء) لانه كلما قبض شيئا ملكوه وصار خالطاً مالهم بعضه ببعض ووقع زکوٰۃ عن الدافع لكن بشرط ان لا يبلغ المال الذي بيد الوكيل نصيباً فلو بلغه و علم به الدافع لم يحجزه اذا كان الاخذ وكيلاً عن الفقير كما في البحر عن الظهيرية، قلت وهذا اذا كان الفقير واحداً فلو كانوا متعددين لا بد ان يبلغ لكل واحد نصيباً لان ما في يد الوكيل مشترك بينهم فاذا كان ثلاثاً وما في يد الوكيل بلغ نصابين لم يصيروا اغنياء فتجزى الزکوٰۃ عن الدافع بعده الى ان يبلغ ثلاثاً انصاء (رد المحتار ص ۲۷)

(۳) ہر طالب علم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جب چاہے مہتمم کی وکالت ختم کر کے اپنے حصہ کی رقم کا مطالبہ کرے خصوصاً جب وہ مدرسہ چھوڑ کر جا رہا ہو۔

(۴) طالب علم کے انتقال پر اسکے حصہ کی رقم اسکے ترکہ میں داخل ہوگی۔

(۵) مہتمم، اساتذہ اور مدرسہ کا پورا عملہ طلبہ کے تنخواہ دار ملازم ہونگے، اس نظریہ کے مطابق نہ تو مدرسہ کا نظم صحیح رہ سکتا ہے اور نہ ہی طلبہ کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں طلبہ کے قلوب میں اساتذہ



کی کیا وقعت ہوگی اور اس علم میں کیا نور ہوگا جو اُستاذ کو نوکر سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔  
یہ اشکالات اسلامی بیت المال پر وارد نہیں ہوتے اسلئے کہ ساعی کے قبضہ میں آنے والا مال اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے مگر فقیر کی ملک میں داخل نہیں ہوتا، کتب فقہ میں اسکی تصریح ہے کہ بیت المال میں فقرار کا حق ہے اور حق ملک عدم حقیقت ملک کو مستلزم ہے، خروج الشیء عن ملک لا الی ملک کے نظائر موجود ہیں، جیسے وقف، بیع بالخیار اور ترکہ مستغرقہ بالذین۔

بحر زکوٰۃ الغنم کے آخر میں ہے انہ الدفع الی المصدق لایزیل ملکہ عن المدفوع، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام حول سے قبل زکوٰۃ دی ہو، اس صورت میں ساعی کو ولایت جبریہ حاصل نہیں بلکہ یہ معطی کا وکیل ہے اس لئے فقیر کو دینے سے قبل معطی کی ملک زائل نہیں ہوتی، مہتمم مدرسہ کو بھی اگرچہ ولایت جبریہ نہیں مگر اس میں اور اعطاء ساعی قبل تمام الحول میں یہ فرق ہے کہ اول میں عمارت وقف میں صرف متعین ہے اور ثانی میں مطلقاً تصدق علی الفقراء مقصود ہے لہذا اول بحکم وقف ہونے کی وجہ سے مزیل ملک ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ سے عطیہ مسجد کا حکم گزرا، ثانی بحکم وقف نہیں اس لئے مزیل ملک نہیں،

رہا بیت المال پر یہ اشکال کہ بدون تملیک فقیر زکوٰۃ ادا کرنا کیسے صحیح ہو جاتا ہے؟  
اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال میں خلاف قیاس حق ملک کو حکماً حقیقت ملک قرار دیدیا گیا ہے جیسے کہ دین قوی میں حق ملک کو حقیقت ملک قرار دیکر دائن پر جو بکوۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔  
مدارس کے خزانے کو بیت المال پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ خلاف قیاس ہونگی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر ہے گا، علاوہ ازیں یہاں تو وجہ القیاس ہی موجود نہیں سلطان کی ولایت جبریہ عامہ پر مہتمم کی وکالت اختیار یہ خاصہ کو قیاس کرنا کوئی جواز نہیں، شامیہ کی گزشتہ عبارت لائنہ کما قبض شئاً مملوۃ الخ سے بھی ثابت ہوا کہ وکالت اختیار یہ ولایت جبریہ کے حکم میں نہیں۔ وجہ الفرق یہ ہے کہ اخذ زکوٰۃ کی ولایت جبریہ میں نفس اخذ ہی سے صحت زکوٰۃ کا حکم نہ لگنے میں حرج عظیم ہے۔

حاصل یہ کہ مدارس کی رقوم صرف خروج عن ملک المعطى میں بحکم بیت المال ہیں، ادارہ زکوٰۃ میں بحکم بیت المال نہیں اس لئے بدون تملیک مستحقین زکوٰۃ ادارہ ہوگی، اور مدرسہ کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، نقطہ واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲/رمزی الحجہ ۱۳۹۵ھ  
نظر ثانی؛ خزانہ مدرسہ بحکم بیت المال ہے، اس میں مال زکوٰۃ داخل ہونے سے زکوٰۃ ادارہ ہو جاتی ہے لہذا تملیک طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں تفصیل تتمہ میں ہے، ۲۰ ذیقعد ۱۴۰۴ھ



وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ



صِيَانَةُ الْعُلَمَاءِ

عَنِ الدُّلِّ عِنْدَ الْأَعْيَانِ



مكتبة فاروق



## صيانة العلماء

سن تالیف \_\_\_\_\_ سن ۱۳۹۶ھ

سن اشاعت \_\_\_\_\_ سن ۱۳۹۸ھ

اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی  
 دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں بالخصوص دینی مدارس  
 کے لئے چندہ کر لے کا عام دستوریوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر  
 اہل ثروت کی دکانوں اور دکانوں پر جا جا کر خوشامد، تملوق اور  
 الحاح و اصرار کے ساتھ دست سوال دراز کرتے ہیں اہل ثروت  
 ان کو زلت کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کے لئے  
 نازیبا الفاظ استعمال کر کے ان کی تذلیل کرتے ہیں جو درحقیقت  
 دین اسلام کی تذلیل ہے، یہ اتنا برا المیہ ہے کہ اس کے تصور  
 بھی شرم سے آنکھیں جھٹک جاتی ہیں اور دل پر آ رہے چلنے لگتے  
 ہیں دین اور علماء دین کی اس تذلیل و توہین میں اہل مدارس  
 اور اہل ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں

اس رسالہ میں ان دونوں طبقوں کے لئے صراطِ مستقیم کی  
 ہدایت ہے، اللہ کرے کہ ایک عاجز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز  
 کسی دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت عطا فرمائیں  
 آمین



## چند مانگنے کا مروجہ طریقہ جائز نہیں

سوال : آجکل عام طور پر دینی مدارس میں یہ دستور ہو گیا ہے کہ چندہ کرنے کے لئے مستقل سفیر رکھے جاتے ہیں جو مختلف لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں لوگوں کے مکانوں اور دکانوں پر پہنچتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر کچھ نہ کچھ وصول کرنے کے لئے بیدار کر رہے ہیں، بالخصوص ماہ رمضان میں دینی مدارس کے سفیروں کی ٹولیاں نظر آتی ہیں جن کے خوف سے اکثر دکاندار پردہ میں چھپ کر بیٹھتے ہیں، کیا چندہ کرنا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، حالانکہ یہ ایک قسم کا جبر ہے؟ بلینا تو جوڑا

الجواب باسم ملہم الصواب

مدارس دینیہ کے لئے آجکل چندہ کرنے کا جو طریقہ مروج ہے جس کی قدرے تفصیل سوال میں لکھی گئی ہے یہ قطعاً ناجائز ہے، دینی کام کرنے والوں کو مستغنی رہنا چاہیئے استغناء اور دین کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے از خود جتنی رقم کا انتظام ہو جائے اسی قدر کام پر اکتفا کریں۔ اور اگر چندہ کرنا ہی ہے تو عام خطاب کی گنجائش ہے۔ خاص خطاب ہرگز جائز نہیں، بعض دفعہ عام خطاب بھی حکم خطاب خاص ہوتا ہے وہ اس صورت میں کہ عام مجلس میں کچھ خواص موجود ہوں، جو اس عام خطاب کے بعد کچھ رقم نہ دینے میں عار محسوس کرتے ہوں، تو یہ صورت بھی حکم خطاب خاص ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خطاب عام میں بھی زیادہ الحاح و اظہار احتیاج درست نہیں، بلکہ استغناء کے ساتھ اظہار مصروف پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

آجکل ایک عام دستور یہ ہو گیا ہے کہ اہل خیر کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ طریقہ انفرادی طور پر کسی سے کچھ سوال کر نیکی بہ نسبت بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس صورت میں جمع میں رسوائی سے بچنے کے لئے بادلِ نحواستہ چندہ دینا پڑتا ہے جو بلاشبہ جبر ہے اس لئے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی سے چندہ مانگتا ہے تو اُنکے آپس میں تعلق کی تین قسمیں ہیں (۱) وجاہت (۲) محبت (۳) جنیت۔ اگر ایسے شخص کے پاس چندہ کرنے کے لئے گیا کہ جس پر اُس کی وجاہت کا اثر ہے خواہ وہ دینی مرتبہ کی وجہ سے ہو یا دنیوی مال و دولت یا منصب کی بنا پر، یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں چندہ دہندہ جانے والے کی وجاہت سے متاثر ہو کر بادلِ نحواستہ رقم دیتا ہے جو حلال نہیں لقولہ علیہ السلام لا یحِلُّ مال امرئ مسلم الا بطیب



نفسہ (مسند الامام احمد رحمہ اللہ)

اور اگر بغیر کسی خاص تعلق اور رابطہ کے چندہ کرنے جاتا ہے تو اس میں اپنی توہین ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی توہین ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، باقی صرف محبت کا تعلق رہ گیا اسکی دلیل یہ ہے کہ آپس میں اسقدر بے تکلفی ہو کہ جس سے چندہ طلب کیا گیا وہ اپنی کسی مصالحت کی بنا پر چندہ نہ دینا چاہے تو اسے ازکار کرنے میں ذرا بھی تکلف اور ندامت نہ ہو، اور اسکے انکار کرنے پر طلب کرنے والے کو ذرا بھی ناگواری نہ ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی قسم کا تعلق محبت تھا، احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی مشورہ دیا انھوں نے قبول نہیں کیا نہ ان صحابی کو انکار کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہوئی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کا انکار ناگواری کا باعث بنا، غرضیکہ اس قسم کی بے تکلفی کا تعلق ہو تو چندہ کے لئے خطاب خاص بھی جائز ہے۔ مگر آجکل ایسا تعلق عنقا ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ آجکل خطاب ناص بہر حال ناجائز ہے۔

اہل مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے (۱) کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے، اتنی درسگاہیں ہونگی اتنے اساتذہ ہونگے، اتنا بڑا کتب خانہ ہوگا، حتیٰ کہ سنگ بنیاد رکھنے سے قبل ہی دارالعلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں اب اتنے بڑے کام کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداءً مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے، اسکے بعد جیسے جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں۔ یعنی جتنی رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپکے اس چھوٹے سے کام کو دارالعلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے، ورنہ انکی مرضی کے مطابق جتنا کام بھی ہو سکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اسکا ظاہر اچھوٹا سا وجود بھی عند اللہ بہت بڑا ہوگا۔

(۲) مدرسہ کو ایسا مقصود بنالیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت و بقا پر دین کو قربان کر دیا جائے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظتِ دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر



(۳) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان، اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور ”انما عند ظن عبدی بی“ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دنیا داروں کے دروازوں پر دھکے نہ کھاتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہل ثروت ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں کی نظریں ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم، ومن یتق اللہ یمجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فہو حسیب، ومن یتق اللہ یمجعل لہ من امرہ یسرًا، ومن یمہجر فی سبیل اللہ یمجد فی الارض مراغماً کثیراً و سعۃً و من یتغن یغنہ اللہ، و من یتعفف یعفہ اللہ جیسی نصوص پر کیوں نہیں پڑتیں، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ان کے دلوں میں کیوں نہیں اُترتے اور ان قطعی وعدوں پر انکو یقین کیوں نہیں آتا، اور دعا اللہم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ کی توفیق کیوں نہیں ہوتی، مروجہ طور پر چیدہ کرنے کے فسادات و قبائح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور ان پر توکل و اعتماد کی تعلیم پر حضرت تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ ”تأسیس البنیان علی تقوی من اللہ در ضوان“ ہے۔ نیز حضرت قدس سرہ کا ایک رسالہ ”التوزیع عن فساد التوزیع“ بھی ہے جس میں چندہ کرنے کے مفاسد کے علاوہ رقوم چندہ کے مصارف کے مفاسد بھی بیان فرمائے ہیں اہل مدارس پر لازم ہے کہ ان دونوں رسالوں کو حرزِ جان بنالیں اور انکے مطالعہ کا معمول ہمیشہ



کے لئے جاری رکھیں۔ اپنے قول اور عمل، استغفار و خود داری سے اہل ثروت پر یہ حقیقت واضح کر دیں کہ اللہ کا دین تمہاری اعانت کا محتاج نہیں بلکہ تم محتاج ہو اور تمہاری اپنی ضرورت ہے کہ تمہاری رقوم کسی دینی کام میں لگ جائیں اس لئے اہل مدارس پر تمہارا کوئی احسان نہیں بلکہ اہل مدارس کا تم پر احسان ہے کہ تمہاری رقوم کو صحیح مصرف پر لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔ علم دین کا مقام تو بہت بلند ہے کسی عامی مسکین کو صدقہ دینے والے کے بارے میں احیاء العلوم میں مشہور محدث امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے اُس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اسکے منہ پر مار دیا جاتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ اہل مدرسہ چندہ دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل ثروت کو اہل مدرسہ کا شکریہ گزار رہنا چاہیے کہ انکی رقوم قبول کر کے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیح مصرف پر لگاتے ہیں۔

اہل ثروت کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے انکے خزانوں کی ضرورت نہیں، ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتیٰ ینفصوا واللہ خزائن السموات والارض ولکن المنافقین لا یفقہون ہ اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراؤ گے تو اللہ تعالیٰ خدمت دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔ وان تتولوا یستبدل قومًا غیرکم ثم لا یكونوا مثالکم، انشاء اللہ تعالیٰ دین کا کام بند نہیں ہوگا اگر بظاہر کوئی مدرسہ بند بھی ہو گیا تو درحقیقت وہ بند نہیں ہوا بلکہ اہل ثروت کی بے قدری اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چشمہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کو کسی دوسری جگہ کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے۔ جیسے کوئی نادان بچہ یا کوئی دیوانہ پھونکوں سے چراغ بجھانا چاہے تو چراغ کو اٹھا کر کہیں دُور رکھ دیا جاتا ہے، اب کسی کو روشنی کی ضرورت ہو تو چیل کر چراغ کے پاس جائے، حکومت نے کسی علاقہ سے انتظامیہ کا دفتر یا ہسپتال اٹھا دیا تو یہ کام ختم نہیں کر دیا گیا بلکہ وہاں کے باشندوں کی نالائقی کی وجہ سے ان سے قرب کی سہولت اٹھا کر ان کا انتظام یا علاج دُ کسی مقام سے وابستہ کر دیا ہے۔

علماء کا اہل ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور زبان کھولنا تو درکنار کسی گوشہ قلب میں بھی ان کی طرف میلان نہ پایا جائے، قلبی جھکاؤ کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی اہل ثروت کے قلوب میں عظمت باقی نہیں رہتی۔



دارالعلوم سے ایک منتهی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے میرے پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین نوجوان عورت بناؤ سنگار کر کے مزین لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام کی بیوی ظاہر کر رہی ہے اور خوشامد کر رہی ہے کہ امام ایک نظر اس کی طرف دیکھیں مگر امام نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں۔

میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس فکر میں بعض دفعہ نیند نہیں آتی، میں نے کہا کہ بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمام تر زیب و زینت کے ساتھ تمہاری ایک نظر کی خواہشمند ہوگی اور تم کہو گے کہ مجھے ضرورت نہیں، علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بجال کر کے ”انتہ الدنیا دھو راعمہ“ کا مشاہدہ کریں۔

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیرنگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مرگیا، اسکا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ اس لڑکے میں حکومت کرنیکی صلاحیت ہے یا نہیں اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اس وقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاحاً لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لٹکا کر فرمایا، ”چھوڑ دوں؟“ لڑکے نے کہا کہ جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خوف؟ ایک بیٹے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد، کاشکہ آج کے مسلمان کو مالک ارض و سما پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کی مگر اسنے صرف اہل اللہ کی نقل اتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرا دیا، کاشکہ اہل ثروت کے روازی پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ سے اہل اللہ کی نقل اتارنے ہی کا سبق حاصل کر لیں۔

فقط واللہ الموفق لمرضیاته

۳ جمادی الثانی ۱۰۹۷ھ

ہمارے قصبہ میں مسجد کی تعمیر سے متعلق بندہ کے ایک خط کا عکس احباب نے لے لیا اور اسکی اشاعت کی خواہش ظاہر کی۔ موقع کی مناسبت سے آئندہ صفحات پر یہ عکس دیا جاتا ہے اہل مدارک کے لئے اللہ تعالیٰ اسے کحل الجواہر بنائیں۔ امین۔

۵۷ پوری حدیث رسالہ کے آخر میں عنوان تنقہ کے تحت درج ہے ۱۲۷



امام احمد بن حنبل

ارشید احمد

713361-1

[illegible]

یا اللہ! ان عاقلین صادقین (حاج) صدقہ، تیرے محبت میں بحال ہو واپس آئی ہو  
 محمدیہ، (کی آج وہ) تیرے دروازے پر آئے، صدقہ، ان کے دل و مقررہ صدقہ، (تیرے  
 عشق و صدقہ، نعرہ ستانہ (تیرے) صدقہ، (کی پرکش ن حالی، پرکش ن حالی، تیرے  
 سر، عاقل ستانہ عاقل ستانہ آج صدقہ

ادھر تو نئی خوشیوں شہد ہے واپس یہاں  
دیر ترے لئے کمر لگاؤں خیر کماں

یا اللہ! اور پھر شیخ قیصر سوز گلب ہر شے میں بھی حصہ دار وافر عطا فرما، آمین

آپ نے فرمایا ہے کہ ہمیں ہر حصہ لینے والے کو ایک حصہ دینا چاہیے۔  
پیغام دیا جائے کہ وہ ہر ایک کو ایک حصہ دے گا۔

[illegible]

چوں چتر سحری گریخ نغمہ سپان باد، گردِ دلِ مرد و دیوی ملکِ حرم

وانتہا بانیتم خلد ملک انعم شب من ملک عمر و یک عمر

میرے ساتھ رہے رت کریم کا ساتھ یہ سب کچھ کئی خود رت کے لئے تیار ہو کسی کو  
بھیج دیتے ہیں وہ ان کو ملتی، فوٹا ملتا رہا جو کچھ شیکش کٹر، ہارڈس، نمرے کٹر، ہارڈس، بعض  
تولیمہ جو کٹر ہیں، کتے ہیں "حضور رحمت" بسے غرض کٹر، ہارڈس، نمرے کٹر، ہارڈس، بعض  
رہے کہ کرم پرستی میں وہ کمرورے ہیں، کٹر، ہارڈس، نمرے کٹر، ہارڈس، بعض







تشریح

بندہ ۵ معمول ہر جب کبھی ترسم ۵ کوئی شعور لکھتا ہوں تو بغیر ترسیت و تسلیم توکل اپنے  
گھر میں رہتا ہوں، میرا مخصوص تفریح اتنا ہے کہ طبیعت و سنا زیا کرتا ہوں، چنانچہ خط مذکور کا ایک نقل  
بدینہ طبیعت بھیج کر بھیج دیا ہوں جس پر یہ ترسیت لکھی ہے

”للاذی اذ التوکل علی اللہ العالی العزیز الکریم ولا یستغنی عن اللہ ما سئل“  
طبع کو جب یہ خط سنایا گیا تو انہوں نے اسے غصے سے لے کر خور سے ظاہر کی جس سے میری  
جس ملازم کو بھیجا گیا انکو کھرا سے شوق ہو گیا اس طرح رفتہ رفتہ یہ سلسلہ چل نکلا تو خط کے  
متعلق بعض امور کی تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی جو درج ذیل ہیں  
۱۔ آجی نام سید ۵ مکمل ۵ م خود بلا شرکت نیز کمر ناپا جائے تھے، آجی نام متعدد ہر زمانہ میں باغ  
فروخت کر دے سٹھ مزلہ کی رقم مخصوص فرمائی، ایک نفع بخش تجارت ۵ علم علیہ توفیق ہر ماہ  
دریں میں یہ رقم ادا نہیں کی کہ کدھم کی صنعت بھی سب سے پہلے پر خرچ کی جاگئی مگر بعد ازاں  
تجارت میں اصل سرمایہ بھی ڈب گیا، اس پر آجی نے اپنے منتخب میرزا بیت اظہیان کے اظہار  
فرمایا کہ یہ شعر تحریر فرمایا:

قیمت خود ہر دو عالم گنتہ، نرخی بالاکن ہر از دانی سنور

(۲) خط میں بنیادی شعور دلالت کرتا ہے ہر ایک پر سفر چھ در حالات و جذبات کو نظم فرمایا تھا،  
یہ نظم کیا نہیں جس درد دل میں شعر مذکور کا مطلب ہیں

”نیم ہر مینہ ننگ سر شیموں کی طرح پھر سے میری شہد در میر گدالی کہ میر حاضر ہیں، اگر ہم توفیق عطا فرما،  
(۳) مجھے اپنے نام ۵ پیدہا بنا طبعاً ناگوار ہے، میر کر گرامہ دلدنے امر ار کیا ہر جب کراہ و صول کر گندہ  
لڑ بھوں اس پیدہا کر گندوں، انکی خاطر مجھے پیدہا بنا ہوا

(۴) میر نے پیدہا بنا پیدہا سے نہ میر چھا پیر سے ہر خون جھ کوئی ٹھہ نہ میر  
سافر در سر امان شبے بکسر غرماند، اگر مانڈے مانڈے دیگر غرماند  
اللہ تعالیٰ ہم سب کو نساء دنیا در استغفار لاد کر توفیق و شوق وطن کا دوست سے نواز کر آمین

الحمد للہ

آجی ۵ جواب..... نے کہا کہ بھوکھلا کر دیں  
میر اپنی جاغت میں ۵ اظہار کر دیں مجھے یہ بات اچھی معلوم ہوئی  
مگر انہیں کہنے سے کہیں، الحمد للہ میر میر خاق در مطابق  
آجی نے عمل کو دل خوش کر دیا

۱۲۰۱۲۰۹۶

۲۳ فروری ۱۳۹۶ھ



رسالہ صیانت العلماء ابھی کتابت کے بعد تصحیح کے مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ عزیز محترم مولوی احتشام الحق آسیا آبادی کا خط موصول ہوا جو ان کی بستی آسیا آباد (بلوچستان) میں حال ہی میں جاری کردہ مدرسہ دینیہ کی طرف توکل علی اللہ والاستغناء عما سواہ کی برکت سے جذب قلوب کی خبر پر مشتمل تھا نگاہ عبرت جو کے لئے اسے بھی رسالہ صیانت العلماء کا جز بنایا جاتا ہے۔

اس مدرسہ کے مختصر کوائف کا بیان برکات توکل کے اظہار اور تحصیل توکل کے لئے زیادہ نافع ہوگا  
 (۱) یہ مدرسہ بلوچستان کے ایسے پسماندہ اور دور افتادہ علاقہ میں ہے کہ جس کی بیچارگی کا اندازہ بدون مشاہدہ کے نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) یہ مدرسہ بالکل نو مولود ہے، اس کی عمر ابھی صرف چند ماہ کی ہے۔

(۳) اس مدرسہ کو جاری کرنے والے مولوی احتشام الحق بالکل نو فارغ نوجوان ہیں، حال ہی میں دارالافتاء الارشاد کے شعبہ تمرین افتاء سے فارغ ہوئے ہیں جزکاتنا حال نہ علمی حلقوں میں کوئی مقام ہے اور نہ ہی کوئی دیوی و جاہت۔

(۴) علاقہ کے دنیا دار بے دین عناصر نے مدرسہ کے لئے بہت بھاری رقوم پیش کیں مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیں، جب وہ اس طرح مولوی صاحب کو رام نہ کر سکے تو کئی جھوٹے مقدمات دائر کر دیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولوی صاحب کو بڑی کرا دیا۔

(۵) چند روز قبل مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کچھ باثراہل ثروت مدرسہ سے تعاون کی پیش کش کر رہے ہیں اسے قبول کروں یا نہیں؟ میں نے ان لوگوں کے کچھ کوائف معلوم کرنے کے بعد ان کی امداد قبول کرنے سے مولوی صاحب کو منع کر دیا۔

ان کوائف کو سامنے رکھ کر اب مولوی صاحب کے خط میں توکل کی برکات کا مشاہدہ فرمائیں۔

از تربیت مکران

نجفی و محبوبی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب خیر بخیر و عافیت ہے اما بعد

کل مدرسہ کے لئے ایک صاحب نے ۳۲۳۴/- روپے قطر (عربین گلف) سے بھیجے ہیں، ایسے ہی اس سے قبل بھی متعدد بار مسقط اور دوسرے بعض ملکوں سے کچھ لوگوں نے رقوم بھیجی ہیں۔ اسی طرح آج ایک خط عرب کے کسی علاقے سے آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ چند ہزار کی رقم مدرسہ کے لئے میرے پاس ہے



میں مارچ کے ماہ میں بھیج دوں گا، ان حضرات میں سے بعض کو میں جانتا ہوں اور بعض کو نہیں جانتا لیکن وہ مجھے جانتے ہیں۔ اول الذکر اور جن کے خط کا ذکر کیا ہے ان دونوں کو میں جانتا ہوں، دیندار ہیں ڈارٹی بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بھی کئی بار حاضر ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حضرات کی بھیجی ہوئی رقوم اب تک میں نے لے لی ہیں کیا ان حضرات اور دوسرے ایسے لوگوں کی رقم مدرسہ کے لئے قبول کر لیا کروں یا نہیں؟ یا اس سلسلہ میں ان حضرات سے کچھ شرائط مقرر کروں اور وہ کیا؟ واضح رہے کہ اتنا گمان غالب ہے کہ اتنی رقم یہ حضرات اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہیں اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ رقم حاصل کی ہوگی۔  
 نمبر ۲۔ نیز بعض لوگوں نے عرب ممالک سے لکھا ہے کہ آپ کے (رقم کے) بعض جاننے والے مدرسہ کے لئے ہمارے پاس ماہانہ یا ہنگامی طور پر رقم دینے کے لئے آتے ہیں آپ کوئی رسید بک رسال کریں تاکہ ان کو رسید بھی دیدی جائے، نیز رقوم کا حساب بھی سہولت سے رکھا جاسکے، اس سلسلے میں بھی حضرت والا سے مشورہ کی درخواست ہے۔ والسلام

جواب

رشید احمد

۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۷ ہجری

دعاؤدے کا طالب

احتشام الحق آسیا آبادی

۲۲ صفر سنہ ۱۳۹۷ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز محترم زیدت معالیکم

وعلیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے قلوب کو مدرسہ کی اعانت کی طرف متوجہ فرمانا اور دینی کام کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمانا ان کا بہت بڑا کرم ہے، ہم جیسے نالائقوں پر ان کے اتنے بڑے کرم کی خبر پڑھ کر فرطِ ندامت و فرطِ مسرت سے مرکب کیفیت کے غلبہ سے میری آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور بے ساختہ اسی حال میں سجدہ میں گر پڑا۔

یا اللہ! تیرے اس کرم کے صدقہ سے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری ناچیز مساعی اور جہد المقل کو قبول فرما اور ہمارے تمام اقوال، افعال، نیات، ارادات، خطرات اور جملہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق بنائے، ماضی کی طرح مستقبل میں بھی صرف اپنا ہی محتاج رکھ، غیر کی احتیاج سے حفاظت فرما، ہمارے قلب کی توجہ کو اپنی ذات پر اس طرح مرکوز فرما دے کہ قلب کے کسی گوشے

سے لفظ مارچ نقل کرتے وقت اسلامی مہینوں کے استعمال کی اہمیت سے متعلق حضرت والا کی تقریر پھر تازہ ہو رہی ہے ۱۲ آس



میں بھی غیر کا گزرنہ ہو سکے اللہم اقدف فی قلبی رجاءک و اقطع رجائی عمن سواک حتّٰی لا ارجو احدًا غیرک آمین ۵

خذوا فتاویٰ و فتشوا و قلبوا بما تریدوا

فلن تحسوا به سواکم زدو علی المحضور زید

رسید جب بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ معطین اور مرغبین کی شرائط درج ذیل ہیں، نقل کر کے احباب کو ارسال کر دیں۔

شرائط معطین :

- ① صحیح العقیدہ ہوں۔
  - ② ذریعہ معاش حلال ہو۔
  - ③ ان سے کبھی احسان جملانے کا خطرہ نہ ہو
  - ④ کبھی کسی نا جائز یا نامناسب کام میں آپ سے تعاون کی درخواست کر نہ کیا اندیشہ نہ ہو۔
- شرائط مرغبین :

- ① صرف ایسے احباب سے ذکر کریں جن کے ساتھ بے تکلفی اور خلوص محبت کا ایسا تعلق ہو کہ وہ کچھ نہ دینے میں اپنی بسکی محسوس نہ کریں اور ترغیب دینے والے کو قطعاً کوئی ناگواری نہ ہو۔
- ② ترغیب میں شان استغناء کا مظاہرہ ہو۔
- ③ الحاح و اصرار سے بالکل احتراز کریں۔
- ④ کسی کے سامنے ایک بار ذکر آنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہ کہیں۔
- ⑤ وجاہت سے کام نہ لیں۔
- ⑥ کسی ایسے شخص سے نہ کہیں جو کسی وجہ سے ان کا محتاج یا زیر بار ہو۔
- ⑦ دینے والوں کا شکریہ ہرگز ادا نہ کریں بلکہ شکریہ کی بجائے انھیں جزاکم اللہ تعالیٰ کی دُعا دیں۔

ان شرائط سب سے کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص مرغبین کی وجاہت یا اس کی طرف اپنی حاجت یا غلبہ مرآت یا نہ دینے میں شرمندگی و خفت وغیرہ کے باعث نہ دے بلکہ طن غالب حاصل ہو جائے کہ طیب خاطر و مشرح صدر سے دے رہا ہے۔ نیز دینے والا یہ سمجھ جائے کہ وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں اسکا اپنا فائدہ ہے و فقنا اللہ الجمیع لایحبب و یرضی، آمین



آپ کے نام قطر دوحہ سے دو ہزار روپے کا ڈرافٹ اور یونائیٹڈ بینک سے ایک لفافہ آیا ہوا ہے انہیں کیا کیا جائے؟ فقط والسلام علیکم

## تمہ — التَّوَكُّلُ التَّقْوَى

### القرآن

- رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا
- إِنَّ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ
- إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ
- مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مَرْسَلٍ لَهُ مِنْ بَعْدِكُمْ
- وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ رَحْمَةٍ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقُهُمْ وَمَنْ تَحْتَ آرْجُلِهِمُ الْآيَةُ
- وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - الْآيَةُ
- وَمَنْ يَهْجُرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مَرَاغِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ط
- وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ
- وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَرِزْقًا غَيْرَ كَاسِبٍ وَلَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ - الْآيَةُ
- وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا
- وَلَيَقُومَنَّ اسْتَغْفَرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ نَزَّلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَزِدْنَاهُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِهِمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مَجرِمِينَ
- اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْ يَخْرُجُوا مِنْكُمْ

### الحديث

- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



من كانت الآخرة همته جعل الله غناه في قلبه وجمع له شمله وأتته الدنيا وهي راغمة ومن كانت الدنيا همته جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم يأت من الدنيا إلا ما قدر له (١)

○ عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو أنكم كنتم تؤكلون على الله حق توكله لرزقتم كما تزرق الطير تغذو وخامصاً وتروح بطاناً (ترمذي)

○ عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الزهادة في الدنيا ليست بتحريم الحلال لإضاعة المال ولكن الزهادة في الدنيا أن لا تكون بما في يديك أو ثقت بما في يد الله (ترمذي)

○ عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقال يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله وأعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك ولو اجمعتوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليكم رفعت الأقلام وجفت الصحف (أحمد وترمذي)

○ عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في العلم أية لو أخذ الناس بها لكفهم ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب (أحمد وابن ماجه)

○ عن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن من قلب ابن آدم بكل واد شعبة فمن اتبع قلبه الشعب كلها لم يبال الله بأى واد اهلكه ومن من توكل على الله كفاه الشعب (ابن ماجه)

○ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال قال ربكم عز وجل لو أن عبداً اطاعني لا سقيتهم المطر بالليل وأطلعت عليهم الشمس بالنهار ولم أسمعهم صوت الرعد (أحمد)

○ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال دخل رجل على أهله فلما رأى قايهم من الحاجة خرج إلى البرية فلما رأته امرأة قامت إلى الرحى فوضعتها إلى التنور فسحرتها ثم قالت اللهم ارزقنا فنظرت فإذا الجفنة قد امتلأت قال وذهبت إلى التنور فوجدته ممتلئاً قال فرجع الزوج قال أصبتم بعدى شيئاً قالت امرأة نعم من ربنا وقام إلى الرحى فذا كذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال أما إنهم لو لم يرفعها لم تزل تدور إلى يوم القيامة (أحمد)



○ عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن

الرزق ليطلب العبد كما يطلبه أجله (ابن تيميم في الحلية)

○ عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيها الناس

ليس من شيء يقربكم إلى الجنة ويباعدكم عن النار إلا قد تركتموه وليس شيء يقربكم إلى النار

ويباعدكم عن الجنة إلا قد نهيتكم عنه وإن الروح الأمين نفث في روعي أن نفسا لن تموت

حتى تستكمل رزقها إلا فاتقوا الله وأجملوا في الطلب ولا يحملنكم استبطاء الرزق على أن تطلبوه

بمعاصي الله فاتة لا يدرك ما عند الله إلا بطاعته (شرح السنة)

○ عن جابر رضي الله تعالى عنه أنه غزا مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل نجد فلما

قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم قفل معه فادركتهم القائلة في وادٍ كثير العضاة فنزل رسول الله

صلى الله عليه وسلم وتفرق الناس في العضاة يستظلون بالشجر فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت

سمة فعلق بها سيفه فمنا نومة فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعونا وإذا عنده أعرابي فقال إن

هذا اختلط على سيفي وأنا نائم فاستيقظت وهو في يدي فقلت ما قال من يمنعك مني فقلت الله فلا شاول

يعاقبه وجلس (متفق عليه) وفي رواية إلى بكر أسما عيسى في صحيحه فسقط السيف من يده - الحديث

○ واعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك وما أخطأك لم يكن ليصيبك (كثير الأعمال)

○ وعقد الإمام البخاري رحمه الله تعالى بابا في بركة الغازي في ماله حيا وميتا و

ذكر فيه قصة الزبير رضي الله تعالى عنه

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد نفسه (ترمذي)

○ ومن يستغن يعنه الله ومن يستعفف يعفه الله (بخاري)

○ اللهم اجعلني ممن توكل عليك فكفيت واستهداك فهديت واستنصرك فنصرت

○ اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد

○ اللهم اكفني بحلالك عن حرامك واغنني بفضلك عن سواك

○ اللهم اذن في قلبي رجاءك واتطع رجائي عن سواك حتى لا أرجو أحد غيرك

○ لا يفتح عبد باب مسألة إلا فتح الله عليه باب فقر (أحمد وترمذي)

○ من جعل الهوس همًا أو أحد أهم المعاد كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به

الهوس أحوال الدنيا لم يبال الله في أمي أوديته هلك (ابن ماجه)





وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمُ اللَّهُ سَيِّئَاتِكُمْ أَمِنْ  
وَعَمَلَكُمْ صَالِحًا وَآيَاتُهَا لَا يَصِفُ إِلَّا الصَّابِرُونَ ○



# القول المتيقن في شرح اطلبوا العلم لولب الصيغ





# الْقَوْلُ الْمَتِينُ

== اُشاريہ ==

- تحقيق حديث اطلبوا العلم وتوبوا لصين
- تفسير انا عرضنا الامانة على السموات والارض الاية
- علم عقل کی روشنی میں
- سياست
- طب و تدريم و جديد
- حفظان محنت
- تعميرات
- کيمیکل
- علم المکاشفہ
- فن زلزله پيا
- فن معدنيات
- فن موسميات
- فن معلومات سيلاب
- فن غوطه زنی
- فن تيراکی
- فن پرواز
- فن دفاع
- فن کسب معاش
- فن تحريج اوقات
- ذکر حین



## تحقیق حدیث اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ

سوال : کیا اطلبوا العلم ولو كان بالصین حدیث ہے، اگر یہ حدیث ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چین نہ زمانہ نبوت میں علم دین کا مرکز رہا ہے اور نہ آج ہے اسلئے یہاں جس علم کے حاصل کرنیکا حکم ہے وہ علم دنیوی ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بیٹنوا التوجروا۔

### الجواب باسم مُلَهِم الصَّوْلِبِ

اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ فان طلب العلم فريضة على كل مسلم، علق، عد، هب وابن عبد البر قال البيهقي متن مشهور و اسنادہ ضعیف و قد روی من اوجه كلها ضعيفة وقال المزی له طرق ربما يصل مجموعها الى الحسن (فيض القدير ص ۵۲۱) وقال العزیزی هو حدیث حسن لغیرہ۔ (السراج المنیر ص ۲۱۳) بعض متشد دین کا قول وضع صرف الفاظ روایت سے متعلق ہے، اس کا مفہوم یعنی عمالک بعیدہ سے طلب علم کا حکم قرآن و حدیث کی دوسری نصوص سے ثابت ہے، حدیث کا مطلب :

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک کسی کام کے جاننے کی قوت اور دوسری اس کے کرنے کی قوت اور عقلاً جاننا کرنے سے مقدم ہے، سب سے پہلے انسان کو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے رغبت یا نفرت و خوف پیدا ہوتا ہے اور یہی رغبت یا خوف کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب بنتا ہے، گویا کہ انسانی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لئے ”علم“ مدارِ عمل ہے، اور ظاہر ہے کہ جو مدار زندگی ہو گا وہ افضل ہو گا۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ کسی انسان کے لئے جس طرح اس کی دنیوی زندگی اہم ہے اس سے کئی گنا زیادہ آخروی زندگی کی اہمیت ہے بلکہ دنیوی زندگی کی اہمیت اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ مزرعة الآخرة یعنی آخرت کی زندگی کو درست کرنیکا وقت اور مقام ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ جان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسان جو دنیوی علاقے میں پھنسا ہوا ہے اور خواہشات نفسانیہ کی آماجگاہ ہے اسکی آخروی زندگی کو سنوارنے کے طور طریقے بتائیں۔ نبوت من حیث النبوة صفت علمیہ ہے، نیز نبی کے لغوی معنی بھی خبر دینے والے کے ہیں، یعنی احکام الہیہ کی خبر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو خود علم نہ ہو گا،



وہ دوسروں کو کیا خبر دیگا۔

ان تینوں مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ علماء کو ورثۃ الانبیاء فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم نبوی علم شرع کو کہا جاتا ہے لہذا اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں جہاں علم کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد علم شرع ہی ہے۔ اور عالم سے مراد علم شرع کا جاننے والا، وارث کو اپنے مورث کی ہر متروکہ چیز سے حصہ ملا کرتا ہے پس جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت سے حصہ نہ ملا ہو وہ وارث بنی بھی نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی فنون حاصل کرنے سے علم نبوی اور صفات نبویہ سے حصہ نہیں مل سکتا۔

انسان اور علم :

وحی الہی اور رسالت و نبوت کی دولت سارے عالم میں صرف انسان کے حصہ میں آئی، وحی علم الہی کے اتارنے کو کہا جاتا ہے اور یہی علم دیگر انسانوں تک پہنچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیدیا جاتا ہے۔ دوسرے نفلوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ علم الہی کی نعمت سے صرف انسان کو نواز گیا، گویا علم الہی انسان کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان ہے اور کسی چیز کی خصوصیت وہی ہو سکتی ہے جو دوسری اشیا میں نہ پائی جاسکتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو ہمیں دلچسپ رکھا گیا ہے اور وہ علم الہی ہے۔ بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں بٹ جاتی ہیں۔ اس طرح جو علم الہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعویٰ کرے لیکن حقیقت میں اس کی قدر و قیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی صورت سے زیادہ نہیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے

گر بصورت آدمی انساں بُدے احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

اینکہ می بینی خلافِ آدم اند نیستند آدم غلافِ آدم اند!

از بروں چو گور کا فسر پر حلل و اندروں تھر خدائے عزوجل

اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ علم و عمل جو انسان کے لئے وجہ امتیاز و شرف ہے

وہ صرف ایسا علم اور عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب اور عذابِ آخرت سے بچنے کا ذریعہ ہو۔

فرمایا، انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابین ان يحملنها واشفقن

منها وحملها الانسان، انه كان ظلوماً. هُوَ كَذَلِكَ لِيَعْلَمَ الْمُتَّقِينَ وَالْمُنْفِقَتِ وَالْمُشْرِكِينَ

والمشركت ويتوب الله على المؤمنين والمؤمنات وكان الله غفوراً رحيمًا



آیت کی تفسیر سے قبل اسکے الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

عرض :	امتحان استعداد و صلاحیت
امانت :	علم و عمل
اباء :	فقدان صلاحیت و استعداد
حمل :	وجود صلاحیت و استعداد
ظلم :	عدم العمل عما من شأنہ ان یکون عاملاً
جھل :	عدم العلم عما من شأنہ ان یکون عالماً
خلاصہ تفسیر :	

اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی امانت کے لئے پوری دنیا میں سے صرف انسان کو اسلئے منتخب فرمایا کہ اسکے سوا دوسری کسی مخلوق میں اسکے تحمل کی استعداد و صلاحیت نہ تھی "انہ کان ظلوماً جھولاً" اس کی تعلیل ہے۔ یعنی علم کا مکلف اسے بنایا جاسکتا ہے جس میں فی الحال علم موجود نہ ہو مگر بالقوة استعداد و صلاحیت ہو، ایسے ہی عمل کا حکم اسے دیا جاسکتا ہے جس میں حال میں عمل نہ ہو مگر بالقوة عمل کی استعداد موجود ہو، اگر زمانہ حال میں علم و عمل موجود ہے تو اس کا حکم تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر استعداد ہی نہ ہو تو وہ تکلیف بالایطاق ہے اور یہ دونوں امر باطل ہیں، غرضیکہ انسان میں علم و عمل بالفعل موجود نہ تھا مگر اسکی استعداد موجود تھی اور دوسرے کسی مخلوق میں اس کی استعداد ہی موجود نہ تھی اسلئے شرف امانت کے لئے انسان کو منتخب فرمایا گیا۔

لیعذاب الآیۃ میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انسان کے حمل امانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہوئے اور بعض عذاب کے،

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں امانت سے وہ علم و عمل مراد ہے جو صرف انسان کا خاصہ اور طرہ امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علم دین ہی ہے، اس لئے کہ دنیوی علم و عمل میں انسان کے ساتھ ہر جاندار شریک ہے۔ علاوہ ازیں لیعذاب الخ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ یہاں وہ علم و عمل مراد ہے جو آخرت میں کام آنے والا ہو اور وہ علم دین ہی ہے۔

یہ امر اہل اسلام میں متواتر مسلم اور بدیہی چلا آرہا ہے کہ اصل علم صرف علم دین ہی ہے اور علماء صرف علماء دین ہی کو کہا جاتا ہے مگر اس دور پرفتن میں جس طرح دوسری بہت سی ضروریات



دین اور ستواترات و مسلمات کا انکار کیا جانے لگا ہے اور اسلام کے بدیہی اور متفق علیہ حقائق میں شکوک و شبہات پیدا کر کے انھیں نظری، استدلالی اور مباحث اختلافیہ کی فہرست میں لا کر ان پر دلائل اور بحث و مباحثہ کے دروازے کھولے جا رہے ہیں اسی طرح ظلمت جدیدہ (نئی روشنی) سے سموم مسلمان کو آج علم اور علماء کا بدیہی اور پوری اُمت میں مستم مفہوم سمجھانے کے لئے دلائل کی ضرورت ہے اسلئے ہم اوپر بقدر کفایت بیان کر دینے کے باوجود قرآن و حدیث سے چند ایسے شواہد پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ مصطلح شرع میں لفظ علم صرف علم دین ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے

① اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۲-۴۲) اس آیت کی تشریح اوپر گزر چکی ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسکا اعادہ کیا گیا ہے۔

② فَاَعْلَمَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لَذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (۳۴-۴۱)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو شرعی علم و عمل کی تحصیل کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب العلم قبل القول والعمل کے تحت اس آیت کو لا کر فرماتے ہیں فبدأ بالعلم وقال الحافظ رحمه الله تعالى اى حيث قال فاعلم انه لا اله الا الله ثم قال واستغفر لذنبك والخطاب وان كان للنبي صلى الله عليه وسلم فهو متناول لامة واستدل سفيان بن عيينه بهذه الآية على فضل العلم كما اخرجه ابو نعيم في حلية في ترجمة من طريق الربيع ابن نافع عنه انه تلاها فقال الم تسمع انه بدأ به فقال اعلم ثم امره بالعمل وينتزع منها دليل ما يقوله المتكلمون من وجوب المعرفة (فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۱)

③ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۳۵-۲۸)

قال الحافظ رحمه الله تعالى اى يخاف من الله من علم قدرته وسلطانه وهم العلماء قال ابن عباس (رضي الله تعالى عنهما) (فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۱)

حبر اُمت رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ”علماء“ کے لقب کو منحصر کر دیا، ایسے لوگوں میں جن کے قلوب معرفت و خشیت الہیہ سے معمور ہیں۔

④ وقال لزعزعتني (في قوله تعالى انما يخشى الله من عباده العلماء) المراد العلماء الذين علموه بصفاته وعدله وتوحيده وما يجوز عليه وما لا يجوز فعظموه وقدا روه وخشوه حق خشية ومن ازداد به علماً ازداد منه خوفاً ومن كان عالماً به كان آمناً وفي الحديث اعلمكم



اللہ اشد کرم له خشية وقال رجل للشعبی افتنی ایہا العالم قال لعالم من خشية الله (عمدة القاری ج ۳)

(۵) وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فی اصحاب السعير (۲۷ - ۱۰)

قال الحافظ رحمه الله تعالى وهذه اوصاف اهل العلم فالمعنى لو كنا من اهل العلم

لعلمنا ما يجب علينا فحصلنا به فنجونا (فتح الباری ص ۱۲ ج ۱)

(۶) قال العینی رحمه الله تعالى (فی تفسیر قوله تعالى لو كنا نسمع او نعقل الآية) والمعنى

لو كنا من اهل العلم لما كنا من اهل النار (ثم قال) ان المراد من العقل العلم ههنا فان لكل

لو كان لهم العلم ما دخلوا النار (عمدة القاری ص ۲ ج ۲)

(۷) وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (۲۹ - ۲۳)

قال العینی رحمه الله تعالى ای وما يعقل الامثال المضروبة الا العلماء الذين يعقلون

عن الله مروي جابر رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم لما تلا هذه الآية فقال العالم

الذي عقل عن الله فعل بطاعته واجتنب محظوه (عمدة القاری ص ۲ ج ۲)

(۸) وقل رب زدني علماً (۲۰ - ۱۱۴)

قال الحافظ رحمه الله تعالى واضح الدلالة فی فضل العلم لان الله تعالى لم يأمر نبيه صلى الله

عليه وسلم بطلب الا (زياد من شيء) الا من العلم المراد من العلم العلم الشرعي الذي يفيد معرفة

ما يجب على المكلف من امر ديني في عبادة ومعاملاته والعلم بالله وصفاته وما يجب له من

القيام بامره وتنزيههم عن النقائص ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه (فتح الباری ص ۱۳ ج ۱)

(۹) فوجدنا عبداً من عبادنا آتيناها رحمة من عندنا وعلماها من لدنا علماء (۱۸ - ۹۵)

یہاں علم سے علم الاسرار والمکاشفہ مراد ہے جو شرعی علم وعمل میں رسوخ پر مرتب ہوتا ہے۔

قال العلامة الأوسى رحمه الله تعالى ای علماً لا یکتہ کنہہ ولا یقادرقدرہ وهو علم الغیوب

واسرار العلوم الخفية (ثم قال) قال العارف بالله تعالى الشيخ عبد الوهید الشعرانی علیہ الرحمة

فی کتابہ المسمی بالدرر المنثورة فی بیان زبد العلوم المشهورة بالفظہ واما زیادة علم التصوف الذي

وضع القوم فیہ رسائلهم فهو نتیجة العمل بالکتاب والسنة (روح المعانی ص ۳ ج ۱۵)

(۱۰) وقال الذين اتوا العلم ويليكم ثواب الله خير لمن آمن وعمل صالحاً ولا يلقاها

الا الصابرون (۳۸ - ۸۰)

اس میں دنیا داروں کے مقابلہ میں فنا و دنیا کا استحضار اور فکر آخرت رکھنے والوں کو اہل علم



کما گیا ہے۔

قال العلامة الأوسى رحمه الله تعالى وقال الذين اتوا العلم باحوال الدنيا والآخرة كما ينبغي ومنهم يوشع عليه السلام وانما لم يوصفوا بأرادة ثواب الآخرة تنبيهاً على ان العام باحوال النشأتين يقتضى الاعراض عن الاولى والاقبال على الاخرى حتماً وان تمنى المقتضين ليس الا لعدم علمهم بهما كما ينبغي (ولا يلقاها الا الصابرون) على الطاعات وعند مدعى والشهوات (روح المعاني ص ۲۰ ج ۲۰)

(۱۱) ولقد اتينا داود وسليمان علما (۲۴-۱۵)

ای اتینا کل واحد منهما طائفة من العلم لا ثقة به من علم الشرائع والاحکام وغیر ذلک مما يختص بكل منهما کصنعة لبوس ومنطق الطیر وخصهما مقاتل بعلم القضاء وابت عظمه بالعلم بالله عز وجل فلعل الاولی فا ذکر او علما سنیاً غزیر الخ (روح المعانی ص ۱۹ ج ۱۹) اس میں اگر لفظ علم کو صنعت لبوس اور منطق الطیر کو شبائیل تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہمارے مدعی کے خلاف نہیں بلکہ اس کے لئے مؤید ہے کیونکہ حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو یہ دونوں علوم بطور معجزہ عطا فرمائے گئے تھے جو انکے ساتھ شخص تھے، اور معجزہ سے اسلام کی حقانیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لہذا جو علم بطور معجزہ دیا گیا وہ نتیجہ کے لحاظ سے علم شرع میں داخل ہے، (۱۲) ولو اتیناه حکماً وعلماً (۲۱-۴۲)

(۱۳) ففهمنا سليمان وکللاً اتینا حکماً وعلماً (۲۱-۴۹)

(۱۴) قال الذى عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك (۲۴-۴۰)

یہ قائل خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں یا آپ کے کوئی خادم یا کوئی فرشتہ، بہر صورت یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے لہذا یہاں علم سے علم الہی مراد ہے۔

(۱۵) وادینا العلم من قبلها وکنا مسلمین ۵ (۲۴-۴۲)

یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا علم مراد ہے۔

قال العلامة الأوسى رحمه الله تعالى معناه وادینا العلم بکمال قدرة الله تعالى وصحة

نبوته ۱۰ (الى قوله) وکنا مؤمنين من ذلك الوقت (روح المعانی ص ۱۹ ج ۱۹)

(۱۶) قل هل يستوی الذين يعلمون والذين لا يعلمون (۳۹-۲۹)



قال العلامة (الموسى رحمه الله تعالى) (هل يستوى الذين يعلمون) فيعلمون بمقتضى علمهم ويقننون الليل سجداً أو ركعاً يجذرون (الأخوة ويرجون رحمة ربه) والذين لا يعلمون فيعلمون بمقتضى جهلهم وضلالهم (الى قوله) ويعلم مما ذكرنا ان المراد بالذين يعلمون العالمون من علماء الديانة (ثم قال) وان العلم الذى لا يترتب عليه العمل ليس بعلم عند الله تعالى (ثم قال) وحمل الذين يعلمون على العاملين من علماء الديانة على ما سمعت مما لا ينبغي ان يحتل غيره لتكثير الفائدة (روح المعاني ص ۲۲۳ ج ۲۳)

والى هذه الآية لمحم ابن دريد فى ابيات له

اهلاً وسهلاً بالذين احبهم	واودهم فى الله ذى الالام
اهلاً بقوم صالحين ذوى التقى	غمر الوجوه وزين كل ملاء
يسعون فى طلب لحديث بعفة	وتوقر وسكينة وحياء
لهم المهابة والجلالة والنهى	وفضائل جلت عن الاحصاء
ومداد ما تجرى به اقلامهم	ازكى وافضل من دم الشهداء
يا طالبى علم النبى محمد	ما انتقم وسواكم بسواء

(۱۷) ولقد اتينا القمان الحكمة (۳۱-۱۲)

قال الله تعالى ومن يؤت الحكمة فقد اوتى خيراً كثيراً وقال رسوله صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين نتيجة نكلا كه حكمت سے مراد تفقه فى الدين ہے۔ قال الامام هى عبادة عن توفيق العمل بالعلم ثم قال وان اردنا تحديد ايمان داخل فيه حكمة الله تعالى فنقول حصول العمل على وفق المعلوم (روح المعاني ص ۲۰۷ ج ۲۱)

(۱۸) وانما لذنو علم لما علمنا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (۱۲-۶۸)

اى لتعليمنا اياه بالوحى ونصب الادلة حيث لم يعتقد ان الحذر يدفع القدر حتى يتبين الخلل فى رأيه عند تخلف الاثرا وحيث يت القول بان لا يغنى عنهم من الله تعالى شيئاً فكانت الحال كما قاله (روح المعاني ص ۱۹ ج ۱۳)

(۱۹) يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات (۵۸-۱۱)

قال العيني رحمه الله تعالى والمعنى يرفع الله الذين امنوا وادوا العلم على الذين امنوا فقط ولم يؤتوا العلم درجات في دينهم اذا فعلوا ما امروا به (عمدة القارى ص ۲۴ ج ۲)



قال لحافظ رحمه الله تعالى في تفسير قوله تعالى يرفع الله في وفي صحيح مسلم عن نافع بن عبد الحرث الخزامي وكان عامل عمر بن الخطاب رضي الله عنه على مكة انه لقيه بعسفان فقال له من استخلفت فقال استخلفت ابن ابني مولد لنا فقال عمر استخلفت مولد قال له قاري لكتاب الله عالم بالفرائض فقال عمر رضي الله عنه اما ان نبينا صلى الله عليه وسلم قد قال ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به اخريين، (فتح الباري ص ۱۳ ج ۱) وقال العلامة الاوس رحمه الله تعالى (والذين ادتوا العلم الشرعي (درجاً) اي كثيرة جليلة كما يشعرونه المقام وعطف الذين ادتوا العلم على الذين امنوا من عطف الخاص على العام تعظيماً لهم بعد ان كانهم جنس اخر ولد الاجيد الموصول في نظم الكريم (روح المعاني ص ۲۸ ج ۲) <sup>عالم بالدين</sup>

(۲۰) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العلماء هم ورثة الانبياء ودرثوا العلم من اخذ العلم فله اجره واخذ من اخذ من غيرهم فله عاقبه

ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے علماء کو علم شریعت ہی ملا ہے۔ وخرج الترمذی غیر ان الانبياء لم يورثوا ديناً ولا درهما وانما ودرثوا العلم في معناه قوله صلى الله عليه وسلم العلم ميراثي وميراث الانبياء قبلي، مسند الفردوس للديلمي (كنوز الحقائق ص ۱۹ ج ۲)

(۲۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سلك طريقاً يطلب به علماً سهل الله له طريقاً الى الجنة (بخاری ص ۱۱ ج ۱)

قال لحافظ رحمه الله تعالى (قوله طريقاً) نكرها ونكر علماً ليتناول انواع الطرق لموصلة الى تحصيل العلوم الدينية وليندرج فيه القليل والكثير۔ (قوله سهل الله له طريقاً) اي في الآخرة او في الدنيا بان يوفقه للاعمال الصالحة الموصلة الى الجنة وفيه بشارة بتسهيل العلم على طالبه لان طلبه من الطرق الموصلة الى الجنة (فتح الباري ص ۱۲ ج ۱)

(۲۲) قال لعيف رحمه الله تعالى (قوله علماً) انما نكرة ليتناول انواع العلوم الدينية و ليندرج فيه القليل والكثير (قوله سهل الله له) اي في الآخرة او المراد منه وفقه الله للاعمال الصالحة فيوصله بها الى الجنة (عمدة القاري ص ۲ ج ۲)

(۲۳) وقال النبي صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين (بخاری ص ۱۱ ج ۱) اس حدیث سے ثابت ہو کہ قرآن و حدیث میں جس علم کی فضیلت آئی ہے وہ صرف تفقہ فی الدین ہے۔

(۲۴) وانما العلم بالتعلم (بخاری ص ۱۱ ج ۱)

قال لحافظ رحمه الله تعالى هو حديث مرفوع ايضاً اور روى ابن ابي عاصم والطبراني من حديث معاوية رضي الله تعالى عنه ايضاً بلفظ يا ايها الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقه بالتفقه ومن



یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین، اسنادہ حسن لان فیہما اعتضداً بحجۃ من وجہ الخرزوری البزار نحوہ من حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفاً ورواہ ابو نعیم الاصبہانی مرفوعاً فی الباب عن ابی الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس لعلہ المعتبر الا المأخوذ من الانبیاء وورثہم علی سبیل التعلیم (فتح الباری ص ۱۴۸ ج ۱)

حدیث مذکور سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ اصطلاح شرع میں صرف علم دین ہی کو علم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین صرف وہ معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے وارثین علماء عظام سے بالمشافہ تعلیم و تعلم کے ذریعہ حاصل کیا جائے، یہ حدیث آجکل کے ان متجددین کی جڑیں کاٹ رہی ہے جو گھڑ بیٹھے عربی زبان سے معمولی واقفیت حاصل کر کے نہ صرف عالم بلکہ مفسر و مجدد اور مفکر اسلام بن گئے ہیں۔ اللہم خذہم اخذ عزیز مقتدر۔

(۲۵) قال العیفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (انما العلم بالتعلم) بفتح العین وتشدید اللام وفی بعض النسخ بالتعلیم ای لیس لعلہ المعتدلاً الا المأخوذ عن الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام علی سبیل لتعلم التعلیم فیفہم منہ ان العلم لا یطوق الا علی علم الشریعۃ ولہذا لو اوی رجل للعلماء لا ینصرف الا الی صحابہ الحدیث والتفسیر والفقہ (عمدة القاری ص ۲۰ ج ۲)

(۲۶) عن ابی التیاح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم ویثبت الجہل وعن قتادۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقل العلم ویظہر الجہل (بخاری ص ۱۴۸ ج ۱) وعن سالم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبض العلم ویظہر الجہل (بخاری ص ۱۴۸ ج ۱) وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض لعلہ انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض لعلہ بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اخذ الناس رؤساً جھالاً فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (بخاری ص ۱۴۸ ج ۱)

وروی احمد والطبرانی من حدیث ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما کان فی حجة الوداع قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوا العلم قبل ان یقبضہ ویرفع فقال عرابی کیف یرفع فقال لا ان ذہاب العلم ذہاب سحابة ثلاث مرات (فتح الباری ص ۱۴۸ ج ۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ قرب قیامت میں علم مرتفع ہو جائیگا، حالانکہ علوم دنیویہ و زانیہ ترقی پذیر ہیں البتہ علم دین روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ اسباب علم کی فراوانی، مطبوعات کی کثرت اور تصانیف کی بھرمار کے باوجود علم کی حقیقت اور اس میں تعمق بہت سرعت سے زوال پذیر ہے۔



اس سے ثابت ہوا کہ احادیث مذکورہ میں صرف علم دین کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور بقیہ تہمت علوم دنیا کی ترقی کو ظہور جہل قرار دیا گیا ہے۔

(۲۷) کتب عمر بن عبد العزیز بن ابی بکر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فاني خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا يقبل الا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشوا العلم وليجاسوا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرًا (بخاری ص ۱۶۰)

اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو علم سے تعبیر فرمایا ہے اور حفاظت حدیث کو حفاظت علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(۲۸) نقل العلاء رحمه الله تعالى عن سيدنا علي رضي الله تعالى عنه ابيانا في فضل العلم ما الفضل الا لاهل العلم انهم على الهدى لمن استهدى ادلاء ووزن كل امرئ ما كان يحسنه والجاهلون لاهل العلم اعداء ففر بعلم ولا تجهل به ابدا الناس موتى واهل العلم احياء حضرت علي رضي الله تعالى عنه اهل علم کی وجہ فضیلت یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ اُمت کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى وأل في العلم للعهد اهل العلم الشرعي الموصول الى الآخرة (قوله والجاهلون) اى بالعلم الشرعي فيشمل العالمين بغيره بل هم اشد اعداء لعلماء الدين من العوام (رد المحتار ص ۳۸ ج ۱)

(۲۹) خود حدیث زیر بحث ”اطلبوا العلم“ انہ بھی یہی بتا رہی ہے کہ اسمیں علم دین مراد ہے اس لئے کہ اس میں صیغہ امر ہے جو بدوں قرینہ صارفہ وجوب کے لئے آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم ہر مسلم پر فرض ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں اس کی تصریح بھی ہے ”فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم“ اور ظاہر ہے کہ علوم دنیویہ کی تحصیل کو ہر مسلم مرد و عورت کے لئے ضروری اور فرض قرار دینے کا دنیا میں کوئی احمق بھی قائل نہیں۔

ہم نے یہ چند مثالیں تحریر کی ہیں جو جمہولی توجہ سے سامنے آگئیں ورنہ جنہوں نے قرآن و حدیث کو بڑھا اور سمجھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی علم کا لفظ مطلقاً لایا گیا ہے اس سے علم شرع ہی مراد ہے۔ فمن شاء فليراجع الى كتب الشرع والمطولات في الحديث والتفسير والفقه۔



## علم عقل کی روشنی میں

عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو علم سے دنیوی علوم مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

① نظر شرع میں علوم شرعیہ کے مقابلے میں دنیوی علوم صنعت وغیرہ اتنے ناقص ہیں کہ ان کو علم کہا ہی نہیں جاسکتا، اس لئے کہ پوری کائنات کی وجہ تخلیق یہ ہے کہ انسان ان سے استفادہ کرے لقولہ تعالیٰ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً جب سب چیزیں انسان کے لئے بنائی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لقولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ہ سو معلوم ہوا کہ سارے عالم کی پیدائش سے اصل مقصد عبادت ہے اور عبادت کا علم علم شرع ہے پس علم کا فرد کامل چونکہ علم دین ہے اس لئے علی الاطلاق جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے علم دین ہی مراد ہوگا اسی طرح جب قرآن و حدیث میں علم کا لفظ علی الاطلاق آتا ہے تو اس سے علم شرع ہی مراد ہوتا ہے

② فخر موجودات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد امور دنیا کی تعلیم نہیں بلکہ امور متعلقہ بالآخرۃ کی تعلیم ہے اس لئے آپ کی اصطلاح میں علم سے مراد بھی وہی ہوگا جو آپ کی بعثت کا مقصود ہے۔

③ جو علم انسان کا خاصہ ہے وہ علم دین ہے، کیونکہ صرف علم دین ہی میں انسان کی انفرادیت ہے، دوسرے علوم میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر حیوان دنیوی علوم کو بقدر ضرورت جانتا ہے، بلکہ انسان سے زیادہ جانتا ہے اور کئی علوم انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم کئی مثالوں سے ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سیاست :

سیاست اور انتظامی امور میں انسان دیگر جانوروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، شہد کی مکھیاں جب چھتہ بناتی ہیں تو اس میں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر اپنے قلعہ کی تعمیر کرتی ہیں، اس قلعہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک حصے میں شہد بنایا جاتا ہے، ایک حصے میں بچے ملتے ہیں اور ایک حصے میں بڑی مکھیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں، نیز ان کا ایک میر بھی



ہوتا ہے جس کو عربی میں "یسوب" کہتے ہیں وہ ان سب کی نگرانی کرتا ہے، چنانچہ اگر ایک مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اسکا سر شہد میں ملانے کی کوشش کرتی ہے تو فوراً اسے مار کر اسکا سر کاٹ دیا جاتا ہے، شہد کے کسی چھتے کے پاس جا کر دیکھئے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ پھر امیر کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو سزائے موت دینے پر دوسری مکھیوں میں بغاوت یا ایچی ٹیشن کا جذبہ نہیں ابھرتا۔

سیاست میں بطخوں کی تنظیم اور اطاعت تو قابلِ تقلید ہے، جب سب بطخیں سو جاتی ہیں تو ان کا امیر ایک ٹانگ پر ساری رات جمیل میں کھڑا ہو کر نگرانی کرتا ہے، خطرے کی صورت میں آواز لگاتا ہے۔ پہلی ہی آواز پر ساری قوم خطرے سے آگاہ ہو جاتی ہے اور سب پر تول پتی ہیں دوسری آواز پر پرواز شروع کر دیتی ہیں۔ امیر سب کے آگے آگے چلتا ہے اور باقی بطخیں قطاریں بنا کر پیچھے پیچھے اڑتی ہیں۔ امیر جدھر کو رخ کرے ادھر کو باقی قوم چل دیتی ہے، اس سے انکا ایک دوسرے پر کامل اعتماد بھی ظاہر ہے۔

آج کی تمدن دنیا اس سے بڑھ کر تنظیم سیاست کا مظاہرہ کر کے دکھا دے۔

## طِبِّ قَدِیم و جَدِید

① طِبِّ قَدِیم و جَدِید دونوں علمِ احتقان (حقنہ) اور علمِ تلمیع (انجکشن) میں ایک جگہ کی رہنمائی ہیں۔ حکیم جالینوس نے کسی جگہ کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے جگہ نے چوہنچ میں آپ نمکیں بھرا اور اسکی مَقْعَد میں دخل کر دیا جس سے اس کو کھل کر اجابت ہو گئی اور درد جاتا رہا، جالینوس مکان پر آیا تو ایک تولنج کا مریض آپہنچا، جالینوس نے اس پر جگہ سے حاصل کردہ حکمت کا تجربہ کیا جو بہت مفید ثابت ہوا، جالینوس نے جگہ سے عملِ احتقان سیکھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے طِبِّ جَدِید نے انجکشن ایجاد کیا اسی لئے انجکشن کو عملِ الطائر کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ طِبِّ جَدِید قَدِیم دونوں جگہ کی شاگرد ہیں۔

② حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا، لکھتے ہیں کہ تقسیم سے قبل مجھے ایک ہندو ریاست اندر گڈھ میں بارہا جانیکا اتفاق ہوا، وہاں میرے بعض اعزہ اونچے عہدوں پر ممتاز تھے، اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی اس لئے



بندروں کی تعداد ہزاروں کی حد تک تھی، بندروں کی جذبیت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذا رسانی داخل ہے اسلئے وہ کافی نقصان کرتے تھے۔ کبھی برتن اٹھا کر بھاگ جاتے کبھی کپڑا اٹھا لیجاتے اسلئے ایک بار ہم نے سوچا کہ کوئی تدبیر کرنی چاہیئے، اسلئے ہم نے ایک روپے کا سنکھیا خریدا اور اسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں پکوا کر چھت پر پھیلا دیں تاکہ وہ کھائیں اور مرتے جائیں، اسلئے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک گوشے میں بیٹھ کر منتظر رہے کہ اب بندر آکر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے، کچھ بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دور کھڑے ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یوں نہیں بھیری جاسکتیں اسلئے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سونگھا، بالآخر انھوں نے روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے، ہم سمجھے کہ تدبیر فیل ہو گئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جا کر پھر اپنے ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے بندر ان کے ہمراہ آئے اور روٹیوں کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک آگے بڑھا اور اس نے روٹیوں کو سونگھا، پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے ایک روٹی توڑی اور اس کے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

اب ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیر ناکام ہو گئی مگر تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً ساٹھ ستر بندروں کا ایک قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جن میں ہرے ہرے پتے تھے انھوں نے آکر پہلے تو روٹیوں کو توڑا، انکے ٹکڑے کئے، گویا پوری جماعت میں یہ اصول پیش نظر تھا کہ ۵

نیم نانے مگر خورد مرد خدا

بذل درویشاں کند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے، آخر کار انھوں نے وہ ٹکڑے باہم بانٹ لئے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اوپر سے وہ پتے چبا لئے جو ہر ایک اپنے ساتھ لایا تھا، اور دندناتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے، اپنا آٹا بھی گیا، کپڑا تو پہلے ہی جا چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا

فسانیت کا امتیاز ص ۳۳

اب بھی اگر انسان اپنا یہ کمال ظاہر کرے کہ ہم طبیب ہیں اور جڑی بوٹیوں کے خواص جانتے ہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بندر بھی تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں ہم جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں، بلکہ زہر تک کا تریاق ہم کو معلوم ہے، ایسے ہی دیگر جانوروں میں بھی معالج اور طباء موجود ہیں۔

۳۰



اگر انسانوں کے معالجین اور جانوروں میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ انسان کو زیادہ دوائیں معلوم ہیں اور ان کو کم، مگر اس سے انسان کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کو انسان کی نسبت امراض بھی تو کم پیش آتے ہیں غالباً وجہ یہ ہے کہ عام انسانوں سے عام جانوروں کو اصول طب زیادہ معلوم ہیں، اکثر جانور حفظ ماقدم کے اصولوں پر عمل کر کے بیماری کو روکتے ہیں اس طرح سے ضرورت دوا ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح سب حیوانات اپنی غذا میں بھی مضر اور مفید چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اگر کوئی مضر چیز کسی وجہ سے اندر چلی جاتی ہے تو ان کو اس کا فائدہ ہر بھی معلوم ہے چنانچہ کتا کوئی مضر چیز کھا لیتا ہے تو وہ کسی طرح سے قے کر کے اسے نکال دیتا ہے۔

ہم نے گھوڑے کو بار بار دیکھا کہ منہ میں لگام ہونے کی حالت میں گھاس کھا رہا ہے، اس کے منہ میں گھاس کے اُلجھے ہوئے تنکوں میں اگر کوئی ایک تنکا اس کے لئے مضر ہوتا ہے تو وہ اسے لگام منہ میں ہونے کے باوجود ان اُلجھے ہوئے تنکوں میں سے نکال باہر کر دیتا ہے۔

## حفظِ صحت

علم حفظ صحت کے اصول میں سے ورزش بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا دستور سب جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یوگ آسنوں کے موجودہ شی، منی اور یوگی ہر جاندار کی حرکات کو غور سے دیکھ کر اس کی ورزش کا طریقہ سیکھتے تھے، اس طرح انسان نے جانوروں سے چور اسی لاکھ آسن سیکھے جن میں سے صرف چور اسی آسن مشہور ہیں،

## تعمیرات

ہر جانور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے لئے محفوظ اور آرام دہ مکان تیار کرتا ہے، سردی، گرمی، بارش آندھی اور دشمنوں سے حفاظت ان سب چیزوں کی رعایت ان کے مکان میں ہوتی ہے گویا کہ دشمن سے حفاظت کے لئے ایک طرف مضبوط خانہ ہے تو دوسری جانب سردی، گرمی کی شدت سے حفاظت کے لئے اتر کنڈیشنڈ، زبور کا بنایا ہوا مکان اس کی واضح مثال ہے۔

بیاپرٹ یا گھونسلہ دیکھئے، اس کی بنائی کو دیکھئے کیسی بہترین بنائی ہے اور ایسا مضبوط کہ ہوا کے جھکڑ چلیں، موسلا دھار بارش ہو کیا مجال ہے کہ اس کا گھونسلہ شاخ کو چھوڑ دے اور



پھر اس میں انڈوں اور پچھوں کی حفاظت کس حد تک ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کا مکان دیکھئے، بچے دینے کے کمرے الگ اور شہد پیدا کرنے کی جگہ الگ ہے۔ تنہا کا مکان بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔

## کیمیکل

شہد کی مکھی کس طریقے سے مختلف درختوں کی پٹیوں، پھلوں اور پھولوں سے مختلف قسم کے وٹامن حاصل کر کے کیمیاوی طور پر اس میں کیا تصرف کرتی ہے کہ وہ بہترین عمدہ، لذیذ اور صحت بخش غذا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

### علم الکاشفہ :

محنت شاقہ اور طویل مجاہدات کے بعد بعض لوگوں کو توجہ نفس اور سمریزم وغیرہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر حیوانات بدون کسی قسم کے مجاہدہ اور مشق کے بعض حالات کو معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ حیوانات کے لئے کشف قبور احادیث سے ثابت ہے۔

### فہم زلزلہ پیما :

ماہرین زلزلہ پیما آج تک قبل از وقت زلزلے کی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکے، مگر بھیڑ بکری اور دوسرے حیوانات قبل از وقت اسے محسوس کر لیتے ہیں اور چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

### فہم معدنیات :

آج کل معدنیات کے پیچھے پوری دنیا لگی ہوئی ہے، زمین کھود کر ارضی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہے مگر آج سے ہزار ہا سال قبل ہڈ ہڈ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ہمراہ رکھا کریں اسلئے کہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پانی کے خزانے نظر آتے ہیں۔

### فہم موسمیات :

بارش اور آندھی وغیرہ کیلئے محکمہ موسمیات والوں کی پیشگوئی بسا اوقات غلط بھی ہو جاتی ہے، ان کا اعلان ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کو اسکا ایسا علم ہوتا ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے انڈے اور غذائی سامان وغیرہ محفوظ مقامات پر منتقل کر لیتے ہیں۔

### فہم معلومات سیلاب :

سیلاب سے متعلق بھی ماہرین فن کوئی یقینی پیشگوئی نہیں کر سکتے مگر دریاؤں کے قریب



بنے ولے جانور سیلاب سے قبل اپنے اپنے اندے بچے اور دوسرا سامان دُور محفوظ مقامات میں منتقل کر دیتے ہیں۔

**فِرَق غوطہ زنی :**

انسان غوطہ زنی میں کتنا ہی ماہر ہو مگر دریائی جانوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

**فِرَق تیراکی :**

کون انسان ہے جو تیرنے میں مچھلی وغیرہ دریائی جانوروں کا مقابلہ کر سکے۔

**فِرَق پرواز :**

انسان کتنی ہی پرواز کرے، پرندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نیز اس انتہائی ترقی کے زمانے میں بھی کوئی طیارہ یا بحری جہاز جب تک کسی نشان کو سامنے نہ دیکھ رہا ہو محض قطب نما سے زاویہ قائم کر کے سیدھا نہیں جاسکتا، بلکہ مقام مطلوب کا مقام روانگی سے جو زاویہ قائم کر کے چلتا ہے وہ زاویہ دونوں مقامات کے رسیان خط مستقیم پر چلنے سے قدم قدم پر بدلتا ہے اسلئے اگر کوئی چیز ایک او یہ قائم کر کے روانہ ہو تو وہ مقام مطلوب تک پہنچنے کی بجائے قطب مقناطیسی کے گرد جگر کاٹی رہے گی، اس پٹار پر زاویہ کی مدد سے رفتار کی دو صورتیں ہیں۔

① خط مستقیم کے زاویے کی نسبت اتنا بڑا زاویہ کھا جاتا ہے کہ ہمارے جگر کاٹ کر مقام مطلوب پر پہنچ جائے  
② خط مستقیم کے زاویے پر روانگی شروع کی جاتی ہے پھر ہر ساٹھ میل کے بعد دائیں یا بائیں ایک میل ہٹ کر اس فرق کو نکالا جاتا ہے،

مگر پرندے دُور دراز کا سفر بغیر کسی قطب نما کی مود کے براہ راست طے کرتے ہیں، خصوصاً شہد کی مکھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ثُمَّ كَلَىٰ مِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ فَاسْلُكْ سَبِيلَ رَبِّكَ ذَٰلَکَ الْآیَۃُ، اس سے ثابت ہوا کہ رب کریم کی شانِ تربیت نے شہد کی مکھی کی پرواز کے لئے بہت دُور دراز کے راستے مسخر فرما دیئے ہیں، مکھیوں کے ماہرین اسکا مشاہدہ بتاتے ہیں۔

**فِرَق دفاع :**

حیوانات کے دفاعی مکانوں کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، مزید بریں دشمنوں سے اپنی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو القا فرمائے ہیں۔

**فِرَق کسب معاش :**

جہاں تک کسب معاش کا تعلق ہے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو علم معاشیت



میں وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آجکل کے ماہرین معاشیات کو اس کا عشرِ عشر بھی نصیب نہیں، نیز حیوانات کو اللہ تعالیٰ توکل کی کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اول تو کسی حیوانات پرندے وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ کل کی فکر نہیں رکھتے، اور بعض حیوانات جیسے چوہنٹ وغیرہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں تو ان کو بلاشبہ یہ بھی خوب معلوم ہے کہ کس جگہ ان کو رکھا جائے تاکہ سردی گرمی کے اثر اور دشمنوں کی ٹوٹ مار سے انکی حفاظت ہو سکے، غرضیکہ اس فن میں بھی حیوانات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

### فِرِّ تخریجِ اوقات :

مُرغ کو دیکھا ہوگا کہ وہ بغیر لمبی چوڑی حسابی تخریجات کے کس طرح اوقات کا پتہ دیتا ہے، خاص طور پر ظہر، صبح صادق، صبح کاذب اور آدھی اور تین چوتھائی رات میں تو ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے جیسی کہ بعض دیہاتوں میں رات کے اوقات بالخصوص سحری کا دار و مدار مُرغ کی آواز پر ہوتا ہے۔

یہ فنونِ دنیویہ کی چند ایسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے ورنہ ماہرینِ حیوانات تو خدا جانے حیوانات کے کن کن کمالات کی اطلاع پا چکے ہیں، معذرتاً انکی معلومات سے مجبورات زیادہ ہیں غرضیکہ دُنیا کے علوم و فنون میں سے کسی کو بھی لیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان علوم و فنون میں کوئی ایسا نہیں جس میں انسان منفرد ہو بلکہ ان تمام علوم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے اسلئے قرآن و حدیث میں جس علم کی تعریف کی گئی ہے اور جسے انسان کا زیور بلکہ وجہِ امتیاز بتایا گیا ہے وہ علم ایسا ہونا چاہیے جس میں انسان منفرد ہو اور وہ علم دین ہی ہے جیسا کہ ہم پیچھے وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) کسی بھی علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ سنار اور سوچی کا علم شرافت میں متفاوت ہے، علوم شرعیہ کی معلومات قرآن و حدیث ہیں اور علوم دُنیا کی معلومات صنعت و حرفت وغیرہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اللہ و رسول کی تعلیمات ہیں اس لئے وہ صنعت و حرفت پر شرافت کے لحاظ سے بہت فوقیت رکھتی ہیں تو ان کا علم بھی اعلیٰ و اشرف ہوگا اور حدیث میں اسی اعلیٰ و اشرف علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۴) دنیوی علوم کا ماحصل یہ ہے کہ اس دُنیا کی عارضی زندگی سنور جائے، گویا علوم دنیویہ عارضی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، بخلاف علوم اسلامیہ کے کہ وہ وطن اور ہمیشہ کی زندگی کا موقوف علیہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو وطن اور دائمی زندگی کا موقوف علیہ ہے وہ اعلیٰ و اشرف ہوگا۔

(۵) دنیوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور انکے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ اور علمِ آخرت اپنے خالق اور احکامِ عالمین کو قیقا تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اسی سے نئی رضا



حاصل ہوتی ہے اسلئے بندہ اور خالق میں جو فرق مرتبہ ہے وہی علم دنیا و علم دین میں ہے ان وجوہ کی بنا پر علم آخرت کو کمال اور علم دنیا پر شرف حاصل ہے اسلئے جہاں مطلق علم بولا جاتا ہے اس سے اس کا فرد اشرف و اکمل یعنی علم دین مراد ہوتا ہے۔

اصطلاح شرع میں صرف علم دین کے ساتھ لفظ علم کا اختصاص اس حد تک عام معروف و مشہور ہے کہ اہل اسلام میں قبل از اسلام کے لئے زمانہ جاہلیت اور کافر کے لئے جاہل کی اصطلاح عام زبان زد ہے۔ کتب بلاغت میں یہ مثال بھرت مذکور ہے قول الجاہل انبت الربیع البقل و شفی الطیب المریض ابو جہل مشہور دانشور ہونے کی وجہ سے ابو الحکم کے لقب سے معروف تھا مگر دولت ایمان سے حرمان کی وجہ سے ابو جہل بن گیا۔ عام مقولہ ہے ”علمی کہ بحق رہ نہاید جہل است“ وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ۵

فکر آں باشد کہ بشاید رہے      راہ آں باشد کہ پیش آید شے

### ذکر چین :

حقیقت مذکورہ دلنشین ہو جانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ذکر چین کا کیا مطلب؟ چین عہد رسالت میں بھی علم دین سے عاری تھا اور بعد میں بھی اب تک وہاں سے علم دین کی تحصیل کا کچھ مطلب نہیں بنتا اور نہ ہی آئندہ کے لئے اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جس طرح علم دین سے متعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح علم دنیا مراد لینے پر بھی یہی اشکال لازم آتا ہے، اسلئے کہ علوم دنیویہ میں بھی چین کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو چین پر ہمیشہ فوقیت رہی ہے۔ بالفرض علوم دنیویہ میں چین کی کوئی برتری تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، یعنی کلام محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم میں علم سے علم دین ہی مراد ہے اور چین کا ذکر صرف بعد مسافت میں تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علم دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے تو بھی اس فریضہ میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں، عام محاورہ میں اس قسم کے کلام سے بعد مسافت میں تمثیل مراد ہوتی ہے نہ کہ اس مقام کی تعیین، کما هو ظاہر علی من تتبع وتفکر فی کلام الناس، وهذا هو الحق الصریح لمن شاء ان یکون النجیم۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

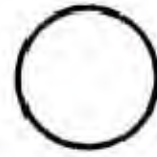
۲۸ رجب سنہ ۱۴۰۵ھ



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَالِيَهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْعِزُّ مُنِيبٌ



# كَشْفُ الْغَطَاءِ عَنْ حَقِيقَةِ اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ





## اختلاف العلماء کی تحقیق

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

علماء کے اختلاف کا ختم ہو جانا ناممکن ہے اور اس کی تمنا رکھنے والا بہت بڑا احمق ہے، اس لئے کہ علماء کا اتفاق صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ قرآن و حدیث میں ہر شخص کے متعلق ہر فعل کی ہر کیفیت کا حکم منصوب ہو، اور یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان غیر محصور ہیں اگرچہ غیر تنہا ہی نہیں پھر ہر شخص کے افعال غیر محصور اور ہر فعل کی کیفیات اور احکام غیر محصور، پس اگر اتنی مفصل کتاب نازل کر دی جاتی جس میں ہر ہر جزئیہ مذکور ہو تو وہ اتنی ضخیم ہوتی کہ نہ تو اس کی حفاظت ممکن ہوتی اور نہ اس کا نقل کرنا انسان کی قدرت میں ہوتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ممکن ہوتی، غیر محصور انسانوں میں سے اپنا نام تلاش کرنا ہی مشکل ہو جاتا، پھر اپنے غیر محصور افعال کے غیر محصور احکام میں سے کسی حکم کا تلاش کرنا ناممکن ہوتا۔ پس ایسی کتاب کا نازل کرنا کہ اس سے انسان استفادہ نہ کر سکے اور اس کی حفاظت سے بھی عاجز ہو یہ ایک عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ میں عیب کا ہونا ناممکن ہے۔ لہذا اختلاف کا مٹنا بھی ناممکن ہے اور ناممکن کی تمنا کرنے والا احمق ہو گا۔ پس ضروری ہو گا کہ قرآن و حدیث میں جزئیات کے بجائے کلیات مذکور ہوں جن سے ہر ہر جزئیہ کا حکم مستنبط کیا جائے اور کلیات سے استنباط میں انسان کی عقل و فہم کا دخل ہوتا ہے، اور انسانوں کی عقول مختلف ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے بعض دفعہ جزئیہ ایک ہوتا ہے اور کلیات بھی فریقین میں مسلم ہوتے ہیں مگر اختلاف اس میں ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ کس کلی کے تحت درج ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ حج کے پاس کسی مقدمہ میں مدعی اور مدعی علیہ کے کلام اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ جزئیہ بھی ایک ہے، جس پر دونوں بحث کر رہے ہیں اور جن قوانین سے اپنے نظریے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قوانین بھی ایک ہی حکومت کے اور فریقین کے ہاں مسلم ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود دونوں وکیلوں میں یوں اختلاف ہوتا ہے کہ مدعی کا وکیل کہتا ہے کہ فلاں قانون کی رو سے اس جزئیہ میں مدعی علیہ کو سزا ہونی چاہیے اور مدعی علیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جزئیہ اس قانون کے تحت نہیں آتا جو مدعی کے وکیل نے بیان کیا ہے بلکہ دوسرے قانون سے زیادہ مناسب رکھتا ہے جس کے لحاظ سے مدعی علیہ بری ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان دونوں کی بحث اس میں ہوتی ہے کہ یہ جزئیہ کس کلیہ کا فرد ہے اور کونسا قانون اس پر منطبق ہوتا ہے۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ دکن کی بحثیں اسی طرح جاری رہتی ہیں اور دونوں وکیل حکومت کے مجاز ہوتے ہیں۔ ان کے اختلاف پر نہ ہی فریقین کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے



منوگ اسے برا سمجھتے ہیں اور نہ حج اُن کے اختلاف پر ناراض ہوتا ہے، نہ حکومت انہیں اختلاف سے روکتی ہے بلکہ انہیں خوب بحث کرنیکا اور دلائل بیان کرنیکا موقع دیا جاتا ہے، اور جو وکیل زیادہ بحث کرتا ہے اُسے داد ملتی ہے۔ اسکے بعد حج دونوں میں سے جس کے دلائل کو راجح پاتا ہے اسکی جانب فیصلہ دیدیتا ہے مگر دوسرے وکیل کی نہ اجازت سلب کی جاتی ہے اور نہ اس کو سزا دی جاتی ہے اور نہ ہی اسے برا سمجھا جاتا ہے بلکہ آئندہ مقدمات میں پھر اسے بدستور بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بعینہ یہی مثال علماء کی ہے کہ جزئیہ معینہ پر کونسا کلیہ منطبق ہوتا ہے اس میں ان کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں اختلاف وکلاء کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے اختلافات ہم دیکھتے اور سُنتے رہتے ہیں، مثلاً سیاسی اختلاف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسمبلیوں میں بعض دفعہ کرسی بازی تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ اسی طرح علم العلاج میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایلوپیتھی۔ ہومیو پیتھی۔ یونانی اور ویدک وغیرہ کے قواعد و اصول ہی مختلف ہیں۔ چنانچہ ایلوپیتھی میں علاج بالصدہ ہوتا ہے اور ہومیو پیتھی میں علاج بالمثل۔ پھر ہر طریقہ علاج میں مرض کی تشخیص اس کے اسباب اور تجویز دوا اور خوراک پر ہیر اور دوا کی مقدار، دوا کی خوراکوں کی تعداد اور دوا کے طریقہ استعمال میں اختلاف ہوتا ہے، خواہ ایک ہی طریقہ کے دو ماہرین کو یعنی دو ڈاکٹروں یا دو حکیموں کو دیکھا جائے تو وہ بھی آپس میں مختلف ہونگے مگر اس کے باوجود اس اختلاف کو کوئی بُرا نہیں کہتا اور اختلاف کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور ان کے اختلافات کو دیکھ کر کوئی علاج نہیں چھوڑ دیتا بلکہ جس حکیم یا ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اسی سے علاج کر دیا جاتا ہے۔ علماء کا اختلاف اس سے بہت کم درجہ رکھتا ہے اس لئے کہ ان کے اصول متحد ہیں۔ معہذا اس اختلاف کو بُرا کہا جاتا ہے اور علماء کو طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس عالم کی بات مانیں، حقیقت میں یہ نتیجہ ہے دین اور علم دین کی طرف سے بے توجہی اور بے رغبتی کا۔ علاج جسمانی کی اہمیت ہے اس لئے ڈاکٹروں کا اختلاف علاج سے مانع نہیں بنتا۔ اس کے برعکس باطنی امراض کے علاج کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی دین کی قلب میں اہمیت نہیں اس لئے اختلاف علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اختلاف ہونا لازمی امر ہے اور اس کا مٹانا ناممکن ہے، آگے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فریقین کا نقطہ نظر ضلّے الہی ہو، ہر شخص یہ خیال کرے کہ جو میں کہتا ہوں اس میں دین کا فائدہ ہے اور فریق مخالف کا جو نظریہ ہے اس میں دین کا ضرر ہے اس صورت میں جانبین پر یہ اختلاف فرض ہوتا ہے جس میں جانبین کو ثواب ملتا ہے اگر یہ اختلاف کو چھوڑ دیں تو گنہگار ہونگے۔

دوم یہ کہ جانب واحد کا مقصد ضلّے الہی ہو اور دوسری جانب صرف اتبارع ہوی کی خاطر



اختلاف کر رہی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو نماز کی تلقین کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے، نہ رکنے کی سورت میں اس سے اختلاف کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف اس لئے اسکا مخالف ہے کہ یہ اسے منکرات سے کیوں روکتا ہے؟ تو پہلے شخص پر یہ اختلاف واجب ہے اور دوسرے پر حرام۔

سوم یہ کہ دونوں خواہشات نفسانیہ کی بنا پر اختلاف کر رہے ہوں۔ یہ اختلاف جانین کے لئے حرام ہے۔ اور اس کا ترک واجب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف قسم اول کا اختلاف تھا۔  
جواز اختلاف کی شرائط:

① اختلاف کے نمود ہونے کی شرط اول یہ ہے کہ اسکا منشأ رضائے الہی ہو۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے کا نظریہ بداہت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص اونٹ کو بکری کہنے لگے اور یہ کہے کہ میری تحقیق یہی ہے۔ میں اپنی دیانت و اخلاص سے ہی سمجھتا ہوں، اس کے باوجود اس اختلاف کو نمود نہیں کہا جاسکتا بلکہ مذموم ہے۔

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کے خلاف قول کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ اس لئے کہ جس طرح قرآن اپنے مفہوم میں سنت کا محتاج ہے بعینہ اسی طرح کتاب و سنت دونوں اپنے مفہوم میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہیں۔ یعنی کتاب و سنت کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہٹ کر کتاب و سنت کا مفہوم سمجھنا ضلال ہے، اس پر مختصر دلائل یہ ہیں۔

① إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں صراطِ مستقیم کی تفسیر صِرَاطِ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے کی گئی ہے۔ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ کی تفسیر صِرَاطِ اللَّهِ یا صِرَاطِ الرَّسُولِ یا صِرَاطِ الْقُرْآن سے نہیں کی گئی اس لئے کہ لوگ اس کے مفہوم میں اختلاف کرتے اور ہر شخص اپنے متعین کردہ مفہوم کو صراطِ قرآن قرار دیتا لہذا صِرَاطِ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے وضاحت کر دی کہ صراطِ مستقیم سے مراد منعم علیہم بندوں کا راستہ ہے جو ایک جماعت ہے۔

② وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَوْمِنِينَ مَتَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ، اس میں بھی سبیل اللہ کی بجائے سبیل المؤمنین فرمایا گیا۔

③ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِيْ أَدْعُوْا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ، اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سبیل اللہ کے بعد آنا ہیہ مَنِ اتَّبَعَنِيْ کا عطف فرما کر اس کی وضاحت فرمادی



کہ سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی طرف آپ کے متبعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعوت دے رہے ہیں۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمُهَدِّیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِدِ - سُنَّتِیْ کے بعد سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کا ذکر کرنا کھلی دلیل ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہوگی جو خلفاء را اختیار کریں گے، یعنی یہ عطف تفسیری ہے، اور اس کے سوا اس کے دوسرے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مطابق ہوگا، اگر سنت اپنے مفہوم میں صحابی کی محتاج نہ ہوتی تو صرف مَا اَنَا عَلَیْہِ کہہ دینا کافی تھا وَاَصْحَابِیْ کا لفظ بیکار رہ جاتا ہے۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں - النجوم امنہ للسماء اصحابی امنہ لامتی (رواہ مسلم)

(۷) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مغفور لم ہونا نص قرآنی سے بھی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں وَ کَلَّا وَ عَدَّ اللّٰهُ الْحُسْبٰی اور دوسری جگہ فرمایا الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ مِّنَّا الْحُسْبٰی اُولٰٓئِکَ عَنْہَا مُبْعَدُوْنَ - دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ کُلُّ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ناجی ہیں۔

(۸) یہ امر عقلاً بھی ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کا مفہوم وہی متعین ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا اس لئے کہ متکلم کی مراد سمجھنے میں چند امور کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً اہل زبان ہونا۔ متکلم کی حالت سے باخبر ہونا۔ متکلم سے ظاہری اور باطنی قرب ہونا۔ کلام کے شان و رود سے واقف ہونا۔ یعنی یہ کلام کس محل اور کس موقع پر اور کس وقت واقع ہوا؟ اور متکلم کے لہجہ کو سنانا۔ اس کے ہاتھ اور چہرہ کے آثار کو دیکھنا خصوصاً اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں تقدس و تقویٰ اور باطن کی طہارت اور نور قلب نہایت ضروری ہے۔

یہ سب امور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسی لئے جب کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کسی حکم کی مزید تاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو روایت کرتے وقت یوں فرماتے ہیں - ابصرۃ عینای و سمعتہ اذناى و دناہ قلبی۔

ان لوگوں کا اہل حق سے اصولی اختلاف ہے جو قرآن و حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا محتاج نہیں سمجھتے جیسا کہ پر ویز قرآن کو حدیث کا محتاج نہیں سمجھتا۔



کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم قافیہ کرنے کے لئے میں اس جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رجال اللہ سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ اور یہ لفظ مأخوذ ہے رجال لآلئہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ سے۔

(۳) جواز اختلاف کی تیسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرتے وقت الایہم فالایہم کا خیال رکھا جائے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف کے زمانے میں قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اپنے کو مطمئن سمجھ کر ایران کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنا چاہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں تھا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک روم کو لکھا، واللہ لئن لم تنتہ وترجع الی بلادک یا لعین لاصطلمن انا و ابن عمی علیک ولا یرجئک من جمیع بلادک ولا ضیقن علیک الارض بما رحبت، وفي جہورۃ رسائل العرب وبلغ معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحب الروم یرید قصد بلاد الشام ایام صنفین فکتب الیہ تالللہ لئن قسمت علی ما بلغنی لاصالحن صلیحی ولا کونن مقدمۃ الیک ولا جعلن القسطنطنیۃ الحصراء حمۃ سوداء ولا نزعنک من المملک نزع الاصطفلینۃ ولا ردنک اریسا من الاراستۃ ترعی الدوابل وفي روایۃ کما کنت ترعی الخنائیس،

غرضیکہ اہم اختلاف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ اختلافات کو چھوڑ کر متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اللہم ارفع بین قلوبنا واصلح ذات بیننا فانصرنا علی عدو لک وعدونا، امین

رشید احمد

اواخر شعبان سنہ ۱۲۸۶ ہجری



الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوَّلِيَّاتُ مِنْ عِلَالَتِ أُمَّهَاتِهِمْ شَيْءٌ وَدِيَّهُمْ وَحُلٌّ (مُسْتَقْبَلٌ)



تَنْبِيهُ الْمَغْفَلِينَ  
فِي  
بَيْتِ التَّفَاضُلِ بَيْنِ الْمَرْبِيِّينَ





## تفاضل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(ماقتباس از تقریر صحیح بخاری)

عام طور پر واعظین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفضیل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بیان کرتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو فی نفسہ غلط ہیں، اور اگر کوئی چیز صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی اس طریقے سے فضیلت بیان کرنا جو دوسرے نبی کی تنقیص پر شامل ہو جائز نہیں۔ اس بارے میں بظاہر احادیث متعارض نظر آتی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (احتجیرونی علی الانبیاء اور فرمایا لا تقولوا انا خیر من یونس بن متی حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اپنی فضیلت بیان فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں انا سید ولد آدم ولا فخر اور فرمایا انا صاحب اللواء يوم القيمة و آدم تحت لوائی اور فرمایا کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین، حدیث شفاعت میں بھی آپ نے اپنی فضیلت سب انبیاء علیہم السلام پر بیان فرمائی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جس میں آپ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے مولانا جامی رحمہ اللہ نے بھی اس قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ۵

زجودش گر نبودے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتی نوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ پر انکار نہیں فرمایا، ان روایات متعارضہ میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ طرز بیان اگر ایسا ہے کہ وہ کسی نبی کی تنقیص کا موہم نہ ہو تو جائز ہے اور جہاں ایک نبی کا دوسرے نبی سے مقابلہ کر کے ایک کو ترجیح دی جائے چونکہ اس میں دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں جن مواقع پر آپ نے اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے وہ ایسے ہی تقابل کے مواقع تھے چنانچہ (احتجیرونی علی الانبیاء اس وقت فرمایا جبکہ ایک یہودی کا مسلمان سے جھگڑا ہوا مسلمان نے کہا واللہ الذی اصطفیٰ محمدًا صلے اللہ علیہ وسلم علی العالمین اور یہودی نے کہا واللہ الذی اصطفیٰ موسیٰ علیہ السلام علی العالمین تو اس مسلمان نے یہودی کے طمانچہ مار کر کہا علی محمدؐ ایضاً؟ وہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آیا، آپ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا (احتجیرونی علی الانبیاء، غرضیکہ جہاں دونوں میں تقابل ہو رہا ہو جسمیں ایک کی تفضیل دوسرے کی تنقیص کو مستلزم ہو، اس قسم کی تفضیل سے منع فرمایا، واعظین عموماً مندرجہ ذیل وجوہ فضیلت بیان کرتے ہیں۔

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،



اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاکھی مار کر پانی نکالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پانی نکلا جبکہ آپ نے ایک پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پتھر سے پانی نکلتا کچھ بعید نہیں۔ پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہی ہیں، انگلیوں سے یعنی انسان کی ہڈی اور گوشت سے چشمہ جاری ہو جانا یہ بڑا کمال ہے۔

(۲) کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر جا رہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا، بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریا نئے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ مَعَ رَبِّی سَیْهَدَیْنِ۔ اس کلام میں ایک نقص تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور معنا کہہ کر معیت الہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کر کے ساری قوم کو غرق کر دیا، اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ وجہ ترجیح اگر صحیح ہو تیں تو بھی ان کا اس طریقہ سے بیان کرنا جائز نہ ہوتا اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص ہے۔ ایک بھائی کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ اسکے دوسرے بھائی کی تنقیص کو متضمن ہو تو باعث مسرت ہونے کی بجائے غیظ و غضب کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ وجہ فضیلت جو ادھر بیان کی گئی ہیں فی نفسہ غلط ہیں۔

(۱) اس میں موسیٰ علیہ السلام کی بھی تنقیص ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ وہ معجزہ جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار بطور امتنان ذکر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ کہ دنیا کہ کوئی بڑی بات نہیں کتنی بڑی جرأت ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یوں ہے کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکلا بلکہ حقیقت اس واقعہ کی یوں ہے کہ آپ نے پانی میں ہاتھ رکھا جس کی برکت سے وہ پانی زیادہ ہو گیا اور انگلیوں کے درمیان سے ابھرتا ہوا نظر آ رہا تھا تو معجزہ کا دعویٰ کر کے اسے ثابت نہ کر سکتا موجب تنقیص ہے۔ لہذا یہ وجہ ترجیح و تفضیل دوستی نادان کی حیثیت رکھتی ہے۔



(۲) گھر میں بیٹھ کر کوئی بات کر لینا سہل ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خصم کے سامنے بات کریں۔ غور بجئے کہ اگر ہم یہی وجہ ترجیح کسی یہودی کے سامنے بیان کریں اور وہ جواب میں یوں کہدے کہ ہمارا نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور ہمارا نبی ایک دفعہ جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہو گیا تو ہمارے پاس سوائے ندامت کے اسکا کیا جواب ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی عالم دنیا میں ہوئی تھی اور عالم دنیا کے قوی ضعیف ہیں جو تجلی الہی کے تحمل نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہو جانا اسی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لئے اُس عالم کے مناسب قوی عنایت کر دیئے گئے تھے چنانچہ معراج سے قبل آپ کا شوق صدر اور غسل ہمارا زمزم اسی لئے کیا گیا تھا کہ آپ میں عالم اعلیٰ کی قوت پیدا ہو جائے لہذا ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا جہالت ہے اور پھر قصہ معراج میں عرش سے تجاوز کر جانا وغیرہ بہت سی خرافات ایسی بیان کی جاتی ہیں جو اصول شریعت کے خلاف ہیں اور روایت باری تعالیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں من زعم انہ راى ربہ فقد عظم علی اللہ الفریقۃ (۳) یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنفین بھی مبتلا ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے اور اپنے اپنے مواقع و محل کے عین مناسب ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام لَآ اَللّٰہَ مَعَنَا کہہ دیتے تو کلام میں بلاغت نہ رہتی۔ ایسے ہی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ رَزَقْتُ فرماتے تو موقع کے غیر مناسب ہونے کی وجہ سے کلام بلیغ نہ رہتا۔ تعجب ہے علامہ تفتازانی پر کہ فن فصاحت و بلاغت میں تصنیف کر رہے ہیں اور اسی میں غلطی کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کلام موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ غالباً یہ غلطی علامہ بیضاوی سے بھی ہوئی ہے اب ذرا تفصیل ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوگا کہ ہر نبی کا کلام اپنے موقع میں نہایت بلیغ ہے حضرت موسیٰ کی قوم اس قدر ضعیف الایمان واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے حکم سے اللہ کے نبی کے ساتھ جا رہے ہیں اور نبی بھی ایسا کہ اسکے معجزات صرف معقول نہیں تھے بلکہ محسوس مبصر تھے جس سے کم عقل آدمی بھی یقین حاصل کر سکتا ہے۔ اس حالت میں ان لوگوں کو اپنی گرفتاری کا وہم تک نہ آنا چاہیے تھا مگر انھوں نے لشکر فرعون کو دیکھتے ہی دسوسہ تو کیا یقینی طور پر کسی تاکیدات کے ساتھ حکم لگا دیا اِنَّا لَمَذْکُوْرٌ لِّفِظْلَانَا اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ لاکر اس یقین کے استہکام کو ظاہر کیا، اب قابل غور مقام ہے کہ ایسی قوم جسے خدا اور رسول کے وعدے پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے خلاف کا یقین رکھتی ہو اور اسے تین تاکیدات سے بیان کر رہی ہو

عہ قول روایت راجح ہے ۱۲ منہ



یعنی یقیناً یقیناً پکڑ لئے گئے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور مدد کیسے ہو سکتی ہے؟  
 لہذا موسیٰ علیہ السلام نے ”إِنِّ مَعِيَ رَبِّي“ میں بغرض حصہ ”مَعِيَ“ کو مقدم کیا اور ضمیر متکلم مفرد لائے کہ میرے  
 ساتھ ہی میرے رب کی معیت ہے اس کی برکت سے تم بھی بچ جاؤ گے، ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ یا  
 تو فرعون کے ظلم کا شکار ہو جاؤ یا دریا میں غرق ہو جاؤ تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب کی معیت صرف  
 میرے ساتھ ہے تم اس معیت کے لائق نہیں ہو۔ پس اگر ”إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ فرماتے تو خلاف مقصود ہوتا  
 لہذا کلام بلاغت کے معیار سے بالکل گر جاتا، اس کے برعکس غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خدا و رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل تھا اور بطور دوسوہ جو یہ لفظ زبان پر آئے کہ اگر کفار ذرا جھک کر دیکھیں تو ہمیں  
 پکڑ سکتے ہیں، اولاً یہ صرف دوسوہ کے درجہ میں تھا جس پر مواخذہ نہیں، ثانیاً یہ کہ اس دوسوہ کا نشانہ  
 خوف علی النفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف تھا جو دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 ساتھ کمال محبت اور کمال ایمان کی، چنانچہ لَا تَخَفْ کی بجائے لَا تَحْزَنْ اس کی وضاحت کر رہا ہے  
 اس لئے کہ خوف نفس پر ہوتا ہے اور حزن کسی محبوب چیز کے جدا ہونے پر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صدیق  
 اکبر رضی اللہ عنہ کو خوف نفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدا ہو جانے کا خطرہ تھا، لہذا آپ نے  
 إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فرما کر واضح کر دیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ جیسے اللہ کی  
 معیت میرے ساتھ ہے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ ”إِنِّ مَعِيَ رَبِّي“  
 فرماتے تو مقصود ادا نہ ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے بد دعا کے ذریعہ قوم کو تباہ کر دیا،  
 یہ قرآن سے بخبری کا نتیجہ ہے قرآن کریم میں اگر حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ پر غور کیا جائے تو معلوم  
 ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم پر بڑی شفقت تھی اور کسی صورت میں بھی انھیں ان کا ہلاک  
 ہونا پسند نہ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں ”لَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ“ اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو  
 قوم کی بد عملی پر دکھ ہوتا تھا جو شفقت اور محبت کی دلیل ہے دشمن کی بد عملی پر دکھ نہیں ہوا کرتا بلکہ مستر  
 ہوتی ہے۔ ساڑھے نو سو سال تک نوح علیہ السلام ان کی بد عملی پر دکھ اٹھاتے رہے، ساڑھے نو سو  
 سال کی مدت قابل غور ہے۔ کہنے میں آسان ہے مگر اتنی مدت تک بد عملیاں دیکھتے رہنا اور اس پر  
 غمناک ہوتے رہنا پھر بھی صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے باوجود جب  
 ان کے غرق کا حکم ہوتا ہے تو نوح علیہ السلام بہت اصرار اور الحاح سے ان کی سفارش کرتے ہیں چنانچہ  
 ارشاد ہے لَا تَخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُخَرَّفُونَ، ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے سفارش



کی تھی جس سے روکا جا رہا ہے، اور بلاغت کا تقاضا ہے کہ انکار کی شدت کے مطابق جواب میں شدت اور تاکید ہوتی ہے۔ یعنی جواب کی تاکید انکار کی تاکید پر دلیل ہوتی ہے، لَا تُخَاطِبُنِي فِي الْكُفْرِ، ظَلَمُوا میں کس قدر تاکیدات ہیں۔ اول یہ کہ لَا تُشْفَعُ کے بجائے لَا تُخَاطِبُنِي فرمانا بہت بڑی تاکید ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو اور فِي الْكُفْرِ ظَلَمُوا سے ان کی قباحتِ شان کو ذکر کر کے نوح علیہ السلام کو سمجھانا، پھر لفظ لَا اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کرنا یہ سب امور اس پر دلالت ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا انکار یعنی شفاعت پر اصرار بہت شدید تھا مگر اس کے باوجود یہ شفاعت قبول نہیں ہوئی اور غرقِ کاکم محکم ہو گیا مگر اس کے باوجود بھی نوح علیہ السلام اس تاک میں رہے کہ کہیں سے سفارش کا کوئی موقع اور کوئی حیلہ مل سکے چنانچہ اپنے بیٹے سے متعلق ذرا سی گنجائش پائی تو فوراً سفارش کر دی۔ اسے شفقتِ پدری کا خاصہ نہیں کہا جاسکتا۔ اولاً اس لئے کہ نبی کا تعلق ساری امت کے ساتھ باپ جیسا ہوتا ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اولاد اگر انکار کرتی ہے تو اس پر غیظ و غضب دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب بیٹے کے انکار پر بھی اتنی شفقت تھی تو دوسروں پر تو اس سے زیادہ ہوگی۔ غرضیکہ بیٹے کی سفارش اس حیثیت سے نہیں تھی کہ وہ بیٹا ہے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ کسی اور کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اس کے بعد بیٹے کی سفارش میں بھی جب حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تنبیہ کی گئی اور بار بار سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احتمال گذرا تو اس کے تدارک کے لئے اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کرنے کے لئے عرض کیا لَا تَنْزِلْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا، تو یہ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بددعا سے ہی یہ عذاب آیا ہے تو کسی افراد بلکہ کسی قبائل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا بھی ثابت ہے۔ پس بددعا کرنے یا نہ کرنے کے مواقع کو انبیاء علیہم السلام ہی خوب جانتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کے مقام پر ہوتے تو آپ بھی بددعا فرماتے۔ اور اگر طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت نوح علیہ السلام ہوتے تو یقیناً آپ بھی بددعا نہ کرتے۔ فقط والحمد لله اَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُلِهِ الْكَرَامِ خُصُوصًا عَلَى سَيِّدِ الْاَنَامِ مَا اخْتَلَفَتِ اللَّيَالِي وَالْاَيَّامُ وَهُوَ خَيْرُ خَتَمٍ۔

رشید احمد

۸ محرم ۱۳۸۶ھ یوم الاربعاء



## کتاب التفسیر والحدیث

جو کر کھانے سے مانعت کی حدیث

سوال: نھی عن الاكل قائماً کے بارے میں فقہ کی عبارات تو موجود ہیں مگر حدیث باوجود لاش کرنے کے نہیں ملی۔ لہذا آنحضور کی نظر میں اگر کوئی حدیث ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب ومثله الصدق والصواب

بے فتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ فی ان یشرب  
ائمًا قال فتادۃ فقلنا فالاكل فقال ذلك اشرا وانجست (مسلم ج ۲) وعند الترمذی  
الاکل قال ذاك اشد، هذا حدیث صحیح (رض ۲) اس سے معلوم ہوا کہ روایت مسلم میں قول  
الشر تعالیٰ عنہ ذاك اشرب بھی مرفوع ہے، دوسری روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قال  
ری رحمہ اللہ تعالیٰ ورواہ الضیاء وزاد والاکل تا شما (مروقات ج ۱) اور  
نور السنۃ میں (ایا اکل ولا یشرب قائما کے تحت مستد احمد و طیارسی کا حوالہ تحریر ہے علاوہ  
رب سے نہی کی علت اکل میں بطریق اولیٰ موجود ہے اور شرب قائما پر اتنی تشدید  
ہے کہ قے کر کے پانی نکال دے۔ بعض احادیث میں شرب قائما کا  
ہے۔ تطبیق میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اعلمان ہذا الاحادیث اشکل  
علی بعض العلماء حتی قال فیہا اقوال باطلۃ وزاد حتی تجاسروا من ان یشرب  
ادعی فیہا دعاوی باطلۃ ولا غرض لنا فی ذکرہا ولا وجہ لاشاعۃ الباطل فی الغلط  
یر السنۃ بلے نذکر الصواب ویشار الیہ التحذیر من الاغترار بما خالفہ ولیس  
الاحادیث بحمد اللہ تعالیٰ اشکال ولا فیہا ضعف بلے کلہا صحیحۃ والصواب  
فی النہی محمول علی کراہۃ التنزیہ واما شربہ صلی اللہ علیہ وسلم قائماً فبیان  
فلا اشکال ولا تعارض وھذا الذی ذکرنا یتعین المصیر الیہ وامامی زعم  
غیرہ فقد غلط غلطاً فاحشاً وکیف یصل الیہ النسخ مع امکان الجمع بین الاحادیث  
ینسخا لو ثبتہ التاریخ وافی لہ ذلک واللہ اعلم دنووی علی مسلم کتاب (الاشربۃ)  
۱۰ المقاری بعد نقل کلام النووی بالاختصار قال الطحاوی ما ملخصہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ان النہی الاشفاق علی امتہ لانه یخاف من الشرب قائماً الضرر وحل وثی الداء کما



قال لهم اما انا فلا اكل متكئا انتهى قلت اختلفوا في هذا الباب بحسب اختلاف الاحاديث فيه فذهب الحسن البصري وابراهيم النخعي وقتادة الى كراهة الشرب قائما وروى ذلك عن انس رضي الله عنه وذهب الشعبي وسعيد بن المسيب وزاذان وطاوس وسعيد بن جبير ومجاهد الى انه لا بأس به وروى ذلك عن ابن عباس في هروية وسعد وعمر بن الخطاب وابنه عبد الله وابن الزبير وعائشة رضي الله تعالى عنهم (عمدة القاري ج ۴ کتاب الحج) فقط والله تعالى اعلم

غرة محرم سنہ ۱۴۴۲ھ

### سوال مثل بالا

سوال: کیا نہی عن الاكل قائماً کے متعلق کوئی مرفوع حدیث ہے بتینواتوجروا

### الجواب

جمع الفوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے (انس) نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب قائماً وعن الاكل قائماً للبخاری والمصنفی (جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۹۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۹ محرم سنہ ۱۴۴۲ھ

### حدیث لا ترفع عنهم عصاك ادبا کا حوالہ

سوال: تربیت اولاد کے متعلق لا ترفع عنهم عصاك ادبا مقولہ ہے یا کہ حدیث؟ اگر حدیث ہے تو اس کا حوالہ مطلوب ہے۔ بتینواتوجروا

### الجواب ومنه الصدوق والصواب

حدیث ہے ولا ترفع عنهم عصاك ادبا وخفم فی اللہ رواہ احمد (مشکوٰۃ جلد اول، باب الکبار وعلامات النفاق الفصل الثالث) فقط والله تعالى اعلم

۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۴۴۲ھ

### تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک

میں نے ایک سوال کے بارے میں تحریر ذیل لکھی ہے اسکے بارے میں اپنے نظریے سے آگاہ فرمائیں، سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک موضوع اور بے بنیاد ہے۔ ملا علی قاری نے اسے موضوع لکھا ہے۔



## الجواب

بیشک ایک عالم صفائی نے اسے موضوع کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے بھی، مگر سب محدثین نے نہیں۔ ازاں سوا، اگر بالفرض صفائی محدث کا قول قبول کر لیا جائے تو بھی وہ ظاہری الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ حقیقت اور اصل ومعنی کے متعلق۔ کیونکہ بالمعنی یہ حدیث صحیح ہے جس بزرگ نے صفائی کی طرف اسے موضوع کہنے کی نسبت کی ہے انھوں نے ہی (حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ) موضوعات کبیر مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ ”حدیث لولاک لما خلقت الافلاک“ قال الصغافی انتہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار وفي رواية ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنيا (۲) امام شہاب الدین احمد قسطلانی شراح بخاری نے کتاب مواہب لدنیہ میں نقل کیا، قال اللہ تعالیٰ لا ادم یا ادم یا ابا محمد ارفع رأسک فرفع رأسه فرائ نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذا النور قال هذا نور نبی من ذریئک اسمہ فی لسماء الحمد و فی الارض محمد لولاہ ما خلقتک لا خلقت سماء ولا الارض

(۳) یہی روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نہانی بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں، (۴) مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب لدنیہ اور انوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار تابعی کا قول منقول ہے۔ حضرت کعب تورات اور انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن و حدیث کے بھی بڑے ماہر۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ ان آدم و جمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد رواہ البیہقی۔

(۵) حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لولاک لما اظهرت الربوبیۃ (عطر الوردۃ فی شرح البردۃ از علامہ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی)

(۶) حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ ادم یا ادم لولا محمد ما خلقتک رواہ الحاكم وصحہ البیہقی والطبرانی

(۷) قال اللہ تعالیٰ یا ادم لولا محمد ما خلقتک وهو اخر الانبیاء (الدر النظیم فی مولد النبی الکریم مصری)



(۸) علامہ امام زر قافی شرح مواہب لدنیہ جلد اول میں لکھتے ہیں۔ عن ابی ال  
الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ بن مریم یعیسیٰ لوا  
ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار وروی الحاکم مثله وصححه ورواه السبکی والہ  
(۹) قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولا محمد ما خلقت عرشا ولا کرس  
سما ولا ارضا ولا الجنة ولا نارا ولا لیلا ولا نهارا وما خلقت جمیع الاشیاء الا  
للذی سمیتہ محمدا (مولد النبی للقطب الربانی الشیخ عبد الرحیم الدیعی)  
ظہری فی ہذا الباب۔

### الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

میں اس تحریر سے متفق ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد ۱۲ صفر

### سورۃ فاتحہ در کدام پارہ دخل است

سوال: سورۃ فاتحہ زائد اسی پارہ ہست یا داخل در اول پارہ یا در غیر او اگر د  
در اول ست پس نام او الحمد چنانداشته شد و اگر دخل در غیر اول ست پس در اول  
چرا نہادند بیتینواتوجروا

### الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْبُ

سورۃ الحمد بمنزلہ متن ست وجملہ قرآن بمنزلہ شرح۔ پس سورۃ فاتحہ نہ از جملہ قرآن خا  
ونہ در جزر معین داخل۔ بلکہ مشترک ست در میان جملہ اجزای قرآن نیز ثبوت پارہ ہر قسراً  
حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیست ونہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجزیہ تقسیم کردند، بلکہ در  
نقل مصاحف بلا قصد محض اتفاقاً سی اجزای مرتب شدند پس خارج ماندن جز قرآن ازیر  
جائز ست کہ انحصار ش در سی اجزای ثابت نیست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۵۵

### حدیث نجد کی تحقیق

سوال: نجد سے متعلق جو حدیث میں آیا ہے ہنالک الزلازل والفتن وبہایا  
قرن الشیطان۔ اس سے سلطان ابن سعود کے کفر یا فسق پر استدلال کیا جاتا ہے لہ  
حدیث کی تشریح فرما کر مطمئن فرمائیں۔



## الجَوْلُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوْلُ

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک نجد میں کوئی صالح شخص پیدا ہی نہیں ہو سکتا سب کے سب کافریا فاسق ہونگے بلکہ حدیث میں کثرتِ شرور و غلبہ شیطان کا بیان ہے چنانچہ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "نجد یطلع قرن الشیطان ای امتہ و حزبہ قال کعبہ یخرج الدجال من العراق وان فتنة تكون من تلك الناحية وكذلك كانت وهی وقعة الجمل ووقعة صفین ثم ظهور الخوارج فی ارض نجد والعراق وماوراءها من المشرق علامہ کرمانی شرح بخاری میں مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ مزید تحریر فرماتے ہیں، کذلک خروج الدجال ویأجوج وماجوج منها۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں والعراد بذلك اختصاص المشرق بمزید من تسلط الشیطان ومن الکفر کما قال فی حدیث الخوارج الکفر نحو المشرق۔ غرضیکہ حدیث سے ہر فرد نجد کا کافریا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کا صالح اور متقی ہونا واضح ہو تو قبیلہ یا شہر یا ملک میں غلبہ شرکی وجہ سے اس پر "لا تذر وادراً" و "نذر الخوی" اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے قانون سے کوئی دھبہ نہیں آ سکتا۔ ثانیاً یہ کہ سارے ملک عرب کے دو حصے ہیں۔ حجاز اور نجد۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک حجاز باقی سب مع عراق، بغداد، بصرہ کوفہ وغیرہ نجد ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "نجد ورائے حجاز را گویند" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نجد هو اسم خاص لما دون الحجاز" اور علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں، نجد من المشرق وقال الخطابی نجد من جهة المشرق ومن كان بالمدينة كان نجداً بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں من كان بالمدينة الطيبة كان نجداً بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهلها۔

المصباح المنیر میں ہے قحامة من تهم اللبن واللحم قهماً من باب تعب تغیر و انتن لانها انخفضت عن نجد فتغیرت ريحها۔ اور نجد کی تحقیق میں فرماتے ہیں "نجد ما ارتفع من الارض" آگے فرماتے ہیں وقال الصغاني كل ما ارتفع من قحامة الى اسراف العراق فهو نجد وقال في التهذيب كل ما وراء الخندق الذي خندقه كسرى على سواد العراق فهو نجد الى ان قيل الى الحرة فاذا ملت اليها فانت في الحجاز انتهي كلام



صاحب المصباح تلامذہ قاری جمع الوسائل میں فرماتے ہیں۔ حجاز کا منخفض حصہ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کا جنوب تمامہ کہلاتا ہے۔ صاحب قاموس کی تحقیق سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ نجد کی تخصیص جس حصہ کے ساتھ آج کل عرف عام میں سمجھی جا رہی ہے حقیقت سے بعید ہے نجد اپنے وسیع معنوں میں ماوراء حجاز کو شامل ہے۔ چنانچہ حضرت علی مبرکوفہ پر شہید ہوئے اور حضرت حسین میدان کربلا میں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اما نجد فهو كل مكان مرتفع وهو اسم لعشرة مواضع والمراد منها ههنا ما اعلنها تهامة واليمن واسلفها الشام والعراق۔ پس اس حدیث سے جو حکم ابن سعد پر لگایا جاتا ہے جملہ اہل بغداد، کوفہ، یمن، عراق پر بھی لازم ہوگا۔ ثالثاً یہ کہ حدیث میں نجد سے مراد عراق ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاع اور مد کے بارے میں برکت کی دعا کی اور پھر شام و یمن کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ہمارے عراق کے لئے بھی دعا فرمائیے۔ آپ نے سکوت کر کے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ظلم مشرق میں ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عراق کے قصد پر کعب احبار رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کو عراق سے محفوظ رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ کعب نے کہا اس میں نوحہ شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت و ماروت اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں۔ علامہ عینی و کرمانی کی مذکور بالا تحقیق بھی اسی کی مثبت ہے۔ فقط واللہ الی الصواب والعالم من موجبات الارتباب

۲۹ صفر سنہ ۶۴ ہجری

### وجہ تسمیہ آیت ورکوع وسورہ

سوال: آیت ر آیت۔ رکوع ر رکوع۔ سورت ر سورت چرا نام نہادہ شد؟

الْجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقَةُ وَالصَّوْبُ

آیت در لغت علامت رائے گویند و آیت قرآنی علامت ست بر انقطاع مابعد از ما قبل۔ و از کلمات قرآن طائفہ مخصوصہ را ہم آیت نے گویند چرا کہ اس طائفہ کلمات علامت ست بر معنی خود۔ یا بایں مناسبت کہ اس طائفہ مدخول و مصحوب علامت انقطاع ست۔ و آیت



لغوی منقول ست از ای که برائے تمیزشی از شی استعمال مے شود۔ علامت لغوی ہم میز ست  
برائے ذی علامت از غیر۔ یا منقول ست از ادوی الیہ بمعنی رجوع چر کہ رجوع کردہ مے شود نظر  
علامت برائے معرفت ذی علامت۔ ممکن ست کہ گرفتہ شود آیت قرآنیہ از منقول عنه۔ اما  
از ای پس ازین سبب کہ علامت قرآنی میز ست برائے طائفہ از طائفہ دیگر و آیت بمعنی طائفہ  
کلمات میز ست از طائفہ دیگر و اما از ادوی الیہ پس ازین سبب کہ علامت قرآنی بمنزلہ منزل ست  
کہ قاری بآں رجوع مے کند و آیت بمعنی طائفہ مصحوب و مجاور این منزل ست۔ فلذا سمیت باسم  
یا ازین سبب کہ منزل قاری لفظ آخر ست از طائفہ کلمات فسمیت الطائفة باسم جزئها الآخر،  
قال البیضاوی رحمہ اللہ والایة فی الاصل العلامة الظاهرة ویقال للمصنوعات من حیث  
انها تدل علی وجود الصانع و علمه و قدرته و لکل طائفة من کلمات القرآن التمیزة  
عن غیرها بفصل و اشتقاقها من ای لا نہا تبین ایّا من ایّ او من ایّ ادوی الیہ و  
اصلها آیة کثرة فابدلت عینها الفاعلی غیر قیاس او آیة او آیة کر مکتہ فاعلت  
او آیة کفائدة فحذفت الهمزة تخفیفًا۔ و فی الحاشیة و فی آیت القرآن قولان فقیل  
انها العلامة لا نقطاع الکلام الذی بعدها من الذی قبلها و قیل انها جماعۃ من  
القرآن و طائفة من الحروف و قول المصنف من حیث اشارة الی القول الاول  
و قوله لکل طائفة اشارة الی الثانی فكان علیہ ان یمیز بین القولین و لذٰلک اعترف  
علیہ بانہ لو یصب فی خلطهما۔ و ایضا فیہا قوله ایّا من ایّ بالتشدید قیل معناه  
شیء یسأل عنه بایّ فالمعنی یمیزا مر اجهولا من آخر و قیل ان العبارة ایّا من ایّ  
بالمداى شخصا من شخص لان الای بمعنی الشخص و فیہ نظر قوله او من ادوی الیہ  
لانها بمنزلة المنزل یا ادوی الیہ القاری (تفسیر بیضاوی ص ۶۴)

رکوع در لغت بمعنی اطمینان آمدہ است و در وجہ تسمیہ طائفہ مخصوصہ از قرآن میتواں گفتہ  
کہ قاری بعد از وصولش بدو و طے کردن منزلی از سفر مطمئن مے شود و وجہ ظاہر این ست کہ  
قاری در تراویح این قدر خواندہ رکوع مے کند، و حکى عن القاضي الامام عماد الدین رحمہ اللہ  
تعالی ان مشایخ بخارا جعلوا القرآن خمساً واربعة رکوعاً و علموا الختم بها ليقع الختم فی  
اللیلة السابعة والعشرين، جاء ان ینالوا فضیلة لیلة القدر اذ الاخبار قد کثرت بانها

لے لکونہا علامۃ علی معانی ۱۲ لے لانہا یرجع الیہا لمعرفة ذی العلامة ۱۲



لیلۃ السابغ والعشرین من رمضان وفي هذه البلدة المصاحف معلمة بالآیات وانما سموه رکوعاً علی تقدیر انها تقل فی کل رکعة (مبسوط ص ۱۲۶ ج ۲ عالمگیریہ ص ۱۲۵ ج ۱) خانیہ علی ہا مش العالمگیریہ ص ۲۱۹ ج ۱) ولما اطلع علی معیار مقدار الركوعات ولعل قارئ ختم لیلۃ السابغ والعشرین فوضعوا رکوعاً علی ما اتفق له من القراءة فی کل رکعة واللہ اعلم  
سورت منقول ست از سور البلد چرکہ محیط ست طائفہ قرآن رایا انواع علم رایا از سور مجزئ مرتبہ چرکہ سور مثل منازل و مراتب ندکہ قاری آنہا را قطع مے کند۔ یا ازین سبب کہ ہر سورت در طول وقصر و فضل و ثواب مرتبہ مے دارد، یا از سورہ کہ بمعنی قطعہ است۔ قال البیضاوی وہی ان جعلت وادھا اصلية منقولة من سور المدينة لانها محیطة بطائفة من القرآن مفرزة محوزة علی خیالہا و محتویة علی انواع من العلم احتواء سور المدينة علی ما فیہا او من السور التي هی الرتبة قال ولرہط حراب وقد سورة۔ فی المجلد لیس غراہا بمطار۔ لان السور کالمنازل و المراتب یرتقی فیہا القاری اولہا مراتب فی الطول والقصر والفضل والشرف و ثواب القراءة وان جعلت مبدالة من الهزرة فمن السورة التي هی البقية والقطعة من الشیء (تفسیر بیضاوی ص ۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۵۵ ہجری

### رکوع و پارہ کی تحقیق

سوال : قرآن کریم میں رکوع کس نے لگائے اور ان کا معیار کیا ہے ؟ بظاہر ان کا کوئی معیار سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ ان کی مقدار مختلف ہے اور اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ مضمون ختم ہونے میں ایک دو آیتیں باقی ہیں، مگر رکوع ختم ہو گیا، یا نئے مضمون کی ایک دو آیتیں گزرنے کے بعد نیا رکوع شروع ہوا، اگر رکوع کی مقدار کو سماعی کہا جائے تو کیا اس کا کوئی ثبوت ہے ؟ بظاہر احادیث کے ذریعہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے تیس پارے کیسے اور کب شروع ہوئے، احادیث میں پاروں کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ بیٹنوا توجروا

الجَوْدُ بِاسْمِ مَلَكِ الصَّوْدِ

رکوع اور پاروں کا ثبوت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا، مشائخ بخارانے قرآن کریم میں پانچ سو چالیس رکوع لگائے تاکہ تراویح میں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو



ستائیس رمضان تک ایک ختم ہو جائے جیسے کہ متقدمین نے ہر دس آیات کے بعد تعاشیہ علامات لگائیں، جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں اتنی مق پڑھنے سے پورے مہینے میں قرآن کریم ختم ہو جائے گا کیونکہ پورے مہینے میں رکعات ترا کی تعداد چھ سو ہے اور کل آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں۔

وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الامام یقرأ فی کل رکعة عثۃ آیات ونحوھا وهو الاحسن لان السنۃ فی التراویح المختمرۃ وبما اشار الیہ ابو حنہ رحمہ اللہ تعالیٰ ینختم القرآن مرۃ فیہا لان عدد رکعات التراویح فی جمیع الشہر ستہ وعدد آی القرآن ستہ الافۃ وشیء فاذا قرأ فی کل رکعة عشر آیات ینختم فیہا۔ (مبسوط للسخی ص ۱۲۶ الفصل السادس فی حق قدر القراءة فی لیلۃ خانیہ علی هامش العالمگیریہ ص ۲۱۴ ج ۱)

وحکی عن القاضی الامام عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان مشایخ بخارا ج القرآن خمسائۃ واربعین رکوعاً وعلما الختم بها لیقع الختم فی اللیلۃ السابۃ والعشۃ رجاء ان ینالوا فضیلۃ لیلۃ القد، اذا الاخبار قد کثرت بانہا لیلۃ السابۃ والعشرۃ من رمضان وفی غیر ہذا البلدۃ المصحف معلومۃ بالآیات وانما سموہ رکوعاً تقدیراً لھا تقرأ فی کل رکعة۔

(مبسوط ص ۱۲۶، عالمگیریہ ص ۱۲۵ ج ۱، خانیہ علی هامش العالمگیریہ ص ۱۹۹)  
رکوع کی مقدار کے بارے میں کوئی واضح چیز نظر سے نہیں گزری۔ یوں معلوم ہوتا کہ کسی مشہور قاری نے تراویح میں قرآن کریم ختم کیا اور عینی مقدار تلاوت کرنے کے بعد راکر تے گئے اتنی مقدار پر تلامذہ نے رکوع کی علامت لگادی۔

یاروں کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کی تعیین قصداً نہیں کی گئی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآن کریم کو نقل کیا تو اتفاقاً تیس مسادۃ میں مکمل ہوئی مگر اس خیال کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، نیز بقول بعض فاتحہ چھوڑ کر سب یاروں کے حروف اور نصف قرآن ”نکرا“ پیر ہے، امر اتفاقی میں ایسی مستأویٰ بعید ہے، بندہ کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ قرآن متعلق روایا مختلف ہیں، تین روز، سات روز، اور ایک ماہ، ایک مہینے میں قرآن کریم ختم کرنے



پیش نظر اس کے تیس پائے متعین کر دئے گئے جس طرح کہ ایک ہفتہ میں ختم کرنے والوں کے لئے سات منزلیں بتا دی گئیں۔  
ولآمال التسوية افردوا الآية الاولى من سورة الحجرا اعتمادا على فهم القارى بأن المنزل قد تم على  
آخر سورة ابراهيم - والله سبحانه وتعالى اعلم

۵ جمادی الآخر سنہ ۱۲۹۶ھ

### تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور

سوال : حنفیہ کے ہاں شہادت زور سے واقع شدہ قضا باطنا بھی نافذ ہے۔ پس حدیث بعضکم  
الحن من بعض الخ کا کیا جواب ہوگا۔ اس حدیث میں عدم نفاذ قضا کی تصریح ہے۔ بتینواتوجروا  
الجوبل ومنه الصدق والصواب

اس بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق جو عرف شذی میں منقول ہے سب سے زیادہ  
شرح و بسط کے ساتھ ہے۔ وہ لہذا۔ قالوا ان حدیث الباب یرد علی الحنفیۃ حین قالوا  
ان القضاء نافذ ظاهرا وباطنا وانكره البخاري رحمه الله في كتاب الحيل اشد الانكار  
اقول ليست المسألة ان ينكر ذلك الانكار فان عنوان المسألة هن القضاء القاضی بشهادة  
الزور في العقود والفسوخ لا في الاملاك المرسله اذا كان المحل قابلا للانشاء ولا يأخذ  
القاضی الرشوة نافذ ظاهرا وباطنا وقيود أخر ایضا، واما الاملاك المرسله فھی  
ان یدعی ان هذا الشیء لم یلا ین کرسبب ملکہ فانت قضاء ظاهرا لا باطنا واما  
وجه عدم نفاذہ باطنا فن کرسبب الہدایۃ ان الشیء یتملک باسباب عدیدہ فاذا  
قضی فالقضاء ینکون بدون السبب ولا وجه لترجیم بعض الاسباب علی بعض فیكون  
ترجیحا بلا مرجح والوجه ان العقود والفسوخ فی ید القاضی وقد رتہ بخلاف الاملاك  
المرسله فعلى ما ذکر قلنا انہ اذا ادعی رجل نکاح امرأۃ وشہد شاهد ان فحکم القاضی  
بنکاحہ حل لہ الاستمتاع وزعم خصومنا اننا اخترنا هذا الارتکاب بلا تکبر والحال ان  
هذا الزعم فاسد وعلى المدعی والشاہدین وزر الاخرۃ كما قال الشیخ فی الفتح وخلافہ  
العراقیین والمجلازیین فی ان النکاح صحیح ام لا والمرأۃ منکوحۃ ام لا فقال المجازیون  
انہا تقوم عندہ ولا تمکن من نفسها وقلنا انہا تمکن من نفسها ثم قال جماعة من ان القضاء  
بمنزلة النکاح حتی قالوا انہ یمجب عند هذا القضاء شاهد ان مثل ما ینکون الشاہدان  
فی النکاح وقیل لا یمجب الشاہد ان لان القضاء لیس بنکاح صریح بل النکاح فی



ضمنہ والتفقنا علی ان القضاء قائم مقام النکاح واما حدیث الباب فلا یرد علینا فانه فیمن  
هو الحسن محجته ولا نقول بان القضاء نافذ بحضه ذلك الحسن بل يجب الشاهد ان  
وغیره من الشروط ونقول ایضاً ان الحدیث فی الاملاک المرسله فانه فی المیراث كما خرجہ  
ابوداود ص ۱۳۸ ج ۲ وقد یدور بالبال انه مع الحل باطناً من النار لا فی الکذب ابتداء فقط  
بل مستمر او نظیره ما ذکرہ فی رد المحتار فی نکاح الرقیق فی من وطئ جاریۃ ابنہ وادعی  
الولد والاسهل ان یقال انہ قطع له من النار من جهة السبب فهو فی نفسہ لا یفع لا  
بعده فالسبب تحقق ابتداء والا تصاف مستمر كما قال بعض ارباب الفنون ان  
التحقق مرة یشدق الاطلاق العام مستمر او انه حکم من جهة السبب وبمثله قالوا فی  
حدیث عمار رضی اللہ عنہ تقتله الفسۃ الباغیۃ یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار واما  
محجتنا فذاکر الطحاوی حین یؤب علی المسأله واتی بشیء لطیف من باب التفقہ وینکر  
ارباب تصنیفنا واقعة علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ ادعی عندہ رجل نکاح امرأۃ وشهد  
شاهد الزور فحکم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالنکاح فقامت امرأۃ فقالت واللہ اعلم انہ  
کاذب فانکحنی بہ امیر المؤمنین کی لا یأثر فقال علی رضی اللہ عنہ شاهد الزوجان  
ذکر محمد رحمہ اللہ فی الاصل ولا یدکر من سند هذه الواقعة ولم اجد السند وظنی  
انہ لا تكون بلا اصل ومرا الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ علی الاثر ولم یردہ زیادۃ الرد ولم یقبلہ  
ایضاً قال علی انہ لیس بلا اصل (عرف شذای ص ۲۸)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث متلاعنین اور حدیث اختلاف المتبایعین فی الثمن سے  
استدلال کیا ہے۔ ونصہ فقد علمنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو علم الکاذب منہما  
(ای الزوجین) بعینہ لم یفرق بینہما ولم یلاعن لو علم ان المرأة صادقة لحد الزوج  
بقذفہ ایاہا۔ ولو علم ان الزوج صادق لحدت المرأة بالزنا الذی کان منہا فلما خفی  
الصادق منہما علی الحاکم وجب حکم آخر فحرم الفرج علی الزوج فی الباطن والظاهر ولم  
یرد ذلك الی حکم الباطن (ای قولہ) وقد حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المتبایعین  
اذا اختلفا فی الثمن والسلعة قائمۃ انہما یتخالفان وبترا دان فتعود الجاریۃ الی البائع  
ومحلہ لہ فرجہا ومجزم علی مشتری ولو علم الکاذب منہما بعینہ اذا یقضی بما یقولہ لصادق  
ولم یقض بفسخ بیع ولا بوجوب حرمة فرج الجاریۃ المبیعة علی مشتری الخ (شرح



۱۰ الاشارة للطحاوی ص ۲۸۸ ج ۲

وقال فی فیض الباری قریباً مما مضى من العرف الشذی ونصه واورد علیہم (الحنفیة) حدیث الباب فانه لو نفذ باطناً ایضاً لما وصفه النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت وهذا وصف لاحکم ومیکن ان یکون شیء یوصف بالنارية ثم لا یدخل به فی النار کالسؤال فانه یترتب علیہ النار ثم لا یلزم ان یکون کل سؤال بل قد یتخلف عنه لعارض فانه یصم وصف الشیء بحال الجس ایضاً واذاً زمر تحقیق فی الافراد کلها وتحقق فی البعض یصم وصفه به باعتبار الجس و لحظ فی قوله صلی اللہ علیہ وسلم فانه لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب اوصف فی الفاتحة لاحکم بالوجوب علی المقتدی فی الحالة الراهنة و سیأتی له فی موضعه ان شاء اللہ تعالیٰ (فیض الباری ص ۳۳۵ ج ۳)

وفی بذل المجهود ولا ینخالف هذا الحکم الحدیث الوارد فیہ فان الحدیث یقتضی فضیلت له من حق اخیه شیئاً وفی العقود والفسوخ لا یقضى بحق اخیه شیئاً حکم بالعقد او الفسخ الذی هو حق الحاكم نعم اذا قضی القاضی فی غیر صورة العقد ثم لا ینفذ حکم الا ظاهراً واما فی الباطن عند اللہ تعالیٰ فلا ینفذ حکم لانه حکم اخیه و هو لیس تحت القضاء (بذل المجهود ص ۳ ج ۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۶ ہجری

## احرف کی تشریح

سوال : حدیث میں وارد ہوا ہے ان ہذا القرآن انزل علی سبعة احرف اور اَجَل جو قرات معروف ہیں وہ دس تک ہیں تو تین قراتیں زیادہ کیسے ہو گئیں۔ بینوا توجروا

الجَوَلِبِ بِاسْمِ مَلَكِ الْقَوَلِبِ

حدیث میں سبعة احرف سے معروف سات قراتیں مراد نہیں بلکہ اختلاف قراتات ت انواع مراد ہیں۔

(۱) صیغ اسما



- (٢) صيغ افعال
- (٣) اختلاف اعراب
- (٤) كى مثنى
- (٥) تقديم وتأخير
- (٦) الفاظ مترادفة
- (٧) صفات حروف

قال المحافظ رحمه الله تعالى وقد حمل ابن قتيبة وغيره العدد المذكور على الوجوه التي يقع بها التغيرات في سبعة اشياء الاول ما يتغير حركته ولا يزول معناه ولا صورته مثل ولا يضار كاتب ولا شهيد بنصب الراء ورفعها الثاني ما يتغير بتغير الفعل مثل وبعد بين اسفارنا وباعد بين اسفارنا، بصيغة طلب والفعل لما مضى الثالث ما يتغير ينقط بعض الحروف المهملة مثل نشرها بالراء والراء الرابع ما يتغير بابدال حروف قريب من مخزج الآخر مثل طلح منصود في قراءة على وطلع منصود الخامس ما يتغير بالتقديم والتأخير مثل وجاءت سكرة الموت بالحق في قراءة ابى بكر الصديق وطلحة من المصروف وزين العابدين وجاءت سكرة الحق بالموت السادس ما يتغير بزيادة او نقصان كما تقدم في التفسير عن ابن مسعود وابى الدرداء والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلّى والذكر والانثى هذا في النقصان واما في الزيادة فكما تقدم في تفسير تبت يد ابى لهب في حديث ابن عباس واند رعرشيتك الاقربين ورهطك منهم المخلصين السابع ما يتغير بابدال كلمة بكلمة تراد منها مثل العهن المنفوش في قراءة ابن مسعود وسعيد بن الجبير كالصوف المنفوش وهذا وجه حسن

وقال ابو الفضل الرازي الكلام لا يخرج عن سبعة اوجه في الاختلاف ، الاول اختلاف الاسماء من افراد وتثنية وجمع او تذكير وتأنيث الثاني اختلاف تصريف الافعال من ماضى ومضارع وامر الثالث وجوه الاعراب الرابع النقص والزيادة الخامس التقديم والتأخير السادس الابدال السابع اختلاف اللغات كالفتح والامالة والترقيق والتفخيم والادغام والاظهار و



نحو ذلك (قلت) وقد اخذ كلام ابن قتيبة ونقحه (فتح الباری ص ۲۵ ج ۹)

ابتداءً تنزیل میں لوگ اسلوب قرآنی سے ناواقف تھے، مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں کے لوگوں کے علاوہ پڑھے بدوی اور ناخواندہ لوگوں کو ایک اسلوب پر چلانے میں حرج تھا اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سات اقسام کے الفاظ کی اجازت عطا فرمائی ان سات اقسام میں ہر شخص کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے قرآن کریم میں رد و بدل کر لے بلکہ یہ مختلف قرارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین تھیں بعد میں جب لوگ اسلوب قرآنی سے واقف ہو گئے تو عرضہ اخیرہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ قرآن کے وقت بہت سی قرارات منسوخ کر دی گئیں، اس کے بعد جو قرارات باقی رہیں ان کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت رسم الخط ایسا اختیار فرمایا جس میں سب قرارات کے مطابق پڑھنے کی گنجائش ہو، مثلاً ملک کو مَلِكٌ اور مالک تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے ایسے ہی قل کو بصیغہ امر اور بصیغہ ماضی دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مصاحف عثمانیہ میں نقاط، اعراب وغیرہ کو ترک کر کے اس رسم الخط میں مزید وسعت پیدا کر دی گئی مثلاً منتشر ہا پر نقطے نہ لگائے جائیں تو اسے منتشر اور منتشر دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے بعض قرارات اس رسم الخط میں نہ سما سکیں تو ان کو دوسرے صفحات میں مستقلاً لکھوا دیا، اس قسم کے سات مصاحف لکھوا کر مختلف اطراف میں بھجوائے اور ان کے ساتھ قرار بھی بھیجے لوگ ان مصاحف سے ان قرار کی تعلیم کے مطابق قرارات سیکھتے۔ اس زمانے میں مذکورہ بالا سات اقسام کے اندر قرارات کی بہت بڑی تعداد تھی، مگر بعد میں ان میں سے دس کی زیادہ شہرت ہو گئی، بقیہ کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی، پھر ان دس قرارات میں سے بھی سات زیادہ مشہور ہو گئیں اس لئے سبع قرارات اور عشر قرارات کا عرف ہو گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ معروف سبع قرارات کو سبعة احرف کا مصداق سمجھنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ ۱۲۹۶ھ

حضرت علیم الذلہ الخ پر اشکال کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم کی آیت و ضربت



علیہم الذلۃ والمسکنۃ و بلاء و بغضب من اللہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم یہود ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گی اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہے گی اور قیامت تک ان کی حکومت قائم نہ ہوگی، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود قوم متمول چلی آرہی ہے اور انکی موجودہ حکومت بھی اسرائیل کے نام سے قائم ہے بلکہ ایک مرتبہ عرب ان سے شکست بھی کھا چکے ہیں۔

ازراہ کرم آیت کا مطلب اور شبہات کا جواب مفصل اور مدلل تحریر فرمائیں اور ذلت مسکنت کی بھی وضاحت کریں تاکہ کمزور ایمان والوں کے دلوں سے شکوک کے کانٹے نکل جائیں بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہود کی ذلت وغیرہ سے متعلق قرآن کریم میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(۱) ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ و بلاء و بغضب من اللہ ذلک بانہم کانوا یکفرون بآیت اللہ ویقتلون النبیین بغیر حق ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون فی (۲-۱۶)

(۲) واذ تأذنت ربک لیبعثن علیہم الی یوم القیمۃ من یشومہم سوء العذاب الی ربک لسریع العقاب ص و انت لغفور رحیم (۴-۱۶۴)

(۳) ضربت علیہم الذلۃ این ما تلقوا الا یجبل من اللہ و جبل من الناس و بلاء و بغضب من اللہ و ضربت علیہم المسکنۃ ذلک بانہم کانوا یکفرون بآیت اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر حق ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون فی (۳-۱۱۲)

(۴) اذ قال اللہ یعیسیٰ ائی متوفیک و ارفعک الی و مطہرک من الذین کفروا و جعل ال الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ (۳-۵۵)  
ان آیات سے یہود کے لئے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) ذلت

(۲) مسکنت

(۳) دوسری قوموں کا معتبور رہنا اور ان کے ہاتھوں مختلف مصائب کا شکار ہوتے رہنا۔

(۴) مغلوبیت



(۱) ذلت سے مراد حکم قتل ہے، الا جبیل من اللہ سے مراد یہ ہے کہ راہب، نابالغ اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور جبیل من الناس سے مستأمن اور اہل فترہ کا استثناء مقصود ہے۔

(۲) مسکنت کے معنی فقر و فاقہ کے نہیں بلکہ پستی کے معنی مراد ہیں جیسے دعاء اللہ تعالیٰ اھینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرف فی زمرة المساکین میں مسکنت بمعنی فقر و فاقہ نہیں ہے بلکہ تواضع و انکسار اور فروتنی کے معنی میں ہے۔ پستی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت شان کے سامنے تواضع و انکسار یہ نعمت ہے اور دُعا میں یہی مراد ہے۔

دوسری اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ذلت و خواری میں مبتلا یہ عذاب ہے یہود پر دوسری قسم کی پستی مسلط کر دی گئی ہے وہ خود بھی اپنے کو ذلیل سمجھتے ہیں جسے دوسرے نظروں میں احساس کمتری کہا جاتا ہے۔ نیز ہمیشہ کے لئے مغلوبیت اور معذب فی الدنیا ہونے سے بڑھ کر کیا پستی اور ذلت ہو سکتی ہے ان دونوں امور کا بیان آگے آ رہا ہے۔

(۳) یہود قوم پر ہمیشہ کے لئے کچھ ایسی طاقتیں مسلط رہیں گی جو ان کو طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا رکھیں گی۔

(۴) مسلمان اور نصاریٰ قیامت تک یہود پر غالب رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں مسلمان اور نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ نصاریٰ میں اتباع ناقص ہے اور مسلمانوں میں اتباع کامل۔ اور آیت قرآنیہ دونوں قسم کے اتباع کو شامل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی حکومتوں کا مجموعہ یہود کی حکومت پر غالب رہے گا۔ اس تفصیل کے بعد اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ قرآن کریم میں یہودیوں کی حکومت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں یہود کی مغلوبیت کی پیشگوئی کی گئی ہے، جس کے صدق میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ان کے فقر و فاقہ اور نگدستی کی کوئی پیشگوئی نہیں، بلکہ مغلوب اور معذب رہنے کی ذلت و پستی کی پیشگوئی ہے جسکی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔



آیت ۷۲ سے متعلق یہ بھی کہا جاسکتا ہے بلکہ یہی زیادہ ظاہر ہے کہ اتباع سے کامل اتباع مراد ہے اور نصاریٰ سب کے سب اور مسلمانوں کی اکثریت اتباع کامل سے منحرف ہے، اور کسی صفت پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو وہ اکثریت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کہانی قولہ تعالیٰ، **وَأَن تَعْلَمَ الْاَعْلَوْنَ اَن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ**، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم، **نعم اذا كثرت الخبيث، پس اگر خدا نخواستہ کسی وقت یہود کی حکومت مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں بھی غالب ہو جائے تو بھی فیصلہ قرآنی کے خلاف نہ ہوگا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہود پر قیامت تک کسی نہ کسی قوم کی طرف سے کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی۔**

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

حدیث سبحان من زین الرجال الخ کا حوالہ

سوال: عام طور پر حدیث سننے میں آتی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کی یہ تسبیح ہے: **سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب**، اس کا حوالہ مطلوب ہے، بینا توجروا،

الْجَوَابُ بِاسْمِ مَلَكِ الصَّوَدِ

کنوز الحقائق لعبد الرؤف المناوی علی ہامش الجامع الصغیر ص ۱۴۲ ج ۱ میں بحوالہ حاکم صرف اتنی حدیث منقول ہے **سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب** اور ص ۲ ج ۲ میں بحوالہ مسند الفردوس للعلیمی یہ الفاظ ہیں۔ ملائکۃ السماء تستغفر لذنائب النساء و لحي الرجال، امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفصل روایت نقل فرمائی ہے ونصہ وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان الله تعالى ملائکة تسبیحهم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالتروان الذوائب (المعصوم ص ۲۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۶ھ

مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں

سوال (۱) قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لئے کن باتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۲) مودودی صاحب میں کون سی باتیں موجود ہیں سوال نمبر ۱ کے حوالہ سے۔

(۳) ایک عام فہم آدمی عربی سے ناواقف کے لئے کونسی تفسیر زیادہ موزون ہوگی بینوا تو بہوا



## الجواب باسم ملهم الصواب

قال المولى احمد بن مصطفى المعروف بطاش كبرى زاده في "مفتاح السعادة ومصباح السيادة" (ثم اعلم) ان العلماء كما بينوا في التفسير شرائط بينوا في المفسر ايضا شرائط لا يحل التعاظم لمن عرى عنها او هو فيها راجل (وهي) ان يعرف خمسة عشر علماً على وجه الاتقان والكمال (احدها) اللغة اذ بها يعرف شرح مفردات الالفاظ ومدلولاتها الوضعية قال جهاهد لا يحل (احد يؤمن بالله واليوم الآخر) يتكلم في كتاب الله تعالى اذ لم يكن عالماً بلغته القرآن ونقل ايضا ذلك عن الامام مالك ولا يكفي بمعرفة السير منها اذ لا يأمن ان يكون اللفظ مشتركاً وهو ذاهل عن احد المعنيين او المعاني والمراد المعنى الآخر (الثاني) النحو اذ يختلف المعاني ويتبدل باختلاف الاعراب كما روى عن الحسين انه قال تعلم العربية فان الرجل يقرأ الآية فيعتنى بوجهيها فيهلك فيها (الثالث) التصريف اذ به معرفة الابنية والصيغ كما نقل عن ابن فارس انه قال كثر من كلمة مجهل معناها فيتضمن بمصادرها (وقال) الزحشرى من بدع التفاسير قول من قال ان الامام في قوله تعالى يوم نذ عواكل اناس بامامهم جمع ام وان الناس يدعون يوم القيامة بامها تهم دون اباهم قال وهذا غلط اوجب جهلة بالتصريف فان اما لا يجمع على امام (الرابع) الاشتقاق لان الكلمة يختلف معناها باشتقاقها من مادتين مختلفتين كالمسيح هل هو من السليخة او المسح (الخامس) و (السادس) و (السابع) المعاني والبيان والبديع اذ بالاول يعرف خواص التركيب من جهة افادتها المعنى وبالثاني خواصها من حيث اختلافها بحسب الزيادة في الوضوح والنقصان فيه وبالثالث وجوه تحسين الكلام وهذه العلوم الثلاثة هي علوم البلاغة الاولى ذاتها والثاني الثالث عرضيا وهي من اعظم اركان المفسر لانه لا بد له من مراعاة ما يقتضيه الاعجاز وانما يدرك بهذه العلوم الا ان ملاك الامر فيه اما السليقة كالاعراب الخالص ومن يحذو حذوهم والذوق الذي هو الالة في اكتساب البلاغة ولا يمكن تحصيلها بدونه، قال السكاكي في حق المعاني والبيان فالويل كل الويل لمن تعاظم في التفسير وهو فيها راجل (الثامن) علم القراءات اذ به يعرف كيفية النطق بالقرآن ويرجع بعض الوجوه المحتملة على بعض (التاسع) اصول الدين لان في القرآن آيات



لا يجوز ظاهرها في حق الله تعالى فالاصول يأول ذلك ويجمله على ما يجوز في حقه تعالى فمعرفة ما يستحيل في حقه تعالى وما يجب وما يجوز لا يمكن الا به (العاشرون) اصول الفقه اذ به يعرف وجوه الاستدلال على الاحكام والاستنباط (الحادي عشر) اسباب النزول والقصص اذ سبب النزول يعرف به معنى الآية بحسب ما انزل فيه (الثاني عشر) النسخ والمنسوخ ليعلم المحكم من غيره (الثالث عشر) الفقه (الرابع عشر) الاحاديث المبينة لتفسير المجمع والمبهم (الخامس عشر) علم الموهبة وهو علم يورثه الله تعالى لمن عمل بما علم واليه الاشارة بحديث من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم "واعلم" ان هذه العلوم هي العلوم التي لا مندوحة للمفسر عنها والا فلعلم التفسير لا بد له من التبحر في كل العلوم، واما العلوم المستنبطة من القرآن فيحركاتها اصوات اخطرت بالبال ان العلوم الوهية ليست في قدرة البشر بل ذلك امر حاصل بفضل سبحانه من غير كسب من العباد فنقول معنى العلوم الوهية ان يحصل في الانسان حالة كشفية تنكشف معها العلوم والمعارف بلا تعلم وكتسب بل بمحض لطف الملك الوهاب لكن تحصيل تلك الحالة داخل تحت القدرة وحاصلة بالمشاورة بان لا يكون في القلب بدعة وكبر وهوى وحب الدنيا والاصرار على الذنب وان لا يتحقق بالايمان او يتحقق به على ضعف وان لا يعتمد في باب التفسير على قول مفسر ليس عنده علم او راجع الى عقله القاصر وهذه العلوم كلها حجب عن حصول الكشف وموانع عنه بعضها أكد من بعض

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ تفسیر لکھنے کے لئے پندرہ علوم میں مہارت تائید کا ہونا ضروری ہے  
(۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع (۸) علم القراءات (۹) اصول الدین (۱۰) اصول فقہ (۱۱) اسباب النزول والقصص (۱۲) نسخ منسوخ (۱۳) فقہ (۱۴) احادیث (۱۵) علم الموهبة

مودودی صاحب کو ان علوم سے تو کیا حاصل ہوتا انھیں تو محض عربی زبان پر بھی پوری قدرت نہیں، ان کی کتابوں کے عربی ترجمے مولانا مسعود عالم ندوی نے کئے ہیں اگر ان کو کسی علم سے کچھ واقفیت ہے بھی تو وہ صرف ان کے مطالعہ تک محدود ہے، انھوں نے کوئی علم کسی مستند درجہ کا



سے حاصل نہیں کیا۔ ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی تحصیل علوم کے بغیر صرف مطالعہ سے کوئی فن حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص دنیا بھر کی کتب طب قدیم و جدید کا مطالعہ کر لے تو بھی اسے حکیم یا ڈاکٹر کی سند نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اس کو علاج معالجہ کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے جب تک کہ کسی معتبر ادارہ میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں علم حاصل نہ کرے۔ پھر مودودی صاحب میں علم الموبہ کی شرائط کے وجود کا تو کیا ہی کہنا۔ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مبین کے حاملین اولین ہیں اس لئے انکے ساتھ عداوت رکھنے والوں اور انکی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ علوم قرآن کی نعمت عطا نہیں فرماتے جیسے کہ روافض عداوت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وجہ سے حفظ قرآن کی دولت سے محروم ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع قرآن ہیں لہذا آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے کو دولت قرآن ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ شرائط مفسر میں علم الموبہ بھی ہے۔ بغض صحابہ اور علم الموبہ ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت کو مخدوش کرنا درحقیقت قرآن کریم کی صداقت کو مجروح کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۶ھ

### لانکاح بین العیدین کی تحقیق

سوال: کیا نکاح بین العیدین حدیث ہے اور کیا واقعی عیدین کے درمیانی دو مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح ٹھیک نہیں جیسا کہ ہمارے دیار میں مشہور ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہما الصواب

عیدین کے درمیانی مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح اور زفاف دونوں بلا کر اہست جائز ہیں اسے کیسے ناجائز کہا جاسکتا ہے جبکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ باقی رہا ”لانکاح بین العیدین“۔ اول تو یہ حدیث صحیح نہیں اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اس میں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں بلکہ جمعہ اور صلوٰۃ العید مراد ہیں اور اس سے مقصد قاعدہ کلیہ کا بیان نہیں بلکہ یہ واقعہ جزئیہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی ہوگی تو آپ نے



یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ دونوں نمازوں کے بیچ میں نہیں، مطلب یہ تھا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی نذر نہ ہو جائے اسلئے اس سے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی مستحبۃ النکاح (تنبیہ) قال فی البزازیہ والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکذا الزفاف والمختار انہ لا یکرہ لانہ علیہ الصلوۃ والسلام تزوج بالصدیقۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فی سوال ونبی بھافیہ وتأویل قوله علیہ السلام لانکاح بین العیدین ان صلح انہ علیہ السلام کان رجع عن صلوۃ العید فی اقصر ایام الشتا و یوم الجمعة فقالہ حتی لا تفوتہ الروح فی الوقت الا فضلہ (شامیہ ص ۲۸ ج ۲)

فقط والشرع کالعلم

۱۷۰۱ ردی الحجہ سنہ ۹۵ ہجری

### طوفان نوح علیہ السلام عام تھا

سوال: طوفان نوح عام تھا یا خاص؟ اس کا جواب ضرور عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باری تعالیٰ کا ارشاد وجعلنا ذریتہ ہم الباقین وقوله لا تذری علی الارض من الکفرین دیتارا وقوله وقلنا اسئل فیہا من کل زوجین اثین سے اس طوفان کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے اس آیت کی تفسیر میں ترمذی کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے اسلئے جمہور کا یہی مسلک ہے بعض نے خصوص کا قول بھی روایت کیا ہے اور آیات میں حصر اضافی اور ارض معہود کی تأویل کی ہے مگر اسکے قائل بہت قلیل ہیں۔ اگر عموم عذاب سے بعثت عامہ کا شبہ کیا جائے حالانکہ بعثت عامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے تو ایسے یہ جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

(۱) قال الاوسی رحمہ اللہ تعالیٰ و رأیت فی بعض الكتب ولا ادری الا ان ای کتاب ہو

ان نوحاً علیہ السلام لم یرسل الا بالتوحید ونحوہ من اصول العقائد ولم یرسل

بفروہ۔ پس جب نوح علیہ السلام کی بعثت صرف توحید وغیرہ اصول دین کے ساتھ

ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں متحد ہیں تو یہ سزا توحید کی مخالفت کی

وجہ سے عام ہوئی۔

(۲) نبی کی بعثت اگرچہ خاص ہو مگر ہر قوم پر اسکی نبوت کی تصدیق ضروری ہے اگرچہ التزام

طاعت ضروری نہیں لہذا تکذیب اور انکار نبوت کی وجہ سے عذاب عام ہوا۔



(۳) اسوقت دنیا کی آبادی ہی محدود تھی اور جو آبادی تھی وہ نوح علیہ السلام کی قوم میں سے تھی اسلئے عذاب سب پر نازل ہوا اور عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اقوام کثیرہ کی طرف بعثت ہو ورنہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی عموم بعثت کا اشکال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۸ھ

### سات زمینوں کی تحقیق

سوال : ارشاد باری تعالیٰ ”اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن“ سے معلوم ہوا کہ جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں مگر یہ زمینیں ہمارے اوپر ہیں یا نیچے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض کہتے ہیں کہ زمین ایک ہی ہے اور مثلثیت بعض صفات میں مراد ہے عدد میں نہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ سات زمینوں کا وجود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر شریعت نے انکی جگہ نہیں بتائی اسلئے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔

(۱) سات زمینیں ایک دوسری کے اوپر ہیں اور ہر دو کے درمیان فصل ہے۔

(۲) پہلے آسمان کے اوپر دوسری زمین ہے پھر دوسرے آسمان کے اوپر تیسری زمین،

علیٰ ہذا القیاس چھٹے آسمان کے اوپر ساتویں زمین ہے اور اسکے اوپر ساتواں آسمان،

(۳) اقالیم سبعہ مراد ہیں۔

(۴) معادن یا مٹی کے سات طبقات مراد ہیں۔

قول اول راجح ہے کیونکہ یہ بعض احادیث سے بھی ثابت ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے قال الأوسى رحمہ اللہ تعالیٰ والمثلثة تصدق بالاشتراك فی بعض الاوصاف فقال الجہوہی ہہنا فی کونہا سبعة کونہا طبقا بعضہا فوق بعض بین کل ارض وارض مسافة کما بین السماء والارض وفي کل ارض سکان من خلق اللہ عز وجل لا یعلم حقیقتہم الا اللہ تعالیٰ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما اما ملائکة او جن (الشیخ قال) کون ما بین کل ارضین خمس مائة سنة کما بین کل سماءین جاء فی اخبار معتبرة کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحدیث (روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۲۸)



تحقیقات جدیدہ کے مطابق اگر چاند وغیرہ سیاروں کی زمین کے ساتھ مماثلت ثابت ہو جائے تو وہ قول مذکور کے مطابق ہے۔ سب سے سیارہ میں سے شمس کے سوا باقی سیارات کی زمین سے مماثلت بتائی جاتی ہے سو بشمول ارض سات کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ اور اگر سیارات مزید ثابت ہو جائیں تو شاید ارض کے ساتھ ان کی مماثلت من کل وجہ نہو اور من کل وجہ مماثلت بھی ثابت ہو جائے تو سات کے عدد میں احتمال تکثیر ہے، نیز عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

اور دو سیاروں کے درمیان فصل اگر پانچ سو سال کی مسافت کے مطابق نہو تو اس عدد کو بھی تکثیر کے لئے لیا جاسکتا ہے۔ وہ ہو معروف فی کلام العرب، فتح الباری میں ایک روایت اکثر یا بہتر کی بھی منقول ہے اس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ یہ اعداد تکثیر کیلئے ہیں لکیلا تصناد بعض روایات میں ہے کہ بقیہ زمینیں ہماری زمین کے نیچے ہیں۔ اس کا مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں نیچے ہوتی ہیں اور بعض میں اوپر چونکہ زمین کے مفہوم میں تختائیت تصور ہوگی اس لئے صرف نیچے ہونا بیان کیا گیا۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ سیارات پر کوئی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہاں کسی جاندار کے زندہ رہنے کا امکان ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ وہ مخلوق ملائکہ یا جنات ہیں اور یہ امر مسلم و مشاہد ہے کہ ملائکہ اور جنات کے وجود و عدم اور ان کے مدار زندگی کے فقدان کا فیصلہ انسان نہیں کر سکتا۔ بہر کیف اسلم یہ ہے کہ اس تحقیق میں نہ پڑ جائے کہ یہ زمینیں کہاں ہیں؟ صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ سات زمینیں ہیں۔ واللہ اعلم بما کھا وکیفیاتھا و سکاھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۹ھ

تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کا دمکم الخ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے ان الله خلق سبع ارضین فی کلہ ارض آدم کا دمکم و لوح کنو حکم و ابراہیم کا براہیمکم و عیسیٰ کعیسیٰ و نبی کنبیکم الخ کیا یہ درست ہے؟ پہلی زمین اور دوسری زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ کیا ہر ایک زمین میں اس طرح نبی گزرے ہیں اور اس طرح آدمی ہیں؟ بحوالہ کتب مع عبارات تحریف فرمائیں کہ مولوی صاحب کا قول درست ہے یا غلط؟ یتینوا و جروا



## الجواب باسم ملهم الصواب

قال الحافظ رحمه الله تعالى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في هذه الآية - ومن الارض مثلهن قال في كل ارض مثل ابراهيم ونحوها على الارض من الخلق هكذا اخرج مختصراً واسناده صحيح واخرجه الحاكم والبيهقي من طريق عطاء بن السائب عن ابي الضحى مطولاً واوله اي سبع ارضين في كل ارض آدم كادمكم ونوح كنوحكم وابراهيم كابراهيمكم وعيسى كعيسى ونبى كنبىكم قال البيهقي اسناده صحيح الا انه شاذ بمرة (فتح الباري ط ٢ ج ٦) وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى وهكذا ما يذكره كثير من اهل الكتاب تلقاه عنهم طائفة من علماءنا من ان هذه الارض من تراب والى تحتها من حديد والاخرى من حجارة من كبريت والاخرى من كذا فكل هذا اذا لم يخبر به ويصح سنداه الى معصوم فهو مردود على قائله - وهكذا الاثر المروي عن ابن عباس انه قال في كل ارض من الخلق مثل ما في هذه حتى آدم كادمكم وابراهيم كابراهيمكم فهذا ذكره ابن جرير مختصراً واستقصاً البيهقي في الاسماء والصفات وهو محمول ان صح نقله عنه على انه اخذ ابن عباس عن الاسرائيليات (البداية والنهاية ط ٢ ج ١)

وقال العلامة الاوسى رحمه الله تعالى والمثلية تصدق بالاشتراك في بعض الاوصاف فقال الجمهور هي هنا في كونها سبعاً وكونها طباً قابضها فوق بعض بين كل ارض وارض مسافة كما بين السماء والارض وفي كل ارض سكان من خلق الله عز وجل لا يعلم حقيقتهم الا الله تعالى وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما انهما اما ملائكة او جن واخرج ابن جرير وابن ابي حاتم والحاكم وصححه والبيهقي في شعب الايمان وفي الاسماء والصفات من طريق ابي الضحى عنه انه قال في الآية سبع ارضين في كل ارض نبى كنبىكم وادم كادمكم ونوح كنوح وابراهيم كابراهيم وعيسى كعيسى قال الذهبي واسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة لا علم لابي الضحى عليه متابعا وذكر ابو حيان في البحر نحوه عن الحبر وقال هذا حديث لا شك في وضعه وهو من رواية الواقدي الكذاب واقول لا مانع عقلاً وشرعاً من صحته والمراد ان في كل ارض خلقا يرجعون الى اصل واحد يرجعون الى ادم في ارضنا الى ادم عليه السلام وفيهم افراد ممتازون على سايرهم كنوح وابراهيم وغيرهما فينا - واخرج ابن ابي حاتم والحاكم وصححه عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما



مرفوعاً ان بین کل ارض والقی تہیہا خمسمائة عام والعلیامنها علی ظہر حوت قد التقی طرفاہ فی السماء والحوت علی صخرة بید ملک والثانیة مسجین الریم - والثالثة فیہا حیاتها - والسادسة فیہا عقاربها والسابعة فیہا سقر فیہا ابلیس مصفد بالحدید بید امامہ وید خلفہ یطلقہ اللہ تعالیٰ لمن یشاء وهو حدیث منکر کما قال الذہبی لا یعول علیہ اصلاً فلا تغتر بتصحیح الحاکم ومثله فی ذلک اخبار کثیرة فی ہذا الباب۔  
لواخوف الملک لذلک کرنا ہا لک لکن کون ما بین کل ارضین خمسمائة سنة کما بین کل سماءین جاء فی اخبار معتبرة کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی ہریرة الخ  
(روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۲۸)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

① یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے حکم مرفوع قرار دیا ہے، مگر اسکا اس لئے یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما قال المحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ

② اس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت میں اختلاف نہ صحت راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اگرچہ حاکم کی تصحیح قابل اطمینان نہیں مگر ذہبی کی تصحیح بلاشبہ معتبر ہے اس کی وجہ بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں ملاحظہ فرمائیں  
③ اس کی روایت میں البواضحی متفرد ہیں۔

بظاہر یہ امر روایت کی صحت کو مخدوش کر رہا ہے کہ ایسے عجیب العجائب مضمون کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی روایت نہیں کرتا، مگر اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخوف فتنہ اسے چھپاتے تھے چنانچہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ لوحد تنکر بتفسیرھا الکفر تمرو کفر کم بتکن یبکمرھا

خلاصہ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت راجح ہے مگر حکم مرفوع ہونے

میں کلام ہے۔

### مطلب

بعض اکابر نے لکھا ہے کہ بقیہ اراضی میں مخلوق کا ہونا ثابت ہے اور لکل قوم ہاد سے



ثابت ہوتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز ”یتنزل الابرہۃ بیتھنّج“ سے بھی ثابت ہوا کہ سب زمینوں میں وحی نازل ہوتی ہے، اس لئے اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حقیقت پر مبنی ہے یعنی دوسری زمینوں میں بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، آگے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انکے نام آدم، ابراہیم الخ بطور تشبیہ ہوں۔ دوسرا یہ کہ واقعہ انکے بھی یہی نام ہوں ”نبی کنبیکھ“ سے احتمال اول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مگر دوسرے محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اس لئے کہ بقیہ زمینوں میں مخلوق کا ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور اگر مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو وہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لنگہ یا جنات ہیں اور نبی کا انسان ہونا لازم ہے، اور انسان کا صرف جنات کی طرف مبعوث ہونا اور دوسرے انسانوں سے الگ صرف جنات ہی کی بستی میں رہنا بعید ہے اسکے برعکس دوسری زمینوں کے جنات کی ہدایت کا اس زمین کے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہونا اور ان کا یہاں آکر ہدایت پانا کچھ بعید نہیں، اور ”یتنزل الابرہۃ بیتھنّج“ میں امر سے کوئی امر مراد لیا جاسکتا ہے۔

باقی رہا صرف ہی اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سوا اولاً تو شبہ اسرائیلیات کی وجہ سے اسکا محمل تلاش کرنے میں کاوش کی چنداں حاجت نہیں بالخصوص جبکہ خود صاحب اثر بھی اسے چھپاتے تھے کما مر من الدر المنثور، ثانیاً اسکا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ہماری زمین میں مبدا اور ممتاز حضرات ہیں اسی طرح دوسرے طبقات میں بھی مبدا اور ممتاز افراد ہیں، کما مر من الروح اور ”نبی کنبیکھ“ میں نبی بمعنی لغوی ہو سکتا ہے۔

غرضیکہ اولاً تو یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ پھر اس کا ثبوت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مختلف فیہ ہے، پھر اسرائیلیات میں سے ہونے کا شبہ ہے، پھر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسکا محمل واضح ہے، مگر ہوس نبوت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی کمزور بنیاد پر کتنی بڑی عمارت کھڑی کر رہے ہیں کہ جب زمین کے دوسرے طبقات میں بھی انبیاء ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوئے، ان کی مثال بس وہی ہے من اسس مبناہ علی شفا جرف ہار فانہار بہ فی نار جھنم، نفس قرآنی اور قطعی و اجماعی عقیدہ کے ناقابل تسخیر قلعہ کو پھر کے پر سے اڑانا چاہتے ہیں اللہم خذہم اخذ عزیز مقتدا اگر دوسرے طبقات میں انبیاء علیہم السلام کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کیسے



ثابت ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی آپکا ہمرتبہ ہے تشبیہ کے لئے مساوات ضروری نہیں، آپ کی نبوت کا عموم اور ختم نبوت نصوص قطعہ سے ثابت ہو چکی وجہ سے لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ دوسرے طبقات میں اگر انبیاء گزرے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گزرے ہیں۔ آپ کی نبوت جمیع طبقات کے لئے عام ہے، اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ آپ سے دوسرے طبقات کے استفادہ کی کیا صورت ہے؟ اس لئے کہ وہاں بستے ہی جہات ہیں اور انھیں استفادہ کے لئے ہماری زمین پر آنے میں کوئی دقت نہیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ کام کر رہی ہو، بلکہ یہ احتمال سب انبیاء علیہم السلام میں ہے، اس طرح تشبیہ اشتراک فی الاسم کو بھی شامل ہوگی یہ علی سبیل تسلیم تحریر کر دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ دوسرے طبقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر سنہ ۹۷ ہجری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال: کیا کسی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمة البناي وسليمان التيمي عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هدا بن خالد عن علي بن موسى ليلة اسرى في عند الكتيبة الاحمر وهو قائم يصلي في قبلة (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲) مختلف طرق سے یہ حدیث مروی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

سب سے اول کیا پیدا ہوا؟

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا پھر آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح تھی، پھر آپ نے فرمایا کہ جو شے سب سے پہلے



پیدا ہوئی وہ میری عقل تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی وہ قلم تھا تو اب ان چاروں حدیثوں سے بندہ کو خلیجان ہو گیا لہذا مہربانی کر کے بندہ کے شک کو رفع کیا جائے۔ بیّنوا توجروا

الجَوَدُ بِاسْمِ مَلَامِ الصَّوَدِ

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت فی الدار المنثور نقلًا عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اول شیء خلقہ اللہ القلم (الی ان قال) وفي الدار ایضا عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول شیء خلقہ اللہ القلم ثم النون وہی الدواة (الی ان قال) وروی ان اول ما خلق اللہ العقل و ان اول ما خلق اللہ نوری وان اول ما خلق اللہ روحی وان اول ما خلق اللہ العرش والاولیۃ من الامور الاضافیۃ فیقول ان کل واحد متا ذکر خلق قبل ما ہون جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونورہ قبل الانوار (الی قولہ) ومنہ اول ما خلق نوری وفي رواية روحی ومعناهما واحد اھ (مرقاۃ ص ۱۶ ج ۱)

خلاصہ یہ کہ روح اور نور کے ایک ہی معنی ہیں اور بقیہ اشیاء میں اولیت سے اولیت اضافیہ مراد ہے لہذا کوئی تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

تشریح حدیث من ہذا الرجل الخ

سوال: قبر میں میت سے منکر نکیر دریافت کرتے ہیں، من ہذا الرجل لذلک بعث فیکم الخ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں یا روضہ اقدس سے قبر تک پردہ حجاب اٹھایا جاتا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔

بیّنوا توجروا

الجَوَدُ بِاسْمِ مَلَامِ الصَّوَدِ

اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ قبر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ پیش کی جاتی ہو یا قبر اور روضہ اطہر کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا جاتا ہو مگر احادیث کے ظاہر اور تبادر عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور صفات سامیہ بیان کرنے کے بعد دریافت کیا جاتا ہے۔ ہذا الرجل ولم یقل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا یكون تلقینا للحجة قال عیاض یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل للمیت فی قبرہ والاظهر



انہ سمیٰ له اشتی لایہ المتبادر من قوله فی الصحیحین عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل محمد وکذا فی رواية ابن المنکدر عن اسماء رضی اللہ  
تعالیٰ عنہا عند احمد رحمہ اللہ ولہ من حدیث عائشہ رضی اللہ عنہما ما هذا الرجل  
الذی کان فیکم (ارشاد القاری ص ۳۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۔۔۔ ربيع الاول سنة ۹۱ھ

### کتب حدیث کی تاریخ تالیف

سوال : بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، موطا، نسائی،  
مسند امام احمد، سنن ابوداؤد، سنن دارمی اور سنن امام شافعی، یہ کتابیں کس کی  
لکھی ہوئی ہیں اور کس سن ہجری میں لکھی گئی ہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مذکورہ کتابوں کے مؤلف خود سوال میں کتاب کے ساتھ مذکور ہیں۔ موطا دو ہیں۔ موطا  
امام مالک، موطا امام محمد۔ ان محدثین کی تواریخ وفات یہ ہیں۔

- (۱) موطا امام مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ ہجری
- (۲) موطا امام محمد متوفی سنہ ۱۸۹ ہجری
- (۳) مسند الامام الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ (یہ تین کتابیں دوسری صدی کی ہیں)
- (۴) صحیح بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ ہجری
- (۵) صحیح مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ ہجری
- (۶) سنن ابی داؤد متوفی سنہ ۲۷۵ ہجری
- (۷) سنن الترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ ہجری
- (۸) سنن نسائی متوفی سنہ ۳۰۳ ہجری
- (۹) سنن ابن ماجہ متوفی سنہ ۲۷۳ ہجری
- (۱۰) مسند امام احمد متوفی سنہ ۲۴۱ ہجری
- (۱۱) مسند دارمی متوفی سنہ ۲۵۵ ہجری

یہ سب کتابیں تیسری صدی کی ہیں (ارشاد القاری ص ۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربيع الاول سنة ۹۳ھ



## تشریح حدیث من رای منکم منکر الخ

سوال: حدیث من رای منکم منکر الخ کی کیا تفسیر ہے؟ بازار میں عام لوگ ڈاڑھی منڈے اور فسق و فجور میں مبتلا نظر آتے ہیں کیا ان سب کو تبلیغ کرنا فرض ہے؟  
بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں استطاعت سے حسی استطاعت مراد نہیں، اسلئے کہ اس صورت میں عدم استطاعت متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کو بھی طمانچہ مارنے کی حسی استطاعت تو سب میں موجود ہے اسلئے استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جسے تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسکے شر سے محفوظ رہ سکے۔ نیز اگر قبول کی توقع نہ ہو تو تبلیغ ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

## تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق

سوال: حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق الخ کی کیا تفسیر ہے؟ کیا ہر شہری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ہسپتال جا کر بیماروں کی تیمارداری کرے۔  
بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دنیا کے ہر مسلم کی عیادت ہر مسلم پر واجب ہو تو نہ عیادت کرنے والوں کو کسی دوسرے کام کی فرصت مل سکتی ہے اور نہ ہی مریض کو چین و آرام کی مہلت میسر آ سکتی ہے لہذا حدیث مخصوص ہے اہل تعلق و اہل معرفت کے ساتھ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

## امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے

سوال: امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر نہ کرنا مخرج عن عمدۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ہے یا نہیں۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مقصود نصیحت کرنے سے اصلاح الغیر ہے اور نہی عن المنکر سے نفرت اور ضد پیدا ہوتی ہے اسلئے امر بالمعروف کرنا کافی لا اصلاح الغیر ہے بلکہ زیادہ موثر ہے اس سے کہ اجتماع بین الامر والنہی ہو جائے اور کہتے ہیں کہ ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے۔ بیّنوا توجروا



## الجواب باسم ملہم الصواب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر دو مستقل مأمور بہ ہیں، ایک پر عمل سے دوسرے سے فارغ الذمہ نہیں ہوگا البتہ نہی عن المنکر میں ملا طفت اور ہمدردی کا اظہار ضروری ہے، اذی سبیلہ ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، محرم سنہ ۱۴۱۵ھ

## عاشوراء میں توسیع علی العیال سے متعلق حدیث :

سوال : عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل و عیال میں فراخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورے سال فراخی و وسعت عطا فرماتے ہیں، کیا شرعاً اس کی کچھ اصل ہے؟ بیٹنوا متوجروا۔

## الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں ایک حدیث مشہور ہے جسے امام احمد، عقیلی، ابن قیسرانی، ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور حافظ ابن حجر جیسے جبال حدیث نے غیر ثابت قرار دیا ہے، البتہ دوسرے بعض نے موضوع کی بجائے ضعیف کہا ہے۔ مگر فضائل میں بھی عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کسی قاعدہ شرعیہ میں داخل ہو اور اسے سنت نہ سمجھا جائے (علانیہ) یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، یہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت نہیں اور عوام اسے سنت سمجھتے ہیں، محرم سے متعلق احادیث موضوعہ کا طومار اسے اور زیادہ خدوش بنا رہا ہے علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی قبائح ہیں جن کی تفصیل بندہ کے رسالہ ”منکولات حرام“ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ ربیع الآخر سنہ ۱۴۱۵ھ

## ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ کا وعدہ بعد الموت کو بھی شامل ہے :

سوال : کچھ علماء و واعظین یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ دو سرخ گتے میری مرقبہ منور پر حملہ آور ہیں ان کا تعاقب کرو اذکما قال، نیز ان سرخ رنگ یہودیوں کا مثالی حلیہ بھی دکھایا گیا تھا۔ سلطان مرحوم نے مع سپاہ و فوج مدینہ منورہ پہنچ کر ان کا سراغ لگایا اور انہیں پہچان کر قتل کیا ملخصاً، یہ قصہ کیا مبنی بر حقیقت ہے؟ اور کس مستند اسلامی کتاب میں موجود ہے؟ اگر ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ کا وعدہ مابعد الموت کے لئے بھی ہے تو سلطان کو حفاظت کی کیا ضرورت تھی؟ بیٹنوا متوجروا،



## الجواب باسم ملہم الصواب

یہ واقعہ صحیح ہے ۱۹۵۵ھ میں اسکا وقوع ہوا اور آج تک امت میں اس تواتر سے چلا آتا ہے کہ کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ اکثر علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے فضائل حج میں سیرت کی معتبر و مقبول عام کتاب وقار الوفا جلد اول کے حوالہ سے اس کو بالتفصیل نقل فرمایا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا گیا تھا بظاہر یہ حیات و بعد الممات دونوں کو شامل ہے۔ واللہ یعصمک من الناس سے مافوق العادة ذرائع سے حفاظت مراد ہے جو واقعہ مذکورہ میں حاصل ہے لہذا یہ واقعہ آیت مذکورہ کے خلاف نہیں بلکہ اسکا مظہر ہے اور اس خاص ذریعہ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے معجزہ کا اظہار ہو، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر تک جانیکی کسی کو ویسے ہی قدرت نہوتی تو معجزہ کا اظہار نہوتا اس کی ایک نظیر حضرت حذیفہ و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت ہے۔ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شاہ عراق (ملک فیصل اول) کو فرمایا کہ ہماری قبریں دوسری جگہ منتقل کرو یہاں دجلہ کا پانی آرہا ہے چنانچہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان حضرات کی نعشوں کو وہاں سے نکالا گیا، اور لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے اسکا مشاہدہ کیا اور بیشمار کافر یہ کرامت دیکھ کر اسلام لائے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید انھیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا، دونوں حضرات کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پرسرار چمک تھی کہ دیکھنے والا ان سے آنکھیں نہ ملا سکتا تھا، اس واقعہ کے ایک عینی شاہد لطافت حسین صاحب کا مکتوب ماہنامہ ”صدق“ لکھنؤ ۱۱ دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء اور ماہنامہ ”دارالعلوم“ دیوبند ستمبر ۱۹۵۷ء مطابق صفر ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی وہی معجزہ اسلام کے اظہار کی حکمت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے کہ دریا کا پانی انکی قبور کی طرف نہ آنے دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



حدیث ”الدنيا جيفة“ کا حوالہ

سوال: ”الدنيا جيفة“ و طالبوها کلاب“ کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ اگر ہے تو کس کتاب میں؟  
تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مضمون بلاشبہ حدیث سے ثابت ہے البتہ سرسری نظر سے بعینہ یہ الفاظ نہیں ملے۔  
اوحي الله الى داود عليه السلام يا داود مثل الدنيا كمثل جيفة اجتمعت عليها الكلاب  
يجرونها افتح ان تكون كلبا مثلهم فتجرهم (كنز العمال ص ۱۳ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم۔  
۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عوام کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا  
تھا؟ اس کی وجہ کیا تھی اور یہ ذکر کونسی کتاب میں ہے عوام کے کوڑے پر یا کسی بھی  
جگہ پر ایسا کیا تھا اس کی مکمل تفصیل تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن حذيفة رضى الله تعالى عنه قال انى رسول الله صلى الله عليه وسلم سباطة قوم فبال  
قائمًا ثم دعا بماء فمسح على خفيه (رواه ابوداؤد فى باب البول قائمًا)  
حدیث مذکور میں اسکی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب  
کیا تھا۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔  
① آپ کے گھٹنوں میں درد تھا۔

② کمر میں درد تھا ان دونوں دردوں کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید خیال کیا جاتا تھا

③ آپ زرع پہنے ہوئے تھے اس لئے بیٹھنے پر قدرت نہ تھی۔

④ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حالت میں کپڑے نجس ہونیکا خطرہ تھا۔

بہر حال بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس  
فعل کو کسی عذر پر محمول کیا گیا ہے۔ فقط والله تعالى اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ



## ”رَبِّ اجْعَلْنِي مَقِيمَ الصَّلَاةِ“ پر اشکال کا جواب

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تھی رَبِّ اجْعَلْنِي مَقِيمَ الصَّلَاةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي، اس میں مِنْ تَبْعِيضِيہ ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مجھے اور میری بعض اولاد کو نماز قائم کرنے والے بنا اور بعض دیگر کے حق میں یہ دعا نہیں ہے حالانکہ چاہیے یہ کہ ہماری تمام اولاد مصلیٰ بنیں۔ کیا ہم اس وقت یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ بیٹنوا تو جروا

الْجَوَابُ بِاسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ وحی تھے۔ آپ کو بذریعہ وحی معلوم کرادیا گیا تھا کہ آپکی بعض اولاد نیک نہیں ہوگی۔ لایزال عہدِ الظالمین، ومن ذریتہما محسن وظالم لنفسہ مبین۔ اس لئے آپ کی دُعا میں ”من ذریتی“ میں مِنْ تَبْعِيضِ کے لئے ہے۔ آپ اس دُعا میں کوئی تغیر نہ کریں بلکہ مِنْ کو ”تبیین یا ابتداء“ کے لئے لیکر جمیع ذریت کی نیت کر لیا کریں قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا ذَمًّا ابْتَدَأْنَاهُ مَتَّعْنَاهُ هَبْ لَنَا مِنْ هَبْ لَنَا مِنْ جَهَنَّمَ وَجُوزَانِ تَكُونُ بَيَانِيَّةً كَانَهُ قِيلَ هَبْ لَنَا قَارَةَ أَعْيُنٍ ثُمَّ بَيَّنَّتِ الْقُرْآنُ وَفَسَّرَتْ بِقَوْلِهِ سَمِعْنَاهُ مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَ هَذَا مَبْنِيٌّ عَلَى مَعْنَى مِنَ اللَّبِيَانِ وَجَوَازِ تَقْدِيمِ الْمَبِينِ عَلَى الْمَبِينِ (روح المعانی ص ۴۷۱ ج ۱۹) فَلَذَلِكَ يُمْكِنُ التَّقْدِيرُ هُنَا مَثَلًا اجْعَلْ أَقَامَةَ الصَّلَاةِ مِنْ ذُرِّيَّتِي أَوْ اجْعَلْ مَقِيمِي الصَّلَاةِ مِنْ ذُرِّيَّتِي۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۶ھ

## تحقیق حدیث عرض اعمال

سوال : ایک پمفلٹ کا تراشا ارسال خدمت ہے جس میں تحریر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض اعمال کی روایت باجماع محدثین موضوع ہے اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔

محدثین کا اجماع ہے کہ عرض اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے۔ روایت یوں ہے۔ عن ابن المبارک انما روى عن الفضل عن المنہال بن عمرو انہ سمع سعید بن المسیب یقول لیس من یوم الا یعرض فیہ علی النبی امّہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم باسمائہم واعمالہم فلذلک لیس شہد علیہم۔ ترجمہ : ابن المبارک نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اس نے المنہال



ابن عمرو سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی پر آپ کی اُمت صبح و شام پیش نہ کی جاتی ہو اور آپ اُمتیوں کو ان کے ناموں اور اعمالوں کیساتھ پہچان نہ لیتے ہوں تاکہ ان پر گواہی دیں۔ یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانیوالی غلط بات ہے۔ پھر رُجلٌ من الانصار کا نام ہے نہ پتہ، نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتا ہے۔ وَرَمَىٰ ذَٰلِكُمْ بِرِزْخٍ اِلٰی یَوْمٍ یُّبْعَثُوْنَ (المومنہ آیت ۱۰۰) ترجمہ سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے، دوسری زندگی کے دن تک (المومنہ آیت ۱۰۰)

وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف آیت ۵) اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً یُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتٍ فِیْؤْخَذُ مِنْهُمْ ذَاتُ الشَّمَالِ فَاَقُولُ یَا رَبِّ اَصِیْحَابِیْ فِیْ قَالَ اِنَّكَ لَا تَدْرِی مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُولُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا فَاَدُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَقَّیْتُ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْهِمْ (المائدہ ۱۱) فِیْ قَالَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَوِیْزَالُوْا مَرَدَّدٍ عَلٰی اَعْقَابِهِمْ مِنْذُ فَارَقْتَهُمْ (بخاری ص ۱۶۵)

ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر وہ بائیں طرف (جہنم کی طرف) لیجائے جانے لگیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے رب! یہ تو میرے اُمتی ہیں (جہنم کی طرف کہاں چلے) اسوقت مجھ سے خطاب کیا جائیگا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں، جواباً میں وہی کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ ”میں جب تک انہیں قیام پذیر رہا ان کے احوال کی نگرانی کرتا رہا، اور جب تو نے مجھے وفات دیدی تو صرف تُو ان پر نگران باقی رہ گیا۔ پھر مجھے بتایا جائیگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد برابر اُٹھے پیروں واپس پھرتے گئے (بخاری ص ۶۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبی پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوتے تو ان کو ان بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔ نبی کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض علی وانا صائم (رواہ الترمذی) ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ اعمال اثنین کی بارگاہ میں دُشنبہ اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اسلئے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں میں جب میرے اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو میں سوزہ سے ہوں (ترمذی مشکوٰۃ) معلوم ہوا کہ اعمال انسانی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں،



ہے وہ جو یہ عقیدہ رکھنے پر اصرار کریں کہ اعمال رسول پر پیش ہوتے ہیں تو وہ کھلے مشرک ہیں انھوں نے نبی کو الہ بنایا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تعجب ہے کہ محرر نے اس حدیث کے منگھڑت ہونے پر اجماع محدثین کا دعویٰ تو کیا مگر اسکے اثبات کے لئے کسی ایک محدث کا بھی کوئی قول نقل نہیں کیا۔ حدیث کا موضوع ہونا تو درکنار اسکے ضعیف ہونے پر بھی کوئی سند نہیں پیش کی۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محرر شدید غلو کا شکار ہے اسلئے اس نے اس حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے سے متعلق محدثین کے اقوال تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں فرو گذاشت کیا ہوگا معذرا سے اپنی خواہش کے مطابق کوئی قول نہیں ملا، ورنہ وہ اسے اپنی تائید میں ضرور پیش کرتے۔ سرسری تلاش سے احادیث ذیل نظر سے گزریں جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہر شخص کے والدین و راسخوہ و اقا پر بھی موصوفی اعمال کی تصریح ہے۔

① مرسل سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو محرر نے بلا حوالہ نقل کی ہے کسی کے دریافت کرنے پر محرر نے "الطکرہ للقرطبی" کا حوالہ دیا،

② قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج ابن ابي حاتم والطبرانی وغيرهما من طريق يونس بن محمّد بن فضالة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم اتاه في بنى ظفر معه ابن مسعود وناس من اصحابه فامروا قارئاً فقرأ فاتى على هذه الآية فكيف اواحننا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيداً، فبكي حتى ضرب لحياه و وجنتاه فقال يا رب هذا اعلیٰ من ان ابين ظهريه فكيف بمن لو اراه واخرج ابن المبارك في الزهد من طريق سعید بن المسیب قال ليس من يوم الا يعرض على النبي صلى الله عليه وسلم امة غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم اعمالهم فلذلك يشهد عليهم ففي هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذي تضمنه شيخ ابن فضالة والله اعلم رغب الباری

③ في المواهب مع شرحه للعلاقة الزرقانی (روی ابن المبارك) عبد الله الذي تستنزل لرحمة بذكوة (عن سعید بن المسیب) التابعي الجليل ابن الصحابي (قال ليس من يوم الا وتعرض على النبي صلى الله عليه وسلم اعمال امة غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم اعمالهم) فيحمد الله ويستغفروه لهم فاذا علم المسمى ذلك قد اعمله الا قلاع ولا يغادر (ما رواه الحكيم الترمذي وقد مناه عن الجمع الصغیر) لجوزان العرض على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم على وجه التفصيل وعلى الانبياء ومنهم نبينا على وجه الاحمال يوم الجمعة فيمتار صلى الله عليه وسلم بعرض اعمال امة كل يوم تفصيلاً ويوم الجمعة اجمالاً (زرقانی ص ۳۰) سعید بن المسیب کی وفات ۳۰ھ میں ہوئی ہے اور عبد اللہ بن المبارک کی ولادت ۳۰ھ میں۔ لہذا یہ سند مرسل ہونی کے ساتھ معلق بھی ہے، عدم قبول مرسل میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں مگر سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرسل کو امام شافعی بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدبر بالمدی)



علق اس شرط سے قبول ہے کہ راوی روایت عن المشقة کا التزام کرے کتلیقات البخاری، عبد اللہ ابن المبارک کی جلالت شان کے علاوہ اعتقاد بالروایا الاخر کی وجہ اس روایت کو ساقط قرار دینا صحیح نہیں۔

(۴) تعرض الاعمال یوم الاثنين والخميس على الله وتعرض على الانبياء وعلى الابرار والاهل بيوت يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضاً واشراقاً فاتقوا الله ولا تؤذوا موتاكم، المحکم عن والد عبد العزیز (ج) (الجامع الصغير ص ۱۳۱)

(۵) ایک عالم نے بتایا کہ جامع صغیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی مضمون کی روایت بحوالہ مسند الفردوس للعلیمی انکی نظر سے گزری ہے جو اس وقت سرسری تلاش سے نہیں ملی

(۶) وفي جمع الفوائد عن ابن مسعود رضي الله عنه قال صلى الله عليه وسلم حياقي خير لكم تحذثون ويحذث لكم ووفاتي خير لكم تعرض على اعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه وما رأيت من شر استغفرت الله لكم - للبزار - وفي حاشية ابن الموارد قال لهيئتي رجاله رجال الصميم كذا في لفيض ۴۷۹/۲ و ۴۰۱/۳ وفي مجمع الزوائد ۲۴/۹ رواه البزار و رجاله رجال الصميم (جمع الفوائد ص ۳۲۳)

(۷) قال العلامة لاوسى رحمه الله تعالى في تفسير قوله تعالى (وجنابك شهيداً عن هؤلاء) فان اعمال امته عليه الصلوة والسلام تعرض عليه بعد موته فقد روى عنه صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال حياقي خير لكم تحذثون ويحذث لكم ووفاتي خير لكم تعرض على اعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله تعالى عليه وما رأيت من شر استغفرت الله تعالى لكم بل جاء از اعمال العبد تعرض على اقارب الموتي - (۸) فقد اخرج ابن ابى الدنيا عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا تفضحوا امواتكم بسيئات اعمالكم فانها تعرض على اوليائكم من اهل القبور -

(۹) وخرج احمد عن انس رضى الله تعالى عنه مرفوعاً ان اعمالكم تعرض على اقاربكم وعشائركم من الاموات فان كان خيراً استبشروا وان كان خيراً ذلك قالوا اللهم لا تمهقتم حتى تهديهم كما هديتنا -

(۱۰) وخرجه ابو داود من حديث جابر رضى الله تعالى عنه بزيادة ولهم همزان يعملوا بطاعتك

(۱۱) وخرج ابن ابى الدنيا عن ابى الدرداء رضى الله تعالى عنه انه قال ان اعمالكم تعرض على موتاكم فيسرون ويساون فكان ابو الدرداء يقول عند ذلك اللهم انى اعوذ بك ان يمقتنى خالى عبد الله بن راحة اذا القيتة يقول ذلك في سجوده -

والنبى صلى الله تعالى عليه وسلم لامة بمنزلة الوالد بل اولى (روح المعاني ص ۱۹۳ ج ۱۲)

(۱۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ روح المعانی میں احادیث بالا کے بعد فرماتے ہیں کہ علامہ



منادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت نقل فرمائی ہے۔ احادیث مذکورہ میں سے حدیث علی کی سند صحیح اور علی کی سند حسن ہونگی تصریح سے اور حدیث ۹ اور علی کی قوت کے لئے امام احمد اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ کا نام ہی ضمانت ہے۔

محرر نے اپنے دعویٰ پر قرآن کریم کی دو آیتیں اور ایک حدیث پیش کی ہے، ان سے استدلال ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اس سے متعلق کچھ لکھنے کی کوئی حاجت تو نہیں معند اس لئے لکھے دیتا ہوں کہ محرر کا مبلغ علم سامنے آجائے۔

① پہلی آیت کا پورا مضمون اس طرح ہے۔ حتیٰ اذا جاء احدہم الموت قال رب ارجعون<sup>۱</sup> لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا اتھا کلمۃ ہو قائلھا ومن ورائہم برزخ الی یوم یبعثون<sup>۲</sup> یعنی جب نافرمان کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ مہلت طلب کرتا ہے تاکہ وہ نیک عمل کرے اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ اب اسکی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا، یہ مطلب ہرگز نہیں اس دنیا سے بھی کوئی عالم برزخ میں نہیں جاتا۔ یہاں سے تو ارواح و اعمال کے جانیکا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے اور احادیث کی مطابق بعد میں جانیاں اونکی پہلے جانیاں لوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے، اسی طرح ایصالِ ثواب کی صورت میں اموات کو ثواب بھی پہنچتا ہے

② دوسری آیت یہ ہے ومن اضل من يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة<sup>۳</sup> ومن دعا هغو غفلون<sup>۴</sup> یعنی بت اپنے پرستار اونکی پکار سے بخبر ہیں اسکا مسئلہ زیر بحث سے کیا تعلق؟

③ حدیث یجاء برجال من اقصیٰ الارض من دعا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو ان کی صورتوں سے نہ پہچانیں گے، یہ مضمون عرض اعمال کے خلاف نہیں، کیونکہ عرض اعمال اُمت کے ناموں سے ہوتا ہے جس سے معرفت صورت نہیں ہوتی۔ بارہ روایات میں سے دو میں اسماء کی بجائے ”سیما“ کا لفظ ہے جو مہو ناسخ معلوم ہوتا ہے۔

محرر نے آخر میں عرض اعمال کا عقیدہ رکھنے والی پوری اُمت مسلمہ بشمول کبار صحابہ و جلیل القدر محدثین کو مشرک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ”انھوں نے نبی کو الہ بنا لیا ہے“

محرر پر لازم ہے کہ وہ پہلے شرک کی جامع و مانع حد تمام بیان کریں اور پھر عرض اعمال کا اس میں دخول ثابت کریں، اگر مطلقاً دور سے کسی چیز پر مطلع ہو جانا ہی الوہیت سے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو تو آج جو لوگ گھر بیٹھے ٹیلیوژن پر دنیا بھر کے حالات دیکھ اور سن رہے ہیں، کیا یہ سب محرر کے خیال میں اللہ ہیں؟ فقط واللہ العالم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ





وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ



دَفْعُ الْوَسْوَاسِ  
عَنْ  
قَصَّةِ الْقِرْطَاسِ





## قصہ قرطاس کی حقیقت

سوال: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعہ قرطاس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی تفصیل اور تحقیق کیا ہے؟ بیٹو! توجرو!

### الجواب ومنه الصدق والصواب

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل پنجشنبہ کے دن اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ قرطاس یعنی کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے لہذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیے اور ضروری احکام کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور بعض نامعلوم الاسم لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیے۔ اس اثنار میں کچھ لوگوں نے ”جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں“ کہا اہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استفہموا، یعنی کیا آپ کی جدائی کا وقت آگیا؟ آپ سے پوچھو تو سہی، پھر اس وقت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا اور نہ اس کے بعد کسی اور وقت میں اس کے متعلق کچھ فرمایا حالانکہ چار روز تک اس کے بعد دنیا میں تشریف فرما رہے۔

قصہ تو صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اہل تشیع نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تین اعتراض بڑے زور شور سے کئے ہیں۔

(۱) حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔

(نعوذ باللہ من ذلك)، ہجر کے معنی ہذیان بکنے کے لیتے ہیں اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسی ضروری تحریر جس کے بعد قیامت تک گمراہی کا اندیشہ نہ رہتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ لکھنے دی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوئی اور امت مسلمہ کا نقصان بھی۔

(۳) حضرت عمر نے حسب کتاب اللہ فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔ اعتراض اول کا جواب (۱)، لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں۔ کتب اہل سنت



میں کوئی ایک صحیح روایت بھی اس افتراء کے ثبوت میں نہیں مل سکتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی تحفۃ اثناعشریہ میں یہی لکھا ہے، شیعہ علماء بھی جنہیں تجسس و عیب جوئی کی خاص مشق ہوتی ہے درجنوں کی درجنوں کئی سو برس سے ایسی روایت کی تلاش میں ہیں مگر مطالبات کے باوجود آج تک کوئی روایت نہیں پیش کر سکے لہذا اگر کسی عالم اہل حق نے اسے مقولہ عمر رضی اللہ عنہ تسلیم کر لیا ہے تو انہیں دھوکہ ہوا ہے کیونکہ شیعہ نے اپنی افتراء پر داریاں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اس قدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں متعہ کا جواز اس قدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی معتبر روایت بسند صحیح پیش کرو۔ اول ہر شخص کا بلا سند کوئی بات کہہ دینا روایت معلق نہیں ہو سکتا، معلق اسے کہتے ہیں کہ کوئی محدث روایت کرتے وقت کسی چیز کو بلا ذکر سند کے بیان کرے۔ پھر ہر روایت معلق کا صحیح ہونا بھی غلط ورنہ پھر سند تو ایک بیکار شے ہو جائے گی۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ ظفر الامانی میں فرماتے ہیں۔

”تلك الاخبار لا يعتبر بها ما لم يعلم سندها ومخرجها (الی ان قال) المرسل انما هو ما ارسله راوی الحديث وترك الوسطة بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم لا مجرد قول كل من قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والا لزم ان يكون قول العوام والسوقية قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا امر سلا والوجه فيه ان الارسال والانقطاع ونحو ذلك من صفات الاسناد ويتصف الحديث به بواسطته فحيث لا اسناد فلا ارسال ولا انقطاع ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتمادا على الغير ومن المعلوم ان صاحب الهداية وغير من اکابر الفقهاء ومولف احیاء العلوم وغیرہ من اجلۃ العرفاء لیسوا من المحدثین ولا من المخرجین وان كانوا فی الفقه والنحو وغيرهما من الکاملین“ (ظفر الامانی ص ۱۹)

(۲) ہجر کے معنی محض ہڈیاں کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

واھجرهم هجرا جمیلا یہ معنی علماء لغت و شرح حدیث بھی لکھتے ہیں۔



فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۱ میں ہے ومحتمل ان يكون قوله اهجرجعل ما ضیا من الهجر بفتح  
الهاء وسكون الجيم والمفعول محذوف ای الحیاة وذكره بلفظ الماضي مبالغة لما رأى من  
علامات الموت -

اور علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار (جو خاص حدیث کی لغت ہے) ج ۲ ص ۴۷۵  
میں فرماتے ہیں۔ ومحتمل ان يكون معناه هجر كمر رسول الله صلى الله عليه وسلم من الهجر ضد  
الوصل، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی جدا ہونے ہی کے ہیں۔ ہذیان کے معنی میں بھی  
اسی مناسبت سے آتا ہے کہ اس میں عقل سے جدائی ہوتی ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور و متبادر ہیں  
اردو میں بھی ہجر بمقابلہ وصل بولا جاتا ہے اور حدیث قرطاس میں یہی معنی چسپاں ہوتے ہیں۔ ہذیان  
کے معنی وہاں دو وجہ سے نہیں بنتے۔

(۱) الف ہذیان کا شبہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلاف عقل ہو۔ ایک پیغمبر اپنے آخری وقت  
میں فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ میں ایک ضروری ہدایت نامہ لکھ دوں، اس میں کونسی بات خلاف  
عقل ہے جسے ہذیان کہا جاسکے۔

(ب) روایت میں ہجر کے بعد استفہومہ کا لفظ ہے، یعنی آپ سے پوچھو اگر ہجر بمعنی ہذیان  
لیا جائے تو استفہومہ سے ربط بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جسے ہذیان ہو گیا اب اس سے پوچھنا  
بالکل خلاف عقل ہے، اب دیکھئے جدائی کے معنی کس خوبی سے بنتے ہیں۔ جب حضور کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے حالت مرض میں ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب  
پر ایک بجلی سی گر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آگئی ہے

حیف در شیم زدن صحبت یار آخر شد      روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد  
کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت میں لکھوائی جاتی ہے لہذا انہوں نے کہا اہجر استفہومہ «یعنی کیا  
حضرت اب جدا ہو رہے ہیں۔ آپ سے پوچھو تو۔ یہ لفظ ہجر جس نے بھی کہا کمال محبت اور جذب  
عشق میں کہا، مگر جن کے قلوب درد محبت سے نا آشنا ہیں وہ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں۔  
چو دل بمہر نثارے نہ بستہ ای      تراز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

(۳) بفرض محال اگر یہ لفظ بمعنی ہذیان ہی ہو تو یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے، اور  
استفہام اس کا یہی ہے کہ یہ قول اس جماعت کا ہو جو تحریر لکھوانے کی مؤید تھی اس نے  
اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف



کرتے ہو، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہذیان ہو گیا ہے؟ یعنی ہذیان نہیں ہوا۔ یہ مطلب بھی شراح حدیث نے بیان کیا ہے۔ بخاری میں یہ روایت سات جگہ پر ہے۔ کتاب الجہاد کے سوا باقی چھ مواضع میں یہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہمزہ موجود ہے پس اگر ایک روایت میں ہمزہ نہ ہو تو حرج نہیں، ایک ہی واقعہ کی متعدد اسانید میں اگر ایک لفظ کسی روایت میں ہو اور کسی میں نہ ہو تو یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ جس میں نہیں ہے اس میں راوی سے چھوٹ گیا، اسی لئے حافظ رحمہ اللہ فتح الباری ج ۸ ص ۱۸ میں فرماتے ہیں، الزاجح فیہ اثبتت الهمزة علاوہ ازہا بلا اذہ استفہام کے بھی استفہام ہوتا ہے۔ ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اول تو لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں، دوسرے بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہجر بمعنی ہذیان نہیں بلکہ جدائی کے معنی میں ہے جو خاص محبت کا کلمہ ہے نہ کہ گستاخی کا، تیسرے بالفرض ہجر بمعنی ہذیان ہو تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ اب اگر باپ عقل غور کریں کہ اس اعتراض میں کیا جان باقی رہ گئی جب تک شیعہ ان تین باتوں کا جواب نہ دیدیں یعنی کسی روایت میں اس کا مقولہ عمر رضی اللہ عنہ ہونا دکھائیں پھر یہ ثابت کریں کہ ہجر کے معنی سوائے ہذیان کے اور کچھ نہیں ہیں۔ یا یہاں سوائے ہذیان کے اور کوئی معنی چسپاں نہیں ہوتے۔ پھر یہ بھی ثابت کریں کہ یہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ نہیں، یا یہ استفہام انکاری نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک اس اعتراض کا نام لینا سخت بے غیرتی ہے۔

(اعتراض ثانی کا جواب) اس کے جواب سے قبل چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ بالانفاق اس قصہ قرطاس سے پہلے نازل ہو چکی تھی، پس اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا اور یہ آیت معاذ اللہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

(۲) قصہ قرطاس پنجشنبہ کے روز واقع ہوا، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کو ہوئی تو چار روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ کے بعد اس عالم میں تشریف فرما رہے۔ پس اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی ہوتی تو آپ کو اس کے لکھوانے کا کافی موقع ملا، اس کے باوجود آپ نے نہ لکھوائی، یہ ایک بہت بڑا اور سخت الزام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے یا ان کے خوف سے نہ لکھوانا کوئی مسلمان باور نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے ہی کسی کے خوف سے اگر انبیاء علیہم السلام تبلیغ سے رک جائیں



تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور نبوت ایک بازہ بچہ اطفال ہو جائے گی۔ خیال کیجئے جب کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو سلطنت کی خواہش یا کسی حسین عورت کی طلب ہے تو سلطنت اور تمام عربیہ حسین عورت آپ کو لا دیتے ہیں۔ مگر ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو، کفار کے مقاطعہ کے وقت ابوطالب نے آپ کو پیغام پہنچایا اور سمجھایا کہ اے بھتیجے تو اس تبلیغ سے باز آجا، میں اکیلا سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی اس کلمہ حق سے ہرگز نہیں رُکوں گا۔ غرضیکہ جس دن آپ تمام عرب سے دین کی خاطر برسرِ پیکار تھے اس وقت تو آپ نے ضروریات دین کو نہیں چھوڑا تو اب ایسی اہم چیز کو کیسے چھوڑ سکتے تھے؟ پھر ان چارہ پانچ روز میں دن میں یا رات میں کسی وقت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے ہونگے اس وقت آپ لکھوادیتے۔

(۳) اتنی ضروری تحریر کو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا تو حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرض تھا کہ لکھواتے مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، پس حضرت عمر سے زیادہ الزام حضرت علی پر ہوگا۔ اس لئے کہ بزرگ شیعہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ نیز ایسا حکم عموماً گھروالوں ہی کو ہوتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو یہ حکم دیا گیا ہوگا جس کی انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ مزید بریں مسند احمد کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب حضرت علی کو تھا۔

(۴) اتنا بڑا واقعہ اور تمام طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی متنفس سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کی روایت نہیں کرتا پھر ابن عباس کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف ان کے بیٹے عبید اللہ اور سعید بن جبیر اس کے ناقل ہیں۔

(۵) اس قصہ قرطاس سے بہت پہلے حدیث ثقلین ارشاد ہو چکی تھی۔ اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اگر تم ان دونوں سے تمسک کرو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس اگر یہ قصہ قرطاس والی تحریر کوئی ضروری فرض کی جائے تو حدیث ثقلین کی تکذیب لازم آئے گی۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم دو امور میں سے ایک کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۱) یا تو یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے، دین کامل ہو چکا تھا۔ اور ہرگز کوئی ایسی ضروری تحریر باقی نہ تھی اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قرآنیہ کے خلاف کسی تحریر کے لکھوانے کا



ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا، یہ قصہ محض بے بنیاد اور اعداد دین کا خانہ زاد ہے اور محض اسلئے گھڑا گیا کہ آیت قرآنیہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ اور حدیث ثقلین کی بھی تکذیب ہو جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی کرنے کا الزام قائم ہو کر سارا دین مشکوک ہو جائے مگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدثین کی تخریج اس نظریہ کی تردید کرتی ہے۔

(۲۲) یا پھر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لینے کے لئے فرمایا تھا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری و مفید تحریر لکھوا دوں کہ اسکے بعد کبھی گمراہ نہ ہوں گے درحقیقت نہ کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی اور نہ واقع میں آپ کا ارادہ تھا محض امتحان مقصود تھا کہ یہ لوگ ایمان میں کھانٹک راسخ القدم ہیں۔ اگر کہیں خدا نخواستہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریر کے لکھوانے پر مستعد ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا اور فوراً فرماتے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کے بعد اب بھی تم کسی تحریر کے منتظر ہو اور دین کو کامل نہیں سمجھتے مگر الحمد للہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحان میں بدرجہ اعلیٰ کامیاب ہوئے اور اس کامیابی میں نمایاں حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، چند نامعلوم الاسم لوگوں نے لکھوانے کی تائید کی۔ قوی احتمال ہے کہ یہ حضرات جدید الاسلام ہونگے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی ممتاز شخصیت یہ قول کرتی تو انکا نام ضرور روایت میں مذکور ہوتا۔ کما هو ظاہر من دأب المحدثین، پس ان جدید الاسلام لوگوں کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا جسکا اظہار ”قوموا معی“ کے الفاظ سے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطریق امتحان تھا اس پر دوز بردست دلیلیں ہیں۔

(۱۱) جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ اکمال دین اور اتمام نعمت کی خبر دے چکی تھی تو ناممکن تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی تحریر کی حاجت ظاہر فرما کر دین کو ناقص اور نعمت خداوندی کو نامتام قرار دیتے۔

(۲۲) آپ نے جو صفت قرطاس والی تحریر کی بیان فرمائی ہے۔ اسی صفت کی دو چیزیں جب آپ اُمت کے ہاتھ میں دے چکے تھے (جن کا ذکر حدیث ثقلین میں گزر چکا ہے) تو اب اس تحریر کی کیا حاجت تھی؟ اس کی حاجت تو اس وقت ہو سکتی تھی جب ان دونوں چیزوں میں یہ صفت نہ ہو لہذا ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث کینلاف ایسی بات فرمائیں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور صحیحین کی اس روایت کو اپنے اس



خیال پر قرینہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں ابو بکر کے لئے تحریر لکھ دوں تاکہ لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا رہنے دو۔ یا ایہ اللہ والمؤمنون الا (جی بکراہ پس آپ کو وحی سے مطمئن کر دیا گیا تھا اس لئے اس ارادہ کو ترک فرما دیا۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مطمئن ہو جانے کے بعد بھی آپ خلافت صدیق لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں تو بعد میں آپ کا سکوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھا جس میں رازیہ تھا کہ انتخاب خلیفہ کا زرین اصول "تفویض الی اہل الحل والعقد" قائم کر جائیں اور ولیمہ دی کی رسم جاہلیت کا تصور اسلام میں باقی نہ رہے۔ کئی مواقع پر آپ نے وحی الہی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی۔ اس موقع پر بھی آپ کا سکوت اور حضرت عمر کی موافقت وحی الہی سے تھی۔ اسے شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ کتب شیعہ میں نہایت معتبر کتاب فلک النجات ص ۳۲۶ جلد اول پر بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ واما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع فما کان من عندہ بل کان بوجہ ۵

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرائ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اگر بالہام اللہ تعالیٰ اختلاف نظر تھا (کما وقع فی مواضع شتے) تو اس کا مناقب میں شمار ہونا بدیہی ہے اور اگر شدت مرض اور آپ کی تکلیف کے مد نظر یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کی نوعیت بعینہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نظر رسول اللہ ﷺ مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار جیسی ہوگی جسے شیعہ لوگ مناقب علی میں شمار کرتے ہیں۔ (اعتراض ثالث کا جواب) یہ تو بعینہ وہ قول ہے جس کو خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجة الوداع میں اس سے تین ماہ پیشتر لاکھوں کے مجمع میں فرما چکے تھے یعنی لن تفتلوا ما تمسکتم بہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے کا اگر یہی مطلب ہے تو قرآن میں ہے "حسبنا اللہ" پس اس کا مطلب بھی یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہیں، رسول کی ضرورت نہیں، فہما ہو جوا بکم فہو جوابنا۔

پس یہ ہے کہ یہ زین مقولہ یعنی حسبنا کتاب اللہ ایمان کی جان ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کمالات کا آئینہ ہے جن کا نمونہ اس آسمان نے بایں ہمہ طول کبھی نہیں دیکھا۔ فقط  
ہذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین

رشید احمد



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

# مَجَالُ التَّحْرِيرِ لِخَيَالِ الزَّمَانِ



## تحقیق انیق متعلق حدیث اشتکت النار الى ربها

حضرت الاستاذ العلام مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی ثم خیرپوری محدث دارالعلوم کراچی دامت برکاتہم کی تقریر بخاری سے ایک اقتباس ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا اشتد الحرقا بردوا بالصلوة فان شق الحر من فیہم جہنم واشتکت النار الى ربها فقالت یا رب اکل بعضی بعضنا فاذن لها بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصيف وهو اشتد بالجدون من الحر واشتد بالجدون من الزمهریر۔ ————— جمع بخاری ص ۱۲۷

کیا جہنم میں طبقہ زمہریر یہ کا وجود بھی ہے : تمام امت میں عام طور سے یہ مسئلہ سمجھا جانے لگا ہے کہ جہنم طبقہ ناریہ اور طبقہ زمہریر یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

طبقہ زمہریر یہ کا ثبوت تمام ذخیرہ ہائے کتاب و سنت میں کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو ”لا یندقون فیہا بردا ولا شرابا الا جہیما وغساقا“ فرمایا گیا ہے۔ نکرہ تحت التنفی لا کر جہنم سے برد و شراب اور زمہریر کا سلب کلی فرمادیا۔ بردا کی تخصیص نافع کے ساتھ صحیح نہیں، کیونکہ برد ضار کا استثناء نہیں جیسے کہ ”الا جہیما وغساقا“ کے ساتھ شراب ضار کا استثناء کیا گیا ہے اگر تخصیص بالقرآن کو کافی سمجھا جاتا تو شراب ضار کے استثناء کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصطلاح قرآن و حدیث میں تو جہنم مراد ”نار“ بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب سنت میں جہاں جہاں جہنم کا تذکرہ ہے وہاں دوزخ کو جہنم کے لفظ سے کم اور ”نار“ کے الفاظ سے زیادہ تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے ”فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة“ ”علیہم نار“ مؤصداً ”کانتھا ترقی بشر کا قصر“ اسی طرح فرمایا گیا ہے ”کلما نضجت جلودہم بدلناہم جلوداً غیرہا“ نضج کا لفظ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جہنمیوں کا عذاب آگ ہی ہوگا، کازین کے بارہ میں ارشاد ہے ”یوم تکوی بھاجباہم وجنوبہم وظہورہم“ یہاں بھی کسے کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی داغنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ عصاة المؤمنین کو آگ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر کوئلے ہو چکے ہونگے اور ان کو نہر حیا میں غسل دیا جائیگا اور فرمایا کہ نار ان کے قلوب پر اثر نہ کر سکے گی۔ ابوطالب زحراح نار میں ہوگا، اُریۃ النار، عرضت علی النار، حابسہ ہرہ اور اول من سیب السوائب کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان کو نار



میں دیکھا اور فرمایا کہ میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی اس میں پروانے گرنے لگے وہ ان پروانوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اس پر غالب آ رہا ہے اور آگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ غلول پر وعید فرمائی ”اتى الشملة التى اصباها يوم خيبر من المغانم لعم تصبها المقاسم لتشتعل عليه نارا“ اور فرمایا، ”شارك او شراكا من نار“ غرضیکہ بے شمار مثالیں کتاب سنت میں اس قسم کی موجود ہیں کہ جہنم کے اوپر نار کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان تمام مثالوں کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو اس سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں بھی اشتکت النار لے رکھا فرمایا گیا۔ اشتکت الزمہریر نہیں، اور نفسین کا اذن بھی نار کو دیا گیا۔ اگر طبقہ زمہریر یہ کا وجود ہوتا تو قرآن و حدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے تھا یا کم از کم قرون مشہود لہا بالخیر صحابہ، تابعین یا ائمہ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی کوئی قول منقول تھا پھر یہ کہ اگر طبقہ زمہریر یہ کے وجود کو بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایک زبردست اشکال پیش آئے گا کہ جس وقت میں سردی کی شدت ہو اس وقت میں بھی تاخیر صلوٰۃ کا حکم ہوتا حالانکہ حدیث میں صرف ابرءوا بالصلوٰۃ فان شدة الحر کا ذکر ہے۔ اگر طبقہ زمہریر یہ کا وجود ہوتا تو سردی میں بھی نماز کو مؤخر کرنے کا حکم ہوتا کیونکہ سردی اسی کے سانس باہر پھینکنے سے ہوتی اور جس طرح حرارت آثار غضب میں سے ہے اسی طرح برودت بھی آثار غضب میں سے ہوتی نیز عنقریب ہی بیان کروں گا کہ شدت حرارت نفس جہنم یا لقرب الشمس میں منافاة نہیں اس لئے کہ شمس جہنم سے ہی حرارت اخذ کرتا ہے۔ پس حرارت شمس بعینہ حرارت جہنم ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ اگر جہنم میں طبقہ زمہریر یہ بھی ہے تو جیسے شمس جہنم سے حرارت اخذ کر کے دنیا میں شدت حرارت پیدا کرتا ہے اسی طرح موسم شتاء میں لازم آئے گا کہ شمس جہنم سے برودت اخذ کر کے ارض پر پھینکے جو شدت زمہریر کا باعث بنے حالانکہ شدت سرما کے موسم میں بھی شمس میں برودت نہیں ہوتی بلکہ حرارت ہی ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب : اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ جب طبقہ زمہریر یہ کا ثبوت نہیں تو پھر اشد ما تجدون من الزمہریر کا مطلب کیا ہے؟ اور دنیا میں سردی کی وجہ اور سبب جہنم کیسے ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔

(۱) گرمی سے اشیاء میں انبساط اور تخیل پیدا ہوتا ہے اور سردی سے تکاثف اور اکتناؤ انقباض، یہی وجہ ہے کہ ریلوے لائن کے دو ٹکڑوں کو جوڑتے وقت ان کے درمیان کچھ



خللا رکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر باہم پیوست کر کے ان کو جوڑ دیا جائے تو پیہیوں کی رگڑ اور موسم کی تمازت وغیرہ سے شدید حرارت پیدا ہونیکے بعد لائن کے اجزاء میں متخلخل و انبساط ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر اٹھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ گاڑی کے الٹ جانے یا بوجھ پڑنے سے لائن کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۲) متخلخل چیز خفیف ہوتی ہے اور متکاثف ثقیل جیسے ردی اور لوہا۔

(۳) خفیف چیز سریع الحركت سہل الانجذاب ہوتی ہے اور محرک جاذب کے اثر کو جلدی قبول کرتی ہے اور ثقیل چیز بطی الحركت اور متعسر الانجذاب ہوتی ہے، محرک اور جاذب کے اثر کو جلدی قبول نہیں کرتی۔

اب یہ سمجھیں کہ جب جنم اپنا سانس باہر پھینکتی ہے تو باہر کی ہوا گرمی کی وجہ سے متخلخل ہو جاتی ہے، پھر جنم کا دوسرا سانس اندر کو ہوتا ہے باہر کو نہیں، اس لئے جب وہ سانس اندر کو لیتی ہے تو گرم ہوا متخلخل کی وجہ سے چونکہ خفیف اور ہلکی ہوتی ہے لہذا سانس کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور سرد ہوا چونکہ متکاثف ہوتی ہے اس لئے اس میں خفت نہیں ہوتی، ثقل ہوتا ہے لہذا وہ دنیا میں رہ جاتی ہے اور سردی کا باعث بنتی ہے۔ اس ہوا میں ایک جانب سے کرۃ المار اور دوسری جانب سے کرۃ زمهریر کا تلاصق بھی برودت کا باعث بنتا ہے۔

حدیث پر فلسفیانہ اشکالات۔ اس حدیث پر اہل فلسفہ کی جانب سے یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ دنیا کی سردی اور گرمی کا سبب سورج کا قرب بعد ہے جب سورج دنیا کے کسی حصہ سے قریب ہوتا ہے تو وہاں گرمی ہوتی ہے اور جہاں سے دور ہوتا ہے وہاں سردی۔ تو پھر اس سردی و گرمی کا سبب جنم کے سانس کو ٹھیرانا کہاں تک صحیح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسباب میں تزامن نہیں ہوا کرتا۔ ایک چیز کے اسباب مختلف اور متعدد ہو سکتے ہیں چنانچہ سردی و گرمی کے اسباب میں سے ایک سبب جس طرح آفتاب کا قرب و بعد ہے، اسی طرح وہ بھی ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا، بلکہ اسکے اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً بلندی پر ہونا سردی کا باعث ہے اسی طرح سمندر یا پہاڑ کا قرب بعد، صلابت و رخادت میں قطعات ارض کا اختلاف، جنس ارض کی انواع شورہ، گندھک وغیرہ کے آثار کا اختلاف، ریاح کا دباؤ اور احتباس و احتقان وغیرہ۔ اگر صرف سورج کا قرب بعد ہی سبب ہوتا تو سب سے گرم اور کوئٹہ کے موسم میں اس قدر زبردست تفاوت نہ ہوتا جبکہ

۱۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ نے بھی فتح الملہم میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ۱۲۰ منہ



دونوں کے عرض البلد میں صرف ۴۳ دقیقہ کا فرق ہے۔ اسکے باوجود کوئٹہ سخت سرد مقام ہے اور سب سے سخت گرم۔ اس جواب پر پھر چند اشکال وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر جہنم کی وجہ سے موسم بدلتا ہے تو چاہیے یہ کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی (عرض تسعین) میں بھی چھ مہینے سردی اور چھ مہینے گرمی ہو حالانکہ وہاں ہمیشہ سردی ہے گرمی نہیں اسی طرح میل کلی یعنی مدار سرطان اور مدار جدی (تقریباً ۲۳ درجہ عرض بلد) کے اندر بسنے والے لوگوں کے یہاں آٹھ موسم ہوتے ہیں۔ ہر فصل سال میں دو مرتبہ آتی ہے تو ایسا کیوں؟ جبکہ جہنم تو تمام دنیا پر ہونی چاہیے۔ اس لئے مدار سرطان و جدی سے کم عرض البلد میں بھی آٹھ فصلوں کی بجائے چار فصلیں ہونی چاہئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کا ثبوت اس امر پر موقوف ہے کہ محققین عرض تسعین میں سال بھر موسم کا بالکل یکساں رہنا کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ثابت کریں۔ اگر ذرہ برابر بھی فرق ہو جیسا کہ عقل کا تقاضا ہے (کیونکہ چھ مہینے تک وہاں آفتاب نکلا تو رہتا ہی ہے۔ اگرچہ وہ افق سے تقریباً ۲۳ درجہ سے زیادہ مرتفع نہیں ہوتا) تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اس امر کی تحقیق کی جائے کہ میل کلی سے کم عرض البلد میں موسم ثمانیہ میں سے ایک ستارہ دوسری ستارے اور ایک صیف دوسری صیف سے کچھ متفاوت ہے یا نہیں۔ اگر تفاوت ہے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر عدم تفاوت محقق ہو جائے تو اصل اشکال کے دفع کے لئے دوسرا جواب ہی متعین ہوگا جو عنقریب آ رہا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے نفس جہنم سے حرارت کا دفعہ پیدا ہو جانا لازم تھا۔ حالانکہ موسم کی تبدیلی بتدیج ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دفعہ حرارت کا پیدا ہونا اور موسم کا بدل جانا چونکہ صحت کے لئے سخت مضر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نفس جہنم سے خارج ہونی والی حرارت کو کسی جگہ پر محقق فرمادیتے ہیں اور بتدریج زمین پر پھیلاتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے بلکہ ظاہر ہی ہے کہ نفس جہنم دفعہ خارج نہیں ہوتا، بلکہ بتدیج خارج ہوتا ہے اور اسکے ظہور کی وجہ یہ ہے کہ جب جہنم کی مشابہت حیوان کے ساتھ ہوئی تنفس میں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سال بھر میں دو نفس جہنم کے ہیں ایک خارج اور دوسرا داخل تو حیوان کی طرح تنفس کی حرکات کا اتصال جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک نفس چھ ماہ تک بتدیج ممتد رہے۔

تیسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جہنم کی حرارت شمس کے قرب کے ساتھ اور جہنم کی برودت شمس کے بعد کے ساتھ متلازم کیوں ہے۔ کبھی اسکے برعکس کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شمس کی حرارت کی مناسبت سے حرارت جہنم بھی اسی زمانے میں ظاہر ہوتی ہے جس میں حرارت شمس۔ اگر بعد شمس کے زمانے میں حرارت جہنم اور قرب شمس کے وقت میں برودت جہنم پیدا ہوتی تو حرارت و برودت کے



اجتماع سے سال بھر موسم یکساں رہتا اور فصول مختلف پیدا نہ ہوتیں جو سراسر خلانِ حکمت ہے۔ نیز موسم صیف میں حرارت شمس کا تحمل کرنے کے لئے قدرت اللہ باطن جسم میں حرارت پیدا کر دیتی ہے، پس جس زمانہ میں جس چیز کے تحمل اور مقابلہ کی استعداد قدرت نے پیدا کی اسکا اسی زمانہ ہی میں پیدا ہونا حکمت و مصلحت کا مقبضی ہے۔ اصل اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت جہنم ہی سے مأخوذ ہے اور وہ جہنم کی حرارت اپنے اندر جذب کر کے زمین پر پھینکتا ہے جس طرح بجلی کا بلب پاؤں ہاؤس سے بجلی کو جذب کر کے روشنی کرتا ہے اور آتشی شیشہ شمس کی شعاعوں کو جذب کر کے مقابل چیز پر پھینکے گا۔ جلا دیتا ہے۔ پس سبب ظاہری تو یہی آفتاب ہے لیکن اس میں جو حرارت ہے اسکا سبب جہنم ہے لہذا سردی گرمی کا سبب جہنم کو ٹھیرانا بالکل صحیح ہے پھر اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ یہ تقریر اس امر کو مستلزم ہے کہ نفس شمس میں حرارت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ ستار میں اسکی حرارت کم ہو جاتی ہو اور صیف میں زیادہ۔ حالانکہ حقیقت اسکے خلاف ہے، موسم سرما میں سردی پڑنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آفتاب سے حرارت کم ہو گئی ہے بلکہ آفتاب میں تو تمازت اسی قدر رہتی ہے جتنی کہ موسم صیف میں تھی مگر اسلئے زیادہ محسوس نہیں ہوتی کہ آفتاب زمین سے دور ہو جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس امر پر موقوف ہے کہ آفتاب کی حرارت میں کمی بیشی کے عدم کو ثابت کیا جائے ممکن ہے کہ صیف و شتاء میں ذات شمس میں حرارت مختلف ہوتی ہو مگر ہمیں یہ فرق محسوس نہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ تفاوت نہیں تو یہ کہا جائیگا کہ آفتاب جہنم کے نفس خارج سے حرارت کو جذب کر کے اسکا ایسا مستقر بن جاتا ہے کہ جہنم کا نفس داخل اس حرارت کو واپس نہیں کھینچ سکتا۔ پس نفس داخل محض ریح حار کو کھینچتا ہے آفتاب کی حرارت کو نہیں۔ اگر اس پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ شمس کی سابقہ حرارت علیٰ حال قائم رہتی ہے تو ہر آئندہ سال نفس خارج کے اثر سے ہمیں اضافہ ہونا چاہیے تو اسکا جواب یوں دیا جائیگا کہ حرارت کے ایک خاص درجہ سے ترقی نہ کر سکی درجہ میں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حرارت کو قبول کرنے والا جسم ایک خاص اور محدود درجہ کی استعداد رکھتا ہو اس سے زیادہ کی استعداد ہی نہ ہو جیسے بجلی کا تلمیہ اور آتشی شیشہ اپنی استعداد اور مخصوص درجہ کی مطابقت ہی حرارت اخذ کر سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ منفعل کا درجہ حرارت مؤثر کے درجہ حرارت سے بڑھ نہیں سکتا، مثلاً تھرماسٹر ایک سنسٹکھنے پر جو درجہ حرارت کا ظاہر کرے گا ایک گھنٹہ تک کھنے پر بھی وہی درجہ ہے گا اس میں اضافہ نہ ہوگا پس جہنم خواہ سانس اند کو لے یا باہر پھینکے بہر صورت آفتاب کی تمازت و حرارت میں کوئی تفاوت اور کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہو گیا کہ آفتاب کی حرارت جہنم سے مأخوذ ہے لہذا سردی و گرمی کا سبب حقیقی جہنم ہے۔

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم برمودہ مائتات



قد ضبط هذا التقرير اللطيف بنفس في حلقة درس الجامع للبخاري احقر تلامذة الشيخ داصغر ميم محمد تقی العثماني  
الديوبندي ثم كراچوی غفر الله تعالى له ولوالديه لمشايخه وجميع المؤمنين المومنات آمين، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين  
غرة ربيع الآخر سنة ۱۴۰۹ هـ

تقریر مذکور سے متعلق استاذ العلماء جبر نحریر حضرت مولانا شمس الحق صاحب غفانی مدظلہ العالی کی رائے سامی  
”احقر نے اشتکار نار کی حدیث پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کی املائی تقریر ملاحظہ کی میری  
نظر میں وہ قواعد شرع کی خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے اور حدیث پر وارد ہونی والے جملہ عقلی اشکالات  
کے جو جوابات دیئے گئے وہ نہایت قیمتی ہیں۔ شارحین حدیث نے انہی طرف بہت کم توجہ فرمائی  
اللہ تعالیٰ علی کو جزاء خیر دے کہ بہت اہم عقدے حل فرمادیئے۔ آمین“  
جعفر الساد شمس الحق عفا اللہ عنہ  
ضمیمہ تقریر بالا

ایک دوست نے طبقہ زمہریر سے متعلق مندرجہ ذیل روایات لکھ کر دیں۔

(۱) فی تنویر المقیاس انما قال امام المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فی تفسیر قولہ عز وجل  
”حمیم وغساق“ حمیم ماء حار قد انتہی حرہ وغساق ”زمہریر بحر قہم“ كما تحرقهم النار (مجموعۃ التفاسیر ص ۲۹)  
(۲) قال العلامة ابوالبرکات النبی رحمہ اللہ فی مدارک التنزیل وقیل الحمیم یحرق بحرہ والغساق یحرق  
ببردہ (مجموعۃ التفاسیر ص ۲۹)

(۳) وقال العلامة الخازن رحمہ اللہ فی تفسیرہ وقیل الغساق عین فی جہنم وقیل هو البذر للنتن  
(مجموعۃ التفاسیر ص ۲۹)

(۴) وقال الفاضل لشربینی رحمہ اللہ ”لا یدوقون فیہا برداً“ قال عطاء والحسن ای راحۃ وروحای  
ینفس عنہم النار (وبعد سطرین) وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان البرد النوم ومثله قال  
الکسائی وابوعبیدۃ تقول العرب منع البرد البردای اذهب البرد النوم (وبعد سطر) وعن ابن  
عباس رضی اللہ عنہما الغساق الزمہریر بحر قہم ببردہ (السراج المنیر ص ۴۷۴)

(۵) وقال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ اما الحمیم فهو الحار الذي قد انتہی حرہ واما الغساق فهو صندہ وهو البذر  
الذي لا استطاع من شدۃ برودہ الموم ولهذا قال عز وجل (ولهم من شکرہ اذ وہم) ای واشیاء من هذا  
القبیل الشیء وصندہ یعاقبونہا (وبعد سطر) وقال کعب الجبار غساق عین فی جہنم یسیر لہا حمۃ  
کل ذئبۃ من حیمۃ وعقرب وغیر ذلک فیستنقم فیوقی بالاذی فیخس فیہا غمۃ واحرق فیخرج وقد سقط  
جلدہ ولحمہ عن العظام وتعلق جلده ولحمہ فی کعبیۃ عقبیہ ویخرجہ کلہ کما یخرج الرجل قویۃ رواہ ابن ابی حاتم



(۶) وقال لعامة الأئمة رضي الله عنهم وأئمة آلهم وأصحابهم في جہنم تسيل ليلهم كل في حمة من حية وعقرب غيرهما يغرس فيها الكافون تساقط جلل ولم يخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما انه الزهري (وقال في تفسيره واخر من شكله ازواج) واخرى مذق الخروفس ابن مسعود رضي الله عنه كملوا عنه جميع بالزهري (روح المعاني ۵۱ ج ۲۳)

(۷) وقال بوحيا رحمہ اللہ عن ابن مسعود رضي الله عنه واخر من شكله هو الزهري (البحر المحیط ۳ ج ۷)

(۸) وقال الشيخ ثناء الله واختلفوا في معناه قال ابن عباس رضي الله عنهما هو الزهري يخرجهم

ببرده كما تحرقهم النار بحرها ومجاهد ومقاتل هو الذي انتهى برده (تفسير مظہری ۱۸ ج ۸)

ان روایات کو دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کم از کم کچھ منشأ تو ہے، ان روایات کی سند کی تحقیق بندہ

نہیں کر سکا، بہر کیف اب سند رجبہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) محدثین نے ان روایات کی تخریج نہیں کی، پس صرف مفسرین کی تخریج وزن دار نہ ہوگی،

فانہ لكل فن رجال

(۲) یہ تفسیر نہ حقیقہ مرفوع ہے نہ حکماً۔ اگر غیر مدرك بالقیاس اور غیر مستنبط من القرآن

وغیر مفهوم من اللغة ہوتی تو واقعی حکم رفع ہوتی۔

(۳) اگر یہ تفسیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو اس میں صحابہ ومن بعدهم کا اختلاف نہ ہوتا

(۴) حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر اور انکی بیان فرمودہ تفصیل غیر مدرك بالقیاس ہونے

کی وجہ سے حکم رفع ہے پس قول زمہری (جو کہ موقوف ہے) اسکے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتا،

(۵) بعض مفسرین نے اسے قیل سے نقل کیا ہے، جو دلیل ضعیف ہے۔

(۶) قرآن وحدیث کے ذخائر میں اندازہ تخویف کیلئے انواع عذاب کی تفصیل نہایت ہی بسط و شرح

کے ساتھ مذکور ہیں مگر زمہری کا ذکر کہیں نہیں ملتا، معرض بیان میں سکوت دلیل عدم ہے۔

(۷) قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نار وجہنم مترادف ہیں، اور لا یند وقون فیہا برداً میں جو

تاویلات کی گئی ہیں۔ انہیں بلا ضرورت خلاف ظاہر ومتبادر کا قول کیا گیا ہے جو جائز نہیں۔

(۸) حدیث زیر بحث (اشتکار نار) کی تقریر بہر کیف قول زمہری سے مستغنی ہے (کما مر)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بتفصیل کائنات۔ اللہم اعذنا برحمتک من جہنم وما فیہا مما نعلم

من انواع عذابہا ومما لا نعلم۔ آمین

رشید احمد

۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۹ھ

بجالتحریر





يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّذِكْرِكُمُ الْحَجَّ (التي) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ  
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ  
تَطْهِيرًا وَادْكُرْ مَا بَشَلَى فِي بُيُوتِكُنَّ (الآية)



# عُمْدَةُ التَّفْسِيرِ لِآيَةِ التَّطْهِيرِ





## اہل بیت کی تحقیق

سوال : شیعہ کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی آیت انما یرید اللہ لیدنہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے کمر میں داخل فرما کر فرمایا، اللہم هؤلاء اہل بیتی اور ان کے لئے دعا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی شرکت کی درخواست کی تو آپ نے انہیں روک دیا، اس قصہ کی کیا حقیقت ہے؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم قدام الصواب

آیہ کریمہ انما یرید اللہ الخ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں، اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

- ① اس آیت کے سیاق و سباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ذکر ہے۔
  - ② ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ فتوحات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے مصارف میں کچھ وسعت کی درخواست پیش کی، اس پر آیات یا ایھا النبی قل لا رطب ولا ان کنتم تودون الحیوة الدنیا وریبھا فتعالین امتنعن واسرھن سراحا جمیلا وان کنتم تودون اللہ ورسولہ والدار الاخرة فان اللہ اعد للمحسنات منک اجر عظیما نازل ہوئی ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیا کو پسند کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو، اس امتحان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے ممتاز اور اعلیٰ کامیابی حاصل کی، دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی کامیاب ہوئیں کہ انھوں نے دنیا کے دنیہ کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو اختیار کیا، اس امتحان میں اعلیٰ کامیابی، بلند حوصلگی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر متعدد انعامات فرمائے جن کا تذکرہ ان آیات میں ہے، فرماتے ہیں:
- (۱) ومن یقنت منک للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرا مرتبہ واعتدنا لھارزقا کریمًا۔ اس آیت میں اس انعام کا بیان ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے ہر نیک کام پر دو گنا اجر ہے۔

(۲) یا نساء النبی لستن کا حد من النساء ان اتقین الخ اس میں دوسرا



انعام مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے رتبہ تک دنیا کی کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔

(۳) اِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا یہ تیسرا انعام ہوا۔

(۴) وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَكُمْ بَعْدَ آبَائِكُمْ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا یہ چوتھا انعام ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو امہات المؤمنین قرار دیکر ہمیشہ کے لئے اُمت پر حرام کر دیا گیا۔

(۵) لَا يَجْعَلُ لَكَ الشَّاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدُلَ بَعْضَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حَسَنُهَا اس میں پانچویں انعام کا ذکر ہے۔

لَا يَجْعَلُ لَكَ الشَّاءُ مِنْ بَعْدِ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ ماقبل میں مذکور صفات جن عورتوں میں نہ پائی جائیں وہ آپ کے لئے حلال نہیں ہیں ماقبل میں اقارب کے لئے مہاجرات کی قید ہے اور مطلق نساء کے لئے مؤمنات کی قید ہے۔ ارشاد ہے اِنَّمَا احْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اللَّاتِيْنَ اَتَتْ اَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مَتَا فَاءُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَنَاتُ عَمِّكَ وَبَنَاتُ عَمَّتِكَ وَبَنَاتُ خَالَكَ وَبَنَاتُ خَالَتِكَ اللَّاتِيْنَ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاةَ الْمُؤْمِنَةِ الَّتِي وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ ارَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَسْتَنْكِحَهَا۔ الآية حاصل یہ کہ رشتہ دار عورتوں میں سے غیر مہاجر اور دوسری عورتوں میں سے کتابیہ آپ کے لئے حلال نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کہ وہ ازواج مطہرات جو اس آیت کے زوال کے وقت آپ کے عقد میں تھیں ان کے سوا اور سب عورتیں آپ پر حرام کر دی گئیں ولا ان تبدل بھن من ازواج کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو بہ نیت تبدیل طلاق دینا حلال نہیں، انہیں ازواج مطہرات پر یہ انعام ہے کہ ہمیشہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ غرضیکہ امتحان ازواج مطہرات کا ہوا اور اس پر یہ انعامات بھی انہی کے لئے بتائے جا رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔

(۳) اگر اہل بیت سے علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد لئے جائیں تو اشکال لازم آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بغیر ہی تطہیر اہل بیت کی بشارت دیدی



تھی تو اب پھر ان کو جمع کر کے ان کے لئے تطہیر کی دعا کرنا تحصیل حاصل بلکہ لایعنی اور فضول ہے۔  
حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریائے رحمت کو لجوش میں دیکھا تو اولاد کو بھی توسعاً اہل بیت میں داخل فرما کر ان کے لئے بھی تطہیر کی دعا فرمائی یعنی ازواج مطہرات تو اہل بیت کے مفہوم میں حقیقتہً داخل تھیں، اور ان کی تطہیر کی بشارت بغیر دعا کے مل چکی تھی اور اولاد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے مفہوم میں توسعاً داخل فرما کر ان کے لئے تطہیر کی درخواست کی، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب شمولیت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا "انک علی خیر" یا "انک الی خیر" یعنی تم ان سے بہتر حالت پر ہو، اسلئے کہ تمہاری تطہیر تو اللہ تعالیٰ نے میری درخواست کے بغیر ہی فرمادی ہے اشکال: آیت تطہیر میں مذکر کے صیغے ہیں، ان سے ازواج مطہرات مراد لینا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: مؤنث کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنا کلام عرب میں معروف ہے، قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ قال لاهله امکنوا، شرح شواہد الکشاف میں فرماتے ہیں رماخوطبت المرأة الواحدة بخطاب الجمع المذکر بقول الرجل عن اهله فعلوا کذا (الی قولہ) ومنہ قولہ تعالیٰ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام قال لاهله امکنوا، اسکے بعد دو شعر بھی پیش کئے ہیں

فان شئت حمت النساء سواکم وان شئت لم اطعمنقاخا ولا بردا  
فان تنکحی انکم وان تتأیمی وان کنت افق منکم اتأیم

جواب مذکور کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ لفظ "اہل" مذکر ہے اس کی رعایت سے مذکر کے صیغے لائے گئے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اس لئے بصیغہ تذکیر خطاب فرمایا گیا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ آیت تطہیر دراصل کسی دوسرے مقام پر تھی، جامعین قرآن نے اسے ازواج پر منطبق کرنے کے لئے ذکر ازواج کے درمیان رکھ دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ اپنے قول مذکور میں خود عقیدہ تحریف قرآن کا اعتراف کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان نہیں، تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "حقیقت شیعہ" ملاحظہ فرمائیں، پس جبکہ شیعہ قرآن کریم پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اسکے محرف ہونیکا عقیدہ رکھتے



ہیں تو قرآن کی اس آیت سے وہ ائمہ کی تطہیر و عصمت کے لئے استدلال کس منہ سے کرتے ہیں؟ پھر اگر ان کا قول مذکور بغرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو لفظ اہل بیت کو ائمہ کے ساتھ مخصوص کرنے اور ازدواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اسکے مفہوم سے خارج کرنے پر کیا دلیل ہے؟ بعض حضرات اہل بیت کی تخصیص بالازواج کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں۔

(۱) قالوا تعجبین من امر الله رحمة الله عليكم وبركاته اهل البيت انتم خير من جيل من

حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل بیت سے خطاب کیا گیا ہے

(۲) قالت هل ادلكم على اهل بيت يكفلونكم وھولنا صھون، میں اہل بیت

سے ائمہ موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

(۳) عام عرف میں "اہل خانہ"۔ "اہل بیت" اہلیہ اور گھر والے صرف بیوی ہی کو کہا

جاتا ہے۔

(۴) گھر کے افراد میں سے بیوی کے سوا اور کسی کو گھر میں ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہوتا، چنانچہ

مذکر اولاد بالغ ہونے کے بعد اپنا گھر بار الگ بنا لیتی ہے بلکہ لڑکے جب تک والدین کیساتھ ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی ان کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا ہے۔ اور لڑکیاں شادی ہو جانے کے بعد گھر سے رخصت ہو جاتی ہیں، مگر یہ دلائل زنی نہیں۔

قرآن کریم، احادیث اور کلام عرب کے مواقع استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ توسعاً اہل بیت کا اطلاق گھر کے سب افراد پر بلکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے، اگرچہ گھر میں ایک ساتھ نہ رہتے ہوں۔ حضرت سارہ علیہا السلام سے ملائکہ کے خطاب میں بھی اہل بیت سے پورا خاندان مراد ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ آیت تطہیر میں سیاق و سباق اور شان نزول کے مد نظر اہل بیت کا خطاب ازدواج مطہرات ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توسعاً اولاد کو بھی اس میں شامل فرمادیا بلکہ خود آیت میں بھی صیغہ تذکیر اس توسع کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اشارہ کی بنا پر اولاد کے لئے دعا فرمائی ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ



## کتاب السلوک

رفع تعارض مابین عبارات مختلفہ دربارہ اصلاح از غیر صالح  
سوال: کسی ایسے شخص سے اصلاحی تعلق رکھنا جو فن میں تو بصیرت رکھتا ہو مگر صالح نہ ہو  
درست ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے دو جگہ مختلف تحقیق تحریر  
فرمائی ہے۔

① فرمایا کہ شیخ کا دلی ہونا ضروری نہیں، مقبول ہونا ضروری نہیں، ہاں فن کا جاننا اور  
اس میں مہارت ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کہ اسکا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں فن کا جاننا البتہ  
ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اعمال صالحہ ہوں، تقویٰ ہو، ولایت حاصل ہو جائے گی گو شیخ نہ ہو  
ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ دلی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(ملفوظات کلمات اشرافیہ مطبوعہ مکتبہ تھانوی ص ۳۸ ملفوظ ۶۸)

② کار مردان روشنی دگر می ست : کار دوناں حیلہ دے بے شری ست  
جاننا چاہیے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے  
جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسروں کا علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر خود مریض ہے  
تو مسئلہ طبیہ ہے راٰی العلیل علیل۔ گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں۔ اگر  
وہ صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو  
خود اچھا ہے۔ اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے شیخ و مرشد کی حاجت ہے جو خود  
بھی متقی و صالح ہو۔ مبتدع و فاسق نہ ہو اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے۔ کیونکہ اگر بد عقیدہ  
اور بد عمل ہے تو اولاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیر خواہی سے تعلیم کرے گا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ  
عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کرے گا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت نہ کر سکے گا کہ خود  
اسکا عامل نہیں۔ یہی خیال ہو گا کہ اگر نصیحت کروں گا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا بلکہ غالب  
یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بد عملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا تو اس میں بڑی گمراہی کا  
اندیشہ ہے۔ ثانیاً اسکی تعلیم میں انوار و برکات و تأثیر و امداد غیبی نہوگی۔

ان میں تطبیق یا ترجیح بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیٹنوا تو جروا۔



## الجواب باسم ملہم الصواب

وجہ التوفیق : عبارت اولی سے مقصد یہ ہے کہ غیر ولی ماہر فن سے ایسے خواص جو صحیح نسق میں امتیاز کر سکتے ہوں و طریقے سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(الف) تشخیص مرض و تجویز علاج میں اسکی بیان کردہ کلیات کو پیش نظر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور جزئیات پیش آمدہ کی تشخیص و تجویز کو اس ماہر فن کی بیان کردہ کلیات سے استنباط کریں۔

(ب) بغرض علاج اپنے حالات اسکے سامنے پیش کریں اور اس کی تشخیص و تجویز کی صحت و سقم کا جائزہ لیں۔ اگر خدا داد بصیرت و ذوق سلیم کی بدولت اسکی تشخیص و تجویز پر قلب مطمئن ہو تو اس پر عمل کریں والا فلا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو طبیب کامل تو نہیں مگر طبیب کامل کی رائے کی صحت و سقم معلوم کرنے کی استعداد رکھتا ہے، حاصل یہ کہ غیر ولی فن میں کسی ہی مہارت کیوں نہ رکھتا ہو بغرض علاج اسکے سامنے کامل تسلیم تفویض، انقیاد و اعتماد، اطلاع و اتباع بدون تفکر و تدبیر ہرگز جائز نہیں۔ عبارت ثانیہ کا یہی مطلب ہے۔

## وجوہ الترجیح

(۱) کلید شنوی کا مضمون مدلل ہے اور ملفوظات کا غیر مدلل، لہذا کلید شنوی کا مضمون راجح ہوگا۔ ملفوظات میں جو طبیب کے ساتھ بطور تمثیل کے دلیل بیان کی گئی ہے وہ بھی مخدوش ہے کیونکہ طبیب کا ولی ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر صحیح و تندرست ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے طبیب ظاہر کا امراض ظاہرہ سے تندرست ہونا ضروری ہے بعینہ اسی طرح طبیب باطن کا امراض باطنہ سے تندرست ہونا ضروری ہے، رائی لعل علیہ کا اصول مسلم و مشاہد و منقول ہونیکے علاوہ معقول بھی ہے۔ بایں طور کہ علاج کے لئے کمال عقل و کمال سکون ضروری ہے اور مرض کی وجہ سے دوسرے قوی کی طرح قوۃ عقلیہ میں بھی ضعف آنا لازم اور مشاہد ہے۔ نیز تکلیف کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے اس سے قوۃ فکر یہ میں کام کرنے کی پوری صلاحیت نہیں رہتی بعینہ اسی طرح مریض باطن کمال عقل و سکون قلب سے خالی ہوتا ہے، کمال عقل اسمیں اسلئے نہیں کہ شریعت عین عقل ہے اسلئے قرآن کریم نے صرف کامل الایمان لوگوں ہی



کو ”رجال“ کا لقب دیا ہے۔ وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

ور اشارتہا بشرا بینی زنی ! مرد پنداری و چوں بینی زنی

ایں قدر عقلے کہ داری گم شود سرکہ عقل ازوے پردہ دم شود

پس جس حد تک شریعت میں کوتاہ ہوگا اسی حد تک عقل میں فتور لازم ہوگا اور سکون قلب اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی تحصیل منحصر ہے تعلق مع اللہ میں، پس جب قدر یہ تعلق ضعیف ہوگا سکون قلب ناقص ہوگا اور اسکی ضد یعنی انتشار موجود ہوگا تو ثابت ہوا کہ غیر ولی کمال عقل و کمال سکون قلب سے خالی ہوتا ہے، ضعف عقل اور انتشار کا شکار ہوتا ہے لہذا اس میں معالج بننے کی صلاحیت نہیں۔

(۲) کلید مشنوی کا حصہ اول حضرت اقدس قدس سرہ نے خود اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ہے لہذا اسکی نسبت حضرت قدس سرہ کی طرف بلا واسطہ ہے اور ملفوظات کی نسبت بواسطہ ناقل ہے جس میں احتمال الخطا فی السماع والفہم والتعبیر موجود ہے۔

(۳) یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کی تصنیف پر جس حد تک تحقیق عمیق اور تيقظ و امعان نظر سے کام لیا جاتا ہے عام ملفوظات میں اتنا اہتمام نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر ان ملفوظات کو حضرت قدس سرہ نے بغرض تصحیح سنایا دیکھا بھی ہو تو بھی اس کے مقابلہ میں کلید مشنوی کی تحقیق واجب القبول ہوگی۔ والتوفیق احسن من الترجیح۔

نقطہ واللہ تعالیٰ اعلم وهو العالم لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا ملجأ ولا منجا منہ الا الیہ

رشید احمد

۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ ہجری

جواب از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفع تعارض کی جو تقریر اوپر کی گئی ہے وہ بھی صحیح و محتمل ہے لیکن میرے دل کو تو اول وہلہ میں یہ بات زیادہ لگتی ہے کہ کمالات اشرفیہ میں ایک علمی تحقیق اور امکان عقلی پر گفتگو ہے کہ شیخ اگر ماہر فن ہو اور مرید کی تدبیر صحیح کرے مگر خود عامل نہ ہو تو مرید اسکے اتباع سے درجہ کمال کو پہنچ سکتا ہے نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ ان اللہ یوید ہذا الدین بالجل الفاجر وامثالہ اس کے لئے کافی ہے۔



اور کلیدِ مثنوی میں وہ طریق بتلایا گیا ہے جو عادتِ ضروری ہے۔ تجربہ اور عادتِ اسیر شاہد ہے کہ محض امکانِ عقلی سے کہیں دُنیا میں کام نہیں چلتا جب تک اسبابِ مناسب اختیار نہ کر لے۔ فاسق شخص اگرچہ ماہرِ فن ہو اس پر یہ اعتماد ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی تدبیر صحیح کرے گا۔ جب اعتماد نہیں تو علاجِ بیکار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مضمون نری علمی تحقیق اور ارکانِ عقلی و شرعی کا بیان ہے جو عموماً اصلاحِ حال کے لئے عادت و تجربہ کافی نہیں ہوتا اور دوسرے مضمون میں صحیح طریقہ بتلایا گیا جس کے بغیر عادتِ اصلاح نہیں ہوتی۔

بندہ محمد شفیع از دارالعلوم کراچی

۲۸ رجب المرجب سنہ ۸۶ ہجری

بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے

سوال: زید کسی پیر کا مُرید نہ ہو اور وہ مر جائے یا تمام عمر میں کسی کو مرشد نہ بنائے تو کسی قسم کا گناہ تو نہ ہوگا؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیعت سے مقصود اصلاح ہے اور وہ تبھی ہوتی ہے کہ کسی کامل کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھے اگرچہ بیعت نہ ہو۔ بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
غرة رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

حقیقتِ تصوف

سوال: آجکل عام طور پر مدارسِ دینیہ کے کئی اساتذہ و طلبہ اور انکے علاوہ دوسرے عام مولویوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ تصوف اور اہل تصوف کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں لہذا اس کی وضاحت فرما کر منوں فرمائیں کہ تصوف کی شرعاً کیا حیثیت ہے اور اس کا قرآن و حدیث سے کیا ثبوت ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آخرت سے بے فکر مولویوں کی تصوف سے برہمی کا سبب یہ ہے کہ تصوف کے ذریعہ اصلاحِ باطن اور فلاحِ آخرت حاصل ہوتی ہے جو علم سے اصل مقصود ہے۔ چونکہ تصوف محبِ جاہ و مال میں مبتلا مولویوں کے نفسانی تقاضوں کے خلاف پڑتا ہے اسلئے وہ اس کی تمحیر کرتے ہیں۔ اسکی مثال بعینہ یہ ہے کہ عوام الناس میں سے وہ لوگ جن میں دین کی فکر نہیں اور وہ آزادانہ زندگی بسر



کرنا چاہتے ہیں وہ علماء دین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی مجالس میں ان کو بڑا بھلا کہتے رہتے ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں علماء حق کو رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ تصوف کی ضرورت قرآن حدیث اور فقہ سے ثابت ہے علاوہ ازیں عقلاً بھی اسکی ضرورت بدیہی اور ظاہر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکام شریعت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ظاہر سے متعلق

(۲) باطن سے متعلق

اعمال باطن کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر شخص کا وجدان بھی اسکی شہادت دیتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ حقائق میں سے ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے وذرُوا ظاہرَ الْاَثَرِ وَبِاطْنِہٖ ، اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حُب مال، حُب جاہ وغیرہ رذائل اور ان کی متقابلات صفات محمودہ، اخلاق رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تخلیہ کا حکم، اول کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن و حدیث میں بار بار بہت کثرت سے مذکور ہیں بس ان اعمال باطن یعنی رذائل کے امالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی تصوف کی ضرورت بدیہی ہے بایں طور کہ جب امراض باطنہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں اور مشاہد ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی اصلاح اور علاج کے طریقے بھی ضرور بیان فرمائے ہونگے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ اخلاق رذیلہ پیدا تو فرمادیئے مگر ان کا علاج نہیں بتایا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے۔ الفقہ معرفة النفس مالہا وما علیہا (توضیح من)، یہ تعریف تصوف کو بھی شامل ہے بلکہ اعمال باطنہ چونکہ زیادہ اہم ہیں حتیٰ کہ اعمال ظاہرہ کا وجود و عدم اور ان کا اعتبار اعمال باطنہ ہی پر موقوف ہے اسلئے تعریف مذکور کے مطابق فقہ کا اہم شعبہ تصوف ہوا، فقہ کا اعمال ظاہرہ سے تعلق رکھنے والا شعبہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ علم باطن کی اہمیت کے پیش نظر فقہ کے اس شعبہ کا مستقل نام "تصوف" رکھ دیا گیا مگر بے عمل مولویوں نے تصوف کو فقہ کے مفہوم سے ایسا اڑایا کہ فقہ کے لفظ میں تصوف کی طرف کسی قسم کے التفات کی کوئی بھی گنجائش نہ چھوڑی۔

غرضیکہ تصوف کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اعمال باطن سے متعلق علم حاصل



کیا جائے اور اس کی ضرورت قرآن، حدیث، فقہ اور عقل سے ثابت ہو چکی — باقی مصلح کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کسی شخص میں مرض کی تشخیص کر کے نسخہ تجویز کر دیتا ہے، مرض اور علاج تو منصوص ہے، مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز مصلح کرتا ہے۔ اسکے علاوہ مصلح بعض ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن کا تعلق فراست اور تجربہ سے ہے۔ چونکہ ان تدابیر کو مقصود نہیں سمجھا جاتا بلکہ ذریعہ مقصود (اصلاح باطن) ہیں اسلئے ان تدابیر کا ثبوت قرآن و حدیث سے ضروری نہ رہا،

ایسے بے فکر مولویوں کو اگر کوئی اصلاح باطن کا مشورہ دیتا ہے تو ان کا نفس امارہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ آجکل کوئی بزرگ ایسا نہیں کہ اس سے اصلاح کرائی جائے، ایسے ہی لوگوں کے بار میں حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست : تا بجوشد آبت از بالا و پست

معالج نہ ملنے کی شکایت اس کی دلیل ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور مرض کو مرض نہیں سمجھا جا رہا، امراض جسمانیہ کے علاج کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو ہر شخص معالج نظر آنے لگتا ہے مگر آخرت کی فکر نہیں اس لئے معالج نہ ملنے کی شکایت کی جاتی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہو گی کہ امراض باطنہ تو پیدا فرمادیئے مگر معالج کوئی بھی پیدا نہیں فرمایا، یا یوں تعبیر کریں کہ آخرت کی تباہی کے اسباب پیدا فرمادیئے مگر ان سے نجات حاصل کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ فرمائی، اگر یوں کہا جائے کہ جب امراض باطنہ کا علاج قرآن و حدیث میں موجود ہے تو علماء اپنا علاج خود ہی کر سکتے ہیں کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال اسلئے صحیح نہیں کہ اولاً قرآن و حدیث میں مذکور نسخوں کو صرف اہل فن ہی جانتے ہیں دوسرے علماء کی وہاں تک رسائی نہیں۔ ثانیاً جیسے امراض جسمانیہ کا علاج صرف کتب طب کے مطالعہ سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی بدو صحبت کامل کے نہیں ہو سکتا، ضرورت صحبت پر مزید دلائل بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت اور شوق وطن کی نعمت سے نوازیں۔ نفس و شیطان کے مکایذ سے اپنی حفاظت میں رکھیں فقط، واللہ العالی

۱۵ جمادی الآخرہ سنہ ۹۶ ہجری

حضرت علی حسن بصری کی ملاقات اور حضرت علی سے باطنی سلاسل کی ابتداء کی حکمت

سوال : بعض حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ملاقات



حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہوئی لیکن سلسلہ چشتیہ میں یہ لکھا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کے پیر (مرشد) تھے اور اس کی بھی وجہ تحریر فرمائی کہ صرف نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی تمام سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوئے ہیں، دونوں باتوں کا جواب تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے (تہذیب التہذیب) کسی صحابی کی کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلق فضیلت ہونیکے باوجود فتوح کی فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور کثرتِ روایت حدیث کی فضیلت حضرت ابو ہریرہ، انس، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہے۔ اسی طرح اشاعتِ علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے۔ مشہور حدیث انامدینۃ العلم وعلیٰ بابھا میں شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ فادہ و استفادہ باطنی کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر نسبی تعلق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۹ھ

### شیخ کامل کی علامات

سوال: کسی متبعِ سنت شیخ کامل کی علامات اور اس کی پہچان کیا ہے۔ کیا شیخ اور ان کے مریدین کے لئے اتباعِ شریعت ضروری ہے، اور کیا شریعت پر چلنے کے علاوہ بھی معرفت حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا اصلاح باطن اور تزکیہ نفس اتباعِ شریعت کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتا یا دونوں چیزیں اتباعِ شریعت اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے ہی پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ شریعت اور معرفت دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے شخص کے بار میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شیخ کامل کی علامات یہ ہیں :

(۱) وہ زندگی کے ہر شعبہ میں پورے طور پر متبعِ سنت ہو اور اپنے متعلقین و مریدین کو بھی ہر معاملہ میں اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید کرتا ہو۔

۱۲۔ اس کی پوری تفصیل عنوان ”حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ“ کے تحت ہے۔



(۲) امرار و اغنیاء کی بجائے صلحاء و علماء حق اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس سے عقیدت رکھتے ہوں۔

(۳) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد، آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔  
 (۴) اسکے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے والوں کی اکثریت ظاہر و باطناً شریعت کی پابند ہو۔  
 اتباع شریعت کے سوا تزکیہ نفس و اصلاح باطن کی ہرگز ہرگز کوئی صورت ممکن نہیں قال  
 اللہ تعالیٰ قل انکم تمحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم  
 وقال تعالیٰ وان هذا صراطی مستقیم فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ جو شخص  
 معرفت و طریقت کو شریعت سے الگ قرار دیتا ہے وہ ملحد، بے دین اور زندیق ہے حکومت اسلامیہ  
 پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غزۃ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

## کرامت کی پہچان

سوال: کرامت کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کیا ہر عجوبہ کرامت ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کرامت ایسے کام کو کہتے ہیں جو کسی پابند شریعت اور مکمل متبع سنت ولی اللہ سے بطور خرق  
 عادت صادر ہو۔ جو شخص مکمل طور پر شریعت کا پابند نہ ہو وہ اگر کوئی عجوبہ دکھائے تو وہ کرامت نہیں  
 بلکہ استدراج، سحر یا سمریم وغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر سنہ ۱۴۲۹ھ، بحبری

## شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

سوال: تصوف کی اصطلاحات شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا کیا مطلب ہے؟  
 کیا یہ چیزیں شریعت سے الگ ہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت احکام ظاہرہ و باطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکام باطنہ کو کہا جاتا ہے  
 اس لئے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ شریعت کے  
 تمام احکام ظاہرہ و باطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ و تشریعیہ کا انکشاف  
 ہوتا ہے یہ حقیقت ہے۔ شریعت کے اتباع اور علوم کے انکشافات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی



معرفت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اصطلاحات کے گرداب سے نکال کر اپنی معرفت و محبت عطا فرمائیں، آمین فقط واللہ تعالیٰ اعلم  
۷ رذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

## جہاد اکبر

سوال : عام طور پر مشہور ہے کہ صوفیہ کرام مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر کہتے ہیں۔ کیا اس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت ہے؟ بیٹو! تو جروا

الْجَوَابُ بِاسْمِ مَلِہِمِ الصَّوَابِ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك اخرجہ  
لبیہقی (کنوز الحقائق)

وقال صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد نفسه، رواه الترمذی وصححه اخرجہ  
الدیلمی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم غزاة فقال  
ما هم خیر و قد مات منهم من الجهاد الا صغری الجهاد الا کبر مجاہدۃ العبد هواہ (کنز العمال)  
والیہ اشار العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

قد رجعنا من جہاد الا صغریم بانہی اندر جہاد اکبریم

ان نصوص کے علاوہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد سے اصل مقصد حفاظت دین ہے  
اور وہ مجاہدہ نفس و مخالفت ہونی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور ثابت نہیں، مکمل تحقیق تتمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ  
۲ ربیع الآخر سنہ ۹۷ ہجری

## صاحب نسبت کی تعریف

بعض بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صاحب نسبت ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ بیٹو! تو جروا

الْجَوَابُ بِاسْمِ مَلِہِمِ الصَّوَابِ

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار نسبتیں ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہم مخلوق، وہ رازق ہم مرزوق،  
وہ قادر ہم مقدور، وہ مکون ہم مکون وغیرہ۔ ان نسبتوں کے استحضار اور اتباع شریعت کی  
بدولت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں  
نسبت کہا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے نسبت کی تعریف باللازم یوں فرمائی ہے ”دوام  
طاعت و کثرت ذکر“ جس شخص کو یہ دو امور حاصل ہو جائیں اسے صاحب نسبت کہتے ہیں، اللہم



اجعلنا منهم، آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۸۶ ہجری

### تشریح حال و مقام :

بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِہِمِ الصَّوَابِ

در حقیقت حال و مقام دو متقابل اصطلاحیں ہیں : المقامات مکاسب والاحوال مواہب۔  
یعنی مقام وہ ملکہِ راسخہ ہے جو کسب و ریاضت سے حاصل ہوا ہو، اسے عموماً دوام ہوتا ہے، کالتوکل والصبر  
وغیرہما، اور حال بلا اختیار پیدا ہونے والے وارد قلبی کو کہا جاتا ہے جو اکثر زائل ہو جاتا ہے، کالشوق و  
الوجد والاستغراق، مقام کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے عوام سے اس کے آثار غنی رہتے ہیں اور  
حال اکثر خلق پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ :-

حال چوں جلوہ ست زان زریبا عروس	و میں مقام آن خلوت آمد با عروس
جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز	وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز
جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس	خلوت اندر شاہ باشد با عروس
ہست بسیار اہل حال از صوفیاں	نادرست اہل مقام اندر مسیاں

بسا اوقات حال بالمعنی الاغم الشامل للمقام بھی استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الاول سنہ ۸۶ ہجری

### حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ

سوال : کتب سمار الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی لقاء حضرت علی رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلہ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا  
تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے، والا جر عند اللہ الکریم۔

الجَوَابُ بِاسْمِ مَلِہِمِ الصَّوَابِ

روایات ذیل سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لقاء و سماع ثابت ہے

(۱) قال بن سعد ولد (الحسن البصری) لسنن بن بقیة من خلافة عمر رضي الله تعالى عنه ونشأ

بوادى القرى وكان نصيحاً رأى علياً (تهديب التهذيب)

(۲) روى عن ابى بن كعب وسعد بن عباد و عمر بن الخطاب لم يدركهم وعن ثوبان وعمار بن

ياسر والى هريقة وعثمان ابن ابى العاص سمعت بن سنان ولويسم منهم وعن عثمان وعلى (تهديب التهذيب)

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت بدو سماع ہوتی تو یہاں بھی عدم سماع کی تصریح ہوتی۔



(۳) عن یونس بن عبید سأل الحسن قلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وانک لم تدركه قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیء سألنی عنه احد قبلك ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما ترى (ای فی عہد الحجج) کل شیء بمعنی اقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو عن علی بن ابی طالب غیر فی فی زمان (لا استطیع ان اذکر علیہ) (حاشیہ تہذیب التہذیب من تہذیب الکمال) اور روایات ذیل میں سماع کی نفی ہے۔

- (۱) عن قتادة والله ما حدثنا الحسن عن بدري مشافهة (تہذیب التہذیب)
- (۲) حد ثنا حماد بن زید عن ایوب قال ما حدثنا الحسن عن احد من اهل بدري مشافهة (تہذیب التہذیب)
- (۳) سئل ابو زرعة هل سمع الحسن احدا من البدییین قال راہم رؤیة رأی عثمان علیا قیل هل سمع منهما حدیثا قال لا۔ رأی بالمدينة وخرج علی الی الکوفة والبصرة ولم یلقه الحسن بعد ذلك وقال الحسن رأیت الزبیری یبایع علیا (تہذیب التہذیب)
- (۴) قال علی بن المدینی لم یر علیا الا ان کان بالمدينة وهو غلام (تہذیب التہذیب)
- (۵) وفيها ان الحسن صحب علیا وهذا باطل باتفاق اهل المعرفة فانهم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الاحنف بن قیس وقیس بن عباد وغیرہما عن علی وھكذا رواه اهل الصحيح (منہج السنة جلد ۳)

### روایات نفی کے جوابات

- (۱) پہلی دو روایتوں میں تحدیث للراوی کی نفی نہیں، مطلقاً تحدیث کی نفی نہیں،
- (۲) روایات اثبات میں سے تیسری روایت میں گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ روایت میں عمداً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہ فرماتے تھے، لہذا انکار سماع عدم علم پر مبنی ہے۔
- (۳) اصولاً نفی پر اثبات راجح ہے۔

(۴) پانچویں روایت میں مطلقاً لقاء وصحبت کی نفی مقصود نہیں بلکہ تعارض میں کی نفی مقصود ہے لکی تتحد معانی الاشارة ولا تنقضاء چنانچہ روایت رابعہ میں دونوں کے مدینہ منورہ میں بیک وقت موجود ہونے کو تسلیم کرنے کے باوجود عدم روایت کا محمل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ روایت طویلہ کی نفی مقصود ہے، اس روایت میں لفظ غلام قادر نہیں، اسلئے کہ غلام مختص بالصغیر نہیں، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراہق ہونگے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۲ھ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے، اور ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اس حساب سے اس وقت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عمر چودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونیکے باوجود اتنی عمر تک



ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم تقار و عدم سماع بہت بعید ہے۔ غرضیکہ آپ کو صحبتِ طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادہ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبتِ طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اسیں کیا اشکال ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۵ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ وحدۃ الوجود :

سوال : بعض جاہل صوفی ”ہمہ اوست“ کہتے ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیں، بینوا تو جردا

الجواب باسم ملہم الصواب

”ہمہ اوست“ مسئلہ وحدۃ الوجود کا ایک عنوان ہے جیسے کہ اصطلاح صوفیہ میں توحید، عینیت اور منظریت وغیرہ بھی اسی مسئلہ کے مختلف عنوان ہیں۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کامل ہے اور اس کے مقابلہ میں تمام ممکنات کا وجود اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہے، عام محاورہ میں کامل کے مقابلہ میں ناقص کو معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کسی بہت بڑے علامہ کے مقابلہ میں معمولی تعلیم یافتہ کو یا کسی مشہور پہلوان کے مقابلہ میں معمولی شخص کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں، حالانکہ اسکی ذات اور صفات موجود ہیں مگر کامل کے مقابلہ میں انھیں معدوم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کامل کے سامنے تمام مخلوق کے وجود کو حضرات صوفیہ معدوم قرار دیتے ہیں، حضرت شیخ سعدی نے دو مثالوں سے اسکی خوب وضاحت فرمائی ہے، ارشاد ہے ۵

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ	بتابد بشب کر کے چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغِ شب فروز	چہ بودت کہ بیروں نیایِ بروز
بہیں کا تشیں کر مک خاک زاد	جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصرِ انیم	ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

دوسری مثال بیان فرماتے ہیں ۵

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید	نخل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریا ست من کیستم !	گر ادہست حقا کہ من نیستم !
ہمہ ہرچہ ہستند از ان کمتر ند	کہ باہستیش نام ہستی برند

تقریباً اسے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی نہیں کہ سب ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے متحد ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود کامل صرف واحد ہے، بقیہ موجودات کالعدم ہیں ”ہمہ اوست“ کا بھی یہی مفہوم ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کے دربار میں درخواست پیش کرے، بادشاہ اسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں،



تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب حکام آپ سے متحد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے سب حکام کا عدم ہیں، اسی طرح عینیت اصطلاح صوفیہ میں بمعنی احتیاج ہے، اس معنی سے جملہ مخلوق عین خالق ہے یعنی اسکی محتاج ہے، پھر کبھی عینیت میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اس احتیاج کی معرفت بھی ہو، اس معنی سے صرف عارف کے لئے عینیت ثابت کرتے ہیں، پھر بعض اوقات ایک قید مزید بڑھا دیتے ہیں کہ اس معرفت میں اسقدر استغراق ہو کہ جملہ مخلوق حتیٰ کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے و بہذا المعنی قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ۵

اے یکے را روئے او شد سوئے دوست      ویں یکے را روئے او خود روئے دوست  
جاہل صوفیوں کے فتنہ سے اُمت کی حفاظت کے لئے اہل ارشاد نے وحدۃ الوجود کی اصطلاح کو وحدۃ الشہود سے بدل دیا ہے، اس میں فتنہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ ہمیں غیر کے وجود کی نفی نہیں بلکہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ جملہ موجودات میں سے شہود اور التفات صرف ایک ذات کی طرف ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ جمادی      سنہ ۱۲۹۷ھ

### تشریح فنار و بقار :

سوال : مقام فنا کے کیا معنی ہیں ؟ بتناؤ تو جو !

الجواب باسم ملہم الصواب

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے غلبہ شہود کی وجہ سے اپنی ذات و صفات سے بے خبری کو فنار کہتے ہیں۔ فنار صفات کو قرب نوافل، اور فنار ذات کو قرب فرائض کہا جاتا ہے۔ چونکہ حدیث قدسی ”وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببته کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہا ورجلہ الذی یمشی بہا“ (رواہ البخاری) میں فنار صفات کو تقرب بالنوافل پر مرتب کیا گیا ہے اسلئے صوفیہ اس درجہ کو قرب نوافل کہتے ہیں، اور فرائض کا درجہ نوافل سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں ہے ”وما تقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضنت علیہ“ اسلئے فنار ذات کو جو کہ افضل ہے فنار صفات سے فرائض کہتے ہیں پھر اس فنار کا بھی علم نہ رہے تو یہ فنار الفنا رہے جیسے کہ ناظم اپنی نوم سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔ بعض حضرات بقار یعنی فنار سے افاقہ کو فنار الفنا کہتے ہیں :-

فنا و بقا، ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ زوال و زائل کو فنا اور حدوث و فضائل کو بقا کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۹۷ھ





فکر آں باشد کہ بختاید ر به  
راه آں باشد کہ پیش آید شے (رومی)

هـ

اِسْتِثْنَاءُ اِلَاحِدُ

بشرح

فضل العالم علی العابد





## وَجْهِ تَالِيفِ

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں جامعہ اشرفیہ میں حاضری ہوئی وہاں کے ایک عالم فرمانے لگے کہ

”میرے خیال میں علماء کو ذکر و شغل اور نوافل و تلاوت کی بجائے درس

تدریس اور افتاء و ارشاد میں مشغول رہنا زیادہ ضروری ہے۔“

انھوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں حدیث ”فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم“ پڑھی بندہ نے عرض کیا کہ جو عالم ذکر و تلاوت وغیرہ عبادتِ نافلہ کثرت سے نہیں کرتا وہ اصطلاحاً شرع میں عالم ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ دلائل بیان کر دیئے، یہ قصہ عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا، نماز مغرب کے بعد وہ عالم تشریف لائے اور فرمایا کہ

”آپ کے بیان سے متاثر ہو کر میں آج اوابین پڑھ کر آ رہا ہوں۔“

میں نے کراچی واپس آ کر سفر کی روئداد میں یہ قصہ بھی ذکر کیا، اس وقت کسی صاحب نے ٹیپ ریکارڈر لگا رکھا تھا، اس میں یہ بیان محفوظ ہو گیا سننے والوں نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت کی ضرورت بیان کی، بندہ کو بھی خیال ہوا کہ

”کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم مذکور کی طرح اسے غلط فہمی میں مبتلا دوسرے

علماء کے لئے بھی اسے نافع بنادیں۔“

چنانچہ میں نے یہ مضمون ٹیپ سے نقل کروا کر استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، آپ بہت مسرور ہوئے، اس پر اپنا تاثر تحریر فرمایا اور فرمایا کہ

”دارالعلوم کے سب اساتذہ کو جمع کر کے یہ مضمون سنایا جائے۔“ حضرت مفتی صاحب

کی نظر میں اس کی استقدراہمیت ثابت ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ

قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع بنائیں۔ وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضی، آمین

رشید احمد — ۷ صفر سنہ ۱۴۰۷ھ



## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کات انثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عنایہ محترمہ مولانا رشید احمد صاحب اودہ اللہ تعالیٰ فضلاً وکمالاً کا مضمون متعلقہ حدیث  
فضل العالم علی العابد شوق سے سنا، اشار اللہ حجت کے اعتبار سے سنگین اور اثر کے اعتبار سے رنگین ہے  
یہ حقیقت ہے کہ فقہاء کرام کے ایسے اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کی کتابوں کا  
مطالعہ یا درس و تدریس قیام اللیل سے افضل ہے ان سے بہت سے اہل علم اس مغالطہ میں مبتلا  
ہو جاتے ہیں کہ تہجد اور نوافل و اوراد کو بالکل ترک کر کے سارا وقت تبلیغ و تعلیم میں خرچ کریں، لیکن  
خود حضرات فقہاء و محدثین اور تمام علماء سلف و خلف کا تعامل دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے  
کہ ان میں سے کسی نے بھی اہم نوافل تہجد وغیرہ اور اہم اذکار کو چھوڑ کر علمی خدمات کو اختیار نہیں  
کیا بلکہ علمی خدمات کے ساتھ اوراد و اذکار اور تہجد و نوافل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا ہے۔  
میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسف عین اس زمانے میں  
جبکہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور اور اسکے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے رات کو تین سو  
رکعت پڑھتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں کسی جگہ لکھا ہے (جو اس وقت  
سرسری تلاش سے ملا نہیں) کہ تعامل علماء سلف کا یہ تھا کہ دن کا وقت تو زیادہ تر علمی خدمات  
درس و تدریس تبلیغ و تعلیم یا تصنیف و فتویٰ میں صرف کرتے تھے مگر رات کا بڑا عمل ان کا  
نماز تہجد و تلاوت ہی ہوتا تھا اور حقیقت ہے کہ تعلیم و تبلیغ کی خدمت بھی مؤثر و مفید بھی ہوتی ہے  
جبکہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے لازمی اثرات اس میں موجود ہوں۔ واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۲

۱۲/۶  
۵۸۵





## قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ عَلِيٍّ أَدْنَاكُمْ

اس حدیث کے پیش نظر بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اہل علم کو نفلی عبادت کی بجائے علمی مشغلہ رکھنا چاہیے، اوّابین تہجد اور ذکر و شغل وغیرہ میں مشغول ہونا صحیح نہیں، یہ وقت علم دین کی خدمت و اشاعت میں صرف کرنا افضل ہے مگر یہ محض مغالطہ اور نفسِ شیطان کا کید ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح کی ضرورت پیش آئی۔

اوّلایہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں علم کسے کہتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ نظر شرع میں علم وہ معتبر ہے کہ جس سے خشوع و خضوع اور تقویٰ و فکر آخرت اور حساب و کتاب کا استحضار اور دنیا و مافیہا سے زہد اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، فرماتے ہیں

لَا تَمَایُ خَشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اِنَّ اِسَّ مِنْ مَعْلُومٍ هُوَا كَ عِلْمٍ سَعِ خَشِیةٌ پید ا ہونی ہے  
وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اتَّقَاكُمْ وَاَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ اَمَی اَنَا اتَّقَاكُمْ  
لَا رَفِیَ اَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ اس سے ثابت ہوا کہ زیادہ علم زیادہ تقویٰ کی مورث ہے۔ اور فرمایا:  
فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا لِيَكُنَّ لَنَا مِثْلُ  
مَا اُوْرَقَ قَارُوْنُ اِنَّهُمْ لَذُو حَیْظٍ عَظِیْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اُوْرُوا الْعِلْمَ وَیَلَكُمْ شَوَابُ اللَّهِ  
خَیْرٌ لِمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلْقٰہَا اِلَّا الصّٰدِقُوْنَ ۝ ان آیات سے جہل و علم کی حقیقت  
معلوم ہوئی کہ حیاتِ دنیا پر نظر رہنا جہل اور ثواب اللہ پر نظر ہونا علم ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ  
شَوَابُ اللَّهِ خَیْرٌ کا صرف اعتقاد حاصل ہو جانا علم نہیں بلکہ تحقیق علم کے لئے اسکا استحضار اور اس  
کے مطابق عمل ضروری ہے وَلَا یُلْقٰہَا اِلَّا الصّٰدِقُوْنَ سے اسکی مزید تاکید فرمادی، لہذا خواہ کوئی  
دنیا بھر کے علوم حاصل کر لے مگر بدوں تقویٰ کے وہ نظر شرع میں کَمَثَلِ الْجِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا  
اور ”چار پائے برد کتا بے چہنہ“ کا مصداق ہوگا، عقلاً بھی یہ امر مسلم اور بدیہی ہے کہ حقیقی علم  
معرفت خالق ہے۔ ۵



فکر آں باشد کہ بجشاید رہے      راہ آں باشد کہ پیش آید شے  
اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی صفات کی جس حد تک معرفت ہوگی اسی حد تک اسکے آثار بھی مرتب  
ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالی و جمالی کی معرفت کے بعد غلبہ شوق و غلبہ خوف اور ان کے  
آثار کا ترتیب لازمی ہے، دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ تقویٰ اور خشوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اسکی  
تحصیل کے قرآن کریم نے مختلف مواضع میں متعدد طریقے بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ  
أَنَّهُم مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ اس مضمون کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی الآخرۃ  
موقوف ہے زہد عن دنیا پر، کیونکہ تخلیہ بلا تخلیہ ناممکن ہے؟

حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۵

آینت دانی چند انما ز نیست      زانکہ زنگار از رخسار نیست  
رو تو زنگار از رخ او پاک کن      بعد زیں این نور را ادراک کن

اور زہد عن دنیا نام ہے ازالہ حُب دنیا کا جو شامل ہے حُب مال و حُب جاہ کو۔ پس فرماتے ہیں  
کہ حُب مال کا علاج صبر یعنی ترک لذات و شہوات سے کرو، اسلئے کہ تحصیل لذات کے لئے مال کی  
ضرورت پڑے گی تو مال کی طلب بڑھے گی، لہذا نفس کو ترک لذات کا عادی بناؤ تاکہ مال کمشیر  
کی ضرورت نہ پڑے قال البوصیری ۵

التفسر کل لطف لطف ان قلم شب علی      حب الرضاع وان تفضمه یفطم

اور حُب جاہ کا علاج نماز سے کرو، اس لئے کہ نماز میں سراسر عجز و انکسار ہے اور نماز کی گرائی کا  
علاج خشوع یعنی سکونِ قلب ہے، اس طرح کہ اعضاء کی حرکات قلب کی حرکات (خیالات و ارادات)  
کے تابع ہیں، اسلئے نماز میں سکون اعضاء کی قیود (یعنی چلنے پھرنے بولنے دیکھنے کھانے پینے سے  
مانعت) اسوقت تک گراں معلوم ہونگی جب تک قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا اور سکونِ قلب  
(خشوع) حاصل کرنیکا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے لقاء اور حساب و کتاب، جزاء و سزا  
کا مراقبہ کرتے رہا کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كُفِّرْ لَكُمْ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا  
تَنُحِلُّ كُلُّ مَرْضَعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ  
سُكَرَىٰ وَهَمٌّ بِسُكَرَىٰ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝



يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَارْخُشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلَاٌ هُوَ جَارٌ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ ان دونوں آیتوں میں تقویٰ کا امر فرما کر اس کی تحصیل کا طریقہ بیان فرمایا کہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا مراقبہ کیا کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ اس میں تحصیل تقویٰ کے لئے باری تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کے مراقبہ کا حکم فرمایا۔

لَئِنْ لَحِطَ الْخَيْرُ لَنَكِيدُ ۚ فَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۚ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۚ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ۚ اس میں حبِّ مال کا علاج یہ بیان فرمایا کہ حشر اور حساب و کتاب کا مراقبہ کیا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور فکرِ آخرت پیدا کرنے کے لئے مراقبہ موت کی تعلیم فرمائی۔

أَكْثَرُوا مِنَ ذِكْرِ هَازِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ -

کفی بالموت واعظًا - زور و ہما (القبور) فائز ہما تندرۃ الآخرۃ -

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ۚ میں مراقبہ ذاتِ حق کا حکم فرمایا، حقیقۃً بالمرءِ أَنْ يَكُونَ لَمْ يَجَالِسْ يَخْلُو فِيهَا وَيَكُونُ ذُنُوبُهُ فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ مِنْهَا (ہب) سے محاسبہ کی تاکید فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ لَعَلَّ ۚ یہاں تقویٰ اختیار کرنے کے لئے محاسبہ اعمال کا حکم فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۚ اس آیت میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہ پڑو، یعنی کثرتِ صحبتِ صادقین۔

أَلَا بَدَأَ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۚ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ ذکر اللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور اوپر آئیہ کریمہ وَاسْتَجِيبُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکونِ قلب سے نماز سہل ہو جاتی ہے، جس سے حبِّ جاہ زائل ہوتی ہے جس سے فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے، ذکرِ اللہ خَالِيًا فَقَاضَتْ عَيْنَاهُ، یعنی جو شخص خلوت میں ذکر اللہ کھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالیٰ ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جبکہ اگرگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور



پسینوں میں ڈوب رہے ہونگے۔ غرضیکہ مراقبہ، محاسبہ، صحبت اولیاء اللہ اور کثرتِ ذکر سے علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے جس سے تقویٰ، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے اسلئے کثرتِ ذکر کا حکم دیا گیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

وَإِذْكُرْ بَلَدَكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝

وقال العارف الشروحي رحمه الله تعالى ۝

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن

فکر گر جامد بود رو ذکر کن

ذکر آرد فکر را در اہتزاز

ذکر را خورشید ایں افسر ساز

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرتِ ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبتِ اولیاء اللہ پر، سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم و عرفان سے آپ کا تخلیہ فرمایا گیا۔ پس ابتداءً تو یہ اذکار و اشغال مرضِ جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج کے ضروری ہیں، مگر جب ان کی بدولت علم اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ و خشوع کی نعمت مل جاتی ہے تو یہ اذکار و اشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی مرض کے لئے ایفون یا تمباکو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہو جائے مگر خود ایفون یا تمباکو کی عادت کالا علاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہا بن روح بن جائے۔ ابتداءً میں انسان علاج کے طور پر بادلِ نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار و اشغال انسان کو ایسے پکڑتے ہیں، کہ ان سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے ۝

مکتبِ عشق کا دنیا سے نرالا دستور

اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے حضرت مجذوب فرماتے ہیں ۝

اب تو چھوڑے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا

حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار و اشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعہ مقصود ہیں، اور اذکار ذریعہ مقصود ہونے کے علاوہ بذاتِ خود بھی مقصود ہیں۔ ارشاد ہے :

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ ۖ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحِلَّتِ قُلُوبُهُمْ ۖ



وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝

اللَّهُ تَعَالَى أَحْسَنَ الْوَحْيِ كَيْسًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي تَفْشِيرُهُ مِنْهُ مَجْلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ سَخَّرَ لَيْنِ مَجْلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَوْشُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا أَيْسَلَهُ عَلَيْهِمْ يَخْرُجُونَ لِلْذِّكْرِ فَإِنْ سَجَدَ اللَّهُ وَ يَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخْرُجُونَ لِلْذِّكْرِ فَإِنْ يَبْكُونَ وَ يَزِيدُ هُمْ خَشْيَةَ اللَّهِ

إِذَا تَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا ذَوِّبِكِيًّا ۝ السَّجْدَةُ  
یعنی کثرتِ ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقتِ قلب طاری ہو جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سن کر ان کے قلوب پر زلزلہ آنے لگتا ہے، وریدوں کا خون گر جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں روتے ہوئے بسیاقتہ سمجھے میں گر جاتے ہیں اور آنکھوں سے سیلِ اشک جاری ہو جاتا ہے جو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی جاری ہیں ۵

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے اے سیلِ اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے ۵  
از حال خود آگے نیم جزایں قدر دائم کہ تو

ہر گہ بخاطر بگذری اشکم ز داماں بگذرد

محبوب حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرتِ ذکر، کثرتِ صلوٰۃ اور قیامِ لیل کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار دہرایا ہے، فرماتے ہیں۔  
يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ یعنی قیامت کی ہولناکیوں کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

يُؤْمِنُونَ مَا آتَاؤُا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ ۝ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور دُرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں۔  
يَسْتَتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

اس میں اولاً مادہ قلت ثانیاً اس کی تعمیر لتقلیل ثالثاً من تبعیضیہ رابعاً ماکیدیہ لاکر کس شان کے ساتھ ان کے قیامِ لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی



عبادت نہ کر سکے۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے تو اس پر استغفار کرتے ہیں ۵

نیکیاں یا رب مری بد کاریوں سے بد ہوئیں وہ بھی رُسوا کُن ترے دربار میں بیحد ہوئیں  
یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی اپنے کو قصور دار ہی سمجھتے ہیں ۵  
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ، یعنی کثرتِ ذکر و مراقبہ قدرت میں لگے رہتے ہیں۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ الْأَنَاءِ اللَّيْلِ سَاجِدًا ۚ وَأَقَامِ اللَّيْلَ حَذَرَ الْآخِرَةِ وَيَرْجُوا رَحْمَةً  
رَّبِّهِ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ  
الْأَلْبَابُ ۝ اس میں اہل علم اسے کہا گیا ہے جو رات کو خشوع و خضوع اور خوف ورجا کی  
حالت میں کثرت سے نوافل پڑھے، بلکہ آیت ذیل کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں  
میں غلبہ خشیت، خشوع و خضوع، کثرتِ ذکر، کثرتِ قیام بیل نہیں وہ مؤمن ہی نہیں۔  
لَا تَمَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

لَا تَمَّا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا ۚ وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ  
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۚ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا  
وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ ان آیات میں انما کلمہ حصر ہے، یعنی جب تک صفات مذکورہ  
نہ پائی جائیں گی ایمان کا وجود ہی نہیں ہو سکتا، ان آیات کے ظاہر اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے لے کر آج تک رجال اللہ کے تعامل سے کثرتِ ذکر و قیام بیل کی فرضیت بلکہ شرطِ ایمان ہونا  
مفہوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) ضابطہ کا فرض (۲) رابطہ کا فرض  
مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کے علاج کے مصارف اور بیوی کے ذمہ شوہر کی خدمت ضابطہ  
شرعیہ میں فرض نہیں، مگر رابطہ کی حیثیت سے یہ ایسا اہم فریضہ شمار ہوتا ہے کہ اس میں کوتاہی  
کرنے والے شوہر یا بیوی کو زوجیت کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ ضابطہ کی رو سے یہ میاں  
بیوی ہیں، اسی طرح ضابطہ کی رو سے اگرچہ کوئی شخص مسلمان ہو مگر مسلمان کہلانے کے لائق اور  
رابطہ کا مسلمان تب بنے گا جب رابطہ کے فرائض و شرائط (خشوع و خضوع کثرتِ ذکر و



قیام میل) کو ادا کریگا۔ اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مراقبہ، محاسبہ، خشوع و خضوع، کثرت ذکر و قیام میل متحقق نہ ہوگا، اس وقت تک عالم بننا تو درکنار صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں بن سکتا، اب حدیث کا مطلب واضح ہو گیا کہ عالم سے مراد وہ ہے جو نظر شرع میں عالم ہو اور کامل مومن ہو۔ یعنی کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقت علم اور کمال ایمان کے لئے شرط ہے، جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، ورنہ وہ عالم ہی نہیں بلکہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے مومن کہا جائے اگرچہ حقیقت میں مومن ہو، پس عالم سے مراد وہ شخص ہے جو کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقت علم کے لئے موقوف علیہ ہے اور زیادہ وقت مشاغل علمیہ میں صرف کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ ہے جو درجہ موقوف علیہ سے بھی زیادہ عبادت کرتا ہو اور علم بقدر ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کیا ہو، پس دونوں عالم بھی ہیں اور عابد بھی، فرق اتنا ہے کہ ایک علم بقدر ضرورت یعنی بقدر فرض عین حاصل کر کے فرض کفایہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے کثرت عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے اور دوسرا عبادت بقدر ضرورت (جو حقیقت علم و کمال ایمان کے لئے موقوف علیہ ہے) کرتا ہے، اور علم سے فرض کفایہ کا درجہ بھی حاصل کر لیتا ہے حقیقت علم منکشف ہونیکے لئے دردمحبت کی ضرورت ہے ۵

در درون خود بیفزا در دریا تا بسینی سبز و سرخ و زرد را

اس درد کی بدولت ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ عقل خیرہ رہ جاتی ہے ۵

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

جو لوگ اس لذت درد سے نا آشنا ہیں ان کو حقیقت علم کی کیا خبر ۵

تو ندیدی گئے سلیمان را چہ شناسی زبان مرغال را

آگاہ نہ تپ درون را نشر چہ زنی رگ جنوں را

ان کو تو خود پرستی محبوب حقیقی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی ۵

اے قوم بھج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۵

صد ہزاراں فضل دارد از علوم جان خود را مے نہ داند این علوم

جان جملہ علمہا این ست داین کہ بدانی من کیم در یوم دین

ایہا القوم الذی فی المدارس کلے ما حصلتموہ و سوسہ



علم نبود الا علم عا شقی ما بقی تلخیص ابلیس شقی  
خدمتِ علم دین کا بہانہ بنا کر عبادت سے جی چُرانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اور آج تک رجالِ  
اُمت کے سلسلہ کا طرزِ عمل دنیا کی آنکھوں سے اوجھل کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ تو بزعم خود صرف علمِ نبی  
کے محافظ و مبلغ ہی ہیں، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر تو مبلغ ہونے  
کے علاوہ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، پھر ان نفوسِ قدسیہ میں جذبہ تبلیغ و احساسِ فرائض کی  
کس حد تک تھا، یہ ہمارے وہم و گمان سے بھی خارج ہے۔

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ قوم نیام تسلاوا عنہ بالحلم  
معہذا آپ قیام لیل کس حد تک فرماتے تھے، کمر باندھ لیتے، احیاء لیل فرماتے، پاؤں  
متورم ہو جاتے اور کثرت سے نفل روزے رکھتے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے،  
آپ نے یہ خیال کیوں نہ فرمایا کہ کثرتِ نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغِ علم دین اور نظم و اقامت  
حکومت میں ہی صرف کرنا چاہیے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے چالیس سال تک مسلسل عشاء  
کے وضو، سے فجر کی نماز پڑھی، ایک قرآن پاک روزانہ ختم فرماتے تھے، علامہ برہان الدین  
مرغینانی مصنف ہدایہ نے تیرہ سال تک مسلسل روزہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا،  
کیا آپ کا جذبہ حفاظت و اشاعتِ علم دین ان مقدس رستیوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ مثال  
کے طور پر ان دو رستیوں کا ذکر کر دیا، ورنہ اس سلسلہ کے ہر فرد کی یہ کیفیت ہے۔

زفسر ق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست  
ایک مرتبہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ اپنے استاذ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں  
مہمان ہوئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کی صاحبزادی نے مہمان کی دیگر ضروریات کے ساتھ تہجد  
کے وقت وضو کے لئے پانی بھی رکھ دیا، صبح کو جب دیکھا کہ پانی ویسے ہی رکھا ہے تو حضرت  
امام شافعی رحمۃ اللہ سے یوں شکایت کی کہ ”طالب علم لیں لحظہ فی الصلوٰۃ“ یہ کیسا طالب علم ہے  
جسے تہجد کی بھی توفیق نہیں ہوتی؟ ایک جلیل القدر امام کی صاحبزادی کا یہ جملہ مدعیانِ علم کے لئے  
تاریانہ عبرت ہے، امام شافعی کے دریافت فرمانے پر امام احمد رحمۃ اللہ نے عرض کیا کہ رات  
آپ کے ہاں جو کھانا کھایا ہے اسکے انوار اس قدر محسوس ہوئے کہ رات بھر عبادت میں گزری  
ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت نہیں ہوئی، لہذا وضو کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ماضی قریب



میں ہی ایسے رجال گزرے ہیں کہ امت مسلمہ پر کوئی دینی یا دنیوی ادنیٰ سی آفت بھی انکو پریشان کر دیتی تھی، جس سے ان کی نیند غائب اور آرام کا فور ہو جاتا تھا، ایک درد تھا جو کسی وقت چین نہ لینے دیتا تھا ان کے جذبہ اشاعت دین کی مدعیان حفاظت علم کو تو ہوا بھی نہیں لگی، ایک طرف جہاد، وعظ و تقریر، تبلیغ و اشاعت، تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف کے میدان میں یہ حضرات سباق تھے، دوسری طرف مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر و شغل، نوافل و قیام یل میں ممتاز اور امراض باطنہ کے طبیب حاذق تھے، ایک جانب بلا واسطہ علم نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد اور مواعظ و ملفوظات و تصانیف سے مستفید ہونے والے کروڑوں افراد اور دوسری جانب ان کے مطب روحانی سے صحتیاب ہونے والے اور نور نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ان حضرات نے فقہ، قرآن، حدیث، علوم نقلیہ و عقلیہ، ظاہرہ و باطنہ کی ایسی گتھیاں سلجھائی ہیں کہ مدعیان علم و فراست سمجھانے پر بھی نہ سمجھ سکیں، مدعیان حفاظت و اشاعت علم ان عشاق کی تبلیغ و اشاعت دین جیسا کوئی دنیا سا نمونہ تو پیش کریں ۵

اولیک اسلام فی فجئنی بمثلہم اذا جمعتنا یا عنید المجمع  
حقیقت یہ ہے کہ جب تک تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا، اس وقت تک تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا ہی نہیں ہو سکتا، آج کل خطرناک ضلالت یہ ہے کہ علم حقیقی کا مدعیان علم مذاق اڑانے لگے ہیں اور اپنے حلقہ اثر کو اس سے روکتے ہیں ۵

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زمن معذور دارست کہ تو اور اندیدہ  
خواجہ پندارد کہ دارد حاصل حاصل خواجہ بجز پندار نیست  
عوام کا لالعام کی واہ واہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے، عوام کی عقیدت اور دست بوسی پر عجب و پندار کوتاہ نظری اور مہلک ہے، کسی صاحب نظر سے تشخیص کروائیے ۵

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتوان گشت بتصدیق خرے چند  
ہمیں کستی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے  
یہ لوگ بصورت علم و بحقیقت جہل کے پندار میں مبتلا ہیں ۵  
ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے  
یہ علم کی لذت اور اہل دل کے سوز و گداز کو کیا جانیں ۵



لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کج بخت تو نے پنی ہی نہیں  
ع ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تاناہ چشتی

چوں دل بھر ننگائے نہ بستہ اس ماہ ترا سوزِ درون و نیاز ماچہ خبر؟  
اہل انصاف کے لئے اسی قدر مسمون کافی ہے، چنانچہ ایک معروف اہل علم جو اس غلط فہمی  
میں مبتلا تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس مضمون کا صرف خلاصہ سُنتے ہی انھوں نے واہین و  
اشراق وغیرہ نوافل شروع کر دیئے اور اہل اعتساف کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کرتا ہوں  
بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگزار تا بمیرد و رنج خود پرستی  
تو و طوبے و ما و قامت یار فکرم ہر کس بقدر ہمت اوست  
آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حقیقی کی دولت سے نوازیں  
زہد زاہد را و دیں دیندار را ذرۂ دردت دل عطار را  
اللہم متورقو بنایہ نور معرفۃک بعدا - آمینے -

رشید احمد

اوائل ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۵ھ

تکمیلہ :

کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ علماء کے لئے تدریس تبلیغ، افتاء اور تصنیف جیسی متعدی خدمات انجام دینا  
فرض کفایہ ہے اور ذکر، شغل، مراقبہ و محاسبہ وغیرہ عبادات نافلہ ہیں اور فرض کی اہمیت و ثواب لقل سے زیادہ ہے، پھر میں  
علماء کو کثرتِ ذکر و فکر کی تبلیغ کیوں کرتا ہوں؟ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب،

میں نے نصویر قرآن سے ثابت کیا ہے کہ جو عالم عبادت نافلہ اور ذکر و فکر کی کثرت نہیں کرتا وہ نظر شرعی میں عالم تو درکنار  
مومن کہلائے کے لائق بھی نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے اور  
بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر علماء امت کا تعامل یہی چلا آیا ہے کہ وہ اشاعتِ دین کی متعدی خدمات کے  
ساتھ اپنے اوقات کا بڑا حصہ عبادت نافلہ اور ذکر و فکر میں صرف فرماتے تھے، علماء آبدین اس پر غور فرما کر جواب دیں،

تحقیقی جواب،

دوسروں کو تبلیغ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرض کفایہ ہے، مگر اپنی اصلاح فرض عین ہے، اصلاح کا



مطلب یہ ہے کہ معاصی ظاہرہ و باطنہ سے احتراز کیا جائے اور یہ موقوف ہے ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ کے اہتمام پر۔ پس فرض عین کا موقوف علیہ بھی فرض عین ہوگا، ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ اور صحبت کامل کے معتمد یہ درجہ کے سوا معاصی سے بچنے کی فکر ہی نہیں ہوتی، بلکہ معاصی باطنہ میں سے اکثر کا تو علم اور احساس ہی نہیں ہوتا، کسی مرض کا کچھ احساس ہو بھی تو وقت پر اس کا استحضار نہیں ہوتا اور استحضار بھی ہو تو اس سے بچنے کی فکر اور علاج کا خیال نہیں ہوتا، لہذا ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور کسی کامل کی صحبت کا کم از کم وہ درجہ فرض ہے جو معاصی ظاہرہ سے حفاظت کے ساتھ معاصی باطنہ سے بھی پاک کر دے، رذائل سے تخلیہ اور فضائل سے تخلیک موجب ہو، اس مقصد میں کامیابی کے بعد بھی ذکر و فکر کے اس درجہ کا التزام اس لئے ضروری ہے کہ اس میں غفلت سے امراض کے غم و کا سخت خطرہ ہے،

مزید بریں ذکر و فکر کے درجہ مذکورہ پر اضافہ بھی لازم ہے اس لئے کہ اس کے قلب کی صلاحیت بڑھتی ہے، محبت و اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور محبت و اخلاص میں جس حد تک ترقی ہوگی اسی درجہ میں اعمال کے اجر اور دوسروں کو تبلیغ کے اثر میں اضافہ ہوگا اور علم میں نور اور تصنیف و تالیف میں برکت ہوگی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے بعد اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جیل اعد کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے وہ متقدمین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک نمبر (۵۸۳ گرام) جو بلکہ اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا، فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ اس سے بھی کم ہے اور غیر صحابی کا درجہ ادنیٰ صحابی سے بھی بہت کم ہے، اس حدیث میں لفظ "صحابی" سے ثابت ہوا کہ کثرت مجاہدہ کے علاوہ صحبت بھی زیادہ اجر کا باعث ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدلت ان کے قلوب میں جو صلاحیت اور محبت و اخلاص تھا وہ غیر میں نہیں ہو سکتا، اس سے ثابت ہوا کہ قلب کی صلاحیت کے اجر میں اضافہ اور کام میں برکت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء عابدین کے کام اور تبلیغ میں جو برکت ہے وہ آبدین میں نہیں اور فرق اجر کا مشاہدہ آخرت میں ہوگا، بلکہ اہل بصیرت کو اس کا اثر دنیا میں بھی مشاہدہ ہے۔

اللهم ارزقنا حبك وحب من يحبك وحب عمل يقرب الى حبك، اللهم اجعلنا ممن

يعبدك كأنه يراك آمين

رشید احمد

۲ رجاء دی الدلی منکلمہ



- (بقیہ صفحہ ۱۹)
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
  - قربانی کا وجوب
  - القول الاظهر فی تحقیق مسافۃ السفر
  - القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
  - القول الصدوق فی بیح المحقوق
  - القول الصواب لہدایۃ المراتب (نا یاب)
  - القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
  - القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوین
  - القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولوبا الصیین
  - القید المراد بالعرف لا یزاد
  - کارخانہ کے منافع میں مزدوری کی شرکت
  - کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
  - کشف الغبار عن مسأله سوء الاختیار
  - کشف الغطار عن حقیقۃ اختلاف العلماء
  - الکلام البدیع فی احکام التوزیع
  - گائے کی قربانی میں ایک شخص کے ذوق حقے
  - لمعات المصابیح فی رکعات الترویج
  - مجال التحریر لخیال الزمہریر
  - مرقبہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
  - مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
  - المشرق فی علی المشرقی
  - المشکوۃ لمسأله المحاذاة
  - المصابیح الغرار للوقایۃ عن عذاب الغنار
  - المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانين العائلیۃ
  - معجم علوم والکتب لمصنفین (نامکمل)
  - المقالة البیضاء فی العمائم السوداء
  - المقالة المستقیمۃ للسائل عن حکم البیۃ
  - منکرات اہل مدارس و اہل ثروت
  - منکرات تبلیغ و خالقہ و سیاست
  - منکرات رمضان و تراویح و عیدین
  - منکرات شادی و غمی
  - منکرات مجالس دینیہ و مبلغین و واعظین
  - منکرات محرم
  - منکرات مساجد و اوقاف
  - منکرات معاشرہ
  - مودودی صاحب اور تخریب اسلام
  - النجۃ فی مسأله الجمعۃ والخطبۃ
  - النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحيوان
  - نماز میں اغلاط العوام والنحواس
  - نوافل کی جماعت
  - نوٹوں کا مبادلہ اور ہنڈی
  - نیل السعاده بالاقتدار فی الصلوۃ المعادۃ
  - نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
  - نیل المارب بخلق الشوارب
  - نیل المرام بالتزام التکبوت عند قرآنہ الامام
  - النوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
  - وطن الارحام یبقی ببقار الاثقال
  - الہدایات المفیدۃ لتنزیہ
  - المدارس من العلوم بالجدیدۃ
  - ہدایۃ مراتب فی فرضیۃ الحجاب



## محمد احمد کا ”درس قرآن“ پر ہنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجی تھی کہ اگر آپ ”درس قرآن“ سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھ دی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھ دیے تو میرا مقصد پورا ہو گیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سُننا بالکل بند کر دیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کر رہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

- ① مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔
- ② میں نے ”درس قرآن“ پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کر دیا اور میرے نام سے اُمت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔
- ③ میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب زید مجدہ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کر دی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کر دیا۔
- ④ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

”محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ اظہار رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کر دیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے ”درس قرآن“ پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعہ رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔“

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہو گیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

- ⑤ اگر یہ معاملہ حضرت حکیم (الامۃ قدس سرہ) کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگا کر کتاب



- (بقیہ صفحہ ۱۹)
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
  - قربانی کا وجوب
  - القول الاظهر فی تحقیق مسافۃ السفر
  - القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
  - القول الصدوق فی بیح المحقوق
  - القول الصواب لہدایۃ المراتب (نا یاب)
  - القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
  - القول المبرر فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن
  - القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصنین
  - القید المراد بالعرف لا یزاد
  - کارخانہ کے منافع میں مزدور کی شرکت
  - کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
  - کشف الغبار عن مسأله سوء الاختیار
  - کشف الغطار عن حقیقۃ اختلاف العلماء
  - الکلام البدیع فی احکام التوزیع
  - گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
  - لمعات المصابیح فی رکعات التراويح
  - مجال التحریر لخیال الزمہریر
  - مرقبہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
  - مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
  - المشرق فی علی المشرقی
  - مشکوٰۃ لمسأله المحاذاة
  - المصابیح الغرار للوقایۃ عن عذاب الغرار
  - المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانين العائلیۃ
  - معجم علوم والکتب لمصنفین (نامکمل)
  - المقالة البیضاء فی العمامة السوداء
  - المقالة المستقیمۃ للسائل عن حکم البیۃ
  - منکرات اہل مدارس و اہل شریعت
  - منکرات تبلیغ و خالقہ و سیاست
  - منکرات رمضان و تراویح و عیدین
  - منکرات شادی و غمی
  - منکرات مجاس دینیہ و مبلغین و واعظین
  - منکرات محرم
  - منکرات مساجد و اوقاف
  - منکرات معاشرہ
  - مودودی صاحب اور تخریب اسلام
  - النجۃ فی مسأله الجمعۃ والخطبۃ
  - النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحيوان
  - نماز میں اغلاط العوام والنحواس
  - نوافل کی جماعت
  - نوٹوں کا مبادلہ اور ہندی
  - نیل السعاده بالاعتدال فی الصلوۃ المعادۃ
  - نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
  - نیل المارب بخلق الشوارب
  - نیل المرام بالتزام السکوت عند قراۃ الامام
  - النوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
  - وطن الارحام یبقی ببقار الاثقال
  - الہدایات المفییدۃ لتنزیہ
  - المدارس من العلوم بالجدیدۃ
  - ہدایۃ مراتب فی فرضیۃ الحجاب



## محمد احمد کا ”درس قرآن“ پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیج دی تھی کہ اگر آپ ”درس قرآن“ سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھ دی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھ دیے تو میرا مقصد پورا ہو گیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سُننا بالکل بند کر دیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کر رہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

① مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔  
② میں نے ”درس قرآن“ پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کر دیا اور میرے نام سے امت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

③ میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب زید مجدہ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کر دی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کر دیا۔

④ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

”محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ انہوں نے رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کر دیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے ”درس قرآن“ پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعہ رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔“  
ان حضرات کی مانعت کا علم بلا تجسس ہو گیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

⑤ اگر یہ معاملہ حضرت حکیم (الہامہ قدس سرہ) کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگا کر کتاب



شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علماء کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے اُمت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علماء کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درنہ ان کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ ایسے شخص کو توبہ اور ان علماء کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے افراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

⑥ اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر ۵ میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالت شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تنزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

④ سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علماء کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریق اصلاح سے متعلق علماء کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علماء کی تحریریں دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔

⑧ مؤلف علماء کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مستلم علماء میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف و غیر مستلم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد  
دارالافتاء والارشاد ناظم آباد  
ہجری ۱۴۱۲ء

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف  
سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں  
اللہ کی عذابت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں





دوست دشمن سب ترے مجھ ذوقِ قائل ہیں مگر  
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے  
ذوقِ

# انوار الشیخ

فقیہ العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم  
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لمعیانوی دہلی کلکتہ

کے  
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات  
جنکے مطالعہ سے ہیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم  
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی آرٹسٹ منزل کراچی  
پاکستان چوک



شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علماء کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے اُمت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علماء کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درنہا اُن کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ ایسے شخص کو توبہ اور ان علماء کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورت انکار سلسلہ سے افراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

⑥ اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر ۵ میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالت شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تنزیہ اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

④ سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علماء کو جاہل مفتسین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریق اصلاح سے متعلق علماء کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علماء کی تحریریں دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔

⑧ مؤلف علماء کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مستم علماء میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف و غیر مستم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد  
دارالافتاء والارشاد ناظم آباد  
۱۴ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ھ ہجری

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی محنت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔





دوست دشمن سب تھے مجذوب قائل ہیں مگر  
کوئی قائل ہے زبان سے کوئی قائل دل میں ہے  
مُذَوَّب

# انوار الشہید

فقیر العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم  
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لمعیانوی دہلی کلتم

کے  
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات  
جنکے مطالعہ سے ہمیشہ لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم  
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید پبلی کیشنز  
ادب منزل کراچی  
پاکستان چوک